



فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

لَمَّا شَفَاءَ الْعِجِّ السَّوَالِ ﴿١٧٠﴾

أَسْنُ الْفَتَاوَى

بِحَرْفِ مَبْرُورَاتٍ وَتَحْرِيزِجَاتٍ فَرِاضِ مَسَائِلٍ غَيْرِ مَهْمَةٍ

جلد ۸

(۱۸)

فَقِيْهُ الْعَصْرِ مَفْتِيْ عَظِيْمٍ مَفْتِيْ رَشِيْدٍ اَحْمَدُ صَا حَمْدُ اللّٰهِ تَعَالٰی

(وَلَا تَقْسِمُ كُنْتُمْ كَانُ)

اَلْحَرَامِ سَعِيْدُ كَمِيْنِ

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

کتبہ مکتبہ فاروق سنٹر

نام کتاب ——— احسن الفتاویٰ

جلد ——— ہشتم

زیر اہتمام ——— ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ——— ۵۷۰ صفحات

کتابت ——— محمد فاروق خطاط کراچی

تعداد ——— ایک ہزار

پرسیں ——— ایجوکیشنل پرسیں کراچی

سن طبع ——— سنہ ۱۳۱۸ھ

طبع چہارم ——— ۱۳۲۵ھ

(ملنے کا پتہ) ———

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پارک نناچوک کراچی

فہرست مضامین احسن الفتاویٰ جلد ہشتم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۴	اخبار میں آیات قرآن و بسم اللہ لکھنا	۱۳	کتاب المحظور والاباحتہ
۲۵	روپیہ پر قرآنی آیت لکھنا	۱۴	قرآن مجید کتب مبارکہ و اشیاء مقدسہ کے احکام
۱۱	بلاد و ضو کتب قرآن	۱۵	جن کاغذوں پر آیات قرآنیہ لکھی ہوں { ان میں پڑیاں باندھنا جائز نہیں } پھٹے پرانے قرآن مجید کا جلانا جائز نہیں
۲۸	پروردہ و دیگر متعلقہ مسائل	۱۶	کتب حدیث کے بوسیدہ اوراق کا جلانا
۱۱	خواتین کا معافقہ کرنا	۱۷	بچوں کو خلاف ترتیب قرآن کی تعلیم دینا
۱۱	عورت کا بازار سے سامان لانا	۱۸	ذکر اللہ کو کسی دوسرے مقصد کے لئے آگہ بنانا جائز نہیں { آیات قرآنیہ خون سے لکھنا
۱۱	چست لباس پہننا جائز نہیں	۱۹	بھنگی کو زمرم کا پانی دینا
۲۹	محرم دلی عورت کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں	۲۰	آیات قرآنیہ کے کتبے چومنا
۳۰	نابالغ محرم کے ساتھ سفر کرنا	۲۱	قرآن مجید قبرستان میں لے جا کر پڑھنا
۳۱	اجنبی سے چوڑی پہنوانا	۲۲	کتب حدیث و فقہ پر ٹیک لگانا
۱۱	عورتوں کا انتخابات میں حصہ لینا	۲۳	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر "م" لکھنا
۳۲	حاملہ بالزنا سے صحبت جائز ہے	۲۴	اخبار میں لکھی ہوئی آیات قرآن کو بے وضو چھونا { فعل شریف کی تمثال چومنا
۱۱	عورتوں کے لئے اسکول کی تعلیم جائز نہیں	۲۵	قرآن مجید مسقف زینہ کے نیچے رکھنا
۱۱	عورت کو ڈاکٹری تعلیم دلانا	۲۶	بلندی پر رکھے ہوئے قرآن مجید کی طرف پاؤں پھیلانا { مکان و دکان وغیرہ میں قرآنی آیات آویزاں کرنا
۳	عورت کو لکھنا سکھانا	۲۷	
۳۵	ہیچڑے سے پردہ	۲۸	
۱۱	سرسے پردہ	۲۹	
۳۶	داماد سے پردہ	۳۰	
۱۱	پردہ فرض ہونے کی عمر		
۳۹	عورتوں میں یڈن پردہ و عظم کھانا جائز نہیں		
۱۱	بہنوئی سے پردہ فرض ہے		
۴۰	اجنبیہ سے بات کرنا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۱	عمامہ بغیر ٹوپی کے جائز ہے	۴۱	غیر محرم کو سلام کرنا
۶۲	شادی کے موقع پر گپٹری باندھنے کا التزام	۴۲	اثر ہوسٹس سے بات کرنا
۶۸	بیوی کا شوہر کے لئے سرخی لگانا	۴۳	بغرض علاج عورت کی شرمگاہ دیکھنا
۶۹	محارم کے سامنے بناؤ سنگار کرنا	۴۴	غیر محرم سے تجوید دیکھنا
۷۰	مرد کا دندا سا استعمال کرنا	۴۵	سند دئی سے بات کرنا
۷۱	مرد کے لئے انگوٹھی کا حکم	۴۶	بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لینا
۷۲	عورت کے لئے زیور اور انگوٹھی کا حکم	۴۷	زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا
۷۳	مرد کے لئے سونے چاندی کے بٹن	۴۸	عورت کا تفریح کے لئے نکلنا
۷۴	بیوی پار جا کر میک اپ کرنا	۴۹	عورت کا ڈرائیور کے ساتھ
۷۵	شرعی پاجامہ پہننا جائز نہیں	۵۰	تنہا گاڑی میں بیٹھنا
۷۶	غیر شادی شدہ عورت کو	۵۱	عورت کا گھر میں ننگے سر رہنا
۷۷	چوڑیاں پہننا جائز ہے	۵۲	مخطوبہ کو دیکھنا
۷۸	بالوں کے احکام	۵۳	خواتین کا تبلیغی جماعت میں نکلنا جائز نہیں
۷۹	ڈاڑھی منڈانا اور کٹنا دوسرے	۵۴	جامعات البنات کا حکم
۸۰	گناہوں سے بدترین گناہ ہے	۵۵	خواتین کی مجلس و عظیم میں شرکت
۸۱	ڈاڑھی کی توہین کفر ہے	۵۶	احکام لباس و زینت
۸۲	عورتوں کا جوڑا باندھنا	۵۷	مردوں کے لئے ممنوع رنگ
۸۳	مصنوعی بال لگانا	۵۸	زعفرانی رنگ کا ازار بند
۸۴	عورت کا چہرے کے بال صاف کرنا	۵۹	سیاہ رنگ کا لباس
۸۵	گردن کے بال منڈنا جائز ہے	۶۰	پتلون پہننے کا حکم
۸۶	ڈاڑھی پیدا کرنے کے لئے استرا چلانا	۶۱	چاندی کے تار والا کپڑا
۸۷	حلق عانہ کی حدود	۶۲	مصنوعی ریشم کا حکم
۸۸	زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے پاؤڈر کا استعمال	۶۳	مرد اور عورت کا لباس میں
۸۹		۶۴	ایک دوسرے کی مشابہت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۰۰	تفسیر مودودی کی تجارت جائز نہیں	۷۹	سرکے بالوں کی جائز و ناجائز صورتوں کی تفصیل
"	دارالحرب میں سود اور شراب	۸۷	مرد کے لئے جوڑا باندھنا جائز نہیں
"	کے اداروں میں ملازمت	۸۹	کسب حلال و حرام
۱۰۱	کسٹم کا حکم	"	سونابستانا
۱۰۲	وکیل بالشرع کا زیادہ قیمت وصول کرنا	"	قلی کا مقررہ اجرت سے زیادہ لینا
"	وکیل کا دکاندار سے کمیشن لینا	۹۰	ٹیکسی ڈرائیور کا میٹر سے زیادہ کرایہ لینا
۱۰۳	کھانے پینے کی حلال و حرام اشیاء	"	بنک ہیمہ کمپنی اور محکمہ انکم ٹیکس وغیرہ میں ملازمت
"	رشوت خور کا ہدیہ یا دعوت قبول کرنا	۹۱	سیٹما کی ملازمت
۱۰۴	حرام مال سے خریدہ اہواطعام بھی حرام ہے	"	سینما، بنک اور دوسرے سودی
"	سوال مثل بالا	"	اداروں کی تعمیر کی اجرت
۱۰۵	بازاری پھل، گوشت، دودھ وغیرہ کا حکم	۹۲	کوٹ پتلون سینے کی کمائی
۱۰۹	کھاتے وقت چپ رہنا	۹۳	حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا
۱۱۰	کھانے والوں کو ممانعت سلام کی حکمت	"	کسب میں افراط جائز نہیں
"	پان میں چونا اور تمباکو کھانا	۹۴	جلسہ میں چندہ کرنا
۱۱۱	جوتا پہن کر کھانا پینا	"	غیر ممالک سے سونا چاندی لانا
۱۱۲	فقیر کو جھوٹا کھانا دینا	"	دودھ میں پانی ملانا
"	حرام چیز پر بسم اللہ کہنا	۹۵	اسمگلنگ
۱۱۳	سبیل کا پانی کھڑے ہو کر پینا	"	غیر طبیب کو علاج کا پیشہ اختیار کرنا
"	غیر مسلم کا برتن استعمال کرنا	۹۶	نا جائز محصول سے بچنے کیلئے رشوت دینا
۱۱۴	منکرات کی جگہ دعوت میں جانا	"	طبیب کی بے اعتنائی سے
۱۱۵	گائے باجے والے ہوٹل میں کھانا کھانا	"	بچنے کیلئے رشوت دینا
"	پنیر یا یہ حلال ہے	۹۷	رشوت کی جائز و ناجائز صورتیں
۱۱۷	غیر مسلم ممالک سے آنے والا پنیر یا یہ	۹۸	مختلف ٹیکسوں کا حکم
۱۱۸	صابن والا دودھ پینا	۹۹	مصرف کیلئے بقدر معروف ملاوٹ جائز ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۰	مسلمان کا مملوک گوشت کافر کے قبضہ میں جانے سے حرام نہیں ہوتا	۱۱۸	حرام مال سے لگائے ہوئے نلکے سے پانی پینا
۱۳۱	کافر کے ہاں جواز اکل لحم کا حیلہ	۱۱۹	ناپاک پانی سے سینچی ہوئی سنبری حلال ہے
۱۳۲	مال حرام سے مسکین کا کھانا جائز نہیں	۱۲۰	ناپاک پانی پینے والے جانور کا دودھ حلال ہے
۱۳۴	مسلم کے احکام	۱۲۱	میزبان کے ہاں کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا
۱۳۵	کافر کو سلام کہنا یا جواب دینا بدعتی اور فاسق کو سلام کہنا	۱۲۲	اسٹیل کے برتنوں میں کھانا پینا
۱۳۶	مواقع کراہت سلام	۱۲۳	میز کرسی پر کھانا
۱۳۷	خط کے سلام کا جواب	۱۲۴	خاک شفا کھانا جائز نہیں
۱۳۸	ریڈیو پر سلام کا جواب واجب نہیں	۱۲۵	یتیم کے ساتھ مشترک مال سے مہمان کو کھلانا
۱۳۹	سلام میں برکاتہ پر زیادتی مکروہ ہے	۱۲۶	شیعہ کے ہاں کھانا
۱۴۰	بار بار آتے جاتے تکرار سلام	۱۲۷	کافر کی دعوت قبول کرنا
۱۴۱	بوقت سلام پیشانی پر ہاتھ رکھنا	۱۲۸	نائی کی دعوت قبول کرنا
۱۴۲	ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا	۱۲۹	دانتوں سے نکلا ہوا روٹی کا ٹکڑا نگلنا
۱۴۳	سوال مشل بالا	۱۳۰	بانجھ بکری کا دودھ
۱۴۴	رسوم مروجہ	۱۳۱	حرام سوختہ سے پکا ہوا کھانا
۱۴۵	اشعار نعتیہ کا حکم	۱۳۲	ملتانی مٹی کھانا
۱۴۶	عید کارڈ کا حکم	۱۳۳	خون ملا ہوا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے
۱۴۷	عیدی کا لین دین	۱۳۴	فارمی مرغیوں کی خوراک اور گوشت کا حکم
۱۴۸	مختلف مواقع پر تحائف کا لین دین	۱۳۵	بیوی کا دودھ حرام ہے
۱۴۹	تقاریب میں چراغاں کرنا	۱۳۶	ٹوٹے ہوئے پیالے سے پینا
۱۵۰	سوال مشل بالا	۱۳۷	مردار کی ہڈی کا گودا ناپاک ہے
۱۵۱	صحتیاب ہونے پر گلے میں ہار ڈالنا	۱۳۸	جیلی کی تحقیق
۱۵۲	امام کے گلے میں ہار ڈالنا	۱۳۹	چائے میں مکھی گرنا
۱۵۳		۱۴۰	کپڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۴	طلب معاش کے لئے بدون	۱۵۴	ختم قرآن کی دعوت
۱۴۸	{ اذن والدین سفر کرنا	۱۵۵	بچوں کی سالگرہ منانا
۱۴۹	{ بصورت استغناء والدین	۱۵۵	حاجی کی دعوت کرنا
۱۵۰	{ بلا اجازت سفر کرنا جائز ہے	۱۵۹	دعوت ختم
۱۸۲	بدون اجازت والدین دوسری جگہ تدریس کرنا	۱۵۹	مقابلہ حسن قراءت
۱۸۲	نیکے سرور نیکے پاؤں رہنا	۱۶۰	فسادات کے زمانہ میں قنوت نازلہ پڑھنا
۱۸۲	غیر عالم کو درس قرآن و حدیث دینا جائز نہیں	۱۶۰	شادی کے موقع پر ہندی کی رسم
۱۸۳	عسل خانے میں پیشاب کرنا	۱۶۱	مکان کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنا
۱۸۳	دُھند اور پٹوانا جائز ہے	۱۶۱	ثواب کا سبب اور اس کا قبول کرنا
۱۸۴	جوان آدمی کا سفید بال چننا جائز ہے	۱۶۲	حاجی کی پیشانی کا بوسہ لینا
۱۸۴	سود خور سے رشتہ جوڑنا جائز نہیں	۱۶۳	عیادت کے موقع پر کھانا پینا
۱۸۵	گاہن گائے کو ذبح کے لئے فروخت کرنا	۱۶۳	دیوالی کی مٹھائی کھانا
۱۸۵	ممتحن کا نالائق طالب علم	۱۶۳	مروج قرآن خوانی کا حکم
۱۸۶	{ کو کامیاب کرنا جائز نہیں	۱۶۴	متفرقات الحظ والا باحہ
۱۸۶	موذی جانور کو مارنا	۱۶۴	ایک بستر پر دو آدمیوں کا سونا
۱۸۶	چھپکلی کو مارنا ثواب ہے	۱۶۴	مقروض کے مال سے خفیۃً اپنا حق وصول کرنا
۱۸۷	تحصیل ملازمت کے لئے ستر کھولنا	۱۶۴	جج کی قلم دیکھنا دکھانا حرام ہے
۱۸۷	گائے کا مصنوعی بچہ	۱۶۴	محمد نام تبدیل کرنا
۱۸۸	چراگاہ میں سب کا حق ہے	۱۶۴	عبدالرسول یا غلام غوث نام رکھنا
۱۸۹	خنزیر اٹھانے میں کافر کا تعاون کرنا	۱۶۵	نام بدلنا یا متعدد نام رکھنا
۱۸۹	اخبار میں مرد و عورت کی تصویر دیکھنا	۱۶۵	غیر قریشی کا قریشی کہلانا
۱۹۰	بنیت تبلیغ ارتکاب معصیت جائز نہیں	۱۶۶	عبدالرحیم یا عبدالرحمن نام رکھنا
۱۹۰	کسی مصلحت سے گناہ کو	۱۶۶	پتنگ اڑانا جائز نہیں
۱۹۰	{ جائز سمجھنا الحاد ہے	۱۶۶	تعدیہ مرض کی تحقیق

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰۵	ظلم سے بچنے کیلئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا	۱۹۱	عالم کا تصویر کھنچوانا زیادہ شائع ہے
۲۰۶	بحرمت لا الہ الا اللہ کہنا	۱۹۲	گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں جانبین کو تعویذ دینا
۲۰۷	زیارت والدین کے لئے پاسپورٹ بنوانا	۱۹۳	کان ناک پھیدنا
۲۰۸	اعلان توبہ کے بعد قطع تعلق جائز نہیں	۱۹۴	غیبت کی جائز و ناجائز صورتوں کی تفصیل
۲۰۹	سانپ، بندر، رینگھ وغیرہ پالنا	۱۹۵	تصویر دار سائیکل پر سوار ہونا
۲۱۰	مروج کمیٹی کا حکم	۱۹۶	خاندانی منصوبہ بندی کی جائز صورتیں
۲۱۱	کھیلوں میں انہماک اور ان میں عزت سمجھنا	۱۹۷	فاستق بیٹے سے قطع تعلق
۲۱۲	مختلف خبریں سننا سنانا	۱۹۸	محمل کے مصطفیٰ پر نماز پڑھنا جائز ہے
۲۱۳	ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا	۱۹۹	جعلی سٹریٹیکٹ بنوا کر ملازمت کرنا
۲۱۴	نائی سے حمایت بنوانا	۲۰۰	سید ٹیکل بل کے لئے تشخیص میں رعایت کرنا
۲۱۵	سفارش کا حکم	۲۰۱	دم کر کے گرہ لگانا
۲۱۶	غیر زوج کا نطفہ رحم میں ڈالنا	۲۰۲	ریڈیو میں تلاوت و تفسیر
۲۱۷	ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم	۲۰۳	ٹی وی پر اسلامی نشریات سننا بھی حرام ہے
۲۱۸	نابالغ بچوں سے خدمت لینا	۲۰۴	انگریزی پڑھنا
۲۱۹	خلاف قانون کسی ملک میں ٹھہرنا	۲۰۵	مصنوعی مجسمہ کے کھلونے کا حکم
۲۲۰	دیر کی مدت سے زیادہ قیام جائز نہیں	۲۰۶	بلدیہ سے مردہ جانوروں کا ٹھیکہ لینا
۲۲۱	بجلی کے میٹر سے کنکشن دینا	۲۰۷	حالت اضطرار میں غیر کا مال کھانا
۲۲۲	اپنی زمین سے عام راستہ بند کرنا	۲۰۸	لفظ ورت کتا پالنا
۲۲۳	خزیر کے باؤں کے برش کا حکم	۲۰۹	پاسپورٹ سائز کی تصویر بھی حرام ہے
۲۲۴	امتحان میں نقل کرنا	۲۱۰	بچوں کو فوٹو کے ذریعے تعلیم دینا
۲۲۵	گناہ میں والدین کی اطاعت جائز نہیں	۲۱۱	ڈاڑھی منڈے کا مسجد میں بیان کرنا
۲۲۶	ڈاکٹری پڑھنا	۲۱۲	کافر کو دیکوریشن کا سامان دینا
۲۲۷	امردا غیار کو سفر میں ساتھ لے جانا	۲۱۳	حق وصول کرنے کے لئے جھوٹ بولنا
۲۲۸	انجکشن لگا کر دودھ نکالنا	۲۱۴	تبلیغی اجتماع میں بلند آواز سے دعا کرنا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۴۳	دینی تنظیموں کا انگریزی نام رکھنا	۲۲۴	زیارت قبور کے لئے سفر کرنا
۲۴۵	انگریزی تاریخ کا استعمال	"	قرعہ اندازی کا حکم
۲۴۶	اس زمانہ میں مباہلہ جائز نہیں	۲۲۵	رمضان میں ہوٹل کھلا رکھنے والے کا حکم
۲۴۹	مشت زنی حرام ہے	"	اثبات زنا کے لئے ڈاکٹری معاینہ
۲۵۰	شیعہ، قادیانی اور زکری کے ساتھ معاملات	۲۲۶	نا جائز ملازمت چھوڑنا
۲۵۲	دنوی غرض سے عمل بمذہب غیر حرام ہے	"	طلبہ کو سزا دینا
۲۵۵	فون سننا لازم نہیں	۲۲۷	بھینس کے بچے کو ذبح کرنا ظلم ہے
"	تعویذ کا حکم	"	مکان کی بنیاد کسی بزرگ سے رکھوانا
۲۵۸	شیطان گولے کی تباہ کاریاں	۲۲۸	مکان کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنا
۲۶۱	تفریحی تالاب میں تیراکی سیکھنا	"	ٹڈی کو گرم پانی میں ڈالنا
۲۶۲	نابالغ کا ستر دیکھنا	۲۲۹	ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ڈالنا
"	حرام مال سے خریدا ہوا سامان بھی حرام ہے	۲۳۰	کوکھ پر ہاتھ رکھنا
۲۶۳	آلات معصیت توڑنے کا حکم	"	حکومت کا کسی کی ذاتی ملکیت میں تصرف کرنا
۲۶۴	حکم الاستمناء بعد الزوجہ	"	غیر اللہ کو شہنشاہ کہنا جائز نہیں
"	حق طبع محفوظ رکھنا جائز نہیں	۲۳۱	بغرض تداوی داغ دینا
	————— ر س ائل —————	"	علم جعفر و رسل حرام ہے
۲۶۵	الاکتحال للرجال	۲۳۲	عشاء کے بعد کراہت سمر
۲۶۹	توقیع الاعیان علی حرمتہ تریقہ الانسان	۲۳۳	اخبار بینی
۲۸۷	ٹی وی کا زہریلی بی سے مملکت تر	۲۳۴	اسکول کی تعلیم
۳۱۳	حلال و حرام سے مخلوط مال کا حکم	۲۳۵	شراب کی بوتل استعمال میں لانا
۳۳۷	ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے	"	دیوث سے تعلق رکھنا جائز نہیں
۳۳۵	ضبط تولید	۲۳۶	جانور کی آنکھ انسان کو لگانا جائز ہے
۳۵۵	طریق السداد لمل الخصاب	"	اڈنٹی کارڈ بنوانا جائز نہیں
۳۷۷	المصایح الغراء للوقایة عن عذاب النعام	۲۴۰	بشترنج، لوڈو اور بارہ گوٹی کھیلنا جائز نہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۸۱	کتاب الاشریۃ	۴۹۵	معافہ و معافقہ
"	حقہ پینے کا حکم	۴۱۵	النذیر العریان عن غراب صورة الحيوان
۴۸۲	بھنگ حرام ہے	۴۲۵	نیل المار بخلق الشوارب
۴۸۳	بھنگ اور الکحل وغیرہ کے احکام کی تفصیل	۴۵۵	کتاب اچاء الموات
۴۸۶	الکحل والے مشروبات و ماکولات کا حکم	"	قدرتی قنات کا حصریم نہیں
۴۹۰	کان میں شراب ڈالنا	"	کنویں کا حصریم
"	شراب سرکہ بن گئی	۴۵۶	ارض مملوکہ میں حریم کی کوئی مقدار متعین نہیں
۴۹۱	کتاب الرہن	۴۵۷	چشمہ کا حصریم
"	رہن باین شرط کہ اگر تادمت معینہ	۴۵۸	پتھر رکھنا مثبت اچاء نہیں
"	قرض مدہم تہن مالک خواہ شد	"	چٹائی کی جھونپڑی مثبت ملک نہیں
"	سوال مشل بال	۴۵۹	مختلف حکام کی طرف سے اذن اچاء کا حکم
۴۹۳	تفصیل استیفاء الدین من المرہون	"	ارض موات کی تعریف
۴۹۵	ارض رہن کی کاشت جائز نہیں	۴۶۰	مباح الاصل زمین میں تعمیر کرنا
۴۹۶	اجارہ رہن جائز نہیں	۴۶۱	ذمی کا اچاء مثبت ملک ہے
۴۹۷	رہن سے انتفاع جائز نہیں	"	سرکاری بنجر زمین کا اجارہ مثبت ملک نہیں
۴۹۹	کتاب الجناۃ والضممان	۴۶۳	فصل فی الشرب
"	ایک اونٹ نے دوسرے کو قتل کر دیا	"	چشمہ میں سب لوگ شریک ہیں
۵۰۳	بھینس کو خنزیر سمجھ کر مارنے پر ضمان ہے	"	پائپ لائن میں پانی آنے سے
۵۰۴	متسبب پر ضمان ہے	"	ملک ثابت ہو جاتی ہے
۵۰۵	نابالغ کا ترک حفظ و دیعت	۴۶۴	چراگاہ میں سب کا حق ہے
"	موجب ضمان ہے	"	بیع الشرب
"	کسی کا ایسا درخت کاٹنا	۴۶۵	حصہ شرب دوسری زمین کی طرف منتقل کرنا
"	جس کی پرستش کی جاتی ہو	"	رسالہ
۵۰۶	اپنا درخت کاٹنے سے دوسرے کا درخت گر گیا	۴۶۷	حریم قنات

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۳	آمر پر قصاص نہیں	۵۰۷	گھاس لادنے سے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی
"	غیر وارث کا صلح کرنا مسقط قصاص نہیں	۵۰۸	دیو کا ضمان کس پر ہے
۵۳۴	ورثہ میں کچھ نابالغ ہوں تو قصاص کا حکم	۵۰۹	حملہ آور اونٹ کو ہلاک کر دیا
۵۳۵	حکومت کے فیصلہ کے بغیر قصاص لینا	۵۱۰	گاڑی کی ٹکڑے سے مجروح کا حکم
"	قاتل کے رشتہ دار کو قتل کرنا جائز نہیں	"	وطرہ بالذابہ کا حکم
"	اما سے بھی قصاص لیا جائے گا	"	حکم ضیاع امانت
۵۳۶	قتل بالا کراہ میں قصاص کس پر ہے؟	۵۱۱	موذن کی غفلت سے مسجد کی چیز گم ہو گئی
۵۳۷	تحقیق آلہ جارحہ للعد	۵۱۲	وکیل بالشراد پر ضمان نہیں
۵۳۸	قصاص میں ترک شہادۃ جائز نہیں	"	سوار پر وجوب ضمان کی تفصیل
۵۴۰	کتاب الدیات والحدود	۵۱۳	حیوان کے نقصان پر ضمان کا حکم
"	دیت و عاقلہ کی تفصیل	۵۱۴	اجیر مشترک پر ضمان کی تفصیل
۵۴۲	بچہ ماں کے نیچے دب کر مر گیا	۵۱۶	دھوبی کے اہل کپڑا ضائع ہو گیا۔
۵۴۵	حکم قتل خطا	۵۱۷	ضمان میں قیمت مثل سے زائد لینا جائز نہیں
"	قتل خطائیں والد سے کفارہ و دیت ساقط نہیں ہوتی	"	طیب پیمہ وجوب ضمان کی تفصیل
۵۴۶	قاضی کوتاہ جیل دیت کے استقاط کا اختیار نہیں	۵۲۰	بطور ضمان مصارف علاج وصول کرنا
۵۴۷	بس سے کچلنے کا حکم	"	آلات معصیت توڑنے پر حکم وجوب ضمان
"	نصاب قطع ید	۵۲۱	باب القود
۵۴۸	حدود کفارۃ سیئات نہیں	"	حق قصاص کی تفصیل
"	کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا	۵۲۷	بدون توبہ قتل کا گناہ معاف نہیں ہوتا
۵۴۹	جماع موجب استقاط کا حکم	۵۲۸	سزا سے حق قصاص و حق صلح ساقط نہیں ہوتا
۵۵۰	عوام کو حدود جاری کرنے کا اختیار نہیں	"	قتل محارم میں حق قصاص کی تفصیل
۵۵۱	حد قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی	۵۳۰	عفو کے بعد مطالبہ قصاص جائز نہیں
"	رسالہ	"	منسوبہ ایک کے قتل کا اتفاق قتل دوسرا ہو گیا
۵۵۳	عورت کی دیت	"	ضرب بالمشقل بقصد قتل موجب قصاص ہے

دَارُ الْإِفْتَاءِ
وَالْإِشْأَانِ

زَفَاءُ

الرَّشَاءُ

بِهَاءُ

بِهَاءُ

وَقَطْلُ

الرَّشَاءُ

الرَّشَاءُ

بِهَاءُ

بِهَاءُ

رَضَائِي

کتاب المحظور والاباحۃ

قرآن مجید، کتب حدیث و فقہ و دیگر اشیاء مقدسہ کے احکام جن کاغذوں پر آیات قرآنیہ لکھی ہوں ان میں پڑیاں باندھنا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی اخبار جس میں قرآن کریم کی آیات لکھ کر نیچے انگریزی میں ترجمہ لکھا ہوا ہے اس میں پڑیاں باندھ کر دینا جائز ہے؟ حالانکہ یہ کاغذ بعد میں پاؤں میں روندے جاتے ہیں، اس اخبار میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک بھی لکھا ہوا ہوتا ہے، قرآنی آیات کاٹ کر باقی کاغذ استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟
بیّنوا توجروا

الجواب و متہ الصدق والصواب

جن کاغذوں پر آیات قرآنیہ یا مباحث شرعیہ یا مسائل تحریر ہوں ان میں پڑیاں باندھنا جائز نہیں۔ البتہ اگر مباحث شرعیہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اور انبیاء و ملائکہ علیہم السلام اور کتب الہیہ کے اسماء کاٹ کر باقی کاغذ میں پڑیاں باندھنا جائز ہے، مگر پھر بھی پاؤں میں ڈالنا اور بے عزتی کسی قسم کے کاغذ کی بھی حتیٰ کہ خالی کاغذ کی بھی جائز نہیں۔

قال فی الدر ولا یجوز لف شیء فی کاغذ فقہ و فحوة و فی کتب الطب یجوز و فی الشامیة (قوله و فحوة) الذی فی المنہ و فحوة فی الہندیة ولا یجوز لف شیء فی کاغذ فیہ مکتوب من الفقہ و فی الکلام الاولی ان لا یفعل و فی کتب الطب یجوز ولو کان فیہ اسم اللہ تعالیٰ و اسم النبی علیہ السلام یجوز محوة لیلف فیہ شیء و محو بعض الکتابۃ بالریق و قد ورد النہی عن محو اسم اللہ تعالیٰ بالبصاق و لم یبین محو کتابۃ القرآن بالریق هل ہو کاسم اللہ تعالیٰ او کغیرہ (شامیہ ص ۲۴ ج ۵)
۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۷۴ھ

پھٹے پرانے قرآن مجید کا جلانا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق

کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جسروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

قرآن کریم کے ناقابل انتفاع اوراق کو جاری پانی میں ڈال دیا جائے یا کہیں محفوظ جگہ دفن کر دیا جائے۔ جلانا جائز نہیں۔

قال في الدر المختار قبيل باب المياة من كتاب الطهارة المصحف اذا صار بحال لا يقرأ فيه يدفن كالمسلم (وبعد اسطر) تكره اذابة درهم عليه آية الا اذا كسره

وفي الشامية تحت (قوله يدفن) واما غيره من الكتب فسيأتي في المحظر والاباحة انه يحى عنها اسم الله تعالى الخ (رد المختار ص ۱۱۹ ج ۱)

وايضاً في الدر: الكتب التي لا ينتفع بها يحى عنها اسم الله وملائكته ورسوله ويحرق الباقي ولا بأس بأن تلقى في ماء جار كما هي او تدفن وهو احسن كما في الانبياء عليهم السلام۔

وفي الشامية: يعني ان الدفن ليس فيه اخلال بالتعظيم لان افضل الناس يدفنون وفي الذخيرة المصحف اذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لا يحرق بالنار اليه اشار محمد رحمه الله تعالى وبه نأخذ ويكره دفنه وينبغي ان يلف بخرقة طاهرة ويلحد له لانه لو شق ودفن يحتاج الى اهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير الا اذا جعل فوقه سقف وان شاء غسله بالماء ووضع في موضع طاهر لا تصل اليه يد محدث ولا غبار ولا قدر تعظيماً لكلام الله عز وجل (رد المختار ص ۲۴ ج ۵)

وفي الهندية: المصحف اذا صار خلقاً لا يقرأ منه ويخاف ان يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ودفنه اولى من وضعه موضعاً يخاف ان يقع عليه النجاسة او نحو ذلك ويلحد له لانه لو شق ودفن يحتاج الى اهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير الا اذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب اليه فهو حسن ايضاً كذا في الغرائب المصحف اذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لا يحرق بالنار اشار الشيباني الى هذا في السير الكبير وبه نأخذ كذا في الذخيرة (عالمگیری ص ۲۲۳ ج ۵)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احراق صحف سے متعلق شرح سیر کبیر ص ۲۷۷

ج ۲ میں ہے :

لا یکاد یصح — لا اصل لذلك الحدیث۔

مگر یہ روایت چونکہ صحیح بخاری میں ہے لہذا سند کے لحاظ سے اسے بے بنیاد کہنا مشکل ہے، اس لئے حافظ عینی و عسقلانی و دیگر شراح حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

① ان یحرق بالخاء المعجمة رواية الأكثرين (الی ان قال) وبالمجتمعة اثبت۔

② وقد جزم عیاض بانهم غسلوها بالماء ثم احرقوها مبالغة فی اذہایہا

(عمدة القاری مشاج ۲۔ فتح الباری ص ۱۷ ج ۹)

③ وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال الکرمانی فان قلت کیف

جاز احراق القرآن قلت المحروق هو القرآن المنسوخ او المختلط بغيره من التفسیر او بلغة غیر قریش او القراءات الشاذة وفائدہ ان لا یقع الاختلاف فیہ۔

(عمدة القاری مشاج ۲۰ ج ۲)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي رواية سويد بن غفلة

عن علي رضي الله تعالى عنه قال لا تقولوا لعثمان في احراق المصاحف اخيرا

(الی قوله) قال ابن عطية الرواية بالخاء المعجمة اصح وهذا الحكم هو الذي وقع

في ذلك الوقت واما الآن فبالغسل اولى لما دعت الحاجة الى ازالته۔

(فتح الباری مشاج ۹ ج ۹)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ۴ خائف کا وہی مذہب نقل کیا ہے جو شامیہ میں ہے۔

قال الشیخ الانور رحمہ اللہ تعالیٰ: والاحراق ههنا لدفع الاختلاف وهو جائز

(فیض الباری ص ۲۶۲ ج ۴)

قلت وهذا حاصل ما قال ابن عطية وفي البريقة المحمودية شرح الطريقة

المحمدية لابی سعید الخادمی رحمہ اللہ تعالیٰ وفيه (ای فی النصاب) ایضا الكتب التي

يستغنى عنها وفيها اسم الله تعالى تلقى في الماء الكثير الجاري او تدفن في ارض

طيبة ولا تحرق بالنار وفي التتارخانية المصحف الذي خلق وتعدرا لا يتفاد به

لا یحرق بل یلف بخرقة طاهرة یحفر حفرة بلحد بلا شق او یجعل سقفا و یدفن او یوضع بمكان طاهر لا یصل الیه الغبار والا قد اروق فی السراجیة یدفن او او یحرق انتهی ملخصا و کذا عن منیة المفتی وعن المجتبی الدفن افضل من الالقاء فی الماء جاری کالانبیاء علیہم السلام کذا جمیع الکتب و فی التتارخانیة الافضل ان یغسلها و یأخذ القراطیس وعن الحلیمی لا بأس بالاحراق لإحراق عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصاحف فیہا آیات منسوخة بلا نکیر و ایضا قیل الا حراق اولی من الغسل لوقوع الغسالة علی الارض والقاضی حسین حرم الاحراق لتنافیه الاحترام و کره النووی هذا، و اقول الرأی هو الدفن او الغسل لا الاحراق لقوة قائلها و دلیلها و لترجیم الحظر علی الا با حتر و اما ما نقل عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فالظاهر انه لیس بصحیح اذ لو صح ذلك بلا نکیر لحل محل الاجماع فکیف یتصور من هؤلاء القول بخلافه و دعوی عدم وصول ذلك لاجماع الیهم سوء ظن بهم و طعن فی فقاہتہم علی ان الاحراق لازم للاستہانة و محل بالتعظیم۔ (برقیہ محمودیہ ص ۱۹۹ ج ۴)

فی نفسہ جلانے کا جواز تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی فی زمانہ مناسب وقوع فتنہ بین المسلمین ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ نیز احرام و بے حرمتی کا مدار عرف پر ہے اور عرف موجود میں احراق انتہائی درجہ کی بے حرمتی سمجھا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۰ رجب ۱۴۰۰ھ

کتب حدیث کے بوسیدہ اوراق کا جلانا:

سوال: کتب حدیث کے بوسیدہ اوراق اگر دفن کرتے کا وقت نہ ملے یا شہر میں کوئی مناسب جگہ نہ ملے تو ان کا جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان اوراق سے اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ کے نام مٹا کر جلانا جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ ان کو جاری پانی میں بہا دیا جائے یا دفن کر دیا جائے۔

قال العلامة المحصی رحمہ اللہ تعالیٰ: الکتب التي لا ینتفع بہا یحییٰ عنہا اسم اللہ تعالیٰ و ملائکتہ و رسالہ و یحرق الباقی و لا بأس بأن تلقی

فی ماء جار کما ہی اوتدفن وهو حسن کما فی الا نبیاء علیہم السلام (رد المحتار ج ۵)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ رذی الحجہ سنہ ۱۳۸۸ھ

بچوں کو خلاف ترتیب قرآن کی تعلیم دینا:

سوال: بچوں کو پارہ عقد سے خلاف ترتیب تعلیم دینا جیسا کہ عموماً آج کل ہو رہا ہے جائز ہے یا نہیں؟ بینو تو جروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ الفصل بسورة قصیة وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وان یقرأ منکوسا) بأن یقرأ فی الثانیة سورة اعلیٰ مما قرأ فی الاولی لان ترتیب السور فی القراءة من واجبات التلاوة وانما جوز للصغار تسهیلا لضرورة التعلیم (رد المحتار ج ۲۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ شعبان سنہ ۱۳۸۸ھ

ذکر اللہ کو کسی دوسرے مقصد کے لئے آکر بنانا جائز نہیں:

سوال: یہاں ایک پیر صاحب ہیں ان کے مریدوں کا دستور ہے کہ جب کسی کو اندر سے بلانا مقصود ہو تو دروازے پر دستک یا آواز دینے کی بجائے زور سے کلیمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ ان کا آپس میں متعارف ہے۔ اس لئے اندر والا شخص سمجھ جاتا ہے کہ مجھے کوئی باہر سے بلا رہا ہے۔ یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینو یا الدلیل البحر کما بحلیل۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ طریق صحیح نہیں۔ کیونکہ ذکر اللہ کو کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا اور غیر کے لئے آکر بنانا جائز نہیں۔

اس سے اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو آج کل واعظین میں مروج ہے کہ صرف لوگوں کو

بیدار کرنے اور ان میں نشاط پیدا کرنے کی غرض سے اثناء وعظ میں درود شریف پڑھواتے ہیں۔ درود شریف محض بنیت قربت بتفس خود مقصود سمجھ کر پڑھنا چاہیے، غیر کے لئے آگے بنانا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی آخر کتاب المحظور والباحث:
وقد کرہوا واللہ اعلم ونحوہ: لا اعلام ختم الدرس حین یقرر
وفی الشامیۃ تحت (قوله ونحوہ) کأن یقول وصلى الله على محمد (قوله
لا اعلام ختم الدرس) اما اذا لم یکن اعلاما بانتهائه لا یکرہ لانه ذکر وتفیض
بخلاف الاول فانه استعمله آله للاعلام ونحوہ اذا قال الداخِل یا الله مثلا
لیعلم الجلاس بمجیئہ لیهیئوالہ محلا ویوقر وہ اذا قال المحارس لا اله الا الله
ونحوہ لیعلم باستیقاظہ فلم یکن المقصود الذکر اما اذا اجتمع القصد ان
یعتبر الغالب کما اعتبر فی نظائرہ اه (رد المحتار ص ۲۷ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۵ھ

آیات قرآنیہ خون سے لکھنا:

سوال: مرغ کے خون سے آیات قرآنیہ لکھ کر گلے میں ڈالنا کیسا ہے؟

بیدنوا تو جبروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن مجید کی آیات خون یا کسی اور نجاست سے لکھنا کفر ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ
کہ جب جان کو خطرہ ہو اور یہ یقین ہو جائے کہ اس کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں تو گنجائش ہے،
قیاساً علی شرب الخمر للعطشان واکل المیتۃ فی المخصۃ۔

اس قیاس کا بطلان بالکل ظاہر ہے، اس لئے کسی حال میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله لکن نقل
المصنف الخ) ونص ما فی الحاوی القدسی اذا سال الدم من انف انسان
ولا ینقطع حتی یخشی علیہ وقد علم انه لو کتب فاتحۃ الكتاب او الاخلاص
بذلک الدم علی جہتہ ینقطع فلا یرخص لہ فیہ وقیل یرخص کما رخص فی

شرب الخمر للعطشان واکل المیتة فی المخصصة وهو الفتوی (رد المحتار ضحاج ۱)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم

۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۶ھ

بھنگی کو زمزم کا پانی دینا:

سوال: حاجی آب زمزم یا کھجور اپنے گھر میں صفائی کرنے والے بھنگی کو دے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہتر یہ ہے کہ نہ دیا جائے، اگر بھنگی خود مانگے اور یقین ہو کہ عقیدت سے مانگ رہا ہے اور ادب و احترام ملحوظ رکھے گا تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

یوم عرفہ سنہ ۸۶ھ

آیات قرآنیہ کے کتبے چومنا:

سوال: ہمارے محلہ کی جامع مسجد میں آیات قرآنیہ اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کے کتبے لگے ہوئے ہیں، زید روزانہ ان کو چومتا ہے اور ان پر ہاتھ لگا کر بدن پر پھیرتا ہے، زید کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر التزام اور غلو نہ کرے، پھر قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کو اہم سمجھے۔ قرآن مجید پڑھتے وقت کھول کر پہلے چومے اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول یہ دعا پڑھے:

عہد ربی ومنشور ربی عز وجل۔

اس سے قرآن پر عمل کرنے کی ہمت پیدا ہوگی جو دنیا و آخرت کی ہر مصیبت سے نجات پانے کا واحد ذریعہ ہے۔

بعض نے تقبیل قرآن کو بدعت کہا ہے مگر وہ قول ضعیف ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي القنیة فی باب ما يتعلق

بالمقابر تقبیل المصحف قیل بدعة لکن روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان

یاخذ المصحف کل غداة ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عز وجل وکان

عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجهہ (رد المحتار ص ۲۴ ج ۵)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳ محرم سنہ ۸۷۷ھ

قرآن مجید قبرستان میں لے جا کر پڑھنا:

سوال: قرآن مجید قبرستان میں لے جا کر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ شرح برزخ
میں لکھا ہے کہ قبر کے نزدیک کلام اللہ پڑھنا جائز ہے، فتویٰ اسی پر ہے بدلیل قولہ علیہ السلام
نور واقبور موتاکم بالقرآن، یہ استدلال دفتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟
بینوا توجسروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ روایت نظر سے نہیں گزری، اگر ثابت ہو بھی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن مجید
قبرستان میں لے جا کر پڑھو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر اہل قبور کو ثواب پہنچاؤ،
قبرستان میں قرآن لے جا کر پڑھنا قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۰ رزی الحجہ سنہ ۸۷۷ھ

کتب حدیث وفقہ پر ٹیک لگانا:

سوال: فقہ و حدیث کی کتابوں کو سرہانے کے طور پر استعمال کرنا یا ان پر ٹیک لگانا
جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجسروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن مجید اور کتب حدیث وفقہ سے تکیہ کا کام لینا یا ان پر ٹیک لگانا سخت گناہ ہے،
البتہ کہیں سفر میں حفاظت کا اور کوئی طریقہ نہ ہو تو جائز ہے۔

قال العلامة المحمّد بن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ وضع المصحف تحت
رأسه ألاً للحفظ وقال العلامة بن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ویکرہ
وضع المصحف الخ) وهل التفسیر والکتب الشرعیۃ كذلك یحرم إقوال الظاہر
نعم كما فی هذه المسألة التالیۃ ثم رأیتہ فی کراہیۃ العلّامی (قوله ألاً للحفظ) ای
حفظه من سارق ونحوه (رد المحتار ص ۱۱۹ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۲ صفر سنہ ۸۷۹ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ”م“ لکھنا :

سوال : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر پورے صلوٰۃ و سلام کی بجائے صرف ”م“ لکھنا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام پر ”ر“ لکھنا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء مبارکہ کے ساتھ پورا صلوٰۃ و سلام اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم لکھنا چاہیے، صرف ”م“ لکھنا خلاف ادب ہے، جہاں صفحات کے صفحات اور پوری کتاب لکھ رہے ہیں تو صیغہ صلوٰۃ و سلام اور صیغہ ترضی میں کتنی جگہ صرف ہوتی ہے، درحقیقت یہ محبت کی کمی کی دلیل ہے۔ اسی طرح تعالیٰ کی جگہ ”تعا“ اور رحمہ اللہ تعالیٰ کی جگہ ”رح“ لکھنے کا دستور صحیح نہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۹ھ

اخبار میں لکھی ہوئی آیات قرآن کو بے وضو چھونا :

سوال : اخبار کے جس صفحہ پر آیت قرآن لکھی ہوئی ہو اس کو بے وضو ہاتھ لگانا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں آیت قرآنیہ لکھی ہو صرف اس جگہ ہاتھ لگانا منع ہے، دوسرے مواضع کو ہاتھ لگانا جائز ہے، البتہ اگر چھوٹی سے چھوٹی آیت یعنی چھ حروف سے بھی کم ہو تو ایک قول کے مطابق اس پر ہاتھ لگانے کی گنجائش ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ویحرم بہ ای بالاکبر وبالاصغرا

مس مصحف ای ما فیہ آیۃ کدرہم وجدار۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله ای ما فیہ آیۃ) لکن

لا یحرم فی غیر المصحف الا المکتوب ای موضع الكتابة کذا فی باب الحيض من البحر وقید بالآیۃ لانہ لو کتب ما دونہا لا یکرہ مسہ کما فی حیض القہستانی وینبغی ان یجرى هنا ما جرى فی قراءة ما دون آیۃ من الخلاف والتفصیل المارین هناك بالاولی لأن المس یحرم بالحدث ولو اصغر بخلاف القراءة

فكانت دونه تأمل (رد المحتار ص ۱ ج ۱) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ رجب سنہ ۹۲ھ

نعل شریف کی تمثال کا چومنا:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل شریف کی تمثال کو سر پر رکھنا اور چومنا اور اس کے توسل سے دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ سب امور بطور محبت و تبرک کرنا خلاف شریعت نہیں اور فساد اعتقاد کے اندیشہ سے نہ کرنا خلاف محبت نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۰ صفر سنہ ۹۳ھ

قرآن مجید مسقف زینہ کے نیچے رکھنا:

سوال: ایک مسجد کے زینے کے نیچے الماری ہے، اس الماری میں قرآن مجید رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس زینہ پر سے لوگ گزرتے رہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۳۰ ربیع الاول سنہ ۹۵ھ

بلندی پر رکھے ہوئے قرآن کی طرف پاؤں پھیلانا:

سوال: الماری میں اوپر والے خانے میں قرآن مجید رکھا ہو تو اس کی طرف پاؤں پھیلانا یا پیٹھ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فتاویٰ رشیدیہ میں جائز لکھا ہے، مگر کتب فقہ میں کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال فی الہندیۃ: مد الرجلین الی جانب المصحف ان لم یکن

بجذائہ لایکرہ و کذا لو کان المصحف معلقا فی الوند و هو قد مد الرجل الی

ذلک بجانب لایکرہ کذا فی الغرائب (عالمگیریۃ ص ۳۲ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۶ ربیع الثانی سنہ ۹۹ھ

مکان و دکان وغیرہ میں قرآنی آیات آویزاں کرنا:
سوال :- مکان یا دکان میں کسی گتے وغیرہ پر قرآنی آیات لکھ کر آویزاں کرنا کیسا ہے؟
نیز دیوار یا دروازے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ماشاء اللہ یا ہذا من فضل ربی
لکھنا کیسا ہے؟ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب
جہاں ٹی ڈی چلایا جاتا ہو یا تصویریں ہوں وہاں آیات لکھ کر آویزاں کرنے میں
قرآن مجید کی بے حرمتی ہے اس لئے جائز نہیں، اگر یہ خرافات نہ ہوں اور تعظیم محفوظ
رکھی جائے، اگر دو غبار سے صاف رکھا جائے تو جائز ہے، دیوار اور دروازے پر آیات
لکھنا بہر حال مکروہ تنزیہی ہے۔

قال العلامة المحضی رحمہ اللہ تعالیٰ: بساط او غیرہ کتب علیہ
الملک للہ یکرہ بسطہ واستعمالہ لا تعلیقہ للزینۃ ینبغی ان لا یکرہ کلام
الناس مطلقا وقیل یکرہ مجرد الحروف والاوّل اوسع وتماہم فی البحر وکراہیۃ
القنیۃ قلت وظاہرہ انتفاء الکراہیۃ بمجرد تعظیہ وحفظہ علی اولا زین اولا و
ہل ما یکتب علی المراح وجد راہجوامع کذا یحرم۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله مطلقا) ای سواء
استعمل او علی (قوله وتماہم فی البحر) حیث قال وقیل یکرہ حتی الحروف المفردۃ
ورأی بعض الائمۃ شبانا یرمون الی هدف کتب فیہ ابوجہل لعنہ اللہ فتہام
عنه ثم مر بہم وقد قطعوا الحروف فتہام ایضا وقال انما نہیتکم فی الابتداء
لاجل الحروف فاذا یکرہ مجرد الحروف لکن الاول احسن واوسع اہ قال سیدی
عبد الغنی ولعل وجہ ذلك ان حروف الہجاء قرأت انزلت علی ہود علیہ السلام
کما صرح بذلك الامام القسطلانی فی کتابہ الاشارات فی علم القراءات اہ

(قوله قلت وظاہرہ الخ) کذا یوجد فی بعض النسخ ای ظاہر قوله لا تعلیقہ للزینۃ
(قوله یحرم) اقول فی فتم القدیر وتکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم
والمجاریب والجدران وما یفرش اہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (رد المحتار ج ۱)

اخبار اور سرکاری خطوط میں آیات قرآن اور بسم اللہ لکھنا:

سوال: اخبارات میں قرآن مجید کی آیات، بسم اللہ الرحمن الرحیم اور احادیث وغیرہ لکھنے کا دستور چلا آرہا ہے۔ جبکہ اخبارات میں تصویریں اور سینما کے اشتہارات بھی ہوتے ہیں، پھر وہ اخبارات ردی میں فروخت ہو جاتے ہیں، پھر دکاندار ان میں گاہکوں کو سامان وغیرہ ڈال کر دیتے ہیں، اس طرح وہ اخبارات ادھر ادھر پڑے رہتے ہیں اور پاؤں کے نیچے آتے رہتے ہیں، کیا ایسی صورت میں اخبارات میں آیات و احادیث لکھنا جائز ہوگا؟

نیز اب کچھ عرصہ سے سرکاری دفاتر میں سرکاری خطوط میں پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا دستور ہو چلا ہے، پھر ان کاغذات کا بھی مندرجہ بالا شہر ہوتا ہے تو کیا ان خطوط میں بسم اللہ لکھنا جائز ہے، اگر پوری بسم اللہ کی بجائے صرف باسمہ سبحانہ و تعالیٰ یا باسمہ تعالیٰ یا ۸۶ لکھ دیا جائے تو بسم اللہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اخبارات و اشتہارات میں آیات قرآن اور بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز نہیں، سرکاری دفاتر کی مکاتبت میں جائز بلکہ مستحسن ہے، گناہ بے حرمتی کرنے والوں پر ہوگا، بسم اللہ کی بجائے دوسرے کلمات یا ۸۶ لکھنا قرآن کریم، عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے عمل متواتر کے خلاف ہے، صلح حدیبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا حکم فرمایا، مشرکین نے اعتراض کیا اور کہا:

اكتب ما كنت تكتب، باسمک اللہم۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے بسم اللہ لکھنے کا مخصوص طریقہ متعین فرمایا ہے، اس کی بجائے دوسرے کلمات لکھنے سے بسم اللہ کا ثواب نہیں ملے گا اور سنت ادا نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۱ھ

روپیہ پر قرآنی آیت لکھنا:

سوال: حکومت پاکستان نے ۱۹۷۷ء میں ایک روپیہ کا سکہ جاری کیا جس میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے ”واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا“ اور کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے، کیا سکہ پر آیت وغیرہ لکھنا جائز ہے؟ اور کیا ایسے سکے سے کاروبار کر سکتے ہیں، جبکہ ہمارا کاروبار غیر مسلموں سے بھی ہوتا ہے؟ بینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سکہ پر آیت لکھنا مکروہ تنزیہی ہے، تاہم کاروبار کرنا بلا کراہیت جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله یحرم) اقول فی

فتح القدیر وتکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم والمحاریب و

المجدران وما یرشاه واللہ تعالیٰ اعلم (رد المحتار ج ۱)

وقال فی الہندیۃ: لا بأس بکتابۃ اسم اللہ تعالیٰ علی الدراہم لان قصد

صاحبہ العلامة لا التہاون کذا فی جواہر الاخلاط (عالمگیریۃ ص ۲۲۳ ج ۵) واللہ

سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۱ھ

بلا و ضوہ کتابت قرآن:

سوال: بلا و ضوہ کسی ورق پر قرآن کریم کی آیت لکھنا کیسا ہے؟ معلم یا متعلم

کو حالت حیض میں کوئی آیت لکھنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کاغذ کو ہاتھ لگا کر آیت لکھنے کی کوئی گنجائش نہیں، بلا مس ورق جواز کتابت میں

اختلاف ہے، بوقت ضرورت گنجائش ہے۔

قال شیم الاسلام ابو بکر بن علی الحداد رحمہ اللہ تعالیٰ: وہل یجوز

للجنب کتابۃ القرآن قال فی منیۃ المصلی لا یجوز و فی النجندی یکرہ

للجنب والحائض کتابۃ القرآن اذا کان مباشر اللوح والبیاض وان وضعہا

علی الارض وکتبہ من غیر ان یضع یدہ علی المکتوب لا بأس بہ (الجوہر ج ۱)

قال العلامة الحدادی رحمہ اللہ تعالیٰ: وذكر فی الجامع المصنف

المضروب الی قاضیخان لا بأس للجنب ان یتب القرآن والصحیفۃ

اول اللوح علی الارض او الوسادة عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ خلافاً لمحمد
رحمہ اللہ تعالیٰ لانہ لیس فیہ من القرآن ولذا قیل المکررۃ من المکتوب
لا مواضع البیاض ذکرۃ الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ وینبغی ان یفصل
فان کان لا یمس الصحیفۃ بأن وضع علیہا ما یحول بینہا و بین یدہ
یؤخذ بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لانہ لیس المکتوب ولا
الکتاب والا فبقول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لانہ ان لیس المکتوب فقد
مس الکتاب (حلی کبیر ص ۵۸)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : ولا تکتب الحائض
القرآن ولا الکتاب الذی فی بعض سطورہ آیتہ من القرآن وان لم تقرأ
شمل ما اذا کان الصحیفۃ علی الارض فقال ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ
لا یجوز وقال القدوری رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز قال فی الفتح وهو اقیس
لانہ ما س بالقلم وهو واسطۃ منفصلۃ فكان کتوب منفصل الا ان یمس
بیدہ (رسائل ابن عابدین ص ۱۳ ج ۱)

تنبیہ :

بعض علما کو بعض روایات کے ظاہر سے بصورت مس ورق بھی جواز کتابت کا شبہ
ہوا ہے جس کی تفصیل مع الجواب درج ذیل ہے :

بناءً شہید :

(۱) رسائل ابن عابدین کی عبارت الا ان یمس بیدہ میں یمس کی ضمیر
مذکر ہے اور صحیفہ مؤنث ہے ، اس لئے کہ اس کا مرجع مکتوب ہی ہو سکتا ہے جو سابق
کلام سے مفہوم ہے۔

(۲) الجوهرة میں مکتوب کی تصریح ہے۔

(۳) اگر ورق پر کوئی آیت لکھی ہوئی ہو تو آیت کے سوا دوسرے حصہ کا مس
بالاتفاق جائز ہے تو بوقت کتابت مس ورق کیوں جائز نہیں ؟ ما بہ الفرق کیا ہے ؟

جواب :

(۱) یمس کی ضمیر کا مرجع صحیفہ بتاویل بیاض ہے ، مفہوم کلام کی تاویل بلا دلیل

د بلا ضرورت ہے۔ نیز اگر مرجع مکتوب (آیت مکتوبہ) قرار دیا جائے تو وضع علی الارض کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔

(۲) الجوهرة کی عبارت میں ”مکتوب“ بمعنی کتاب و صحیفہ ہے، ورنہ صدر کلام مباشر اللوح والبیاض سے اس کا تعارض ہوگا۔ نیز ان وضعہما علی الارض کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ آیت مکتوبہ مراد ہو تو وضع علی الارض اور حمل فی الید میں کوئی فرق نہیں۔

(۳) وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ قلم ذریعہ کتابت ہے، اس لئے ہتکے وغیرہ پر اس کا قیاس تام نہیں، فرق مذکور کی وجہ سے قلم من وجہ واسطہ ہے اور من وجہ واسطہ نہیں۔ اور کتابت کی دو صورتیں ہیں :

(۱) کاغذ پر ہاتھ رکھ کر۔

(۲) کاغذ پر ہاتھ رکھے بغیر، تپائی وغیرہ پر رکھ کر۔

صورت اولی کے متعارفہ ہونے کی وجہ سے اس میں واسطہ قلم کو غیر معتبر قرار دے کر عدم جواز کا قول کیا گیا اور صورت ثانیہ غیر متعارفہ ہونے کی وجہ سے واسطہ قلم کو معتبر قرار دے کر قول جواز اختیار کیا گیا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۴ محرم ۱۴۱۸ھ



پردہ و دیگر متعلقہ مسائل

خواتین کا معانقہ کرنا:

سوال: خواتین کا آپس میں معانقہ کرنا منون ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب
معانقہ کا مروجہ طریقہ مردوں کے لئے بھی جائز نہیں، تفصیل رسالہ ”مصافحہ و معانقہ“ میں
ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۴ ذی القعدة ۱۲۸۶ھ

عورت کا بازار سے سامان لانا:

سوال: عورتوں کو سامان خریدنے بازار جانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب
عورت کے لئے بمجبوری بقدر ضرورت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، اس زمانہ میں لوگوں
نے خواہشات نفسانیہ اور ہوس بے لگام کو ضرورت کا نام دے رکھا ہے، عورت کے
متعلقین مردوں پر فرض ہے کہ بلا ضرورت عورت کو باہر جانے سے منع کریں ورنہ وہ بھی سخت
گنہگار ہوں گے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ محرم سنہ ۸۷ھ

چست لباس پہننا جائز نہیں:

سوال: مرد یا عورت کو ٹیڈی لباس پہننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب
جس لباس میں واجب السترا عفاء کا حجم اور بناوٹ نظر آتی ہو، مرد اور عورت دونوں
کے لئے حرام ہے اور اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، ٹیڈی لباس میں اس قباحت کے
علامہ کفار کے ساتھ مشابہت بھی ہے، اس لئے جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله ولا یضرب التصادق)
وعبارۃ شرح المنیۃ اما لو کان غلیظا لا یری منه لون البشرۃ الا انہ التصق بالعضو۔

و تشکل بشکلہ فصا ر شکل العضم مرئیا فینبغی ان لا یمنع جواز الصلوۃ
لحصول الستراہ قال ط وانظر هل یحرم النظر الی ذلک المتشکل مطلقا او حیث
وجدت الشهوة اہ قلت سنتکلم علی ذلک فی کتاب الحظر والاباحۃ والذی
یظهر من کلامہم هناك هو الاول (رد المحتار ص ۲۵ ج ۱)

وقال فی الحظر بعد نقل کلام الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ: وعلى هذا لا یحل
النظر الی عورة غیرہ فوق ثوب ملتزق بها یصف مجہا (رد المحتار ص ۲۳۲ ج ۵) واللہ
سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ / محرم سنہ ۸۷۷ھ

محرم والی عورت کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں:

سوال: ایک دیندار عورت اپنے محرم کے ساتھ سفر حج پر جا رہی ہے، دوسری کچھ عورتیں
ان کے ساتھ حج کے لئے جانا چاہتی ہیں تو کیا جب کوئی دیندار اور با اعتماد عورت جو مرد کے لئے
محرم ہے ساتھ موجود ہو تو غیر محرم مرد کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے؟ بعض حضرات معتدہ اور شوہر
کے درمیان ثقہ عورت کے حائل بننے کے جواز سے جواز سفر پر استدلال کرتے ہیں، کیا ان کا
استدلال درست ہے؟ بینوا تو جبروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، حتیٰ کہ اگر عورت بہت بڑھی ہو تو بھی غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا حرام ہے۔ حدیث
میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ بلکہ جتنی عورتیں زیادہ ہوں گی فتنے کا اندیشہ اتنا ہی زیادہ ہوگا۔
جواز حیلولہ ثقہ سے استدلال درست نہیں، اس لئے کہ وہ حضر کا مسئلہ ہے، اپنے گھر
میں زوج، زوجہ اور حائل بننے والی عورت کو اپنے خاندان سے حیا اور بدنامی کا خوف ارتکاب
معصیت سے مانع رہتا ہے، نیز اگر مرد برائی کا ارادہ کرے تو حائل بننے والی عورت شور مچا کر دوسروں
کو اطلاع کر سکتی ہے، جبکہ سفر میں وہ لاچار اور مجبور ہوتی ہے، دفاع پر قادر نہیں ہوتی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولو عجوزا) ای لا طلاق

النصوص بحر قال الشاعر:

لکل ساقطة فی الحی لاقطة وکل کاسدة یوما لها سوق

(قوله فی سفر) ہو ثلاثۃ ایام ولیا لہا فیباح لہا الخروج الی ما دونہ لحاجة بغير محرم بحر

وقال العلامة الحصنی رحمہ اللہ تعالیٰ: وادفی مدتہ (ای البلیغ) لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولہا
تسع سنین هو المختار کما فی احکام الصغار فان راہقاً بان بلغ هذا السن فقال لا یلغنا صدقاً
ان لم یکن بہما الظاہر وهما حیث شد کمالہ حکما الخ (رد المحتار ص ۹ ج ۵) واللہ
سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ ذی القعدہ سنہ ۹۸ھ

اجنبی سے چوڑی پہنانا:

سوال: خود چوڑیاں پہننا کافی دشوار ہوتا ہے، اگر کوئی تجربہ کار عورت پہننے والی
نہ ہو تو چوڑیاں بیچنے والے سے پہنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی اجنبی کو ہاتھ پکڑانا یا کوئی بھی عضو مس کرنے کی قدرت دینا عورت کے لئے بلا قدرت
شدیدہ حرام ہے اور چوڑیاں پہننا ضرورت میں داخل نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۹ھ

عورتوں کا دوٹ ڈالنے جانا اور انتخابات میں حصہ لینا:

سوال: مستورات کے لئے دوٹ ڈالنے جانا اور اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینا
جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے دوٹ استعمال کرنا اور انتخابات میں حصہ لینا جائز نہیں، خواتین کو
کسی عہدہ کے لئے تجویز کرنا گناہ ہے۔

البتہ جب انتخاب اسلامی وغیر اسلامی نظریہ پر مبنی ہو یا ایک امیدوار صالح اور اس کے
مقابلے میں دوسرا امیدوار فاسق ہو اور خواتین کا دوٹ استعمال نہ کرانے میں دین کو خطرہ ہو تو
استعمال کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصنی رحمہ اللہ تعالیٰ: المرأة تقضی فی غیر حد وقود

وان اثم المولیٰ لہا الخبرا البخاری لن یقلہ قوم ولوا امرہم امرأة (رد المحتار ص ۳۵ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۹۰ھ

حاملہ بالزنا سے صحبت جائز ہے:

سوال: بکر کی بیوی کو زنا سے حمل ہو گیا تو کیا حالت حمل میں بکر اس سے جماع کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے اور یہ بچہ بکر ہی کا کہلائے گا، اسے ولد الزنا کہنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: والموطوءۃ بالزنا ای جاز نکاح من سراًھا تزنی ولہ وطوءھا بلا استبراء۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وله وطوءھا بلا استبراء) ای عندھا وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا احب لہ ان یطأھا ما لم یستبرئھا ہدایۃ (وبعد سطر) بقی لوظہر بہا حمل یشک من النرج لان الفراش لہ فلا یقال انه یكون ساقیا نزع غیرہ لکن ہذا ما لم تلده لاقل من ستۃ اشھر من وقت العقد (رد المحتار ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۹ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

عورتوں کے لئے اسکول کالج کی تعلیم جائز نہیں:

سوال: عورتوں کو اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں ذمیوی تعلیم دلانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ عام طور پر کالجوں، یونیورسٹیوں میں لڑکے اور لڑکیاں مخلوط ہوتے ہیں اور پردے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ اگر کہیں اس کا اہتمام ہو کہ لڑکے لڑکیوں سے علیحدہ ہوں اور ان کا آپس میں اختلاط نہ ہو تو پھر گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کو عصر حاضر کے کالجوں، یونیورسٹیوں میں تعلیم دلانے میں کئی مفاسد ہیں خواہ لڑکیوں کا لڑکوں کے ساتھ اختلاط نہ بھی ہو:

① عورت کا بلا ضرورت شرعیہ گھر سے نکلنا اور اجانب کو اپنی طرف مائل کرنے

کا سبب بننا۔

② برے ماحول میں جانا۔

③ مختلف مزاج رکھنے والی عورتوں سے مسلسل اختلاط کی وجہ سے کئی خرابیوں

کا جہنم لینا۔

- ۴) کالج یونیورسٹی کی غیر شرعی تقریبات میں شرکت۔
- ۵) بلا حجاب مردوں سے پڑھنے کی معصیت۔
- ۶) بے دین عورتوں سے تعلیم حاصل کرنے میں ایمان و اعمال اور اخلاق کی تباہی۔
- ۷) بے دین عورتوں کے سامنے بلا حجاب جانا، شریعت نے فاسقہ عورت سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاجرة لانها تصنفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها كما في السراج (رد المختار ص ۲۳ ج ۵)

- ۸) کافر اور بے دین قہموں کی نقالی کا شوق۔
- ۹) اس تعلیم کے سبب حب مال اور حب جاہ کا بڑھ جانا اور اس کی وجہ سے دنیا و آخرت تباہ ہونا۔
- ۱۰) شوہر کی خدمت، اولاد کی تربیت اور گھر کی دیکھ بھال، صفائی وغیرہ جیسی فطری اور بنیادی ذمہ داریوں سے غفلت۔

- ۱۱) دفتروں میں ملازمت اختیار کرنا جو دین و دنیا دونوں کی تباہی کا باعث ہے۔
- ۱۲) مردوں پر ذرائع مناسک تنگ کرنا۔

۱۳) شوہر پر حاکم بن کر رہنا۔

مخلوط طریقہ تعلیم میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ اختلاط اور بے تکلفی کی وجہ سے لڑکوں، لڑکیوں کی آپس میں دوستی، عشق بازی، بدکاری اور اغواء جیسے گھناؤنے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے عصر حاضر کے تعلیمی اداروں میں عورتوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۶ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۲۲ھ

عورت کو واکٹری تعلیم دلانا:

سوال: کیا لڑکیوں کو طبی تعلیم دلانا جائز ہے؟ جبکہ میڈیکل کالجوں میں مخلوط طریقہ تعلیم رائج ہے، اگر کہیں شاذ و نادر لڑکیوں کی تعلیم کا علیحدہ انتظام ہو تو اساتذہ مرد ہی

ہوتے ہیں، نیز ڈاکٹری تعلیم کے دوران مردوں کی چیر مچاڑ کر کے تجربات کئے جاتے ہیں۔ اگر ڈاکٹری تعلیم ناجائز ہو تو پھر اسلامی معاشرے میں خواتین کے علاج کی کیا صورت ہوگی؟ خصوصاً جب خواتین کے ایسے معاینہ اور علاج کی ضرورت ہو جس کو مرد ڈاکٹر سے نہیں کر دایا جاسکتا، مثلاً زچگی اور دیگر نسوانی امراض: نرسنگ کی معمولی تعلیم بھی اسی مخلوط طریقہ سے ہوتی ہے، ایسے حالات میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے عصر حاضر کے میڈیکل کالجوں میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں، خواہ طریقہ تعلیم مخلوط ہو یا غیر مخلوط۔ کیونکہ پڑھانے والے دونوں صورتوں میں مرد اساتذہ ہوتے ہیں، عورتوں کے لئے طبی تعلیم کی صحیح صورت یہ ہے کہ مردوں سے علیحدہ انتظام ہو اور پڑھانے والی بھی خواتین ہوں۔

نیز مردوں کی چیر مچاڑ بھی حرام ہے، عملی مشق کے لئے انسانی ڈھانچوں کی بجائے حیوانات کے ڈھانچے استعمال کئے جائیں۔ ممالک اسلامیہ میں مسلمان خواتین ڈاکٹروں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ لڑکیوں کے لئے علیحدہ میڈیکل کالجوں اور ہسپتالوں کا انتظام بسہولت کیا جاسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۱ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

عورت کو لکھنا سکھانا:

سوال: کیا عورت کے لئے خط و کتابت سیکھنا اور دوسری لڑکیوں کو سکھانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بقدر ضرورت سیکھنا سکھانا جائز ہے، البتہ اگر آثار و قرائن سے کسی عورت کی طبیعت میں شر ظاہر ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں۔

اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن عائشة بنت طلحة قالت قلت لعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وانا فی حجرہا وکان الناس یأتونہا من کل مصر فکان الشیوخ ینتابون لمکانی منها وکان الشباب یتأخون فیہدون الی ویکتبون الی من الامصار فاقول لعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا خالہ ہذا کتاب فلان وھدیتہ

فتقول لی عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ای بنیت فاجیبی واثیبی فان لم یکن عندک ثواب اعطیتک فقالت تعطینی (الادب المفرد ص ۲ ج ۲)

واخرج الامام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ عن الشفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا عند حفصة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال لی الا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتہا الکتابہ۔

قال المنلا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح هذا الحدیث: قال الخطابی فیہ دلیل علی ان تعلم النساء الکتابہ غیر مکرره قلت یحتمل ان یكون جائزا للسلف دون الخلف لفساد النسوان فی هذا الزمان ثم رأیت قال بعضهم خصت بہ حفصة رضی اللہ تعالیٰ عنہا لان نساءہ صلی اللہ علیہ وسلم خصصن بأشیاء قال تعالیٰ لئنساء النبی لئن کاحد من النساء وخیر لا تعلمن الکتابہ یحمل علی عامۃ النساء خوف الاقتنان علیہن (المرقاة ص ۳۶ ج ۸)

وقال العلامة السہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ: فیہ دلیل علی جواز تعلم النساء الکتابہ واما حدیث لا تعلموهن الکتابہ فمحمول علی من یخشى فی تعلیمہا الفساد (بذل المجہود ص ۶ ج ۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

ہیچڑے سے پردہ:

سوال: حدیث میں ہیچڑوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے، عرض یہ ہے کہ یہ جماع کے قابل نہیں ہوتے تو ان سے پردہ کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پردہ کا مبنی قدرت جماع نہیں، حدیث میں ہے کہ بغرض استلذاذ دیکھنا یا باتیں سننا یا ہاتھ سے مس کرنا آنکھ، کان اور ہاتھ کا زنا ہے اور یہ صفت ہیچڑے میں بھی موجود ہے، نیز بہت سے ہیچڑے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مردانہ قوت موجود ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
غرة جمادی الثانیۃ سنہ ۱۴۰۳ھ

سسرے پردہ:

سوال: سسرے پردہ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نہیں، البتہ فتنہ کا خوف ہو تو احتیاط ضروری ہے، ایسی حالت میں سسر کے ساتھ خلوت اور سفر جائز نہیں۔

بعض علاقوں میں سسر سے ہاتھ ملانے کا رواج ہے جو بالکل غلط اور واجب الاصلاح ہے، اگر شہرت سے کسی ایک کا کوئی عضو دوسرے کے کسی عضو سے بلا حائل لگ جائے تو عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، اس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔
قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله والصہرة الشابة) والمسألة مفروضة هنا في امها والعلة تفيد ان الحكم كذا في بنتها ونحوها كما لا يخفى (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۸۸ھ

داماد سے پردہ:

سوال: ساس کو داماد سے پردہ کیسا ہے؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ساس پر داماد سے پردہ فرض نہیں، البتہ خوف فتنہ کے وقت احتیاط ضروری ہے، تنہائی اور سفر جائز نہیں۔

بعض علاقوں میں ساس سے مصافحہ کرنے کا رواج ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ ایسی حالت میں کسی ایک کو شہوت آگئی تو داماد پر اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ: والخلوۃ بالمحرم مباحۃ الا انت رضا عا والصہرة الشابة (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲ ذی القعدہ سنہ ۹۴ھ

پردہ فرض ہونے کی عمر:

سوال: لڑکی پر کتنی عمر میں پردہ کرنا فرض ہو جاتا ہے اور لڑکا کتنی عمر کا ہو جائے تو اسے عورتوں کے پاس جانے سے روکا جائے گا؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احکم حجاب سے مقصود مردوں اور عورتوں کو بد نظری اور بُرے خیالات کے گناہ سے

مغفولہ لخصات، سو جس عمر سے بچوں میں اس گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہوگا وہ اس عمر سے احکام حجاب کے مکلف ہوں گے اور پردہ کے سلسلے میں ایسے بچوں کا وہی حکم ہوگا جو بالغ مردوں عورتوں کا ہے۔

چنانچہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

او الطفل الذین لم یظہر واعلی عورات النساء۔

یعنی جب بچے میں شہوت پیدا ہو جائے تو اس سے پردہ کرنا فرض ہے۔

قال الامام الخانبن رحمہ اللہ تعالیٰ : لم یبلغوا حد المشہوة (تفسیر الخازن ص ۳۴۹)

وقال العلامة الا لوسی رحمہ اللہ تعالیٰ : الذین لم یبلغوا حد المشہوة والقدرة

على الجماع (روح المعانی ص ۱۲ ج ۵)

حد شہوت تک پہنچنے پر قدرت علی الجماع بھی ہو جاتی ہے۔ کما هو ظاہر من عبارة

العلامة الا لوسی رحمہ اللہ تعالیٰ و مصرح فیما سیجی من نصوص الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ

اگر بالفرض دونوں کی عمر میں کچھ معمولی ساتفافوت ہو تو حکم حجاب کا مدار حد شہوت ہے قدرت

جماع نہیں یہ حقیقت عقلاً و نقلاً ہر لحاظ سے بدیہیات و مسلمات میں ہے جس کی دو وجوہ ہیں :

① شہوت قلب سے نظر فکر مستقل گناہ کبیرہ ہے، بلکہ بلا شہوت نظریات فکر سے شہوت

پیدا ہو جانے کا احتمال ہو تو وہ بھی حرام ہے۔

② مشہتی بچے کی نظر آئندہ چل کر زنا اور دوسری بد کاریوں میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے،

رذیلة الحرام حرام۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی عمر کو حد شہوت کی عمر قرار دیا ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر واولادکم بالصلوة وھم ابناء سبع سنین واضرہوہم

علیہا وھم ابناء عشر سنین و فرقوا بینہم فی المضاجع رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ص ۵۵ ج ۱)

دس سال کی عمر میں تفریق مضاجع کا حکم فرمایا گیا، اس حکم کی علت احتمال شہوت ہے اور

اس عمر میں نماز نہ پڑھنے پر ضرب کا حکم فرمانا بھی اس امر کا مشعر ہے کہ اس عمر کے بچے بمنزلہ

بالغین ہیں۔

قال العلامة علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ : لانہم بلغوا او قاربوا البلوغ (مرقاۃ ص ۱۱ ج ۲)

وقال الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ: (ان بلوغ العشر مظنة الشهوة (مرقاۃ ج ۲)
حدیث مذکور کے مطابق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی دس سال کے لڑکے کو مراہق
و مشتہی قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولومراہقا یجامع مثله وقدرہ شیخ
الاسلام بعشر سنین۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولومراہقا) هو الدانی
من البلوغ نہر (قوله یجامع مثله) تفسیر للمراہق ذکرہ فی الجامع وقیل هو الذی
تتحرك اللہ ویشتہی النساء کذا فی الفتمہ ولا یخفی انه لا تنافی بین القولین نہر۔
(رد المحتار ج ۲)

اشکال: در مختار میں اشباہ سے نقل کیا ہے:

یدخل علی النساء الی خمسة عشر سنة حسب۔

جواب: حدیث وفقہ کی مذکورہ بالا تصریحات کے پیش نظر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پندرہ سال
کی عمر ہو جانے کے باوجود شہوت ظاہر نہ ہو تو بھی اس عمر میں پردہ فرض ہے۔

لڑکی کے بارے میں حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے دلائل و تجارب کی بناء
پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ نو سال کی عمر میں مشتہاۃ ہو جاتی ہے، اس لئے
نو سال کی لڑکی پر پردہ فرض ہے، حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور نصوص فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ
کے مطابق لڑکی نو سال کی عمر میں بالغ ہو سکتی ہے تو اس عمر میں مراہقہ و مشتہاۃ بطریق اولیٰ ہو
سکتی ہے، اس لئے نو سال کی لڑکی کو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بالاتفاق مشتہاۃ قرار دیا ہے۔
قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقدر یتسم ویہ یفتی و بنت احدى عشرة
مشتہاۃ اتفاقا زلیعی۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: بل فی محرمات المنح و بنت تسع

فصا عدا مشتہاۃ اتفاقا سائحاتی (رد المحتار ج ۲)

مذکورہ بالا روایات حدیث وفقہ سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ نو سال کی لڑکی اور دس سال
کا لڑکا احکام حجاب کے مکلف ہیں، اگر وہ خود کوتاہی کریں تو ان کے اولیاء پر فرض ہے کہ وہ ان سے
ان احکام پر عمل کروائیں۔

نشود و نما اور ماحول کے پیش نظر لڑکے اور لڑکی کے لئے پردہ کی عمر مذکور میں کچھ کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۴ رمضان سنہ ۱۳۹۶ھ

عورتوں میں بدون پردہ وعظ کہنا جائز نہیں:

سوال: ایک مولوی صاحب رمضان میں ۸ ربیعہ سے ۱۱ بجے تک ایک چار دیواری کے اندر جہاں اور کسی کا گزر بھی نہیں بدون پردہ عورتوں کے سامنے وعظ کہتے ہیں، جس میں گاڑی کی جوان اور بوڑھی عورتیں کافی تعداد میں شریک ہوتی ہیں۔ چند آدمیوں نے منع کیا تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ عورتیں ویسے بھی تعویذ لینے کے لئے اور دوسرے دنیوی معاملات میں ہم سے ملتی رہتی ہیں، دین کی باتیں بتانے کے لئے ان کو جمع کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اگر میں پردہ میں تقریر کروں تو کوئی عورت بھی سننے نہیں آتی۔ کیا شریعت کی رو سے مولوی صاحب کا یہ فعل جائز ہے؟ ایسے مولوی کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینواتو جبردا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ استدلال بن البطلان اور یہ فعل حرام ہے، مولوی صاحب پر ان شیطانی حیالوں کو چھوڑ کر اس فعل شنیع سے توبہ فرض ہے، اگر توبہ نہ کرے تو ایسے فاسق شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۶ھ

بہنوئی سے پردہ فرض ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ بکر سے اس کی سگی سالی کو پردہ کرنا فرض ہے جبکہ بکر کا کہنا ہے کہ جب تک میری اہلیہ زندہ ہے، میری سالی کا نکاح مجھ سے حرام ہے، اور جس عورت سے نکاح کرنا حرام ہو اس سے پردہ نہیں ہے۔ براہ کرم شرعی مسئلہ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینواتو جبردا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہنوئی سے پردہ فرض ہے، جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں ان کو پردہ نہیں سالی ہمیشہ کے لئے حرام نہیں بلکہ اس کی حرمت ایک عارض کی بناء پر ہے اگر بکر کی اہلیہ مر جائے یا بکر اس کو طلاق دیدے تو عدت گزرنے کے بعد اس کا سالی سے نکاح جائز ہے۔ اس قسم کی عارضی حرمت تو ہر شادی شدہ عورت میں ہے، جب تک اس کا شوہر زندہ ہے

یہ عورت دنیا میں کسی اور مرد کے لئے حلال نہیں، سب پر حرام ہے۔ اگر عارضی حرمت کی وجہ سے پردے کا حکم ساقط ہو جائے تو شادی شدہ عورت پر کسی سے بھی پردہ فرض نہیں ہونا چاہیے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۱ صفر سنہ ۹۹ ھ

اجنبیہ سے بات کرنا:

سوال: آج کل عورتیں پردہ تو کرتی نہیں ہیں، ان سے چار و ناچار کام پڑ جاتا ہے آدمی بالکل الگ نہیں رہ سکتا، ان سے بات کرنے کی نوبت بھی آتی ہے، ہوتا یہ ہے کہ بعض عورتیں مثلاً سالی وغیرہ مزاح بھی کرتی ہیں، ایسی صورت میں کوئی عورت بات کرے یا مزاح کرے تو جواب دیا جائے یا کیا کیا جائے؟ بدینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر محرمہ عورتوں سے بقدر ضرورت بات کرنا جائز ہے، بلا ضرورت جائز نہیں، ہنسی مزاح کرنے یا اس کا جواب دینے کی کوئی گنجائش نہیں، سخت گناہ ہے۔ بلا ضرورت دیکھنا بھی جائز نہیں، حتی الامکان حفاظت نظر بھی ضروری ہے۔

ایسے ماحول میں بات کرنا پڑے تو ان کو شرعی پردہ کرنے کی ترغیب دے، قرآن و حدیث کے احکام بیان کرے۔

قال العلامة الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ: وفي الشربلایۃ معن یا اللجوهرة ولا یکلم الاجنبیۃ الا بجزوا عطستہ او سلمت فی شہتها ویرد السلام علیہا والا لانتھی وبہ بان ان لفظہ لا فی نقل القہستافی ویکلمہا بما لا یحتاج الیہ زائدۃ فتنبہ۔

دقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله زائدۃ) ببعده قوله فی التقنیۃ رامزا ویجوز الکلام المباح مع امرأۃ اجنبیۃ اھ وفي المجتبی رامزا وفي الحدیث دلیل علی انه لا بأس ان یتکلم مع النساء بما لا یحتاج الیہ ولس ہذا من الخوض فی ما لا یعنیہ انما ذلک فی کلام فیہ اثم اھ فالظاہر انه قول اخر او محمول علی العجز تأمل و تقدم فی شروط الصلوۃ ان صوت المرأة عورة علی الراجح وھو الکلام فیہ فراجعہ (رد المحتار ص ۲۳۶ ج ۵)

قال العلامة الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ فی شروط الصلوۃ: وللحرة ولو خنثی

جميع يديها حتى شعرها النازل في الاصح خلا الوجه والكفين فظهر الكف عورة على المذهب والقدمين على المعتمد وصوتها على الراجح وذراعيه على المرجوح.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وصوتها) معطوف على المستثنى يعنى انه ليس بعورة ح (قوله على الراجح) عبارة البحر عن الحلية انه الاشبه وفي النهر وهو الذي ينبغي اعتماده ومقابله ما في النوازل نعمة المرأة عورة وتعلمها القران من المرأة احب قال عليه الصلوة والسلام التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلا يحسن ان يسمعها الرجال وفي الكافي ولا تلبى جهرا لان صوتها عورة ومشى عليه في المحيط في باب الاذان بحر قال في الفتح وعلى هذا الوكيل اذا جهرت بالقراءة في الصلوة فسدت كان متجها ولهذا منعهما عليه الصلوة والسلام من التسبيح بالصوت لاعلام الامام بسهوه الى التصفيق اه فاقرة البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير وكذا في الامداد ثم نقل عن خط العلامة المقدسي ذكر الامام ابو العباس القرطبي في كتابه في السماع ولا يظن من لا فطنة عنده انا اذا قلنا صوت المرأة عورة انا نريد بذلك كلامها لان ذلك ليس بصحيح فانا نجيز الكلام مع النساء للاجانب ومحاورتهن عند الحاجة الى ذلك ولا نجيز لهن رفع اصواتهن ولا تطيظها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال اليهن وتحريك الشهوات منهن ومن هذا لم يخبر ان تؤذن المرأة اه قلت ويشير الى هذا تعبير النوازل بالنعمة (رد المحتار ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم.

۱۷ ذی الحجۃ سنہ ۹۹ھ

غیر محرم کو سلام کرنا:

سوال: عورت کے لئے غیر محرم مرد کو سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اجنبی مرد اور عورت کے لئے ایک دوسرے کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز نہیں، اگر کسی نے سلام کیا تو دوسرا دل میں جواب دے آواز سے نہ دے۔
البتہ اگر کسی ضرورت سے بات کرنے کی نوبت آئے تو سلام و رد سلام کی گنجائش ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي الشربلالية معنی یا للجوہرة ولا یكلم الاجنبیة الا عجزوا عطست او سلمت فی شمتھا ویرد السلام علیھا والا لا انتھی۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله والا لا) ای والا تکن عجزوا بل شابة لا یشمتھا ولا یرد السلام بلسانہ قال فی الخانیة وكذا الرجل مع المرأة اذا التقيا یسلم الرجل اولاً واذا سلمت المرأة الاجنبیة علی رجل ان كانت عجزوا رد الرجل علیھا السلام بلسانہ بصوت تسع وان كانت شابة رد علیھا فی نفسه وكذا الرجل اذا سلم علی امرأة اجنبیة فالجواب فیہ علی العکس اه وفي الذخيرة واذا عطس فشمته المرأة فان عجزوا رد علیھا والارد فی نفسہا كذا الوعطست ہی كما فی الخلاصة (رد المحتار ج ۳ ص ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۹ھ

اثر ہوٹس سے بات کرنا:

سوال: ہوائی جہاز میں کھانے وغیرہ کے لئے اثر ہوٹس سے بات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جہاز میں کھانا اور چائے وغیرہ وقت مقرر پر عمل کی طرف سے خود پہنچا دیا جاتا ہے، طلب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، معہذا اگر ضرورت ہو تو اثر ہوٹس سے بقدر ضرورت بات کرنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۹ھ

بغرض علاج عورت کی شرمگاہ دیکھنا:

سوال: مرد ڈاکٹر کے لئے بغرض علاج عورت کی شرمگاہ میں ہاتھ ڈالنا یا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی ضرورت کے موقع پر حتی الامکان مسلمان عورت ڈاکٹر سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنا لازم ہے، اگر بروقت عورت ڈاکٹر نہ مل رہی ہو اور ضرورت شدید ہو تو مرد ڈاکٹر کے لئے بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۹ھ

غیر محرم سے تجوید سیکھنا

سوال: عورت عام طور پر بچپن میں کسی ماہر سے قرآن نہیں پڑھتی اس لئے قرآن پڑھنے میں کافی غلطیاں کرتی ہے، تو کیا بالغ ہونے یا شادی کے بعد پردہ کے اہتمام کے ساتھ وہ کسی غیر محرم سے تجوید سیکھ سکتی ہے؟

نیز اگر خود بقدر ضرورت تصحیح حروف کے ساتھ پڑھ لیتی ہے لیکن بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مزید مشق کی ضرورت ہے، اگر تجوید سیکھ کر تجوید سے پڑھائے گی تو آئندہ نسل کا فائدہ ہوگا، کیا اس مقصد کے لئے غیر محرم سے تجوید سیکھنا اور قرآن پڑھنے کی مشق کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں مفاسد ذیل ہیں:

① استاد و شاگرد کا لفظ لفظ بلکہ حرف حرف کا تادیر باہم تکرار اور ایک دوسرے کی طرف مراجعہ مخصوصہ۔

② ایک دوسرے کی آواز بہت دیر تک سنا سنانا۔

③ تجوید کے ساتھ قراءت میں کشش و جاذبیت۔

④ جانبین سے شخصیت متعینہ۔

⑤ مذکورہ محرکات اربعہ کا روزانہ عرصہ دراز تک مسلسل قائم رکھنا۔

اس لئے یہ طریقہ جائز نہیں، بالخصوص جب کہ یہ ضرورت پوری کرنے کی صورتیں

میسریں :

① محارم مردوں سے پڑھیں۔

② چھوٹی بچیاں پڑھ کر دوسری خواتین کو پڑھائیں۔

قال العلامة المنلا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ : ورفع الصوت بها
لشهادة الارض والحجر والمدر والشجر له الا المرأة فان صوتها عورة
فیجب صونها۔

وقال العلامة حسین بن محمد سعید المکی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ :
(قوله فان صوتها عورة) هذا ضعيف قال في الدر المختار عند قول
المبتن ولا تلبی جهر ابل تسمع نفسها دفعا للفتنة وما قيل ان صوتها عورة
ضعيف (ارشاد الساری ص ۶۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۰ ازی القعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

تندوئی سے بات کرنا :

سوال : زید کہتا ہے کہ بکر کہیں دور سے اپنے سالے کے گھر آتا ہے ، اتفاق سے
سالہ اپنی ملازمت یا مزدوری پر گیا ہوا ہے تو بکر کے سالے کی بیوی بکر سے نہ خیریت معلوم
کر سکتی ہے نہ بیٹھک میں بیٹھنے کو کہہ سکتی ہے ، نہ کھانے ، چائے وغیرہ کا پوچھ سکتی
ہے ، اگر خاندان گھر میں موجود ہو تو بھی وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ جبکہ بکر کہتا ہے کہ اگر ایسا ہو
تو کون کسی کے گھر جائے گا ، اس سے قطع رحمی کا خطرہ ہے جو شدید جرم ہے اور ہمارے
ہاں برصغیر میں ماحول اتنا خراب نہیں ہے ، اس طرح قریبی رشتہ داروں سے خیریت
معلوم کرنے اور کھانا وغیرہ کھلانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ براہ کرم مسئلہ شرعیہ سے
آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی محرم کی موجودگی میں تندوئی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے جائز نہیں ،
البتہ محرم کی عدم موجودگی میں پس پردہ رہ کر بیٹھک میں بیٹھا سکتی ہے۔ کھانا وغیرہ بھی
پس پردہ رہ کر دے سکتی ہے ، پردے کا پورا اہتمام کرے اور بقدر ضرورت بات پر اکتفاء
کرے ، اس میں بھی لہجہ میں بتکلیف درشتی پیدا کرے ، تندوئی کے بار بار آنے کی عادت

بنالینے کا اندیشہ ہو تو پس پردہ بیٹھنا بھی جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله او بمحائل) قال فی القنیۃ سکن رجل فی بیت من داور وامرأة فی بیت اخر منها ولكل واحد غلق علی حدة لكن باب الداور واحد لا یكره ما لم یجمعهما بیت اھ وں منزلہ ثلاثہ ں مونز ثمر ں مز الی کتاب الاخرہی خلوة فلا تحل ثم رمز وں لوطلقها بائنا و لیس الا بیت واحد یجعل بینہما سترة لانه لولا السترة تقع الخلوة بینہ و بین الاجنبیة و لیس معها محرم فهذا یدل علی صحۃ ما قالوہ اھ لان البیتین من داور واحد کالسترة بل اولى وما ذکرہ من الاکتفاء بالسترة مشروط بما اذا لم یکن الزوج فاسقا اذا لو کان فاسقا یحال بینہما بامرأة ثقة تقدر علی الحیلولة بینہما کما ذکرہ فی فصل الاحداد وقد بحث صاحب البحر هناك بمثل ما قالہ فی القنیۃ فقال یمکن ان یقال فی الاجنبیۃ كذلك وان لم تکن معتدلة الا یوجد نقل بخلافہ (رد المحتار ص ۲۳۵ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

الردی القعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لینا:

سوال: جوش محبت میں بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ہاتھ لگنا جائز ہے، بوسہ لینا جائز نہیں۔

قال فی الہندیۃ: فی النوازل اذا دخل الرمل ذکرہ فی فم امرأتہ قد قبل یمکرہ وقد قبل بخلافہ کذا فی الذخیرۃ (عالمگیریہ ص ۳۲ ج ۵)

اقول المبیہم مجہول منکر و قولہ مردود شرعا و عقلا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۸ھ

زوجین کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا:

سوال: ایک روایت نظر سے گزری، مشہور ہے کہ بوقت صحبت بیوی کی شرمگاہ

کو دیکھنے سے انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ کیا یہ ہے:

درودی بقیۃ بن مخلد و ابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
مرفوعاً اذا جامع احدکم زوجته او جاریتہ فلا ينظر الى فرجہا فان ذلك
یورث العی قال ابن صلاح جید الاسناد کذا فی الجامع الصغیر۔
کیا یہ روایت یا اس مضمون کی کوئی اور روایت صحیح سند سے ثابت ہے؟
بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بصیرۃ فقہیہ ایسی روایات کو دیکھتے ہی موضوع یا انتہائی ضعیف ہونے کا فتویٰ
دے دیتی ہے، مراجعۃ الکتب سے اس کی توثیق ہو گئی۔

قال الامام ابو الفرج ابن الجوزی فی باب النظر الى الفرج: فیہ عن ابن عباس
وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فاما حدیث ابن عباس فانباؤنا اسمعیل بن احمد
السمرقندی انباؤنا اسمعیل بن مسعدۃ انباؤنا حمزۃ بن یوسف انباؤنا احمد بن
عدی حدثنا ابن قتیبۃ حدثنا ہشام بن خالد حدثنا بقیۃ عن ابن جریر
عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اذا جامع احدکم زوجته او جاریتہ فلا ينظر الى فرجہا
فان ذلك یورث العی۔

قال ابو حاتم بن حبان: کان بقیۃ یروی عن کذا بین وثقاۃ ویدلس
وکان له اصحاب یسقطون الضعفاء من حدیثہ ویسوونہ فی شیان ان یکون
سمیع هذا من بعض الضعفاء عن ابن جریر ثم یدلس عنہ۔ و۔ الترف۔
(التزق) بہ و هذا موضوع۔

واما حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانباؤنا محمد بن ناصر انباؤنا
المبارک بن عبد الجبار انباؤنا ابو نصر عبد الیاقی بن احمد الواعظ انباؤنا محمد
ابن جعفر بن علان انباؤنا ابو الفتح الانزلی انباؤنا زکریا بن یحیی المقدسی حدثنا
ابراہیم بن محمد الفریابی حدثنا محمد بن عبد الرحمن الثوری عن مسعدۃ
ابن کرام عن سعید المقبری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جامع احدکم فلا ينظر الى الفرج فانه

یورث العمی ولا یكثر الکلام فانه یورث الخرس۔

قال الازدی : ابراهیم بن محمد بن یوسف ساقط (کتاب الموضوعات ج ۲) ^{۲۷۱}
وقال المحافظ ابن عدی البحر جانی رحمہ اللہ تعالیٰ بعد نقل حدیث
بقیۃ : ثناء بهذا الاسناد ثلاثة احادیث اخر مناکیر وهذه الاحادیث
یشبه ان تكون بین بقیۃ وابن جریر بعض المجہولین او بعض الضعفاء
لان بقیۃ کثیرا ما یدخل بین نفسه و بین ابن جریر بعض الضعفاء او
بعض المجہولین الا ان هشام بن خالد قال عن بقیۃ حدیثی ابن جریر
(الکامل ص ۲ ج ۲)

وقال الامام الباقی رحمہ اللہ تعالیٰ : مروی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ
فی الامالی قال سألت ابا حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن الزجل یمس فرج امرأۃ
او تمس ہی فرجہ لیتحرک علیہا هل ترى بذلك بأسا ؟ قال لا ارجوان یعظم
الاجر (العنایتہ بہا مش تکرر الفتح ص ۱۳ ج ۲)

اس میں جواز نظر اگرچہ صراحتہً مذکور نہیں مگر قیاساً ظاہر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۱۴۱۰ھ

عورت کا تفریح کے لئے نکلنا :

سوال : عورتوں اور لڑکیوں کا تفریح کے لئے برقع اڑھ کر اپنے شوہر والد یا کسی
اور محرم کے ساتھ عام تفریح گاہوں جیسے کلفٹن، ہاکس بی، ہل پارک وغیرہ میں جانا شرعاً
کیسا ہے ؟ جبکہ عام طور پر علماء کرام بغیر کسی شرعی ضرورت کے عورتوں کا گھروں سے باہر
نکلنا ناجائز بتاتے ہیں کیونکہ اگرچہ عورتیں خود برقع میں ہوں اور ان کے چہرہ پر کسی غیر مرد کی
نگاہ نہ پڑے لیکن خود ان عورتوں کی نگاہ تو مردوں کے چہروں پر پڑتی ہے اور وہ ان کو
دیکھتی ہیں، کیا تفریح کے لئے تفریح گاہوں میں جانا شرعی ضرورت میں شامل ہے ؟ جبکہ
علماء کرام حج و عمرہ پر جانے والی عورتوں کو نماز کے لئے مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم میں جانے سے منع فرماتے ہیں، اپنی اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھنے کی تاکید
کرتے ہیں، تو کیا تفریح کی اہمیت ان مسجدوں میں نماز پڑھنے سے بھی زیادہ ہے ؟
آج کل بعض دیندار لوگ بھی صوفیانہ وضع کے ساتھ اپنی بیوی اور جوان لڑکیوں

کو لے کر عام تفریح گاہوں اور پارکوں میں باکر بیٹھنے اور کچھ کھانے پینے کا شغل کرتے ہیں یعنی ایک طرح کی "پکنک" مناتے ہیں جس سے عام لوگوں کے ذہنوں میں اس کے جواز کا خیال پیدا ہوتا ہے، اس طرح ان کا عام تفریح گاہوں میں جانا دین کے متعلق غلط تصور پیش کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے اور عوام الناس کی ایسے کاموں کی ہمت افزائی کا باعث ہے اس لئے اس کے متعلق مفصل فتویٰ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بیدنوا توجہ فرما۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن وحدیث میں عورت کو پردے کی سخت تاکید اور عورت کے باہر نکلنے میں مفسد کثیرہ کے پیش نظر عورت کا تفریح کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، اگر نکلے گی تو اس کے علاوہ اس کا شوہر اور دوسرے اولیاء بھی سخت گنہگار ہوں گے، ان سب پر ایسے فسق و فجور سے توبہ کرنا فرض ہے۔

اختصار کے ساتھ چند دلائل اور مفسد ملاحظہ ہوں:

(۱) عورت کو بلا ضرورت برقع اور ڈھکر بھی گھر سے نکلنا حرام ہے:

(۱) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْبَاجِیَةِ الْأُولَى

(۳۳-۳۳)

(۲) وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ

أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (۳۳-۵۳)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سوال و جواب کی ضرورت کے وقت بھی عورت برقع وغیرہ میں لپیٹ کر سامنے نہ جائے بلکہ وراہ حجاب رہ کر ضرورت پوری کی جائے۔

(۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ الفتی حدیث العهد بعرس

فاذا امرأتہ بین البایین قائمۃ فاھوی الیہا بالرحم لیطعنہا بہ واصابتہ غیرہ، رواہ مسلم۔

(۴) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأة تقبل

فی صورة شیطان وتدر فی صورة شیطان، رواہ مسلم۔

(۵) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأة

عورة فاذا خرجت استشر فہا الشیطان، رواہ الترمذی۔

(۶) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس للنساء

نصیب فی الخروج الا مضطرۃ، الحدیث۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

(۳) عورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر بھی باہر نکلے گی تو غیر محارم پر نظر پڑے گی، حدیث میں اہل بیت المؤمنین رضی اللہ عنہم کو ایک متقی نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومیمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اذا قبل ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منه فقلت یا رسول اللہ ایس ہوا عمی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیا وان انتما الستما تبصرانہ، رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔

(۳) باہر نکلنے میں منکرات و فواحش، عریاں عورتوں اور تصادیر پر نظر پڑے گی جس کا قلب پر برا اثر پڑے گا۔

(۴) کانوں یا جوں کی آوازیں کان میں پڑیں گی اور قلب پر اثر کریں گی۔

(۵) بے دین لوگوں کی مختلف قسم کی آوازیں کان میں پڑیں گی، جن سے قلب متاثر ہوگا۔

(۶) اس زمانے میں غلبہ فساد کی وجہ سے گھر سے باہر ہر طرف فسق و فجور کا ماحول ہوتا ہے جس سے فضا تک متاثر ہوتی ہے، انسان کے قلب پر لازماً اس کا اثر پڑتا ہے۔

(۷) اگر عورت پردے میں بھی نکلے تو بھی فساق و فجار اس کی طرف غور سے دیکھتے

ہیں اور ان کا میلان اس کی طرف ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ عورت بنی، اس لئے یہ بھی گناہ گار ہوئی، اسی لئے قرآن و حدیث میں اشخاص کا پردہ بھی ضروری قرار دیا گیا، جس کے دلائل کی تفصیل نمبر ① کے تحت گزر چکی ہے۔

مفسد مذکورہ اگرچہ مردوں کے خروج میں بھی پائے جاتے ہیں مگر مرد اور عورت کے خروج میں دو وجہ سے فرق ہے:

① مرد کا خروج ضرورت دیدیہ و دیویہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ

اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور عورت کا تفریح کے لئے نکلنا ضرورت میں داخل نہیں۔

② حفظ صحت کے لئے بھی مردوں کو باہر نکلنے کی ضرورت ہے، عورتوں کو اس کی

ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ہے، اس کی صحت

کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے ماحول میں وہ چیزیں پیدا فرمادی ہیں اور اس کے ماحول کو اس کے مطابق بنا دیا ہے۔

پھر مختلف قسم کی مخلوق کے افراد میں بھی باہم تفاوت ہوتا ہے۔

ہر فرد کی جو طبیعت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، اس کے ماحول کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے سازگار بنا دیا ہے، روزمرہ اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہوتا رہتا ہے، جن علماء و مشایخ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ بھیج کر دلجمعی سے کام کرنا مقدر فرما دیا ہے ان کی صحت اسی ماحول میں ٹھیک رہتی ہے، باہر کہیں سفر پر جاتے ہیں تو بیمار ہو جاتے ہیں اور جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے باہر نکل کر دوسرے ممالک میں تبلیغ، اشاعت دین اور اصلاح عوام کا کام مقدر فرما دیا ہے ان کی صحت پے درپے سفر کرنے ہی سے ٹھیک رہتی ہے، چند دن گھر رہتے ہیں تو بیمار ہو جاتے ہیں۔

عورتوں کو دَقْرَتٌ فِیْ بُيُوتِكُنَّ کا حکم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے گھر کے اندر کا ماحول ان کے لئے سازگار بنا دیا ہے، جس عورت کو صحت کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت محسوس ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ کثرت معاصی سے اس کی فطرت تبدیل ہو گئی ہے، یہ اس کے بے دین ہونے کی علامت ہے۔ دیندار عورتوں کی صحت گھر ہی میں ٹھیک رہتی ہے۔ ہاں! صحت کے لوازم میں سے ورزش مسلمات میں سے ہے، اور گھر کے کام کاج سے عورتوں کی ورزش ہوتی رہتی ہے۔

ورزش کا معیار یہ ہے: ① مانس تیز ہو جائے۔ ② پسینہ آنے لگیں۔ ③ تھکاوٹ محسوس ہو۔

اگر عورت کو گھر میں اتنا کام نہیں ہے تو چکی پیسے، عورتیں گھر کا کام تو کرتی نہیں ہیں، اس کے لئے ملازمہ رکھتی ہیں، اس لئے صحت کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

قال الشیخ ابوسعید الخادمی رحمہ اللہ تعالیٰ: (دیمع من الحمام) ای الزوج زوجته من الذہاب الی حمام السوق وهو المتبادر ظاہر الاطلاق مساواة الشابة و غیرہا لیللا و نهارا عند فساد الزمان و امنہ۔

(البریقة المحمودیة ص ۴ ج ۲)

وقال ایضا: ولا یأذن لها بالخروج الی المجلس الذی یجتمع فیہ الرجال والنساء فیہ من المنکرات کالتصدیة و رفع الاصوات المختلفة واللعب من المتکام بالقاء الکم و ضرب الرجل علی المنبر والقیام والصعود والنزول

عنه فكل من المذكور مكروه ولا يحضر ولا يأذن لها ولو فعل يتوب الى الله تعالى (ايضا ص ۱۵۱)

وقال ايضا: ولا يدعها ان تخرج من الستر من البيت فانها عورة وخروجها اثم وعد في الخلاصة من المواضع التي يضرب الزوج زوجته فيها الخروج من البيت وفي القنية: يضرب ايضا (الى) او كشفت وجهها لغير محرم (ايضا ص ۱۵۲)

قال الشيخ حافظ الدين محمد بن محمد رحمه الله تعالى: ولا يأذن بالخروج الى المجلس الذي يجتمع فيه الرجال والنساء وفيه المنكرات الخ (البرازية بهامش الهندية ص ۱۵۲ ج ۲)

وقال ايضا: وفيما عداة من زيارة الاجانب وعيادتهم والوليمة لا وان يأذن وان أذن الزوج كانا عاصيين (ايضا ص ۱۵۱)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وحيث ابحننا لها الخروج فانما يباح بشرط عدم الزينة وتغير الهيئة الى ما يكون داعية لنظر الرجال والا ستمالہ (رد المحتار ص ۶۲۵ ج ۲) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

عورت کا ڈرائیور کے ساتھ تنہا گاڑی میں بیٹھنا:

سوال: جامعات البنات کی طرف سے مقرر کردہ بس یا کارڈرائیور کے لئے بدون محرم بنات کو گھر سے لانا اور واپس پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹواتوجس وا۔

الجواب باسم صاہم الصواب

اگر گاڑی میں دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو ڈرائیور کے لئے لانا لے جانا جائز ہے، ایک لڑکی کو لانا لے جانا جائز نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں خلوت بالاجنبیہ لازم آتی ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لئے حرام ہے۔

قال الامام القاضی بنان رحمہ اللہ تعالیٰ: والخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس هنالك مانع یمنع من الوطء حسا او شرعا او طبعا (الی قولہ) ولو كان معهما جاریۃ احدہما او امرأۃ لہ اخری كان محمدا رحمہ اللہ تعالیٰ

يقول اولاجارية الرجل لا تمنع الخلوة لان له ان يجامعها بحضوره جارية
او امرأة له اخرى ثم رجع وقال جارية احدهما تمنع الخلوة وهو قول
ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى (رخانية بهامش الهنديّة ص ۳۹۶ ج ۱)
والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ

عورت کا گھر میں ننگے سر رہنا:

سوال: عورت کا گھر میں محارم کے سامنے ننگے سر رہنا جائز ہے یا نہیں؟

بیدنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کو شریف اور دیندار گھرانوں میں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور عورتوں میں
بے پردگی و آزادی کے شیوع کا ذریعہ ہے، علاوہ ازیں محارم کے سامنے بھی سینے کے
ابھار کا ظاہر کرنا بہت بڑی بے حیائی ہے، اس لئے جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۷ رجب ۱۴۱۷ھ

مخطوبہ کو دیکھنا:

سوال: آج کل عموماً لڑکے لڑکی کو دیکھنے بغیر نکاح کرنے پر راضی نہیں ہوتے اور
دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں تاکہ نباہ میں معین ہو، چنانچہ لڑکی کو بناؤ سنگھار کر کے والدین یا بعض
دوسرے اہل تعلق کی موجودگی میں یا تنہا کمرے میں لڑکے کو دکھانے کا انتظام کیا جاتا ہے
اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
کو دیکھنے کا حکم فرمایا۔ کیا یہ استدلال اور اس طریقہ سے لڑکی کو دکھلا دھانا سراسر صحیح
ہے؟ اگر صحیح نہیں تو کیا خواتین کے ذریعہ دیکھنا دکھوانا جائز ہے؟ بیدنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ طریقہ ہرگز جائز نہیں، انتہائی درجے کی بے غیرتی و بے حیائی ہے۔ اگر ہر شخص اس طرح
صاف صاف دیکھنے کا مطالبہ کرے اور اس کا یہ بے ہودہ مطالبہ پورا کیا جانے لگے تو نا معلوم
ایک ایک لڑکی کو شادی کے لئے کتنے کتنے لڑکوں کو دکھانے کی نوبت آئے گی، گھوڑی اور
گائے کی سی کیفیت ہو جائے گی کہ گاہک آتے ہیں، دیکھتے ہیں، ناپسند کرتے ہیں اور چلے

جاتے ہیں۔

نباہ کا تعلق صرف صورت ہی سے نہیں ہوتا بلکہ دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت، گفت و شنید، نشست و برخاست، امور خانہ داری و دیگر کئی امور کو اس میں بڑا دخل ہے، اور صرف صورت دیکھ کر ان سب امور کے بارے میں صحیح رائی قائم کرنا از بس مشکل ہے۔ حدیث سے اس حیا سوز مروج طریق پر استدلال کرنا جہالت و تحریف دین ہے۔ حدیث میں رؤیہ کا ذکر ہے نہ کہ ارادۃ کا، اور حکم رؤیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر لڑکی کا چھپ چھپا کر دیکھ سکتا ہو تو اجازت ہے۔ چھپ چھپا کر دیکھنے میں بھی ایسا طریقہ اختیار کرے کہ کسی کو بد نظری کی بدگمانی نہ ہو۔ اس پر یہ دلائل ہیں :

(۱) بعض روایات میں ان استطاع کی تصریح ہے۔

(۲) خود حفصہ و اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخطوبہ کو عورت کے ذریعے دکھوایا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بمنزلہ والد ہیں اور کسی مفسدہ کا قطعاً کوئی امکان نہیں تھا۔

(۳) دو صحابہ حضرت جابر و حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل یہ منقول ہے کہ وہ چھپ کر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل حدیث کی تشریح ہوتا ہے، خصوصاً حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل، کیونکہ ان کو تو خود حفصہ و اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ لڑکی کو اطلاع کئے بغیر خواتین کے ذریعہ دکھوانا جائز ہے۔ لڑکی کو اطلاع ہو تو خواتین کے ذریعہ دکھواتے میں بھی درج ذیل قباحتیں ہیں۔

(۱) اگر لڑکی دیندار و حیا دار قوم کی ہے تو مشرم کے مارے ڈوب ڈوب جائے گی، سامنے آنے کی ہی نہیں، اگر سامنے آ بھی جائے تو نہ کچھ بولے گی، نہ کوئی کام کرے گی، ایک کونے میں دبکی بیٹھی رہے گی، باقی امور تو درکنار صورت کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہوگا۔

(۲) اگر لڑکی بے دین اور بے حیا خاندان کی ہے تو صورت میں، گفتگو میں، کام کاج میں غرض ہر چیز میں تصنع کرے گی، حقیقت کا پتہ چلانا ناممکن ہوگا۔

اگر خواتین اچانک جائیں گی تو لڑکی اصلی ہیئت میں ہوگی، اصلی صورت کے علاوہ گفتار، رفتار و اطوار سب کچھ اپنی اصلی ہیئت میں نظر آئے گا۔

(۳) اگر پسند نہ آئے تو لڑکی یا یوسی و احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہے اور ذلت محسوس کرتی ہے۔

(۴) رشتہ نہ کرنے کی صورت میں دونوں طرف کے خاندانوں کے درمیان سخت منافرت پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے کو منہ دکھانا گوارا نہیں کرتے۔

آخری دو نمبروں کے پیش نظر ایسی صورت اختیار کرنا بہتر ہے کہ گھر والوں کو بھی اطلاع نہ ہو۔
عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ينظر الی ما یدعوہ الی نکاحہا فلیفعل قال فخطبت جاریۃ فکنت اتخباً لہا حتی رأیت منہا ما دعانی الی نکاحہا وتزوجہا فتزوجتہا (ابوداؤد ص ۲۹ ج ۱)

عن سہل بن ابی حثمۃ قال رأیت محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یطارد ثبیئۃ بنت الضحاک فوق اجارلہ یصرۃ طرہا شدیداً فقلت اتفعل ہذا وانت من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا التقی فی قلب امرئ خطبت امرأۃ فلا بأس ان ینظر الیہا (شرح معانی الآثار ص ۲ ج ۲)
عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یتزوج امرأۃ فبعث بامرأۃ لتنظر الیہا فقال شمیہا عوارضہا وانظری الی عرقوبیہا۔

(عمدة القاری بحوالہ بیہقی ص ۱۱۹ ج ۲۰)

قال العلامة ظہر احمد العثماني رحمہ اللہ تعالیٰ: قال العبد الضعیف و حجتہ الجمهور قول جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”فخطبت جاریۃ فکنت اتخباً“ والراوی اعرف بمعنی ما رواہ قدل علی انه لا يجوز له ان يطلب من اولیائہا ان یحضروہا بین یدہ لما فی ذلك من الاستخفاف بہم ولا يجوز ارتکاب مثل ذلك لامر مباح ولا ان ینظر الیہا بحیث تطلع علی رؤسہا من غیر ذنہا لأن المرأة تستحی من ذلك وثقل نظر الاجنبی الیہا علی قلبہا لما جلیہا اللہ علی الغیرۃ وقد یفضی ذلك الی مفسد عظیمۃ کمالاً یخفی وانما يجوز له ان یتخبأ لہا وینظر الیہا خفیۃ ومثل هذا النظر یقتصر علی الوجه والکف والقدم لا یعدوہا الی مواضع اللحم ولا الی جمیع البدن (اعلاء السنن ص ۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نوائین کا تبلیغی جماعت میں نکلنا جائز نہیں:

سوال: عورتوں کا تبلیغی جماعت کے ساتھ تبلیغ کے لئے اپنے محارم کے ساتھ تین دن، دس دن، سال کے لئے اپنے ضلع یا اپنے صوبہ یا اپنے ملک یا دوسرے ممالک میں نکلنا کیسا ہے؟ جبکہ موجودہ دور کے حالات بھی آپ حضرات کے سامنے ہیں۔ اگر ان کا نکلنا جائز ہے، پھر تو کوئی حرج نہیں اور اگر جائز نہیں تو پھر جو لوگ اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے، وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ مسئلہ کی مکمل وضاحت مطلوب ہے۔ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے، اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت سخت پابندی لگائی ہے اور دینی کاموں کے لئے بھی عورتوں کے نکلنے کو بالاتفاق حرام قرار دیا ہے۔

قال العلامة الخوارزمي ناقلًا عن فخر الاسلام رحمہما اللہ تعالیٰ: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة لأن يكره حضور مجالس العلم خصوصاً عند هؤلاء الجہال الذين تخلوا بحلية العلم ادلى (الكفاية مع فتح القدير ص ۳۱ ج ۱)

وقال العلامة الحصكفي رحمہ اللہ تعالیٰ: ويكره حضورهن الجماعة ولو للجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو يجوز الیلا على المذهب المقتی به لفساد الزمان واستثنى الكمال بحثاً البجائر المتفانية۔

وقال الامام الطحطاوى رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولو للجمعة وعيد ووعظ) قال في مجموع النوازل يجوز للزوج ان يأذن لها بالخروج الى زيارة الابوين وعيادتهما وتعزيتهما او احدهما وزيارة المحارم فان كانت قابلة او غاسلة او كان لها على اخر حق او عليها حق تخرج بالاذن والحج على هذا وفيما عدا ذلك من زيارة الاجانب وعيادتهم والوليمة لا يأذن لها ولا تخرج ولو اذن لها وخرجت كانا عاصيين وتمتع من الحمام وان ارادت ان تخرج الى مجلس العلم بغير رضى الزوج ليس لها ذلك فان وقعت لها نازلة ان سأل الزوج من العالم واخبرها بذلك لا يسعها الخروج، وان امتنع من السؤال يسعها

الخروج من غير رضى الزوج وان لم يقع لها نازلة وارادت ان تخرج لمجلس العلم لتعليم المسألة من مسائل الوضوء والصلوة ان كان الزوج يحفظ المسائل ويذكرها معها له ان يمنعها وان كان لا يحفظها الاولى ان يأذن لها احيانا وان لم يأذن لها فلا شيء عليه ولا يسعها الخروج ما لم تقع نازلة اهـ (قوله ولو عجزوا) اسم لمؤنث غير لازم التاء كما في الرضى وفي القاموس لا يقال عجزرة او لغة رديثة من احدى وخمسين الى اخر العمر قهستانى، وقوله ليلا بيان للاطلاع ايضا (قوله على المذهب المفتى به) قد يقال هذه الفتوى التى اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الامام وصاحبيه فانهم نقلوا ان الشابة تمنع مطلقا اتفاقا واما العجز فلها حضور الجماعة عند الامام فى الصلوة الا فى الظهر والعصر والجمعة فالافتاء بمنع العجائز فى الكل يخالف الكل وما فى الدر المنقى يوافق ما هنا بحيث قال وفى الكافى وغيره اما فى زماننا فالمفتى به منع الكل فى الكل حتى فى الوعظ ونحوه (حاشية الطحطاوى على الدرر ج ٢٢٥ ج ١)

وقال شمس العلماء العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: قال المصنف فى الكافى والفتوى اليوم على الكراهة فى الصلوات كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة فلأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجاهل الذين تحلوا بحلية العلماء اولى ذكره فخر الاسلام اهـ (البحر الرائق ص ٣٥٨ ج ١)

وقال العلامة عالم بن العلاء رحمه الله تعالى: والفتوى اليوم على الكراهة فى كل الصلوات لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة لأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجاهل الذين تحلوا بحلية العلماء اولى (الفتاوى التارخائية ص ٦٢٨ ج ١)

وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالى: (قال ويكره لهن حضور الجماعات) اى يكره للنساء (يعنى الشواب منهن وهى جمع شابة، وهذه اللفظة باطلاقها تتناول الجمع والا عياد والكسوف والاستسقاء وعن الشافعى يباح لهن الخروج (لما فيه) اى فى حضور الجماعة (من خوف الفتنة) عليهن من الفساق

وخرجهم سبب للحرام وما يفضى الى الحرام فحرام وذكر في كتاب الصلوة مكان الكراهة الاساءة والكراهة الفحش -

قلت المراد من الكراهة التحريم ولا سيما في هذا الزمان لفساد اهلها -
(ولا بأس للمعجز ان تخرج في الفجر والمغرب والعشاء) لحصول الامن
وفي المغرب اختلاف الروايات وفي المنظومة الحق المغرب بالعشاء كما ذكره
المصنف والمبسوط لشمس الأئمة وفي المختلف الحق العصر والمغرب بالظهر
كما في مبسوط شيخ الاسلام ويحتمل ان ذلك بناء على ان المغرب تنقش فيه الفسقة
ايضا كالعصر في بعض البلاد قيل هذا كله في زمانهم اما في زماننا فيكرة
خروج النساء الى الجماعة لغلبة الفسق والفساد، فاذا كره خروجهم الى
الجماعة فلأن يكره حضورهن مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال
الذين تحلوا بجلية اهل العلم اولى (البنية ص ۲۴ ج ۲)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: واذا منع حضور الجماعة
فمنعها عن حضور الوعظ والاستسقاء اولى، وادخل العين في الجماعات
وما قلناه اولى (منحة الخالق بهامش البحر ص ۳۵۹ ج ۱)

وقال العلامة منلا مسكين رحمه الله تعالى: ومتى كره حضور المسجد
للصلوة لأن يكره حضورهن مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين
تحلوا بجلية العلماء اولى ذكره فخر الاسلام -

وقال العلامة ابو السعود رحمه الله تعالى: (قوله ومتى كره حضور المسجد الخ)
اي كراهة تحريرية دل على ذلك قوله في النهي ولا يحضرن اي لا يحل لهن ان
يحضرن لكن ذكر بعده عن كتاب الصلوة انه ذكر الاساءة التي هي ادون
من الكراهة (فتح المعين ص ۲۱۵ ج ۱)

وقال العلامة ابو بكر بن علي الحداد رحمه الله تعالى: والفتوى اليوم
على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفسق في هذا الزمان ولا يباح لهن
الخروج الى الجمعة عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المحيط فجعلها كالظهر
وفي المبسوط جعلها كالعيدين حتى انه يباح لهن الخروج اليها بالاجماع (الجوهر ص ۱ ج ۱)

وقال العلامة السهارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا لشرح النقایۃ : والفتویٰ
الیوم علی الکراہۃ فی الصلوات کلھا لظہور الفساد و متی کرہ حضورہن فی المسجد
للصلوۃ فلا ینکرہ حضورہن فی مجالس الوعظ خصوصاً عندہو لا را الجہال الذین
تعلوا بجلیۃ العلماء اولی ہکذا قال المشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ ، ولو شاهدوا ما
شاهدنا من حضورہن بین مجالس وعاظ زماننا متبرجات بزینتہن لانکروا
کل انکار رحم اللہ معاشرا لابرار (بذل المجہود ص ۳۱۹ ج ۱)
نصوص مذکورہ کا حاصل :

عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ
نے مسجد کی جماعت، جمعہ، طلب علم اور وعظ سننے کے لئے عورتوں کے نکلنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔
جب ایسی اہم عبادات و ضرورات دین کی خاطر تھوڑے سے وقت کے لئے قریب تر مقامات
تک نکلنے پر بھی اس قدر پابندی ہے تو تبلیغ کے لئے کئی کئی دنوں بلکہ مہینوں اور چلوں کے لئے
دور دراز مقامات میں جانا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیئے۔
بصیرت فقہیہ :

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امور دینیہ کے لئے
خواتین کے خروج کی ممانعت قرآن و حدیث میں منصوص نہیں، بلکہ ان حضرات نے اپنے زمانے
کے حالات اور شیوع فتن و فسادات کی وجہ سے اصول شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی
آراء و انظار کا اظہار فرمایا ہے، لہذا ان حضرات کا فیصلہ کوئی نص قطعی اور حرف آخر نہیں، بلکہ
تغیر زمانہ سے اس میں ترمیم کی گنجائش ہے۔

دور حاضر میں غلبہ جہل اور دین سے بے اعتنائی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ خواتین کے لئے
ضرورات شرعیہ سے خروج کو مطلقاً ممنوع و حرام قرار دینا اور کسی بھی ضرورت شرعیہ کے لئے خروج
کی اجازت نہ دینا اقامت دین کی بجائے ہدم دین ہے، چنانچہ اسی کے پیش نظر مجموع النوازل
میں مسائل شرعیہ معلوم کرنے کی ضرورت سے خروج کی اجازت دی گئی ہے، ورنہ نصہ عن الطحاوی
رحمہم اللہ تعالیٰ۔

لہذا بنظر فقہاء اس مسئلہ میں تفصیل ذیل ضروری معلوم ہوتی ہے :

علم دین کے لئے خروج :

احکام شریعت کے علم اور ان پر عمل کرنے میں تہلب و پختگی کی تحصیل کی غرض سے کسی ایسے مدرسۃ البنات میں پڑھنا جائز ہے جس میں شرائط ذیل کی پابندی کا اہتمام ہو:

(۱) پڑھانے والی صرف خواتین ہوں، نامحرم مرد سے پڑھنا جائز نہیں، وجوہ عدم جواز کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) معلمات روزمرہ کی زندگی سے متعلق مسائل و احکام شرع کے علم میں کمال رکھتی ہوں۔

(۳) عمل میں پختہ ہوں اور متعلقات میں بھی عملی پختگی پیدا کرنے کی فکر رکھتی ہوں، معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعات اور منکرات و فواحش سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کا درد رکھتی ہوں، بالخصوص وہ منکرات جو عام معاشرہ میں داخل ہو گئے ہیں، جیسے بے پردگی، تصویر ٹی وی، غیبت وغیرہ۔

(۴) نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کا مقصد و محور یہی ہو جو اد پر بیان کیا گیا، یعنی روزمرہ کی زندگی سے متعلق احکام شریعت کے علم اور اس کے مطابق عمل میں پختگی پیدا کرنا، بالفاظ دیگر فکر آخرت پیدا کرنا، اصطلاحی عالمات اور فاضلات بنانے والا نصاب واجب الترتیب ہے اور ایسے القاب حاصل کرنے کی ہوس واجب الاصلاح۔

(۵) مدرسہ میں کوئی محرم چھوڑ کر آئے اور واپسی پر بھی کوئی محرم مرد ساتھ لائے۔

موجودہ جامعات البنات میں شرائط مذکورہ مفقود ہیں۔

علاوہ ازیں ان جامعات کی تعلیم میں مندرجہ ذیل فسادات بھی ہیں :

(۱) جامعات تک آمد و رفت کے لئے گھر سے روزانہ خرچ و دخول اور جامعہ میں

دخول و خرچ کے اوقات اور آمد و رفت کا راستہ متعین ہونے کی وجہ سے ہدمعاشش لوگ تعاقب کرتے ہیں۔

اور اگر کوئی گاڑی متعین ہو تو ڈرائیور شرارت کرتا ہے۔ یہ صرف خطرات ہی نہیں، واقعات

ہیں۔ اور جامعہ میں طالبات کی مستقل رہائش میں اس سے بھی زیادہ خطرات ہیں، خواہ انتظام کتنا ہی بہتر ہو

(۲) گھر سنبھالنے کی صلاحیت سے محرومی۔

(۳) گھریلو کام کاج کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا۔

(۴) گھریلو کاموں کے لئے ملازمہ رکھتی ہیں جو فاسقات ہوتی ہیں اور دین، جان، عزت

اور مال کے لئے مہلکات ثابت ہو رہی ہیں۔

(۵) گھروں میں فارغ پڑھی رہنے سے نفسانی و شیطانی خطرات کے علاوہ جسمانی ورزش

نہ ہونے کی وجہ سے قلب و قالب دونوں کی صحت برباد۔

(۶) جامعات سے فارغ ہونے والی ”عالمات و فاضلات“ میں مرض عجب و کبر۔

(۷) قرآن و حدیث سے براہ راست تخریج مسائل کا شوق رکھتی ہیں جو دین کی تباہی اور

شیوع الحاد کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ کتب فقہ سے بھی کسی غیر مفتی کے لئے مسائل نکالنا جائز نہیں۔

(۸) ان ”عالمات و فاضلات“ کو علماء و فضلاء کے رشتے نہیں ملتے تو جہلاء بلکہ فساق و

فجار اور بے دین ملحدین و مبتدعین سے بھی شادی کر لیتی ہیں جس میں علم دین کی سخت توہین ہے جو درحقیقت دین کی توہین ہے۔

حالات مذکورہ کے پیش نظر ان جامعات کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ کرنا علماء پر فرض ہے۔

بہتر اور بے ضرر طریقہ صرف یہ ہے کہ بچوں کو اپنے گھروں ہی میں رکھ کر مقصد مذکور تک

پہنچانے کی کوشش کی جائے جس کے لئے مندرجہ ذیل امور اربعہ کا اہتمام کافی ہے :

(۱) تجوید قرآن۔

(۲) بہشتی زیور کی تعلیم۔

(۳) کسی شیخ کامل کے مواعظ کی خواندگی۔

(۴) گھر سنبھالنے کی صلاحیت اور گھر کا کام خود کرنے کا سلیقہ پیدا کرنا اور اس کی

عادت ڈالنا۔

امور مذکورہ کی پابندی پر کچھ محنت تو کرنا پڑے گی مگر فکر آخرت ہو تو اتنی سی محنت

کچھ بھی نہیں، تحصیل دنیا کے لئے اس سے ہزاروں درجہ زیادہ محنتیں اور مشقتیں برداشت

کی جا رہی ہیں۔

نامحرم مرد سے پڑھنا بوجہ ذیل ناجائز ہے :

(۱) روزانہ نامحرم کی صحبت میں بیٹھنا۔

(۲) زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا۔

(۳) اشکالات علمیہ حل کرنے اور فہم و تفہیم کے لئے استاد و طالبات کے درمیان بار بار مراجعہ۔

(۴) قرب مکانی مجلس وعظ کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

(۵) طالبات معدودات ہوتی ہیں اور استاذ کی نظر میں شخصیات و معہودات، مجلس وعظ میں عموماً ایسے نہیں ہوتا۔

(۶) معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ استاذ رجسٹر میں حاضری لگانے کے لئے ہر طالبہ کا نام پکارتا ہے اور وہ جواب دیتی ہے، اس سے جانبین کے درمیان خصوصی معرفت اور مزید تعلق پیدا ہوتا ہے۔ مجلس وعظ کے لئے خروج؛

کسی نامحرم عالم کی مجلس وعظ میں جانے میں وہ مفاسد نہیں جو نامحرم استاذ سے پڑھنے میں بیان کئے گئے ہیں، معہذا اس کے لئے بھی یہ شرائط ہیں:

(۱) واعظ کے علم، تقویٰ اور طریق اصلاح پر علماء وقت کو اعتماد ہو۔

(۲) بدعات اور منکرات و فواحش جو معاشرہ میں داخل ہو گئے ہیں، ان سے بچنے بچانے پر زیادہ زور دیتا ہو۔

(۳) اس کے وعظ سے صحیح مسلمان بننے اور دوسروں کو بھی صحیح مسلمان بنانے کی فکر پیدا ہو اور معاشرہ پر چھا جانے والے منکرات چھوٹ جائیں۔

(۴) پردہ کا مکمل انتظام ہو، مقام وعظ کے دروازے پر بھی مردوں سے اختلاط سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے۔

(۵) خواتین مزین لباس اور زیور پہن کر، رنگ و روغن سے آراستہ ہو کر اور خوشبو لگا کر نہ آئیں۔

(۶) ہر بار جوڑا نہ بدلیں کم از کم ایک مہینے تک ہر حاضری میں ایک ہی جوڑا پہن کر آئیں۔

(۷) خواتین کی مجلس مردوں اور واعظ کی مجلس سے اتنی دور ہو کہ مکبر الصوت کے سوا آواز نہ پہنچ سکے، اگر یہ مشکل ہو تو جتنا زیادہ فاصلہ ہو سکے۔

(۸) ہفتہ میں ایک بار سے زیادہ نہ ہو، اتنے وقفہ کے مناسب ہونے پر دین و دنیا میں گئی

شواہد ہیں۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے مطلقاً حرمت کے فیصلہ میں ضرورت شرعیہ سے کچھ گنجائش تلاش کرنے کی سعی مذکور کے باوجود خواتین کے لئے تبلیغی جماعت میں نکلنے کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

احکام لباس و زینت

مردوں کے لئے ممنوع رنگ :

سوال : مردوں کو کس رنگ کا کپڑا استعمال کرنا مکروہ ہے ؟ بینواتوجردا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

عصفرا و زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کو استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کوئی رنگ بعینہ عصفرا یا زعفران کے رنگ جیسا ہو مگر خود عصفرا یا زعفران کا رنگ نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، نفس عصفرا و زعفران کے رنگ کے سوا باقی سب رنگ جائز ہیں، البتہ احمر قانی میں اختلاف ہے، مختلف اقوال ہیں سے ایک قول استحباب کا بھی ہے، مگر ترجیح کراہت تنزیہیہ کے قول کو ہے، البتہ سر پر پگڑی وغیرہ میں بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔

قال فی شرح التنویر: وکرہ لبس المعصفر والمنزعفر الاحمر والا صفر للرجال مفاده انه لا یکرہ للنساء ولا یأس بسائر الالوان وفي المجتبی والقہستانی وشرح النقایۃ لابی المکارم لا یأس بلبس الثوب الاحمر ومفاده ان الکراہۃ تنزیہیۃ لکن صرح فی التحفۃ بالحرمة فافاد انها تحریمیۃ وهی المحمل عند الاطلاق قال المصنف قلت وللشربلالی فیہ رسالۃ نقل فیہا ثمانیۃ اقوال منها انه مستحب۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله فافاد انها تحریمیۃ الخ) هذا مسلم لولم یعارضہ تصریح غیرہ بخلاف فقی جامع الفتاوی قال ابو حنیفۃ والشافعی ومالك رحمہم اللہ تعالیٰ یجوز لبس المعصفر وقال جماعۃ من العلماء مکروہ بکراہۃ التنزیہ وفي منتخب الفتاوی قال صاحب الروضۃ یجوز للرجال والنساء لبس الثوب الاحمر والا خضر بلا کراہۃ وفي الحاوی الزاہدی یکرہ للرجال لبس المعصفر والمنزعفر والمورس والمجرای الاحمر حریرا کان او غیرہ اذا کان فی صبغہ دم والا فلا ونقلہ عن عدۃ کتب وفي مجمع الفتاوی لبس الاحمر مکروہ وعند البعض لا یکرہ وقیل یکرہ اذا صبغ بالاحمر القانی لانه خلط بالنجس ولو صبغ بقشر الجوز غسلیا لا یکرہ لبسه

اجماعاً، فہذہ النقول مع ما ذکرہ عن المجتبی والقہستانی وشرح
ابی المکارم تعارض القول بکراہۃ التحریمان لم یدع التوفیق بحمل
التحریم علی المصبوغ بالنجس او نحو ذلک (قولہ وللشربیلالی فیہ رسالتہ)
سماہا "تحفۃ الاکمل والہمام المصدر لبيان جواز لبس الاحمر" وقد ذکر
فیہا کثیراً من النقول منها ما قد مناه وقال لم نجد نصاً قطعياً لاثبات
الحرمۃ ووجدنا النہی عن لبسہ لعلۃ قامت بالفاعل من التشبہ بالنساء
او بالاعاجم او التكبر و بانتفاء العلة تزول الکراہۃ باخلاص النیت لاظهار
نعمۃ اللہ تعالیٰ وعروض الکراہۃ للمصبغ بالنجس تزول بغسلہ ووجدنا
نص الامام الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ علی الجوانس ودلیلاً قطعياً علی الاباحۃ
وهو اطلاق الامر باخذ الزینۃ ووجدنا فی الصحیحین موجبہ وبہ تنتفی
الحرمۃ والکراہۃ بل یثبت الاستحباب اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ
وسلم اہ ومن اراد الزیادۃ علی ذلک فعلیہ بہا، اقول ولكن جل الکتب
علی الکراہۃ کالسراج والمحیط والاختیار والملتقی والذخیرۃ وغیرہا و
بہ افتی العلامة قاسم و فی الحاوی الزاہدی ولا یکرہ فی الرأس اجماعاً۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۷ ربيع الاول ۱۲۵۵ھ

زعفرانی رنگ کا ازار بند :

سوال: ممنوعہ الوان مثلاً احمر بالعصفریں سے کسی رنگ کا ازار بند استعمال کرنا جائز
ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا کر اہت جائز ہے، ہاں اگر زعفران یا عصفر کے رنگ میں رنگا ہوا ہو تو جائز نہیں دوسرا
کوئی رنگ خواہ زعفران ہی جیسا ہو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ رجب ۱۲۵۵ھ

سیاہ رنگ کا لباس :

سوال: سنا ہے مردوں اور عورتوں کو کالے کپڑے نہیں پہننے چاہئیں، کیونکہ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی کالی تھی، اس لئے سیاہ لباس پہنتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ خیال صحیح نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے، سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، خیال مذکور کی بناء پر تو ہر رنگ کا لباس ممنوع یا خلاف ادب ہو جائے گا۔ لہذا ممنوع رنگوں کے سوا ہر رنگ کا لباس جائز ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جذبہ اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی اسے اختیار کیا جائے۔ البتہ لباس میں سیاہ رنگ چونکہ شرعاً، عقلاً، طبعاً پسندیدہ ہے اس لئے سیاہ لباس نہیں پہنتا چاہیے بالخصوص اس زمانہ میں شعار شیعہ ہونے کی وجہ سے اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

پتلون پہننے کا حکم:

سوال: درر حاضر میں پتلون اور شرٹ پہننے کا اتنا رواج ہو گیا ہے کہ اب یہ کسی خاص قوم کا شعار نہیں رہا، نیز قرون اولیٰ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لباس میں کوئی امتیازی نشان نہیں تھا، یہ بات اس خیال کو تقویت دیتی ہے کہ من تشبہ بقوم فهو منهم میں جس مشابہت کا ذکر ہے، مشابہت لباس اس میں داخل نہیں ہے، اس لئے پتلون اور شرٹ کا پہنتا جائز معلوم ہوتا ہے۔ جناب اپنی تحقیق سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آج کل کوٹ پتلون وغیرہ کا اگرچہ مسلمانوں میں عام رواج ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود اسے انگریزی لباس ہی سمجھا جاتا ہے، یا فرض تشبہ بالکفار نہ بھی ہو تو تشبہ بالفساق میں تو کوئی شبہ نہیں، لہذا ایسے لباس سے احتراز ضروری ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا نیز اگر کسی زمانہ یا کسی علاقہ میں امتیاز نہ ہو تو وہاں تشبہ کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوگا، یہ مسئلہ تو وہاں پیدا ہوگا جہاں غیر مسلم قوم کا کوئی مخصوص لباس ہو، احادیث میں غیر مسلموں کے مخصوص لباس سے ممانعت صراحۃً وارد ہوئی ہے۔

یہ تفصیل اس لباس کے بارے میں ہے جس سے واجب السترا عضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو، اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو تو اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہو گیا ہے تو اس کا پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب حرام ہے جیسا کہ ننگے آدمی کو دیکھنا حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولا یضر التصاقہ) ای بالالیۃ مثلاً وقوله وتشکلہ من عطف المسبب علی السبب وعبارۃ شرح المنیۃ اما لو کان غلیظاً لا یری منه لون البشرۃ الا انه التصق بالعضو وتشکل بشكله فصار شکل العضو مرئیا فینبغی ان لا یسمنہ جواز الصلوۃ لحصول الستراہ قال ط وأنظر هل یحرم النظر الی ذلک المتشکل مطلقاً او حیث وجدت الشهوۃ اھ قلت سنکلم علی ذلک فی کتاب المحظر والذی یتضح من کلامہم هناك ہوالاول (رد المحتار ج ۱) وقال ایضاً: وعلى هذا لا یحل النظر الی عورۃ غیرہ فوق ثوب ملأق بہا یصف حجمہا فیحمل ما مر علی ما اذا لم یصف حجمہا فلیتأمل (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۲ ربیع الثانی ۱۲۸۹ھ

چاندی کے تار والا کپڑا:

سوال: زری دار کپڑے جن کی بُنائی میں چاندی کا تار استعمال ہوا ہو پہننا کیسا ہے؟
بینوا تو جہاں۔

الجواب یا سہم لہم الصواب

عورتوں کے لئے مطلقاً جائز ہے۔

مردوں کے لئے ریشم یا سونے چاندی کے تار سے بنا ہوا یا کڑھائی والا کپڑا اس شرط سے جائز ہے کہ پٹی یا پھول کی چوڑائی چار انگلیوں سے زائد نہ ہو، لمبائی میں کوئی تحدید نہیں، ایسی پٹیاں یا پھول متعدد ہوں تو ان کے جوازیں یہ شرط بھی ہے کہ ان کے درمیان پٹی یا پھول کی چوڑائی سے زیادہ فاصلہ ہو، اگر فاصلہ برابر یا کم ہو کہ دیکھتے ہیں پورا کپڑا ہی ریشمی یا زری دار نظر آتا ہو تو جائز نہیں۔

قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: یحرم لبس الحریر ولو بجائل علی

المذہب اذ فی الحرب علی الرجل لا المرأة الا قدر اربع اصابع مضمومة وكذا المنسوج

بذہب یحل اذا کان هذا المقدار والالا-

وقال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ : وظاہر المذہب عدم جمع المتفرق ولو فی عامۃ کما یسط فی القنیۃ -

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : تحت (قوله الاقدار اربع اصابع الخ) وهل المراد قدر الاربع اصابع طولاً وعرضاً بأن لا یزید طول العلم وعرضه علی ذلك او المراد عرضها فقط وان زاد طولہ علی طولها المتبادر من کلامہم الثانی ویفیدہ ایضاً ما سیأتی فی کلام الشارح عن الحادی الزاہدی (قوله وظاہر المذہب عدم جمع المتفرق) ای الا اذا کان خط منہ قزاً وخط منہ غیرہ بحيث یرى کلہ قزاً فلا یجوز کما سبذکرہ عن الحادی ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحریر تطریراً ونسجاً اذا لم تبلغ کل واحدۃ من نقوشہ اربع اصابع وان زادت بالجمع ما لم یر کلہ حریراً تأمل -
(رد المحتار ص ۲۲۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲، محرم ۹۵ھ

مصنوعی ریشم کا حکم :

سوال : آج کل مختلف قسم کے کپڑے مروج ہیں، جن میں سے بعض کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ریشمی ہیں، اسی طرح جو رومال عام طور سے کندھے پر رکھنے کا معمول ہے اس کی بھی ایک قسم ریشمی مشہور ہے کیا عرف میں اس قسم کے کپڑے اور رومال کے ریشمی ہونے کا اعتبار کر کے مردوں کے لئے اس کو حرام کہا جائے گا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال جائز ہے۔ اگرچہ عرف میں اس کو ریشم کہتے ہیں۔ ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا تحقیق سے ثابت ہو جائے تو اس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۴، رجب ۹۵ھ

مرد اور عورت کے لباس میں ایک دوسرے کی مشابہت

سوال : زعفران یا عصفر کے سوا تمام رنگ مرد کو شرعاً جائز ہیں لیکن بعض علاقوں میں

سیاہ اور سرخ رنگ کے کپڑے عورتوں کا شعار سمجھے جاتے ہیں اور سفید کپڑے مردوں کا شعار سمجھے جاتے ہیں۔ کیا ان علاقوں میں مرد کو مختص بالنساء رنگوں کے کپڑے اور عورتوں کو مختص بالرجال رنگوں کے کپڑے پہننا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا جائز نہیں، اس لئے ان علاقوں میں اس شعار کی رعایت رکھنا ضروری ہے، ایک دوسرے کا شعار اختیار کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ محرم ۱۴۰۷ھ

عمامہ بغیر ٹوپی کے جائز ہے :

سوال: عمامہ یا رومال کے نیچے ٹوپی رکھنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ، اور بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ یا رومال باندھ کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ بیان جواز کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرمایا ہے لیکن عام معمول عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنے کا تھا، سلف صالحین اور بزرگان دین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔ اس لئے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا خلاف ادلی ہے، مکروہ نہیں، نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۶ شوال ۱۴۰۷ھ

شادی کے موقع پر پگڑی باندھنے کا التزام:

سوال: ہمارے علاقہ میں شادی کے موقع پر پگڑی باندھنے کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ نہ باندھنے والے پر لعن و طعن کیا جاتا ہے اور بغیر عمامہ کے شادی کرنا بیوہ سے شادی کرنے کے ساتھ خاص سمجھا جاتا ہے تو کیا ایسے حالات میں شادی کے موقع پر پگڑی باندھنا جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امر مندوب کو واجب کی طرح لازم سمجھا جانے لگے تو اس کا ترک واجب ہو جاتا ہے اس لئے یہ التزام ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۱ محرم ۱۴۰۸ھ

بیوی کا شوہر کے لئے سرخی لگانا:

سوال: زوجہ کو اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے ہونٹوں اور چہرے پر سرخی اور پاؤڈر لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فہم دین عقل سلیم اور طبع مستقیم کے خلاف ہے بے دینوں کا شعار ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۲۷ سوال ۹۷ھ

محارم کے سامنے بناؤ سنگار کرنا:

سوال: عورت کا اپنے محارم مثلاً باپ اور بھائیوں کے سامنے بناؤ سنگار کر کے بیٹھے رہنا یا ان کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فی نفسہ جائز ہے، مگر اس زمانہ میں قلوب میں فساد غالب ہے اور ٹی، وی اور وی، سی، آر کی لعنت نے اخلاقی اقدار کو بالکل پامال کر دیا ہے، بے حیائی اور بے باکی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ باپ کے اپنی بیٹی کے ساتھ اور بھائیوں کے اپنی بہنوں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے واقعات پیش آرہے ہیں، اس لئے شوہر کے سوا کسی بھی محرم کے سامنے بناؤ سنگار کر کے آنا خطرے سے خالی نہیں، اس سے احتراز ضروری ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی الحجہ ۹۷ھ

مرد کا دندا سا استعمال کرنا:

سوال: مرد کے لئے زینت کا قصد کئے بغیر محض صفائی کی غرض سے دندا ساداتوں پر ملنا کیسا ہے؟ جبکہ یہ احتیاط بھی کی جائے کہ اس کا رنگ ہونٹوں پر نہ لگے۔ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں مذکور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
غره محرم ۱۴۰۱ھ

مرد کے لئے انگوٹھی کا حکم:

سوال: مرد کے لئے کس دھات کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اور کس کی ناجائز؟ نیز مقدار کے بارے میں بھی کوئی تعین ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مرد کے لئے دو شرطوں سے انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

① چاندی کی ہو۔

② پانچ ماشے = ۸۶۴ گرام سے کم ہو۔

ہنگینے میں کوئی قید نہیں، جس چیز کا بھی ہو اور جتنے وزن کا بھی ہو جائز ہے۔

قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا يتحلّى الرجل بذهب و فضة الا بخاتم و منطقة و حلیة سيف منها ولا يتختم بغيرها كحجر و ذهب و حديد و صفر و العبرة بالحلقة لا بالفص۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولا يتختم الا بالفضة) هذه عبارة الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجامع الصغير ای بخلاف المنطقة فلا يكره فيها حلقة حديد و نحاس كما قدمه و هل حلیة السيف كذلك يراجع قال الزيلعي رحمہ اللہ تعالیٰ وقد وردت آثار فی جواز التختم بالفضة و كان للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم خاتم فضة و كان في يده الكريهة حتى توفي صلى الله عليه وسلم ثم في يد ابي بكر رضي الله تعالى عنه الى ان توفي ثم في يد عمر رضي الله تعالى عنه الى ان توفي ثم في يد عثمان رضي الله تعالى عنه الى ان وقع من يده في البئر فانفق ما لا عظيم في طلبه فلم يجده و وقع الخلاف فيما بينهم و التشویش من ذلك الوقت الى ان استشهد رضي الله تعالى عنه قوله فيحرم بغيرها) لما روى الطحاوی باسنادہ الى عمران بن حصين و ابي هريرة رضي الله تعالى عنهما قالانهي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن خاتم الذهب و روى صاحب السنن باسنادہ الى عبد الله بن بريجة عن ابيه رضي الله تعالى عنه ان رجلا جاء الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و عليه خاتم من شبه فقال له مالي اجد منك ربح الا صنم فطرحة ثم جاء و عليه خاتم من حديد فقال مالي اجد عليك حلية اهل النار فطرحة فقال يا رسول الله اى شئ اتخذه قال اتخذه من ورق و لا تتمد مثقالا فعلم ان التختم بالذهب و الحديد و الصفر حرام فاحق اليشب بذلك لانه قد يتخذ منه الاصنام فاشبه الشبه الذي هو منصوص

معلوم بالنص اتقانی والشبه محرک النحاس الا صفر قاموس وفي الجوهرة
والتختم بالحديد والصفر والنحاس والنس صاص مکروه للرجال والنساء۔
(رد المحتار ص ۲۲۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ محرم ۱۴۰۱ھ

عورت کے لئے زیور اور انگوٹھی کا حکم

سوال: بازار میں عورتوں کے جو زیورات ملتے ہیں وہ مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے
ہوتے ہیں، کیا عورت کے لئے ہر قسم کی دھات کا بنا ہوا زیور یا انگوٹھی پہننا جائز ہے یا اس
میں کچھ تفصیل ہے، نیز کتنی مقدار جائز ہے؟ بیذواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے انگوٹھی کے سوا دوسرے زیور ہر قسم کی دھات کا بنا ہوا جائز ہے۔ انگوٹھی صرف
سونے اور چاندی کی جائز ہے خواہ جس مقدار کی بھی ہو، دوسری کسی دھات کی جائز نہیں۔
قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله (فیحرم بغیرھا)
وفي الجوهرة والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مکروه للرجال والنساء
(رد المحتار ص ۲۲۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے۔

۹ محرم ۱۴۰۱ھ

مرد کے لئے سونے، چاندی کے بٹن:

سوال: ایک عالم مرد کے لئے سونے، چاندی کے بٹن جائز بتاتے ہیں اور فتاویٰ رشیدیہ
کا حوالہ دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بیذواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: (لا بأس بانس بائرا الدیبا ج والذهب) (رد المحتار ج ۵)
بعض نے اس سے سونے کے بٹنوں کا جواز سمجھا ہے جو صحیح نہیں، اس لئے کہ ازار
گھنڈی کو کہتے ہیں، بٹن کو نہیں۔ گھنڈی کپڑے کے تابع ہوتی ہے بٹن تابع نہیں اس لئے سونے
یا چاندی کے تار کی گھنڈی جائز ہے بٹن جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ محرم ۱۴۰۱ھ

بیوٹی پارلر جا کر میک اپ کرانا:

سوال: لڑکیوں کا شادی کے دن یا عام دنوں میں بیوٹی پارلر جا کر میک اپ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس پورے فعل میں کوئی ناجائز کام مثلاً بھنویں بنوانا یا بال کٹوانا شامل نہ ہو۔ بینواتو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں اس میں یہ فسادات ہیں:

۱۔ کسی جائز کام کے لئے بھی عورت کا گھر سے بلا ضرورت نکلنا جائز نہیں جب کہ یہ تو کام ہی ناجائز ہے۔

۲۔ وہاں بے دین عورتوں کی ہجرت کا اثر۔

۳۔ بے دین لوگوں سے مشابہت۔

۴۔ صورت اصلیت چھپانے کا فریب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرعی پا جامہ پہننا جائز نہیں:

سوال: بہت سے لوگ پتلون کی طرح ایک تنگ پا جامہ پہنتے ہیں، جسے وہ شرعی پا جامہ کہتے ہیں۔ کیا واقعہ وہ شرعی پا جامہ ہے؟ اگر ہے تو اس کی حیثیت کیا ہے؟ سنت، مستحب یا صرف جائز؟ بینواتو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آج کل جس پا جامہ کو شرعی پا جامہ کا نام دیا جاتا ہے، وہ شرعی نہیں، درحقیقت شرعی پا جامہ ہے۔ اس میں اعضاء مستورہ خصوصاً عورت غلیظہ کا حجم بالکل واضح نظر آتا ہے۔ پھر عموماً کرتا بھی چھوٹا ہوتا ہے، دوران نماز بحالت سجدہ اعضاء مخصوصہ لٹکے ہوئے واضح معلوم ہوتے ہیں جس سے نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے جس کا اعادہ واجب ہے۔ نماز کے علاوہ نشست و برخاست کی کیفیات میں بھی اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آتی ہے جن کا دیکھنا دکھانا حرام ہے۔ اس لئے ایسا پا جامہ پہننا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: تحت (قولہ وہی غیر بادیۃ)

اقول مفادہ ان رؤیۃ الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفاً لا تری البشرۃ منه قال فی المغرب یقال مسست الجلی فوجدت حجم الصبی فی بطنہا و احجم الشدی علی نحر الجاریۃ اذا نھض و حقیقتہ صار لہ حجم ای نتوء و ارتفاع

ومنہ قولہ حتی یتبین حجم عظامہا ام و علی هذا لا یحل النظر الی عورة
غیرہ فوق ثوب ملتزم بها یصف حجمها فیحمل ما مر علی ما اذا لم یصف
حجمها فلیتأمل (رد المحتار ص ۲۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ رذی القعدہ ۱۴۱۷ھ

غیر شادی شدہ عورت کو چوڑیاں پہننا جائز ہے :

سوال : عورت اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کے لئے چوڑیاں پہننا کیسا ہے ؟ بعض
علاقوں میں دستور ہے کہ غیر شادی شدہ عورت کو چوڑیاں نہیں پہننے دیتے اور کہتے ہیں کہ اس
سے عورت سہاگن معلوم ہوتی ہے ، جبکہ ہمارے بزرگ حضرات خالی ہاتھ ہونے پر ٹوکتے ہیں ۔
بیدنوا تو جسرا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کو چوڑیاں پہننا بہر حال جائز ہے ۔ بعض لوگوں کا اس کو معیوب سمجھنا اور دلہن
کی علامت قرار دینا غلط ہے ، البتہ غیر شادی شدہ عورت کو زیادہ زیب و زینت کرنا بوجہ خوف
فتنہ جائز نہیں۔

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثم (الترمذی ص ۱۲ ج ۱)
قال العلامة العثماني رحمہ اللہ تعالیٰ : وفيہ ايضا یجوز للنساء لبس انواع
الحلی کلها من الذهب والفضة والخاتم والحلقة والسوار والخنخال والطوق والعقد
التعاوین والقلائد وغيرها (اعلاء السنن ص ۲۸۹ ج ۱۷) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ شعبان ۱۴۱۸ھ



بالوں کے احکام

ڈاڑھی منڈانا اور کٹانا دوسرے گناہوں سے بدترین گناہ ہے:

سوال: زید محلہ کی مسجد میں امام ہے، ڈاڑھی کٹاتا ہے، اگر اسے ڈاڑھی سے متعلق کوئی شخص سمجھاتا ہے تو جواب میں کہتا ہے کہ ڈاڑھی کٹانا فسق ہے اور آج کل تناوے فیصد لوگ فاسق ہیں ڈاڑھی رکھ کر بھی غیبت، کذب وغیرہ میں مبتلا ہیں، لہذا امام اور مقتدی سب ایک جیسے فاسق ہیں اس لئے کسی شخص کو مجھ پر اعتراض کا حق نہیں، زید کا یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

زید کا خیال بالکل غلط اور فریب ہے، اگر ایک شخص خفیۃً زنا کرتا ہے اور دوسرا علی الاعلان سر بازار زنا کا ارتکاب کرتا ہے یا ایک شخص خفیہ چوری کرتا ہے اور دوسرا علی الاعلان ڈاکہ زنی اور حکومت کی بغاوت کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں کے گناہوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لہذا کوئی شخص کسی درجہ کا بھی گناہگار اور فاسق و فاجر ہو مگر اس کا ظاہر شریعت کے خلاف نہ ہو تو اس کے گناہ مخفی ہونے کی وجہ سے ڈاڑھی کٹانے سے بدرجہا کم ہیں، ڈاڑھی کٹانے والا علی الاعلان شریعت کی مخالفت کر رہا ہے اور دنیا میں ایسی شکل و صورت میں پھر رہا ہے کہ دور ہی سے ہر شخص اسے دیکھ کر اس کو فاسق اور شریعت کا مخالف سمجھتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص حکومت کی بغاوت کا جھنڈا اٹھا کر عام بازار میں پھر رہا ہو، اس شخص کے اس ناقابل معافی جرم کو حکومت کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتی، غرضیکہ زید کا ڈاڑھی کٹانے کو دوسرے گناہوں کے برابر کہنا بدترین عذر ہے۔ زید حکومت الہیہ اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر کے مشہروں اور بازاروں میں پھر رہا ہے اور دور ہی سے ہر خاص و عام کے لئے خود کو شریعت کا باغی ظاہر کر رہا ہے۔ گناہ کے اظہار و اخفاء میں بہت فرق ہے، چنانچہ رمضان میں علانیۃً کھانے پینے والے کو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اہانت دین کی وجہ سے مباح الدم اور واجب القتل قرار دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علانیۃً گناہ کرنے والوں کے سوا میری پوری

امت لائق عفو ہے۔

کل امتی معافی الا المجاہدین (متفق علیہ)
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی کٹانے، ٹخنے ڈھانکنے اور گانے بجانے کو
 ان بدکاریوں میں شمار فرمایا ہے جن کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک
 کیا گیا (درمنثور)

علاوہ ازیں دوسرے گناہ وقتی ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی کٹانے کا گناہ چوبیس گھنٹے
 ساتھ رہتا ہے، سوتے جاگتے حتیٰ کہ نماز وغیرہ عبادات کی حالت میں بھی یہ گناہ ساتھ رہتا
 ہے۔ اس لئے ڈاڑھی کٹانے کا گناہ دوسرے سب گناہوں سے بڑھ کر ہے۔

پھر زید کا ہر شخص کو غیبت و کذب یا دوسرے گناہوں میں مبتلا سمجھنا محض سوء ظن
 ہے جو اپنے نفس پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے، بہر کیف فاسق کی امامت مکردہ تحریمی ہے۔
 کسی ایسے شخص کو امام مقرر کرنا ضروری ہے جو ظاہر العدالہ ہو، باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد
 ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

ڈاڑھی کی توہین کفر ہے :

یہ مسئلہ کتاب الایمان والعقائد جلد اول میں مفصل آچکا ہے، مزید تفصیل تتمہ
 میں ہے۔

عورتوں کا جوڑا باندھنا :

سوال : آج کل عورتیں مختلف طریقوں سے بال رکھتی ہیں، بعض سارے بالوں کو
 جمع کر کے پیچھے کی طرف گوندھ لیتی ہیں، بعض کنگھی مار کر پھیلا دیتی ہیں، بعض رخساروں پر
 پھیلا دیتی ہیں، کون سی صورت جائز اور کون سی ناجائز ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کا بالوں کو جمع کر کے سر کے اوپر جوڑا باندھنا ناجائز ہے، حدیث میں اس پر
 سخت وعید آئی ہے کہ ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی، اس کے سوا
 دوسرے طریقے جائز ہیں بشرطیکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے اور کفار کے ساتھ مشابہت نہ
 ہو، بالوں کا سخت پردہ ہے حتیٰ کہ بوڑھی عورت کے بال دیکھنا بھی حرام ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : صنفان من اهل النار لہما رھما

قوم معهم سیاط کاذبات البقر یضربون بها الناس ونساء کاسبات عاریات
مہیلات مائلات سرؤوسهن کاسنمة البخت المائلة لا یدخلن الجنة ولا یجدن
سریحها وان ریحها لتوجد من مسیرة کذا وکذا مرواه مسلم۔

گدی پر جوڑا باندھنا جائز ہے بلکہ حالت نماز میں افضل ہے، اس لئے کہ اس سے
بالوں کے پردے میں سہولت ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۸۔ سوال ۹۶

مصنوعی بال لگانا:

سوال: بعض عورتیں بازار سے مصنوعی بال خرید کر اپنے بالوں میں لگا لیتی ہیں تاکہ بال
بڑے معلوم ہوں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ بال انسان کے ہوں تو ان کا لگانا گناہ کبیرہ ہے اور اس پر حدیث میں لعنت
وارد ہوئی ہے۔ اگر کسی دوسرے جانور کے ہوں تو جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: تحت (قوله وشعر الانسان)
ولا یجوز الانتفاع به لمحدث لعن اللہ الواصلة والمستوصلة وانما یرخص فیما یتخذ
من الوبر فیزید فی قرون النساء وذواتہن ہدایہ (رد المحتار ص ۴۲)
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۴۔ ربیع الاول ۹۹ھ

عورت کا چہرے کے بال صاف کرنا:

سوال: عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حدیث
میں نامصہ اور متمصہ پر لعنت وارد ہوئی ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے، اور اگر ڈاڑھی یا مونچھ کے بال
نکل آئیں تو ان کا ازالہ مستحب ہے۔

نامصہ اور متمصہ پر لعنت کا مورد یہ ہے کہ ابرو کے اطراف سے بال اکھاڑ کر باریک
دھاری بنائی جائے، کمایدل علیہ التعلیل بتغییر خلق اللہ۔

ابرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں تو ان کو درست کر کے عام حالت کے مطابق کرنا جائز ہے۔ غرضیکہ تزیین مستحب ہے اور ازالہ عیب کا استحباب نسبتاً زیادہ مؤکد ہے اور تبلیس و تغیر خلق ناجائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله والنامصة الخ) ذکرہ فی الاختیار ایضاً فی المغرب النص نتف الشعر ومنہ المنماص المنقاش اھ ولعلہ محمول علی ما اذا فعلتہ لتتزين للا جانب والا فلو كان فی وجهہا شعر ینفرض وجہا عنہا بسببہ ففی تحریم ازالتہ بعد لان الزینۃ للنساء مطلوبة للتحصین الا ان یحمل علی مالا ضرورة الیہ لما فی نتفہ بالمنماص من الایذاء، وفی تبیین المحارم ازالة الشعر من الوجه حرام الا اذا نبت للمرأة لحيۃ او شوارب فلا تحرم ازالته بل تستحب اھ وفی التارخانیۃ عن المفہرات ولا بأس بأخذ الحاجبین وشعر وجہہ ما لم یشبہ المخنث ومثله فی المجتبى تأمل (رد المحتار ص ۲۳۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

گردن کے بال مونڈنا جائز ہے :

سوال: گردن کے بال مونڈنا جائز ہے یا نہیں؟ امداد الفتاویٰ ص ۳۱۳ ج ۴ میں ہے: ”گردن کے بال مونڈنا فقہا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ سمجھا ہے“ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عالمگیریہ میں قفا کے بال مونڈنے کی کراہت منقول ہے۔

عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یکرہ ان یحلق قفاہ الا عندا الحجامة کذا فی الیناسیع (عالمگیریۃ ص ۳۵ ج ۵)

امداد الفتاویٰ میں غالباً اسی عبارت میں قفا بمعنی گردن لے کر حکم لکھا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قفا بمعنی مؤخر الرأس (گڈی) و مؤخر العنق (گردن کی پشت) دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ گڈی سر کا حصہ ہے اور گردن مستقل عضو ہے، خود امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۳ میں مسح گردن کے بیان میں تحریر ہے کہ قفا رأس کا جزو ہے اور رقبہ اس سے خارج ہے ۱۵

لہذا گدی کا حلق قزع میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، مگر گردن کا حلق مکروہ ہونے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں، حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”گردن جدا عضو ہے اور سر جدا، لہذا گردن کے بال منڈانا درست ہے، سر کا جوڑ علیحدہ کان کی لو کے پیچھے معلوم ہوتا ہے، اس سے نیچے گردن ہے (فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ عالمگیری میں قفا بمعنی گدی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ صفر ۹۹ھ

ڈاڑھی پیدا کرنے کے لئے استرا چلاتا:

سوال: ایک شخص کی عمر تیس سال ہے مگر اس کی ڈاڑھی اور مونچھیں نہیں نکلیں، کیا وہ اس احتمال کی بناء پر کہ شاید ڈاڑھی نکل آئے استرا چلا سکتا ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس ضرورت سے استرا چلانا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجب ۹۹ھ

حلق عانہ کی حدود:

سوال: زیر ناف بال کہاں تک کاٹنے چاہئیں؟ کیا ناف سے گھٹنے تک؟ نیز دبیر یعنی دونوں سرینوں کے درمیان جو شکاف ہے اس کے بال کاٹنا مشکل ہوتا ہے، کٹنے کا ڈر ہوتا ہے تو کیا دبیر کے بال صاف کرنا بھی ضروری ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عانہ کی حد شانہ سے نیچے پیٹرو کی ہڈی سے شروع ہوتی ہے، جس پر دلائل ذیل ہیں:

① شرمگاہ جس حصہ میں ہے اس کی ہڈی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

② مخصوص نوعیت کے گھنے بالوں کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔

③ ستر کے بیان میں الخط المار بالمسراتۃ المحيط بمجوانب البدن سے عانہ

تک ایک عضو شمار کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عانہ اور سرہ ع کے درمیان ایک عضو فاصل

ہے اور سرہ سے پیٹرو کی ہڈی تک ایک ہی نوعیت ہے، لہذا یہ عضو فاصل پیٹرو کی ہڈی تک

ہے اور ہڈی سے عانہ شروع ہوتا ہے۔

④ فقہ کی کسی کتاب میں نظرے گذرا ہے کہ خط تحت المسرۃ سے نیچے عانہ ہے، اس

وقت تلاش کرانے پر یہ جزئیہ نہیں ملا، ممکن ہے کہ بیان ستر کے تحت الخط المار بالسرة سے اشتباہ ہوا ہو، بہر کیف پیڑ کی ہڈی کے شروع میں بھی ایک خط ہے جو عانہ کی حد ہے۔
 ⑤ شامیہ کی آئندہ عبارت الشعر القریب الخ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عانہ کی ابتداء سر سے متصل نہیں۔

سو پیڑ کی ہڈی کی ابتداء سے لے کر اعضاء ثلاثہ، ان کے حوالی، ان کی محاذاتہ میں رانوں کا وہ حصہ جس کے تلوث کا خطرہ ہے اور دبر کے بال صاف کرنا واجب ہے، دبر کے بالوں کی صفائی کو طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستحب لکھا ہے مگر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی عانہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔

قال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: العانۃ ہی الشعر الذی فوق الذکر وحوالیہ وحوالی فرجہا ویستحب انزالہ شعر الدبر خوفا من ان یعلق بہ شیء من النجاسة الخارجة فلا یتمکن من ازالته بالاستجمار (طحاوی علی المرقی)
 وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی فصل فی الاحرام والعانۃ الشعر القریب من فرج الرجل والمرأۃ ومثلها شعر الدبر بل هو اولی بالانزالۃ لئلا یتعلق بہ شیء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر (رد المحتار ص ۴۸ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
 ۲۴ محرم ۱۴۰۱ھ

زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے پاؤڈر کا استعمال:

سوال: زیر ناف بال صاف کرنے کا مستحب طریقہ کیا ہے؟ کترنا، کاٹنا یا اکھاڑنا؟
 اس زمانے میں جو کریم یا پاؤڈر استعمال ہوتا ہے، اس کا استعمال از روئے شریعت کیا ہے؟
 - بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کے لئے استرا وغیرہ سے صاف کرنا اور عورتوں کے لئے اکھاڑنا مستحب ہے۔
 پاؤڈر اور کریم کا استعمال بھی جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله ویستحب حلق عانۃ) قال فی الهندیۃ ویبتدئ من تحت السرة ولوعالج بالنورة یجوز

کذا فی الغرائب وفي الاشباه والسنة فی عاتة المرأة النتف (رد المحتار ج ۵)
والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۔ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ

سر کے بالوں کی جائز و ناجائز صورتوں کی تفصیل:

سوال: چند اجاب نے ایک انجمن بتائی ہے، اس انجمن کے تحت کئی تعلیمی ادارے چل رہے ہیں، مستحق طلبہ کی اعانت بھی کی جاتی ہے، اس ادارے نے اچھے مسلمان پیدا کرنے کا عزم کر رکھا ہے، چنانچہ اس کے زیر اہتمام چلنے والے اسکولوں اور کالجوں میں ناظرہ قرآن، دینی معلومات، ترجمہ قرآن، حدیث کی دعائیں نیز ریاض الصالحین اور عربی گرامر وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہے، جس کے لئے بڑے دینی مدرسوں سے عالم فاضل کا کورس کئے ہوئے مستند علماء دین کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ایسے آدمی کو ملازم نہیں رکھا جاتا جس کی وضع قطع دین کے خلاف ہو یا وہ کسی ظاہری گناہ کا عادی ہو یا نماز نہ پڑھے وغیرہ اس سلسلے میں انجمن سختی سے اپنے قواعد کی پابندی کراتی ہے تاکہ سارے ماحول پر دینی رنگ غالب نظر آئے۔

طلبہ کو بھی لیکچرز کے ذریعے ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ سنتوں کی پابندی کریں اور شریعت میں جو باتیں منع ہیں ان سے بچیں۔

اب انجمن کی انتظامیہ اور مدرسین میں اختلاف ہو گیا ہے، قصہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ انتظامیہ یہ کہتی ہے کہ دیگر ملازمین کی طرح مدرسین بھی اپنی وضع قطع دین کے مطابق رکھیں جس میں کہ سنت کے مطابق ڈاڑھی سر کے بال اور لباس کو منظر خارجی ہونے کی وجہ سے اولیت حاصل ہے۔ اختلافی نقطہ یہ ہے کہ بعض مدرسین (انتظامیہ کے خیال میں) انگریزی بال رکھے ہوئے ہیں اور اس پر اصرار بھی کر رہے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ یہ وہی مدرسین ہیں جو عالم فاضل ہیں اس لئے انتظامیہ کو انہیں اپنا موقف سمجھانے میں دشواری ہو رہی ہے کہ یہ لوگ خود اتھارتی ہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات ایسی ہی ہوتی تو ہم سالہا سال تک دینی مدرسوں میں پڑھتے رہے ہیں اور ہمارے بالوں کی یہی حالت تھی تو ہمارے بزرگوں نے ہمیں کیوں نہیں روکا؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اتنی ضروری بات نہیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ ہمارے بال انگریزی ہیں ہی نہیں ہم نے قینچی کے ساتھ برابر کٹے ہیں

کبھی کہتے ہیں ان امور میں اتباع ضروری نہیں۔ یہ عادت والی سنت ہے۔
اب بہت بحث و مباحثہ کے بعد طے ہوا ہے کہ آپ سے فتویٰ لیا جائے چنانچہ آپ ازراہ
کرم درج ذیل باتوں کے جوابات مرحمت فرمائیں اگر آپ ہر بات کا نمبر وار الگ الگ
جواب دیدیں گے تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

① انگریزی بالوں کی کیا تعریف ہے؟ ایسی تعریف سلیس اردو میں بتائیں
جسے ہر خاص و عام سمجھ سکے اور کسی بھی آدمی کے بال دیکھ کر یا ناپ کر اندازہ ہو سکے
کہ وہ انگریزی ہیں یا اسلامی؟

② کیا انگریزی بال رکھنا جائز ہے؟

③ اگر نا جائز ہے تو کس قسم کا نا جائز ہے؟ اس لئے کہ جن مدرسین کا اوپر ذکر ہوا
ہے وہ کہتے ہیں نا جائز کی بھی کئی قسمیں ہیں، انگریزی بال رکھنا مکروہ ہے جو ہلکی قسم کی چیز
ہے، آپ بتائیں یہ حرام ہے یا مکروہ؟ کیا مکروہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے؟

④ اگر مکروہ بھی ہے تو اوپر بیان کردہ صورت حال کے پیش نظر کیا مدرسین
کے لئے اس میں شدت نہیں ہو جاتی خصوصیت کے ساتھ جب کہ وہ عالم فاضل ہوں کہ
یہی لوگ طلبہ اور دیگر ملازمین کے لئے نمونہ ہیں۔

⑤ یہ مدرسین یہ بھی کہتے ہیں کہ سر کے بال منڈوانا مثلاً ہے۔

کیا سر کے بال منڈوانے کو مثلاً کہنا جائز ہے؟

⑥ یہ مدرسین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو آدمی سر کے بال منڈوالے وہ سخت احساس
کمتری کا شکار ہوتا ہے ہم پر خود یہ حالت گزری ہے اس لئے طلبہ کو بال منڈوانے کی ترغیب
نہ دی جائے کہ اس طرح وہ احساس کمتری کا شکار ہوں گے۔

⑦ کیا بال منڈوانے سے احساس کمتری کا شکار ہونا کوئی معقول بات ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے بالوں کی جائز و ناجائز تمام صورتیں لکھی جاتی ہیں اس کے بعد سوالات کے جوابات۔

بال رکھنے کی جائز صورتیں تین ہیں:

① پٹے رکھنا، اس کی تین قسمیں ہیں:

② کانوں کی لوتک۔ اس کو عربی میں دفرہ کہتے ہیں۔

(۲) کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک۔ اس کو لمہ کہتے ہیں۔

(۳) کندھوں تک اس کو جمہ کہتے ہیں۔

(۲) حلق یعنی پورے سر کے بال منڈوانا۔

(۳) پورے سر کے بالوں کو برابر کاٹنا۔

ان میں سب سے افضل پہلی صورت ہے، پھر دوسری صورت کا درجہ ہے اور آخری صورت کی صرف گنجائش ہے۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ پٹے رکھنا مننون ہے، البتہ حلق کی سنیت میں اختلاف ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دائمی عمل کی وجہ سے مننون کہا ہے، اسی طرح امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی سنیت نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اباحت پر محمول کیا ہے۔

بہر حال اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں اور بچوں کی تربیت کی خاطر ان کے سر منڈوانا افضل بلکہ غلبہ فساد کی وجہ سے ضروری ہے۔

اخراج الامام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ترك موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل كذا وكذا من النار، قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمن ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی وكان یحز شعرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

قال العلامة البہار نفوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: وبهذا الحديث استدل الطیبی علی سنیت حلق الرأس لتقریرہ صلی اللہ علیہ وسلم ولأنه من الخلفاء الراشدين الذين أمرنا بمتابعة سنتهم و مراد علیہ القاری وابن حجر فقالا ان فعله رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا كان مخالفا لسنة علیہ الصلوٰۃ والسلام وبقیۃ الخلفاء یكون رخصة لاسنة (بذل المجہود ص ۱۵۲ ج ۱)

وعن عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امهل ال جعفر ثلاثا ان یأتیہم ثم اتاہم فقال لا تبکوا علی اخي بعد اليوم

ثم قال ادعوا الى بنی اخی فجبیء بنا کأنا افرخ فقال ادعوا الى المحلاق فامرہ فخلق رؤسا۔

قال الشیخ السہاد نقوی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفيہ ان الکبیر من اقارب الاطفال يتولى امرهم وينظر فی مصالحهم من خلق الرأس وغيرہ (بذل المجتہد ج ۶)
قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي الروضة للزندويستی ان السنة فی شعر الرأس اما الفرق او الحلق وذكر الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان الحلق سنة ونسب ذلك الى العلماء الثلاثة (رد المحتار ص ۴۰ ج ۶)

وكذا فی الهندية عن التارخانية ویراد: يستحب حلق الرأس فی كل جمعة
كذا فی الغرائب (عالمگیریہ ص ۳۵ ج ۵)
بالوں کی ناجائز صورتیں:

قرع یعنی سر کے بعض حصہ کے بال منڈانا اور بعض کے چھوڑنا، یا بعض زیادہ تراشنا اور بعض کم۔

حدیث میں ایسے بال رکھنے سے صراحتہ ممانعت آئی ہے کما سند کر۔

ایسے بال رکھنا جو کفار و فساق کا شعار ہو۔

یہ تشبہ بالکفار و الفساق کی وجہ سے ممنوع ہے، البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ ہر زمانہ میں اس وقت کے کفار و فساق کے شعار کا اعتبار ہوگا۔

اخرج الامام ابوداود رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القزع والقزع ان یحلق رأس الصبی
فیترك بعض شعرة۔

وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْقَزَعِ
وَهُوَ أَنْ يَحْلُقَ رَأْسَ الصَّبِيِّ وَيَتْرَكَ لَهُ ذُوَابَةً۔

قلت وليس هذا مختصا بالصبي بل اذا فعله كبير يكره له ذلك فذكر الصبي
باعتبار العادة الغالبة۔

وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى صَبِيًّا
قَدْ حَلَقَ بَعْضَ رَأْسِهِ وَتَرَكَ بَعْضَهُ فَخَافَهُمْ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ احْلُقُوهُ كُلَّهُ اَوْ

اتركوه كله-

قال النووي رحمه الله تعالى: مذهبننا كراهته مطلقا للرجل والمرأة لاطلاق الحديث وهي كراهة تنزيه وكذلك كرهه مالك والحنفية رحمهم الله تعالى-

وعن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال كانت لي ذؤابة فقالت لي امي لا اجزها كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمد هاوياخذ بها-

وقيل ان ذؤابة انما يجوز اتخاذها لغلام اذا كانت مع غيرها من الشعور التي في الرأس واما اذا حلق شعره كله وترك له ذؤابة فهو القرع الذي نهى عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم-

وعن الحجاج بن حسان قال دخلنا على انس بن مالك رضي الله تعالى عنه فحدثني اختي المغيرة قالت وانت يومئذ غلام ولك قرنان او قصتان فمسح رأسك وبرك عليك وقال احلقوا هذين او قصوهما فان هذا نرى اليهود-

وهذا يدل على ان الرواية المتقدمة عن انس رضي الله تعالى عنه قال كانت لي ذؤابة لا يدل على جواز ذؤابة مطلقا بل الظاهر ان المنتهى عنه غير المرخص فيه فالرخصة انما هي اذا كان جميع شعر الرأس موجودة وكانت الذؤابة طويلة من سائر الشعور واما اذا كان البعض محلوقا والذؤابة باقية فلا رخصة فيه (بذل المجهود ص ۶ ج ۶)

وقال الحافظ العسقلاني رحمه الله تعالى: قال النووي رحمه الله تعالى الاصح ان القرع ما قسره نافع رحمه الله تعالى وهو حلق بعض رأس الصبي مطلقا ومنهم من قال هو حلق مواضع متفرقة منه والصحيح الاول لانه تفسير الراوي وهو غير مخالف للظاهر فوجب العمل به، وقلت الا ان تخصيصه بالصبي ليس قيدا، قال النووي رحمه الله تعالى اجمعوا على كراهته اذا كان في مواضع متفرقة الا للهداواة او نحوها وهي

کراہۃ تنزیہ ولا فرق بین الرجل والمرأة وکرہہ مالک فی الجاریۃ والغلام وقیل فی سواۃ لہم لا بأس بہ فی القصۃ والقفا للغلام والجاریۃ قال ومذہبنا کراہتہ مطلقا قلت حجۃ ظاہرۃ لانیہ تفسیر الراوی واختلف فی علۃ النہی فقیل لکونہ یشوک الخلقۃ وقیل لانیہ زی الشیطان وقیل لانیہ زی الیہود وقد جاء هذا فی روایۃ لابن داود (وبعد سطر) ويمكن الجمع بأن الذنوب الجائزۃ اتخاذها ما یفرد من الشعر فیرسل ویجمع ما عداها بالضرر وغیرہ والتي تمنع ان یخلق الرأس کله ویترك ما فی وسطه ویتخذ ذنوبۃ وقد صرح الخطابی بأن هذا مما یدخل فی معنی القزع والله اعلم (فتح الباری ص ۳۰ ج ۱)

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي الذخیرۃ ولا بأس بأن یخلق وسط رأسه ویرسل شعره من غیر ان یفتله وان فتلہ فذلک مکروہ لانیہ یصیر مشبہا ببعض الکفرۃ والمجوس وفي دیارنا یرسلون الشعر من غیر فتل ولكن لا یخلقون وسط الرأس بل یجزون الناصیۃ تتارخانیۃ قال ویکرہ القزع وهو ان یخلق البعض ویترك البعض قطعاً مقدراً ثلاث اصابع کذا فی الغرائب (رد المحتار ص ۲ ج ۲)

وکذا فی الہندیۃ وزاد: وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یکرہ ان یخلق قفاہ الا عند الحجامة کذا فی الینایع (عالمگیریۃ ص ۳۵ ج ۵)

ذخیرہ میں مذکورہ صورت جواز علت نہی کو تشبہ بالکفار میں منحصر سمجھنے کے خیال پر مبنی ہے۔ یہ خیال دو وجوہ سے صحیح نہیں:

① خلق اللہ کی تغیر و تشوہ بہر صورت پائی جاتی ہے جو نہی کے لئے کافی ہے۔

یہ علت نہی بندہ کے خیال میں تھی بعد میں اس کی تصریح فتح الباری میں بھی مل گئی

وقد مر نصحہ فالحمد للہ علی موافقۃ الاکابر۔

② قزع کے لغوی معنی سب صورتوں کو شامل ہیں۔

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: القزع بفتح القاف والراء ثم المہملۃ جمع

قزعة وهي القطعة من السحاب وسمی شعر الرأس اذا جلق بعضہ وترك بعضہ

تشبیہا بالسحاب المتفرق (فتح الباری ج ۱)

وجہ مذکورہ کی بناء پر امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اطلاق ہی کو صحیح اور واجب العمل قرار دیا ہے، ومن نصہما عن الفتح۔

بذل المجہود کی وجہ التوفیق میں مذکورہ صورت جواز بھی اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں علت نہی تغیر خلق اللہ موجود ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتوح میں کراہت تنزیہ کا قول فرمایا ہے، اس بارے میں تین امور:

① ظاہر حدیث اور تعلیل "تغیر خلق اللہ" سے کراہت تحریم ثابت ہوتی ہے۔

② کراہت تنزیہ پر دوام سے کراہت تحریم ہو جاتی ہے۔

③ یہ قول اس صورت میں ہے کہ تشبہ بالکفار نہ ہو، جب تغیر الخلق کے ساتھ تشبہ بالکفار بھی مل جائے تو کراہت تحریم ہونا ظاہر ہے۔

سوالات کے بالترتیب جوابات:

②، ① فیشن میں روز بروز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں مگر انگریزی دور کے آغاز سے اب تک یہ امر اس فیشن کا جزو لازم اور قدر مشترک کے طور پر رہا ہے کہ بال کہیں سے چھوٹے کہیں سے بڑے ہوتے ہیں۔ گویا یہ فیشن پورا ہی جب ہوتا ہے کہ بالوں میں یکسانیت نہ ہو، یکسانیت کا فقدان جیسے کاٹنے سے ہوتا ہے ایسے ہی منڈانے سے بھی ہوتا ہے، جیسے کانوں کے قریب استرا لگوانے کا معمول ہے۔

یہ صورت جس میں پورے سر کے بال برابر نہ ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی نصوص سے واضح طور پر ممنوع ہے۔ خواہ یہ کسی کافر و فاسق قوم یا گروہ کا شعار ہو یا نہ ہو، اگر فساد و فجار کا شعار بھی ہو تو اس کا گناہ اور بھی سخت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا ترقنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تشبہ بقوم فهو منهم۔

اور فرمایا:

لا تشبهوا بالیہود والنصارى۔

اور فرمایا:

خالقوا الیہود والنصارى۔

(۳) جب ایک چیز کا گناہ ہونا واضح ہو گیا تو پھر یہ کہنا کہ ”یہ کم درجہ کا ناجائز ہے اور یہ بڑے درجہ کا“ سخت خطرناک گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی بجائے اس کو ہلکا سمجھنا اور گناہ کو جائز کرنے کے حیلے بہانے ڈھونڈنا عام مسلمان کے شایان شان بھی نہیں ہو سکتا، اگر خدا نخواستہ یہ حالت عالم کہلانے والوں کی ہو گئی ہے تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے ع

چون کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

مکروہ تحریمی اور حرام میں صرف عقیدہ کے اعتبار سے فرق ہے، عملاً دونوں مساوی ہیں، دونوں گناہ کبیرہ ہیں اور دونوں پر عذاب برابر ہے۔

(۴) علماء جو پوری امت کے لئے رہنما اور مقتدا ہیں، ان کی ذرا سی نامناسب بات بھی بہت ہی معیوب ہے اور تھوڑی سی کوتاہی لاکھوں کروڑوں انسانوں کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے، چہ جائیکہ مکروہ تحریمی کو ہلکا سمجھا جانے لگے، اس میں کفر کا خطرہ ہے۔ (۵) سر کے بال منڈوانا جائز ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنتِ دائمہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين۔

لہذا اسے مشلہ کہنا بہت خطرناک گمراہی ہے۔

(۶) احساس کمتری تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ جب تربیت کرنے والوں کا حال یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صلحاء کی شکل و ہیئت کی بجائے فساد و فجار کی شکل و ہیئت سے پیار ہو تو ان سے تربیت پانے والے بھی اسی کے ولدادہ ہوں گے، ان کی صحیح تربیت کر کے صلحاء کی ہیئت پر فخر کرنے کا جذبہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مرد کے لئے جوڑا باندھنا جائز نہیں؛

سوال: اگر مرد کے بال بہت بڑے بڑے ہوں تو ان کو سنبھالنے کے لئے جوڑا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو! توجرو!۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال العلامة عالم بن العلاء الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ ان یصلی وهو عاقص شعرة والعقص هو الاحکام والشد والمراد من المسألة عند بعض المشایخ ان یجمع شعرة علی هامنه ویشدہ بصمغ او غیرہ لیتلبد وعند بعضهم ان یلف ذائبہ حول رأسہ کما تفعلہ النساء فی بعض الاوقات وعند بعضهم ان یجمع الشعر کلہ من قبل القفا ویسکہ بخیط او خرقة کیلا یصیب الارض اذا سجد (التاتارخانیة ص ۵۶ ج ۱)

قال العلامة المنلا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: وکرہ عقص شعرة وهو ان یشد ضغیرتہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء او یجمع شعرة فی عقدہ فی مؤخر رأسہ وانما کرہ لما روی مسلم عن کریب مولی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ابن عباس رأى عبد الله بن الحارث یصلی ورأسه معقوص من وراءه قال فجعل یجله فلما انصرف اقبل علی ابن عباس وقال مالک ورأسی فقال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما مثل هذا مثل الذی یصلی وهو مكتوف وفي شرح مسلم قال العلماء والحكمة فی النهی عنه ان الشعر یسجد معه ولهذا مثله بالذی یصلی وهو مكتوف ولقول علی رضی اللہ عنہ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تعقص شعرك فی الصلوة فانه کفل الشیطان رواه عبد الرزاق وعن ابی رافع قال نهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل ورأسه معقوص رواه احمد وابن ماجه وفي الباب احادیث فی الصحیحین وغیرہما (شرح النقایہ ج ۱ ص ۲۱۵)

قال العلامة الشیخ ابراہیم الحلبي رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ ایضا العقص ای عقص الشعر وهو ضغرة وفتله واما ادبہ فی الجامع فی ہذا الموضع

ان يجعل شعره على هامته ويشده بصمغ او ان يلف ذؤابتين
تثنية ذؤابة بضم الذال المعجمة وبعدها همنة ممدودة
ثم باء موحدة قال في القاموس هي الناصية والمراد هنا خصلتا
شعره حول رأسه كما يفعله النساء في بعض الاوقات او ان يجمع الشعر
كله من قبل اى من جهة القفا ويمسكه اى يشده بخيط او خرقة كيلا
يصيب الارض اذا سجد وجميع ذلك مكروه اذا فعله قبل الصلوة وصلى
به على تلك الهيئة اما لو فعل شيئا من ذلك وهو في الصلوة تفسد
صلوته لانه عمل كثير بالاجماع ووجه الكراهة ما روى الطبراني
عن الثوري عن مكحول بن راشد عن سعيد بن المقبري عن ابي سرافع
عن ام سلمة رضى الله تعالى عنها انه عليه السلام نهى ان يصلى الرجل
ورأسه معقوص وكذا رواه اسحق بن راهويه قال انبأنا المؤمل بن
اسماعيل عن سفيان به سند او متنا وراى قال اسحق قلت للمؤمل افيه
ام سلمة قال بلا شك واخرج الستة عنه عليه الصلوة والسلام
امرت ان اسجد على سبعة اعضاء وان لا اكف شعرا ولا ثوبا وفي
العقص كف الشعر فيكون منهيا (غنية المستمل ص ٣٧٦) والله سبحانه
وتعالى اعلم.

٢٠ ذى القعدة ١٢١٦ هـ



کسب حلال و حرام

سونانا بنانا:

سوال: سونا بنانا شریعت کی نظر میں صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب یا سم ملہم الصواب

اس میں تفسیع مال و اوقات ہے اس لئے جائز نہیں۔

البتہ اگر کوئی اس فن میں پوری مہارت حاصل کر کے سونا بنائے اور اس کے سونا

ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ رہے تو جائز ہے بشرطیکہ خلاف قانون نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله علم الحرف) یحتمل

ان المراد به الکاف الذی ہواشارة الى الکیمیا ولا شک فی حرمتها

لما فیہا من ضیاع المال والاشتغال بما لا یفید (الی قولہ) وحاصلہ انہ اذا

قلنا باثبات قلب الحقائق وهو الحق جاز العمل به وتعلمہ لانه لیس بغش

لان النحاس ینقلب ذہبا وفضة حقیقة وان قلنا انہ غیر ثابت لا یجوز

لانه غش کما لا یجوز لمن لا یعلم حقیقتہ لما فیہ من اتلاف المال او غش

المسلمین والظاهر ان مذهبنا ثبوت انقلاب الحقائق بدلیل ما ذکرہ

فی انقلاب عین النجاسة کانقلاب الخمر خلا والدم مسک ونحو ذلك

(رد المحتار ج ۳ ا) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ

قلی کا مقررہ اجرت سے زیادہ لینا:

سوال: آج کل حکومت نے اسٹیشن کے قلیوں کے لئے اجرت کی شرح مقرر کر دی

ہے۔ مثلاً ایک من وزن اٹھانے کی اجرت چار آنے ہے، لیکن عموماً قلی اس سے بہت زیادہ

طلب کرتے ہیں، ورنہ سامان نہیں اٹھاتے، اس لئے مسافر زیادہ اجرت طے کرنے پر راضی

ہو جاتے ہیں، کیا جو اجرت مجبوراً طے کر لی جائے اس سے کم دینا جائز ہے؟ نیز قلی کے لئے زیادہ

اجرت لینا جائز ہے؟

بعض اوقات قلی اجرت طے نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ جو مرضی ہو دے دینا، لیکن بعد میں حکومت کی طرف سے مقرر شرح سے زیادہ طلب کرتے ہیں، کیا اس صورت میں حکومت کی طرف سے مقرر کردہ شرح سے زیادہ جو قلی کی مطلوب رقم سے کم ہو دینا جائز ہے؟
بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قلی پر حکومت سے کئے ہوئے معاہدہ کی پابندی لازم ہے، اور اس کے خلاف کرنا گناہ ہے، مگر عموماً قلی اس کی پابندی نہیں کرتے، اس لئے ان سے پیشگی اجرت طے کرنا ضروری ہے اور طے کردہ اجرت پوری دینا ضروری ہے۔

اجرت مقررہ پر مجبور کرنے کے جواز میں اختلاف ہے، کما حرار العلمۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی بحث التسعیر، اس لئے مجبور کرنا بہتر نہیں، خلاف تقویٰ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۸ رمضان ۱۳۸۷ھ

ٹیکسی ڈرائیور کا میٹر سے زیادہ کرایہ لینا:

سوال: ٹیکسی ڈرائیور سواری سے میٹر کے حساب کے خلاف زیادہ کرایہ وصول کرے تو کیا یہ جائز ہے جبکہ میٹر کے خلاف پیسے دینا قانوناً جرم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈرائیور پر حکومت کے ساتھ معاہدہ کی پابندی لازم ہے، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے، مگر اس کے باوجود اگر میٹر سے زیادہ اجرت طے کر لی تو یہ اجرت حلال ہے۔

میٹر کو تیز کر کے دھوکے سے زیادہ اجرت لینا جائز نہیں، میٹر کو تیز کرنے کی وجہ سے جتنی اجرت زیادہ حاصل ہوئی ہے وہ حرام ہے، جس کا مالک تک پہنچانا فرض ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو مساکین پر صدقہ کرنا فرض ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۸ شوال ۱۳۸۷ھ

بنک، بیمہ کمپنی اور محکمہ انکم ٹیکس وغیرہ میں ملازمت:

سوال: بانک، بیمہ کمپنی اور محکمہ انکم ٹیکس جس میں سینما، موٹروں اور مکانوں پر ٹیکس کی تشخیص و تحصیل کا کام ہوتا ہے، اسی طرح کسٹم آبداری جس میں نشہ آور چیزوں کی درآمد

پریکس وصول کیا جاتا ہے، ان محکموں میں ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بنک اور بیمہ ربوا ہے اور ٹیکسوں کی تشخیص کا طریق مروج ظلم ہے، ان کے مصارف بھی صحیح نہیں، اس لئے ان میں ملازمت جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم و

العدوان۔

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها ومحمولة الیہ وساقیها وبائعها واکل ثمنها والمشتري لها والمشتري لہ (ترمذی ص ۲۳ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
سرمزی القصدہ ۸۸

سینما کی ملازمت :

سوال: سینما میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سینما میں ملازمت دو وجہ سے حرام ہے۔

① تنخواہ حرام آمدن سے دی جاتی ہے۔

② اگر اس کے ذمہ کوئی ناجائز کام نہ ہو تو بھی تعاون علی الاثم تو ہے ہی جو نبص قرآن

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان“ حرام ہے، اس لئے اس کی اجرت لینا حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

سینما، بنک و دیگر سودی اداروں کی تعمیر کی اجرت :

سوال: سینما، بنک اور بیمہ کمپنی کی عمارات کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اس تعمیر سے جو اجرت

حاصل ہو وہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارے میں کوئی صریح جزیئہ نہیں ملا، نہ ہی کوئی ایسا جزیئہ مل سکا جس پر قیاس

بلاشبہ تام ہو، قواعد سے رجحان ادھر معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمارت کا نمونہ ایسا ہو کہ اسے

سینما یا بنک وغیرہ کے سوا کسی دوسرے کام میں بسہولت استعمال نہ کیا جاسکتا ہو تو اس کی تعمیر کی اجرت ناجائز ہے ورنہ جائز۔

مندرجہ ذیل دو جزئیات اس کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں:

- ① قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز تعمیر کنیسة وحمل خمس ذمی بنفسه او دابته باجر لا عصرها لقيام المعصية بعينه (رد المحتار ج ۵) ۲۵۱
 - ② وقال العلامة السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: واذا استأجر الذمی من المسلم بیتا لیبیع فیہ الخمس لہ یجنز لانہ معصیة فلا ینعقد العقد علیہ ولا اجر لہ عندهما وعند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز والشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز ہذا العقد لان العقد یرد علی منفعة البیت ولا یتعین علیہ بیع الخمر فیہ قلہ ان یبیع فیہ شیئا اخر یجوز العقد لہذا و لکننا نقول تصحیحہما بالمقصود لا یجوز اعتبار معنی الخوفیہ وما صرحا بہ معصیة (مبسوط ص ۱۶ ج ۲)
- مگر جزئیہ اولیٰ پر قیاس کر کے قول جوازیں یہ کلام ہے کہ کنیسہ کو کافر استعمال کر لیا اور سینما کو مسلمان۔

اور جزئیہ ثانیہ پر قیاس کر کے عدم جواز پر استدلال بھی اس لئے تمام نہیں کہ وہاں اپنا گھر معصیت میں استعمال کرنے کے لئے دے رہا ہے اور مسئلہ زیر بحث میں اپنی کوئی چیز معصیت کے لئے نہیں دے رہا بلکہ معصیت کے لئے استعمال ہونے والے مکان کی تعمیر میں کام کر رہا ہے تاہم اس سے رجحان عدم جواز کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۹ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

کوٹ پتلون سینے کی کمائی:

سوال: ایک شخص کی آمدن صرف پتلون سینے سے ہوتی ہے، کیا اس کی آمدن حلال ہے؟ اگر آمدن کوٹ پتلون، شیردانی اور قمیص وغیرہ سب چیزوں کے سینے سے حاصل ہوتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ بیوقوف جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پتلون اگر اتنی تنگ ہو کہ اعضاء مستورہ کا حجم نظر آتا ہو تو اس کا پہننا اور سینا حرام ہے لہذا اس سے حاصل شدہ آمدن حرام ہوگی اور اگر اتنی چست نہ ہو بلکہ ڈھیلی ہو تو اس کے

پہننے اور سینے کی گنجائش ہے مگر تقویٰ کے خلاف ہے۔
ہر صورت میں مقدار حرام کا تصدق واجب ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۲۰ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا:

سوال: بیرونی ممالک سے تجارتی خلاف قانون اشیاء منگواتے ہیں، بعض مرتبہ حکومت ان کو ضبط کر لیتی ہے، بعد میں اسے نیلام کرتی ہے اور کستے داموں فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم سرکاری خزانہ میں داخل کرتی ہے، حکومت سے ایسا مال خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس مال پر حکومت کا قبضہ ظلم ہے، مالی جرمانہ بہر حال ناجائز ہے۔ اس لئے اگر خریدنے والے کو علم ہو تو اس کے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ۔

قلت: وکل مال محترم حکمہ حکم مال مسلم۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۳ جمادی الثانیہ ۱۲۸۹ھ

کسب میں افراط جائز نہیں:

سوال: آدمی صبح سے رات گئے تک کمانے میں مشغول رہے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دنیا کمانے میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ حقوق اللہ و حقوق العباد میں خلل واقع ہونے لگے اور جسمانی و دماغی صحت پر برا اثر پڑنے لگے جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: یا ایہا الذین آمنوا لا تلہکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ، ومن یفعل ذلک فاولئک ہم الخاسرون۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۲۶ جمادی الآخرہ ۱۲۹۱ھ

جلسہ میں چندہ کرنا:

سوال: مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر لوگوں کو چندہ کی ترغیب دے کر چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اکثر و بیشتر لوگ ترغیب و ترہیب کے جوش میں آکر چندہ دیتے ہیں۔ بینوا تو جرو۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر عوام کا اجتماع ہو اور صورت بھی ایسی ہو کہ کوئی شخص بھی چندہ نہ دینے میں ذرا برابر بھی اپنی بے عزتی محسوس نہ کرتا ہو اور طرز بیان میں بھی تملق اور دین دہل دین کی سبکی نہ ہو تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

اس کی تفصیل رسالہ ”الکلام البدیع فی احکام التوسیع“ مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۹۲ھ

غیر ممالک سے سونا چاندی لانا:

سوال: ایک شخص حج پر جا رہے ہیں، دوسرا شخص ان سے کہتا ہے کہ چونکہ وہاں سونے کی قیمت کم ہے، اس لئے آپ ہمارے لئے چار پانچ تولے سونا لے آنا، میں اصل قیمت ادا کر دوں گا تو کیا حاجی کے لئے وہاں سے سونا لانا جائز ہے؟ اس سے اس کے حج پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟ بینوا تو جرو۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حج تو ہو جائے گا مگر یہ فعل جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں ملک کا نقصان، قانون شکنی اور عزت کو خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۶ شعبان ۱۳۹۲ھ

دودھ میں پانی ملانا:

سوال: دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنا کیسا ہے، جبکہ گاہک کو بتا دیا جائے؟ اگر جائز ہے تو کیا دودھ جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمت ہے اس میں پانی ملانے کا گناہ ہوگا؟

بینوا تو جرو۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گاہک کو ملاوٹ کا علم ہو تو فروخت کرنا جائز ہے، اگر دھوکا دینا مقصود نہ ہو تو دودھ میں پانی ملانا کوئی عیب کی بات نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

اسمگلنگ:

سوال: اسمگلنگ کرنا، اسمگل شدہ مال خریدنا بیچنا اور اس میں مدد کرنا کیسا ہے؟ ان امور میں سے کسی کے مرتکب کے ہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بیعتوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسمگلنگ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی، ملک کا نقصان اور عورت کا خطرہ ہے، اس لئے ناجائز ہے، ایسے مال کی خرید و فروخت اور اس میں تعاون کرنا بھی ناجائز ہے مگر اس کے منافع حرام نہیں، لہذا اس کے ہاں کھانا کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

غیر طبیب کو علاج کا پیشہ اختیار کرنا:

سوال: میں تجربہ کی بنیاد پر مریضوں کا علاج کرتا ہوں، ۲۵ سال سے میرا یہی ذریعہ معاش ہے، میں دس افراد کا واحد کفیل ہوں اور میری عمر ۴۸ سال ہے، پریشانی یہ ہے کہ بعض اوقات انجکشن لگانے سے مریض کی حالت بگڑ جاتی ہے، دست لگ جاتے ہیں یا بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور کبھی ایک دن کے بعد مریض انتقال کر جاتا ہے، کیا اس کی سزا مجھے ہوگی، میں یہ پیشہ ترک کر دوں؟ بیعتوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی ماہر فن سے علاج کی تعلیم حاصل کئے بغیر علاج کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں، نیز اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا گناہ بھی ہے، آپ قانون کے مطابق امتحان دے کر کمپوڈری یا ہومیو پیتھک کی سند حاصل کر لیں، اس کے بعد یہ پیشہ اختیار کر سکتے ہیں۔

قال العلامة المحضی رحمہ اللہ تعالیٰ: بل یمنع مفت ما جن یعلم الحیل

الباطلة لتعليم الرادة لتبين من زوجها اولتسقط عنها الزكاة وطبيب جاهل۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وطبيب جاهل) بأن يسقيهم دواء مهلكا واذا قوى عليهم لا يقدر على ازالة ضرره نزيلعى۔ (ردالمحتار ص ۹۳ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲ رمضان ۱۳۹۸ھ

نا جائز محصول سے بچنے کے لئے رشوت دینا:

سوال: ایک شہر سے دوسرے شہر سامان لے جانے پر حکومت کی طرف سے محصول وصول کیا جاتا ہے۔ اس سے بچنے کی یہ تدبیر اختیار کی جاتی ہے کہ بس کے ڈرائیور یا کنڈیکٹر کو کچھ روپے دیئے جاتے ہیں، وہ معروف اڈے پر سامان اتارنے کی بجائے کسی دوسری جگہ اتارتے ہیں۔ اگر معروف اڈہ پر محصول وصول کرنے والے پوچھ گچھ کریں تو ڈرائیور کسی دوسرے شہر کا نام لے کر کہتا ہے کہ گاڑی وہاں جا رہی ہے۔ کبھی تو وہ اس قول میں سچا ہوتا ہے، گاڑی کہیں دوسرے شہر جا رہی ہوتی ہے اگرچہ سامان اسی شہر میں اتارنا ہوتا ہے اور کبھی گاڑی کو وہیں تک جانا ہوتا ہے جہاں سامان اتارنا ہوتا ہے۔ ڈرائیور جھوٹ بول کر سامان کو محصول سے بچاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ صاحب مال ڈرائیور یا کنڈیکٹر کو جو روپے بطور رشوت دیتا ہے، ان کا لینا دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صاحب مال کے لئے دینا مطلقاً جائز ہے اور ڈرائیور، کنڈیکٹر کے لئے لینا اس شرط سے جائز ہے کہ راستے میں محصول کے علاوہ چوری وغیرہ سے حفاظت بھی ان کے ذمہ ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

طبيب کی بے اعتنائی سے بچنے کے لئے رشوت دینا:

سوال: بعض اوقات کوئی مریض ہسپتال میں زیر علاج ہوتا ہے، مریض کے رشتہ دار ڈاکٹر یا کمپیوٹر کی مراعات حاصل کرنے اور مریض کی دیکھ بھال کے لئے کوئی چیز یا روپے دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، ڈاکٹر کی مراعات حاصل کرنے یا بے اعتنائی سے بچنے کے لئے اسے رشوت دینے سے اس کی عادت بگڑے گی جس کے نتیجہ میں پوری قوم ظلم کا شکار ہوگی۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

رشوت کی جائز و ناجائز صورتیں :

سوال : آج کل ہر طرف رشوت کا بازار گرم ہے، کئی مواقع ایسے آتے ہیں کہ شریف آدمی بھی رشوت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، جواز و عدم جواز کے مواقع معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشانی ہوتی ہے اور ایسا اوقات خاصہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔
اس لئے کوئی ایسا جامع ضابطہ بیان فرمادیں جسے سامنے رکھ کر ہر موقع کا حکم معلوم ہو جائے تاکہ احکام شرعیہ کی پابندی اور نافرمانی سے احتراز کا اہتمام کیا جاسکے۔
بیدنوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رشوت لینے دینے کی مختلف صورتیں ہیں، ہر ایک کا حکم لکھا جاتا ہے :

① حکومت سے قضاء یا اس جیسا کوئی منصب حاصل کرنے کے لئے۔

② حاکم سے کوئی فیصلہ کروانے کے لئے۔

③ اعانت علی الظلم کے لئے۔

ان تینوں صورتوں میں رشوت لینا بھی حرام ہے اور دنیا بھی۔

حاکم سے منع حق کا خطرہ ہو تو اس کو دفع ظلم کے لئے رشوت دینا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس سے حاکم کی عادت بگڑے گی جو پوری قوم پر ظلم کا باعث بنے گی، فہذا داخل فی قاعدة "ان الضرر الخاص يتحمل لدفع الضرر العام"

④ جس سے ضرر کا اندیشہ ہو اسے رشوت دینا جائز ہے، اس کے لئے لینا حرام ہے۔

⑤ دفع مضر یا جلب منفعت کے لئے درمیان میں واسطہ بننے والے یعنی صرف

سفارش کرنے والے کو رشوت دینا جائز ہے۔ آخذ کے لئے لینا جائز نہیں، البتہ اگر درمیانی

واسطہ کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے تو اس کے لئے اس کام کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ

وہ یہ کام کرنے پر بنفس خود قادر ہو، قدرت بقدرت غیر کا اعتبار نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي الفتح الرشوة اربعة اقسام منها ما هو حرام على الاخذ والمعطى وهو الرشوة على تقليد القضاء والامارة الثاني ارتشاء القاضي ليحكم وهو كذلك ولو القضاء بحق لانما واجب عليه الثالث اخذ المال ليسوى امره عند السلطان دفعا للضرر او جلبا للنفع وهو حرام على الاخذ فقط وحيلة حلها ان يستأجره يوما الى الليل او يومين فتصير منافعه مملوكة ثم يستعمله في الذهاب الى السلطان للامر الفلاني وفي الاقضية قسم الهدية وجعل هذا من اقسامها فقال حلال من الجانبيين كالاهداء للتودد وحرام منهما كالاهداء ليعينه على الظلم وحرام على الاخذ فقط وهو ان يهدي ليكف عن الظلم والحيلة ان يستأجره الخ قال اي في الاقضية هذا اذا كان فيه شرط اما اذا كان بلا شرط لكن يعلم يقينا انه انما يهدي ليعينه عند السلطان فمشايخنا على انه لا بأس به ولو قضى حاجته بلا شرط ولا طمع فاهدى اليه بعد ذلك فهو حلال لا بأس به وما نقل عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه من كراهيته فروع الرابع ما يدفع من دفع الخوف من المدفوع اليه على نفسه او ماله حلال للدافع حرام على الاخذ لان دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز اخذ المال ليفعل الواجب اه ما في الفتح ملخصا (رد المحتار ص ۳۳ ج ۲) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

مختلف ٹیکسوں کا حکم:

سوال: انکم ٹیکس، ویلتھ ٹیکس، گفٹ ٹیکس، سیل ٹیکس، چولہا ٹیکس، جو ہر شادی شدہ جوڑے سے وصول کیا جاتا ہے خواہ وہ کھانا خود پکائیں یا پکا ہوا خرید کر کھائیں، شادی ٹیکس ہر نکاح پر، سوانشی رکھنے کا ٹیکس جس میں بھیڑ بکری کا ٹیکس گائے بھینس کے ٹیکس سے نصف ہوتا ہے، پیدائشی ٹیکس جو ہر لڑکے کی پیدائش پر وصول کیا جاتا ہے محصول چونگی اور اسی طرح کے دیگر ٹیکسوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز ان محکموں میں

ملازمت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ سب ٹیکس ناجائز ہیں اور ان محکموں میں ملازمت بھی ناجائز ہے، حکومت کو اگر ضرورت ہو تو ٹیکس عائد کرنے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

- ① حکومت کے مصارف کو اسراف و تبذیر سے پاک کیا جائے۔
- ② اونچے طبقے کے ملازمین کی تنخواہوں کو افراط سے گرا کر اعتدال پر لایا جائے۔
- ③ ٹیکس ہر شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق لگایا جائے، یعنی اس کی آمد و مصارف کو پیش نظر رکھ کر ٹیکس کی شرح تجویز کی جائے۔

مردج ٹیکس لندھے کی لباٹھی یا انیاؤ پور کاراجہ ہے، انکم ٹیکس کے سوا دوسرے سب ٹیکس تو ظاہر ہے کہ ہر امیر و غریب پر لگائے جاتے ہیں اور انکم ٹیکس میں اگرچہ آمد تو ملحوظ ہوتی ہے مگر اس شخص کے مصارف ملحوظ نہیں رکھے جاتے۔ اسی طرح جائیداد ٹیکس ہر صاحب جائیداد سے یہ حال لازماً وصول کیا جاتا ہے اگرچہ اس کا ذریعہ آمدن کچھ بھی نہ ہو ٹیکس کی تشخیص کا یہ طریقہ صریح ظلم اور حرام ہے۔

اسی طرح حکومت کے مصارف میں بھی محرمات کی بہتات ہے، مثلاً:

- ① اقامت حکومت الہیہ و نفاذ آئین اسلام کا دفاع۔
- ② منکرات، فواحش، عریانی، فحاشی کو فروغ دینا۔
- ③ لہو و لعب اور مسرفانہ طور و طریق۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۶ رجب ۱۴۲۸ھ

صراف کے لئے بقدر معروف ملاوٹ جائز ہے:

سوال: صراف چاندی کا زیور بنانے میں جس اور سونے کا زیور بنانے میں تاثبات استعمال کرتے ہیں، اس لئے کہ اس کے بغیر زیور ڈھیل رہتا ہے، لوگ پسند نہیں کرتے، فروخت کرتے وقت صراف لوگوں کو بتا دیتا ہے کہ اس میں میں نے جس اور تاثبات استعمال کیا ہے مگر قیمت سونے اور چاندی ہی کی وصول کروں گا، لوگ بخوشی خرید لیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۹ شعبان ۱۴۲۸ھ

تفسیر مودودی کی تجارت جائز نہیں:

سوال: زید کتب فروش ہے، دکان پر بازار سے مختلف کتب خرید کر رکھتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مودودی صاحب کی تفسیر ”تفہیم القرآن“ کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶ صفر ۱۴۲۸ھ

دارالحرب میں سود اور شراب کے اداروں میں ملازمت:

سوال: دارالحرب میں بنک، انشورنس اور کافروں کے دیگر اداروں میں شراب کی دکانوں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بنک، انشورنس اور دوسرے سودی اداروں میں ملازمت نا جائز ہے، اس لئے کہ سود کفار کے لئے بھی حرام ہے۔ ایسے اداروں میں ملازمت کرنا اعانت علی المعصیۃ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

حرمت اجرت کی دوسری وجہ یہ کہ حرام مال سے ہے۔

شراب کا کارر بار اگر کافر کر رہا ہو تو اس میں مسلمان کے لئے ملازمت کی گنجائش ہے، کیونکہ ان کے ہاں شراب حلال ہے، البتہ شراب کی خرید و فروخت اور کسی کو پینے کے لئے دینا مسلمان کے لئے حلال نہیں، دوسرے کاموں میں بھی کئی دینی خطرات ہیں اس لئے احتراز بہتر ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الخمر وشاربھا وساقیھا وبائعھا ومتباعھا

وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة اليه (سنن ابی داود مشح ۲)
 قال العلامة الكاساني رحمه الله تعالى: ومن استأجر حملاً لا يحمل
 له الخمر فله الاجر في قول ابی حنيفة رحمه الله تعالى وعند ابی يوسف
 ومحمد بن حمهما الله تعالى لا اجر له كذا ذكر في الجامع الصغير انه يطيب
 له الاجر في قول ابی حنيفة وعندهما يكره لهما ان هذه اجارة على
 المعصية لان حمل الخمر معصية لكونه اعانة على المعصية وقد قال
 الله تعالى عز وجل ولا تعاونوا على الاثم والعدوان ولهذا لعن الله
 تعالى عشرة منهم حاملها والمحمول اليه ولا ابی حنيفة رحمه الله تعالى
 ان نفس الحمل ليس بمعصية بدليل ان حملها للاراقة والتخليل مباح
 وكذا ليس بسبب للمعصية وهو الشرب لان ذلك يحصل بفعل فاعل
 مختار وليس الحمل من ضرورات الشرب فكانت سبباً محضاً فلا حكم له
 كعصر العنب وقطفه والحديث محمول على الحمل بنية الشرب وبه نقول
 ان ذلك معصية ويكره اكل اجراته (بدائع الصنائع مشح ۱۹ ج ۴)۔
 والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

کسٹم کا حکم؛

سوال: بیرونی مالک سے مال درآمد کرنے پر حکومت جو کسٹم لیتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ارباب حکومت کسٹم وصول کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ بیرونی تجارتی کمپنیاں اپنی مصنوعات عموماً بہت ارزاں قیمت پر فروخت کرتی ہیں۔ اگر حکومت کسٹم وصول نہ کرے تو تمام تجارتی بیرونی کمپنیوں ہی سے مال خریدیں گے، اس طرح اپنے ملک کی مصنوعات کا کوئی بھی خریدار نہیں رہے گا۔ نتیجہً اپنے ملک کے کارخانے مال بنانا بند کر دیں گے، اس سے ملک کا دیوالہ ہو جائے گا۔

ارباب حکومت کی وضاحت مذکورہ کے تحت درج ذیل شرائط سے کسٹم وصول کرنا جائز ہے:

(۱) نہ لینے کی صورت میں اپنے ملک کی مصنوعات کے ضیاع اور معاشی و اقتصادی لحاظ سے ترقی میں نقصان کا یقین ہو۔

(۲) بوقت ضرورت بقدر ضرورت لیا جائے۔

(۳) حکومت مصارف ضروریہ پر اسراف سے خرچ نہ کرے اور غیر ضروری مصارف اور خرافات پر خرچ کرنے سے احتراز کرے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶ ذی القعدة ۱۴۱۶ھ

وکیل بالشراء کا زیادہ قیمت وصول کرنا:

سوال: کمپنی کچھ ملازم اس مقصد کے لئے رکھتی ہے کہ وہ بازار سے سامان خرید کر لایا کریں۔ ملازم خستی اشیاء خرید کر دکاندار سے جعلی بل بنوا کر کمپنی سے زیادہ رقم وصول کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ نیز تعمیر مکان کا ٹھیکیدار لوہا وغیرہ کم قیمت میں خرید کر مالک مکان کے حساب میں زیادہ رقم ظاہر کر کے وصول کرتا ہے کیا یہ جائز ہے؟

اگر ملازم یا ٹھیکیدار یہ جیلہ کریں کہ اشیاء اپنے لئے خریدیں اور مہنگی کر کے کمپنی کو فروخت کریں تو اس کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ملازم اور ٹھیکیدار وکیل بالاجرہ ہیں، ان کا کمپنی یا مالک مکان سے اصل قیمت سے زیادہ وصول کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ جیلہ مذکورہ باطلہ ہے اس لئے کہ وکیل ایمن ہوتا ہے، اس کا اپنے لئے خریدنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۸ شوال ۱۴۱۴ھ

وکیل کا دکاندار سے کمیشن لینا:

سوال: دکاندار کمپنی کے ملازم سے کہتا ہے کہ اگر آپ کمپنی کا سامان ہم سے خریدیں گے تو ہم آپ کو اتنے فیصد کمیشن دیں گے۔ کیا ملازم کے لئے یہ کمیشن لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ کمیشن کے نام سے سامان کی قیمت میں رعایت ہے جو کمپنی کا حق ہے، اس لئے ملازم کا اسے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، کمپنی کو لوٹانا واجب ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۸ شوال ۱۴۱۴ھ

کھانے پینے کی حلال و حرام اشیاء اور ان کے متعلقاً

رشوت خور کا ہدیہ یا دعوت قبول کرنا:

سوال: رشوت کھانے والے سے کوئی چیز ہدیہ میں لینا یا اس کی دعوت قبول کرنا کیسے ہے؟ بینوا تو جبردا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر حرام مال جدا ممتاز نہ ہو، یعنی خالص حرام یا حلال و حرام مخلوط ہونے کا یقین نہ ہو اور حلال مال زیادہ ہو تو اس سے ہدیہ یا دعوت قبول کرنا جائز ہے۔

اگر حرام زیادہ ہے یا دونوں برابر ہیں یا حرام مال جدا ممتاز ہے تو اسے قبول کرنا جائز نہیں۔ قال فی المہندیۃ اھدی الی رجل شیئاً و اضافہ ان کان غالب مالہ من الحلال فلا بأس الا ان یعلم بأنه حرام فان کان الغالب هو المحرام فینبغی ان لا یقبل الھدیۃ ولایأکل الطعام الا ان ینحبرہ بأنه حلال ورثہ او استقرضہ من رجل کذا فی الینابیع۔

وایضاً فیہا "أکل الربوا وکاسب المحرام اھدی الیہ و اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولایأکل مال ینحبرہ ان ذلک المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ وان کان غالب مالہ حلال لا بأس بقبول ھدیۃ والا کل منہ کذا فی الملتقط (عالمگیریۃ کتاب الکراہیۃ ج ۲)

وفی الاشباہ فی القاعدۃ الثانیۃ من النوع الثانی: اذا اجتمع عند احد مال حرام وحلال فالعبرة للغالب مالہ یتقبن (الاشباہ والنظائر ص ۱۷۱ ج ۱) مال مخلوط کا حکم مذکور اس صورت میں ہے کہ خلط متیقن نہ ہو، اگر خلط کا یقین ہو تو بہر حال حرام ہے خواہ حلال غالب ہو یا مغلوب۔

والتفصیل فی رسالۃ "حلال و حرام سے مخلوط مال کا حکم" واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

الرربع الآخر ص ۴۷

حرام مال سے خریدا ہوا طعام بھی حرام ہے :

سوال : حرام طریقہ مثلاً بنک یا انشورنس کی ملازمت یا رشوت یا غصب سے حاصل شدہ مال کے عوض میں خریدا ہوا طعام حرام ہے یا حلال ؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر مغضوب چیز عین ہے تو اس کے عوض خریدی ہوئی اشیاء کا استعمال بالاتفاق حرام ہے۔ اگر نقد ہے تو اس میں امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ اگر بوقت اشتراء رقم مغضوب کی طرف اشارہ کیا ہوا اور پھر اداء بھی اسی سے کیا ہو تو خرید کردہ اشیاء حرام ہوں گی۔ اگر بوقت اشتراء رقم مغضوب کی طرف اشارہ نہ کیا یا اشارہ کیا مگر ثمن اس سے اداء نہیں کیا بلکہ دوسری رقم سے اداء کیا تو ان حالات میں خریدی ہوئی اشیاء میں کوئی کراہت نہیں۔

راجح یہی ہے کہ بہر حال حرام مال سے حاصل کردہ اشیاء حرام ہیں، خواہ اشارہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: نقل ط عن الحموی عن صدر الاسلام: ان الصحيح لا یحل له الاکل ولا الوطاء لان فی السبب نوع خدث اھ فلیتأمل (ردالمحتار ص ۱۶۵ ج ۵)

قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن و حدیث اور قیاس و عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے، بندہ نے اس کا صحیح محمل تلاش کرنے کی کوشش کی اور بعض دوسرے علماء محققین سے بھی دریافت کیا مگر یہ عقدہ حل نہ ہو سکا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ

سوال مثل بالا:

سوال : ایک شخص نے مغضوب رقم سے کوئی چیز خریدی تو وہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز نہیں تو اب اسے کیا کرنا چاہیے ؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ چیز حرام ہے، مغضوب رقم کی مقدار مالک کے دے اگر اس کا علم نہ ہو سکے تو کسی مسکین پر صدقہ کر دے تو وہ چیز حلال ہو جائے گی۔ اگرچہ اس کی قیمت رقم مغضوب سے زیادہ ہو، البتہ اگر اس چیز کو زیادہ

نقود میں فروخت کر دیا تو یہ ربح بھی واجب الرد ہے، حاصل یہ کہ زیادتی جنس مغضوبہ سے ہو تو حرام ہے ورنہ حلال۔ عروض مغضوبہ کو ان کی قیمت سے زیادہ نقود میں بیچا تو ربح جنس مضمون سے ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله اذا كان متعینا بالاشارة) قال الزیلعی فان كان مما یتعین لا یحل له التنازل منه قبل ضمان القيمة و بعده یحل الا فیما زاد علی قدر القيمة وهو الربح فانه لا یطیب له و یتصدق به فی القہستانی وله ان یؤدیہ الی المالك و یحل له التنازل لزوال الخبث (رد المحتار ص ۲۱۱ ج ۵)

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لا یتصدق بشیء منه کما لو اختلف الجنس ذکرہ الزیلعی فلیحفظ۔ وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله کما لو اختلف الجنس) قال الزیلعی وهذا الاختلاف بینہم فیما اذا صار بالتقلب من جنس ما ضمن بأن ضمن دراهم مثلاً وصار فی یدہ من بدل المضمون دراهم ولو طعام او عرض لا یجب علیہ التصديق بالاجماع لان الربح انما یتبین عند اتحاد الجنس وما لم یصر بالتقلب من جنس ما ضمن لا ینظر الربح اھ (رد المحتار ص ۲۱۱ ج ۵) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الآخر ۱۳۶۷ھ

بازاری پھل، گوشت، دودھ کا حکم:

سوال: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۴) جو لوگ آم، امرود اور دوسرے پھلوں کے باغ خریدتے ہیں ان سے تحقیق کرنے پر ثابت ہوا کہ یہ معاملہ اکثر پھل آنے سے پہلے ہوتا ہے لہذا یہ معدوم شے کی بیع ہوئی جو باطل ہے اور بیع باطل سے بیع میں جو حرمت و خجاست آتی ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتی، جہاں تک اس پھل کے لینے دینے کا سلسلہ چلے گا سب کے لئے وہ پھل حرام ہوگا۔

علاوہ ازیں درختوں پر پھل چھوڑنے کی شرط فاسد اگرچہ صراحۃً نہ ہو معروف ضرور ہے،

ایسی صورت میں بازار میں جو پھل فروخت ہوتا ہے اس کو بلا تحقیق خرید کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض اہل مشاہدہ نے بتایا کہ کراچی کے مذبح میں ذبح کرنے والے بوقت ذبح ”بسم اللہ اللہ اکبر“ نہیں پڑھتے، اسی طرح بعض اوقات مردار جانوروں کا گوشت بازار میں لا کر فروخت کر دیتے ہیں، ان حالات میں بازار سے خرید کردہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بعض شیر فروش پاکی ناپاکی کا اہتمام نہیں کرتے، ان کے مکان پر جا کر دودھ خریدنے والوں کا مشاہدہ ہے کہ ٹھنوں پر اور آس پاس جو پیشاب اور گوبر لگا رہتا ہے اس کو وہ بہت تھوڑے سے پانی سے دھوتے ہیں جس سے نجاست اور زیادہ پھیل جاتی ہے اور اس کے قطرے برتن میں ٹپکتے رہتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دودھ نکالتے وقت جانور پیشاب کر دیتے ہیں اور چھینٹے اڑ کر دودھ کے برتن میں پڑ جاتے ہیں، یہی دودھ بازاروں میں فروخت ہوتا ہے۔ کیا اس کو خرید کر استعمال میں لانا جائز ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے دو اصول تحریر کئے جاتے ہیں:

اصل اول: الیقین لا یزول الا بالیقین۔

اصل ثانی: اشیاء میں اصل اباحت ہے، جب تک حرمت کا یقین نہ ہو۔

ان اصول کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اشیاء کثیرۃ الاستعمال مثلاً

پانی، غلہ، دودھ اور پھل وغیرہ کے استعمال میں وسعت دی ہے۔

نصوص الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ:

(۱) قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: اذا وقعت نجاسة فی

بئردون القدس الکثیر او مات فیہا حیوان دموی وانتفخ او تفسخ ینزخ کل ماٹھا بعد اخراجہ۔

وقال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ: قیذ بالموت لاندلو

اخرج حیا ولیس بنجس العین ولا به حدث او حبث لم ینزخ شیء۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله ليس بنجس العين)
 اى بخلاف الخنزير وكذا الكلب على القول الآخر فانه يتنجس البئر مطلقا وبخلاف
 المحدث فانه يندب فيه نزع اربعين كما يذكره وبخلاف ما اذا كان على الحيوان
 خبث اى نجاسة وعلم بها فانه يتنجس مطلقا قال فى البحر وقيدنا بالعلم لانهم
 قالوا فى البقر ونحوه يخرج حيا لا يجب نزع شىء وان كان الظاهر اشتمال بولها
 على انخادها لكن يحتمل طهارتها بأن سقطت عقبه دخولها ماء كثير امع ان الاصل
 الطهارة اه ومثله فى الفتح (رد المختار ص ۱۳۷ ج ۱)

(۲) قال العلامة المحصن فى رحمه الله تعالى: العبرة للطاهر من تراب او
 ماء اختلط به يفتى -

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله العبرة للطاهر الخ)
 هذا ما عليه الاكثر فتح وهو قول محمد رحمه الله تعالى والفتوى عليه بزارية (رد المختار ج ۱)
 (۳) قال العلامة المحصن فى رحمه الله تعالى: مشى فى حمام ونحوه لا يتنجس
 ما لم يعلم انه غسالة نجس -

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله مشى فى حمام ونحوه)
 اى كما لو مشى على الواح مشرعة بعد مشى من برجله قدر لا يحكم بنجاسة رجله
 ما لم يعلم انه وضع رجله على موضعه للمضرة فتم (رد المختار ص ۲۳۳ ج ۱)

(۴) قال العلامة المحصن فى رحمه الله تعالى: وغسل طرف ثوب او بدن
 اصابته بنجاسة محلامته ونسى المحل مطهر له ان وقع الغسل بغير تحر هو المختار
 (رد المختار ص ۲۱ ج ۱)

(۵) وقال ايضا: كما لو بال حمر خصها لتغليظ بولها اتفاقا على نحو حنطة
 تدوسها فقسم او غسل بعضه او ذهب بهية او اكل او بيع كما مر حيث يظهر
 الباقي وكذا الذاهب لاحتمال وقوع النجس فى كل طرف كمسألة الثوب -

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله لاحتمال الخ) اى انه
 يحتمل كل واحد من القسمين اعنى الباقي والذاهب او المغسول ان تكون
 النجاسة فيه فلم يحكم على احدهما ببقاء النجاسة فيه و تحقيقه

ان الطهارة كانت ثابتة يقينا لمحل معلوم وهو جميع الثوب مثلا ثم ثبت
صدها وهو النجاسة يقينا لمحل مجهول فاذا غسل بعضه وقم الشك في
بقاء ذلك المجهول وعدمه لتساوى احتمالى البقاء وعدمه فوجب العمل
بما كان ثابتا يقينا للمحل المعلوم لان اليقين في محل معلوم لا يزول بالشك
بخلاف اليقين لمحل مجهول وتمايم تحقيقه في شرح منية الكبير
(رد المحتار ج ۱)

(۶) قال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالى: (قوله يعقل التسمية الخ)
مراد في الهداية ويضبط وهما قيد لكل المعطوفات السابقة واللاحقة اذا اشتراك
اصل في القيود كما تقرره هستانى فالضمير فيه للذابح المذكور في قوله وشرط كون
الذابح لا للصبي كما وهم واختلف في معناه ففي العناية قيل يعنى يعقل لفظ التسمية
وقيل يعقل ان حل الذبيحة بالتسمية ويقدر على الذبح ويضبط اى يعلم شرائط الذبح
من فري الادراج والحلقوم اه ونقل ابوالسعود عن مناهى الشربلاية ان الاول
الذى ينبغى العمل به لان التسمية شرط فيشترط حصوله لا تحصيله فلا يتوقف
الحل على علم الصبي ان الذبيحة انها تحل بالتسمية اه وهكذا ظهر لي قبل ان
اراه مسطورا ويؤيده ما في الحقائق والبرازية لو ترك التسمية ذاكراها غير
عالم بشرطيتها فهو في معنى الناسى اه (رد المحتار ج ۱)

(۷) قال ايضا تحت قوله لا تلح ذبيحة غير كتابي) اقول وفي بلاد الدروز كثير
من النصارى فاذا حجىء بالقريشة او الجبن من بلادهم لا يحكم بعدم الحل
ما لم يعلم انها معمولة بانحة ذبيحة درزى والا فقد تعمل بغير انحة وقد
ينح الذبيحة نصرا في تأمل وسيأتى عن المصنف اخر كتاب الصيد ان العلم
بكون الذابح اهلا للزكاة ليس بشرط (رد المحتار ج ۱)

(۸) وقال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالى: في الخلاصة من اللقطات
قوم اصابوا بغيرا مذبوحا في طريق البادية ان لم يكن قريبا من الماء ووقع في قلبه
ان صاحبه فعل ذلك اباحه للناس لا بأس بالاخذ والاكل لان الثابت بالدلالة
كالثابت بالصريح انتهى فقد اباح كلها بالشرط المذكور فعلم ان العلم بكون الذابح

اہلا للزکاة لیس بشرط قالہ المصنف (ردالمحتار ج ۵)

نصوص مذکورہ کے تحت جوابات بالترتیب یہ ہیں :

- ① بازار میں فروخت ہونے والے پھل کھانا جائز ہے، بوجہ ذیل :
- اولاً : اگرچہ کچھ باغ ناجائز طریقے سے فروخت ہوتے ہیں لیکن بہت سے باغ ایسے بھی ہوتے ہیں جو جائز طریقوں سے فروخت ہوتے ہیں۔
- ثانیاً : کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے باغ کے پھل خود ہی بازار میں فروخت کرتے ہوں گے۔

ثالثاً : آج کل بہت سے پھل دروازے کے علاقوں سے بازاروں میں پہنچتے ہیں ، کوٹہ اور پشاور تک کے پھل کراچی میں فروخت ہوتے ہیں ، لہذا اگر کسی علاقہ میں بیع باطل کا دستور ہے تو بھی وہاں سے پھل خریدنے کی گنجائش اس بناء پر نکل آئے گی کہ شاید یہ پھل کسی دوسرے علاقہ سے آئے ہوں جہاں بیع صحیح ہوتی ہو۔

حلت کے اتنے احتمالات ہونے کے باوجود ان پھلوں کو حرام کیسے کہا جاسکتا ہے ؟

② قصاب کے "بسم اللہ" نہ پڑھنے کا یقین کیسے ہو سکتا ہے ؟ شاید آہستہ پڑھی ہو ، اگر کسی خاص قصاب کے بارے میں کسی خاص موقع پر کسی کو بسم اللہ نہ پڑھنے کا کسی طرح یقین ہو بھی گیا تو صرف یہ ذبیحہ حرام ہوا ، اسی قصاب کے دوسرے ذبائح اور دوسرے قصابوں کے ذبائح پر حکم حرمت لگانا کیسے جائز ہوگا ؟

- ③ یہی حکم دودھ کا بھی ہے ، ہاں کسی نے دودھ میں نجاست گرتے ہوئے یا پیشاب کے چھینٹے پڑتے ہوئے دیکھے ہوں تو اس کے لئے وہ دودھ استعمال کرنا حرام ہوگا۔
- الحاصل : محض شک کی وجہ سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
- ۲۵ صفر ۱۴۲۸ھ

کھاتے وقت چپ رہنا :

سوال : کھانا کھاتے وقت خاموش رہنا افضل ہے یا کلام کرنا ؟ شامیہ میں سکوت کو مکروہ لکھا ہے آپ کی تحقیق کیا ہے ؟ بینوا توجہ ۱۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شامیہ میں کراہت سکوت کی علت تشبہ بالمجوس لکھی ہے ، مگر تغیر زمان و مکان

کی وجہ سے احکام تشبیہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس زمانہ میں تشبیہ نہیں، لہذا کراہت نہ ہوگی، البتہ بہتر یہی ہے کہ جائز تفریحی گفتگو جاری رہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

کھانے والوں کو ممانعتِ سلام کی حکمت :

سوال : جب عند الاکل کلام بالمعروف منع نہیں تو سلام علی الاکل کیوں منع ہے ؟ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کھانے والے کو سلام کیا جائے گا تو اس کی طبیعت میں فوراً جواب دینے کا داعیہ پیدا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ منہ میں لقمہ ہونے کی وجہ سے وہ اس پر قادر نہ ہو، نیز سلام کرنے والا بھی فوری جواب کا منتظر رہتا ہے، اگر جواب فوراً نہیں دیا گیا تو اس کی طبیعت میں ایک قسم کی ناگواری اور انقباض پیدا ہوگا۔ بخلاف کلام کے کہ سائل اور متکلم نہ تو فوراً جواب کا منتظر رہتا ہے اور نہ مخاطب کی طبیعت میں فوراً جواب دینے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور نہ تاخیر سے جواب پر سائل یا متکلم کو کسی قسم کا انقباض ہوتا ہے۔ فافترقا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

پان میں چونا اور تمباکو کھانا :

سوال : پان کھانا درست ہے یا نہیں ؟ جبکہ اس میں مٹی کی جنس میں سے چونا ہوتا ہے اور نشہ اور تمباکو ہوتا ہے۔ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مٹی کی حرمت بوجہ ضرر ہے اور پان میں چونا کھانے میں کوئی ضرر نہیں بلکہ مفید ہے۔ تمباکو مسکر و مفر نہیں اس سے دماغ میں فتور نہیں آتا بلکہ اس میں حدت ہے، جیسے مریح زیادہ کھانے سے پریشانی تو ہوتی ہے لیکن نشہ آور نہیں، تمباکو کا کھانا پینے کی بنسبت اخف ہے پینے میں بدبو کی قباحت زیادہ ہے۔

الحاصل : بغیر تمباکو کے صرف چونے وغیرہ کے ساتھ پان کھانے میں کوئی قباحت نہیں، عند الضرورة تمباکو کی بھی اجازت ہے بلا ضرورت نہیں کھانا چاہیے البتہ کسی کو چونا یا تمباکو نقصان دیتا ہو تو اس کیلئے جائز نہیں۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: والتتن الذی حدث وکان حدیثہ بد مشق فی سنة خمسة عشر بعد الالف یدعی شاربه انه لا یسکر (الی ان قال) قلت فیفہم منہ حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبہ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله والتتن) وللعلامة الشیم علی الاجہوری المالکی رسالة فی حله نقل فیہا انه افتی بحله من یعتمد علیہ من ائمة المذاهب الاربعة قلت والاف فی حله ایضاً سیدنا العارف عبدالغنی النابلسی رسالة سماها الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان وتعرض لہ فی کثیر من تألیفہ الحسان واقام الطامة الکبریٰ علی القائل بالحرمة او بالکراهۃ فانہما حکمان شرعیان لا بد لہما من دلیل ولا دلیل علی ذلک فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ بل ثبت لہ منافع فہو داخل تحت قاعدة الاصل فی الاشیاء الاباحۃ وان فرض اضرارہ للبعض لا یلزم منہ تحریمہ علی کل احد فان العسل یضرب باصحاب الصفاء الغالبۃ وربما امرضہم مع انه شفاء بالنص القطعی الخ

(قوله فیفہم منہ حکم النبات) وهو الاباحۃ علی المختار والتوقف فیہ اشارۃ الی عدم تسلیم اسکارہ وتفتیرہ واضرارہ والا لم یصح ادخالہ تحت القاعدة المذكورۃ ولذا امر بالتنبہ (ودو المختار) ج ۲ ص ۲۹۶

۱۲ محرم ۱۳۵۴ھ

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جوتا پہن کر کھانا پینا:

سوال: جوتا پہن کر کھانا پینا کیسا ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وضع الطعام فاخلعوا نعالکم فانہ

ارواح لاقد امکم (مشکوۃ ص ۳۶ ج ۲)

حدیث میں فائدہ ارواح لاقد امکم کی علت سے معلوم ہوا کہ خلع نعال کا امر

صرف شفقت پر مبنی ہے کہ جوتا اتار کر کھانے میں آرام اور سہولت ہے۔

جوتا پہن کر کھانا بھی جائز ہے۔ لیکن آج کل جوتا پہن کر میز کرسی پر کھانا کھانا تکبرین کا

شیوہ و شعار بن گیا ہے لہذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اس طرح متواضعانہ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہوں

جیسا کہ غلام اپنے مالک کے سامنے بیٹھتا ہے۔ میز کرسی پر کھانے میں شان تواضع ختم ہو جاتی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۶، ردی القعدة ۱۳۸۵ھ

فقیر کو جھوٹا کھانا دینا:

سوال: فقیر کو جھوٹا یا رات کا بچا ہوا کھانا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جھوٹا یا رات کا یا سی کھانا دینا جائز تو ہے مگر عمدہ کھانا دینے کے برابر ثواب نہیں ملے گا۔

قال اللہ تعالیٰ: لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي المراد من قوله سبحانه

ما تحبون اقوال، فقيل المال وكفى بذلك عن لان جميع الناس يحبونه

وقيل نفائس الاموال وكرائهمها وقيل ما يعم ذلك وغيره من سائر الاشياء

التي يحبها الانسان ويهواه والاتفاق على هذا مجاز وعلى الاولين

حقيقة (روح المعاني ۱/۱۹۶ ج ۱)

وقال ايضا: واستشكنت هذه الاية بأن ظاهرها يستدعي ان

الفقير الذي لم ينفق طول عمره مما يحب لعدم امكانه لا يكون باراً او

لا يناله بر الله تعالى الكامل باهل طاعته مع انه ليس كذلك واجيب

بأن الكلام خارج مخرج الحث على الانفاق وهو مقيد بامكان وانما اطلق

على سبيل المبالغة في الترغيب وقيل الاولى ان يكون المراد لن تنالوا البر

الكامل الواقع على اشرف الوجوه حتى تنفقوا مما تحبون والفقير الذي

لم ينفق طول عمره لا يبعد القول بأنه لا يكون باراً كاملاً ولا يناله بر الله تعالى

الكامل باهل طاعته (روح المعاني ۱/۱۹۶ ج ۱) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۱، شوال ۱۳۸۵ھ

حرام چیز پر بسم اللہ کہنا:

سوال: حرام چیز کھاتے وقت بسم اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام چیز کھاتے وقت بقصد استخفاف بسم اللہ پڑھنا بالاتفاق کفر ہے اور بدون استخفاف پڑھنے میں اختلاف ہے، صحیح اور راجح یہ ہے کہ کفر نہیں حرام ہے۔
 قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: نعم التسمیۃ علی الحرام والمکروہ مما لا ینبغی بل ہی حرام فی الحرام لا کفر علی الصحیح مکروہہ فی المکروہ وقیل مکروہۃ فیہما ان لم یقصد استخفافا وان قصدہ والعیاذ باللہ تعالیٰ کفر مطلقا (روح المعانی ص ۶۳ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
 تفصیل تتمہ کتاب الایمان والعقائد میں ہے۔

۹ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ

سبیل کا پانی کھڑے ہو کر پینا :

سوال : شرکوں پر لگی ہوئی سبیل یا مسجد میں رکھے ہوئے کولر وغیرہ کا پانی کھڑے ہو کر پینا کیسا ہے ؟ ایک عالم دین کہتے ہیں کہ ایسا پانی کھڑے ہو کر پینے کا حکم ہے اور یہ باعث ثواب ہے کیا یہ صحیح ہے ؟ بیوقوف جواب۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ زعم غلط اور جہالت پر مبنی ہے، کھڑے ہو کر پانی پینے سے احادیث میں منع کیا گیا ہے، سبیل وغیرہ کا کہیں استثناء نہیں، البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پانی پینے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ محدثین نے دونوں قسم کی احادیث ذکر فرما کر تطبیق یوں دی ہے کہ احادیث نہیں ہیں کراہت تنزیہیہ مراد ہے اور شرب قائما والی احادیث بیان جواز کے لئے ہیں۔ سبیل اور کولر وغیرہ کے پانی کا بھی یہی حکم ہے۔

البتہ اگر ازدحام کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو یا کچھ طرکی وجہ سے کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ ہو یا اس قسم کا اور کوئی عذر ہو تو کھڑے ہو کر پینا بلا کراہت جائز ہوگا۔
 واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ

غیر مسلم کا برتن استعمال کرنا :

سوال : ایک کالج کے کمروں میں مسلم وغیر مسلم دونوں قسم کے طلبہ رہتے ہیں،

کھانے پینے کے برتن مشترک استعمال ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں مسلمان طلبہ کو اس قسم کے برتن استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یورپ کے ہوٹلوں میں کھانا پینا اور برتنوں کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ بدینا توجہ وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس کا ظن غالب ہو کہ غیر مسلم طلبہ ان برتنوں میں کوئی نجس چیز مثلاً خمر و خنزیر بھی ڈالتے رہتے ہیں تو بوقت ضرورت دھو کر استعمال کرنے کی اجازت ہے اور اگر نجس چیز نہ ڈالتے ہوں تو دھوئے بغیر بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

یورپ کے ہوٹلوں کے برتنوں کا بھی یہی حکم ہے۔

مگر غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھنا، بلا ضرورت ان کی چیزیں استعمال کرنا یا ان کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانا غیرت ایمانیہ کے خلاف اور دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث ہے، اس لئے حتی المقدور اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

منکرات کی جگہ دعوت میں جانا:

سوال: جن شادیوں میں گانا بجانا وغیرہ منکرات ہوں ان میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگرنا جائز ہے تو کس درجہ میں؟ بدینا توجہ وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پہلے سے معلوم ہو تو شرکت کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر جانے کے بعد معلوم ہو تو اگر کھانے کی مجلس میں کوئی منکر ہو تو اس مجلس میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے، اگر اسی مجلس میں نہ ہو تو اگر روکنے پر قادر ہو تو روکے ورنہ صبر کرے۔

یہ حکم عام آدمی کا ہے، عالم، مفقدا اور صالح شخص کے لئے شرکت بہر حال مکروہ تحریمی ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: دعی الی ولیمۃ و ثمة لعب او غناء تعد و اکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائدة فلا ینبغی ان یقعد بل ینخرج معروضاً لقولہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکری مع قوم الظالمین

فان قدر علی المنع فعل والا یقدر صبر ان لم یکن ممن یقتدی به فان کان مقتدی ولم یقدر علی المنع خرج ولم یقع لان فیہ شین الدین والمحکم عن الامام کان قبل ان بصیر مقتدی به وان علم اولاً باللعب لا یحضر اصلاً سواء کان ممن یقتدی به اولاً لان حق الدعوة انما یلزمه بعد الحضور لاقبلہ ابن کمال (رد المحتار ص ۲۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۶ رجب ۱۲۹۰ھ

گانے باجے والے ہوٹل میں کھانا کھانا:

سوال: آج کل بازار کے تقریباً تمام ہوٹلوں میں گانا یا جام ہے، ایک آدمی بازار میں سودا خریدنے یا اور کسی ضرورت سے جاتا ہے، کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو کیا ایسے ہوٹل میں کھانا کھانا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ہوٹل والے کو اس منکر سے روکنا ضروری ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر منکرات سے پاک کوئی ہوٹل نہ مل سکتا ہو تو ایسے ہوٹل میں کھانا کھانے کی گنجائش ہے۔

پھر اگر ہوٹل والے سے ماننے کی امید ہو تو اسے اس منکر سے منع کرنا فرض ہے، ماننے کی امید نہ ہو لیکن کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو منع کرنا مستحب ہے اور اگر فتنے کا اندیشہ ہو یا اس سے انکار کرنے اور دین اور اہل دین کا مذاق اڑانے کا اندیشہ ہو تو منع کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

غرة شعبان ۱۲۹۰ھ

پنیر مایہ حلال ہے:

سوال: پنیر مایہ پاک اور حلال ہے یا نجس اور حرام؟ خواہ شتر اعرابی کا ہو یا کسی اور ماکول اللحم جانور کا۔ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پنیر مایہ پاک اور حلال ہے خواہ کسی بھی ماکول اللحم مذبح جانور کا ہو، اس کی حلت ورود نص کی وجہ سے خلاف قیاس ہے، ورنہ معدہ سے نکلنے والی ہر چیز گوبر کے

حکم میں ہے ازرجکالی کی طرح نجس ہے۔

اخبرنا ابو بکر بن قورک انبا عبد اللہ بن جعفر ثنا یونس بن حبيب
ثنا ابو داود الطيالسی ثنا شریک عن جابر عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ
تعالی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فتح مکة رأى جنة فقال
ما هذا قالوا هذا طعام يصنع بارض النجم قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضعوا
فيه السکین واذکروا اسم اللہ وکلوا۔

اخبرنا ابو نصر بن قتادة انبا ابو عمر وبن مطر و ابو الحسن السراج قالوا
انبا محمد بن یحیی بن سلیمان المرزى ثنا عاصم بن علی ثنا شعبۃ عن ابی اسحاق
قال سمعت قرظۃ يحدث عن كثير بن شهاب قال سألت عمر بن الخطاب رضی اللہ
تعالی عنہ عن الجبن فقال ان الجبن من اللبن واللبن فکلوا واذکروا اسم اللہ علیہ
ولا یغرنکم اعداء اللہ۔

اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ انبا علی بن عباس ثنا محمد بن بشار ثنا محمد
ابن جعفر ثنا شعبۃ عن قتادة عن علی الباری انه سئل ابن عمر رضی اللہ عنہما
عن الجبن فقال کل ما صنع المسلمون واهل الکتاب (السنن الکبری للبیہقی ص ۶ ج ۱)
قال الامام البیہقی رحمہ اللہ تعالی: وهذا لان السخالة تذبح
فتؤخذ منها الا نفحة التي بها یصلح الجبن فاذا كانت من ذبائح المجوس
واهل الاوثان لم یحل وهكذا اذا ماتت السخالة فاخذت منها الا نفحة
لم یحل (السنن الکبری للبیہقی ص ۱۰ ج ۱)

وقال العلامة ظفر احمد العثماني رحمہ اللہ تعالی: اجمعت الامة علی
جواز اكل الجبن ما لم یخالط نجاسة بأن یوضع فیہ انفحة سخلة ذبحها
من لا یحل ذکاته فهذا ذکرناه من دلالة الاجماع هو المعتمد فی اباحتہ
وقد جمع البیہقی فیہ احادیث كثيرة وروی عن عمر و ابن مسعود و ابن عمر
رضی اللہ تعالی عنہم کلوا من الجبن ما صنع المسلمون واهل الکتاب
قال البیہقی رحمہ اللہ تعالی وهذا التقیید لان الجبن یعمل با نفحة السخلة
المدبوحة فاذا كانت من ذبائح المجوس لم یحل وعن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما

انه سئل عن السمن والجبن فقال سم وكل فقیل ان فيه ميتة فقال ان علمت ان فيه ميتة فلا تأكل قال البيهقي وكان بعض العلماء لا يسأل عنه تغليباً للطهارة روينا ذلك عن ابن عباس وابن عمر وغيرهما رضي الله تعالى عنهم وكان بعضهم يسأل عنه احتياطاً روينا عن ابي مسعود الانصاري وعن الحسن البصري رحمهما الله تعالى قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يسألون عن الجبن ولا يسألون عن السمن اه من شرح المذهب (ص ۶۹ ج ۴) (اعلاء السنن ص ۱۷ ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم۔
۷ اربع الاول ۹۳

غیر مسلم ممالک کے آنے والا پیرویہ :

سوال : بیرونی ممالک سے جو پیرویہ آتا ہے وہ حلال ہے یا حرام ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پیرویہ غیر نفحہ سے بھی بنایا جاتا ہے ، اس لئے جب تک بیرونی ممالک کے پیرویہ کا نفحہ سے بننے کا یقین نہ ہو حلال ہے معہذا احتیاط اولیٰ ہے۔
اگر نفحہ سے بننے کا یقین ہو تو حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله لا تحل ذبیحة غیر کتابی) اقول وفي بلاد الدرور كثير من النصارى فاذا جئوا بالقریشة او الجبن من بلادهم لا يحكم بعدم الحل ما لم يعلم انها معمولة بانفحة ذبیحة درزی والا فقد تعمل بغیر نفحة وقد یذبح الذبیحة نصرانی تأمل و سیأتی عن المصنف آخر کتاب الصيد ان العلم بكون الذایح اهلا للذکوة لیس بشرط (رد المحتار ص ۱۸۹ ج ۵)

وقال العلامة المحصی رحمہ اللہ تعالیٰ : لكن في الخلاصة من اللقطۃ قوم اصابوا بعیراً مذبوحة في طريق البادية ان لم یکن قریباً من الماء و وقع فی القلب ان صابحه فعل ذلك ایا حۃ للناس لا بأس بالآخذ والا کل لان الثابت بالدلالة كالثابت بالصریح انتهى فقد اباح کلها

بالشرط المذكور فعلم ان العلم بكون الذابح اهلا للذکوة ليس بشرط
(رد المحتار ج ۵)

نصوص مذکورہ سے مطلقاً حلت معلوم ہوتی ہے مگر اس زمانہ کے اہل کتاب کا ذبیحہ
حلال نہیں۔ (ذبیحہ اہل کتاب کی تفصیل جلد سابع میں ہے) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

صابن والا دودھ پیتا:

سوال: دودھ میں صابن گر جائے تو دودھ کی حلت پر کوئی اثر پڑے گا؟ خواہ
دودھ گرم ہو یا ٹھنڈا، خواہ صابن فوراً نکال دیا گیا ہو یا کچھ دیر اس میں رہا ہو؟
بینوا وجر۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بہر حال دودھ حلال ہے، البتہ صابن سے نقصان کا ظن غالب ہو تو حرام ہے۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ

حرام مال سے لگائے ہوئے ناکے سے پانی پینا:

سوال: کسی نے شراب و جو کی رقم سے پانی کا نل لگوا یا تاکہ اہل محلہ پانی استعمال
کریں تو اس پانی کا پینا اور استعمال کرنا جائز ہے؟ بینوا وجر۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے نل سے پانی بھرنے کا گناہ ہوگا، البتہ پانی پینا اور استعمال کرنا جائز ہے۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

ناپاک پانی سے سینچی ہوئی سبزی حلال ہے:

سوال: ناپاک پانی سے اگنے والی سبزی مثلاً پالک، دھنیا وغیرہ کھانا جائز
ہے یا نہیں؟ بینوا وجر۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ناپاک پانی سے اگنے والی سبزی کا کھانا جائز ہے لیکن ناپاک پانی اگر اس پر لگا ہوا ہو

اور خشک نہ ہوا ہو تو یہ سبزی ناپاک ہے، اسلئے اسے اچھی طرح دھو کر استعمال کرنا چاہیئے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله لان لحمه لا یغیر)
(فرع) فی ابی السعود الزروع المسقیة بالنجاسات لا تحرم ولا تسکرہ عند اکثر الفقہاء
رحمہم اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۲۱ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الآخرة ۱۳۹۵ھ

ناپاک پانی پینے والے جانور کا دودھ حلال ہے:

سوال:- ایک کنویں میں بلی گر گئی اور مکر سڑ گئی۔ اس کنویں کا پانی بھیڑوں کو پلایا گیا، پھر ان بھیڑوں سے گھی اور پنیر نکالا گیا، اب یہ گھی اور پنیر پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہے تو کیسے پاک کیا جائے؟ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گھی اور پنیر پاک ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ محرم ۱۳۹۵ھ

میزبان کے ہاں کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا:

سوال: زید کا کہنا ہے کہ میزبان کے گھر کھانے کے بعد دیر تک بیٹھ کر گفتگو میں مشغول رہنا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کھانے کے بعد میزبان کے گھر دیر تک بیٹھے رہنا جائز نہیں، اس سے میزبان کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ مردت کی وجہ سے جانے کے لئے کہنے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔

ہاں اگر کسی اہم کام کے لئے دیر تک بیٹھنے کی ضرورت ہو یا میزبان کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق ہو کہ اس کی ایذا کا باعث نہ ہو تو دیر تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستأنسین لحديث ان ذلكم كان يؤذي النبي فيستحي منكم؛ اي فاذا اكلتم الطعام فتنفروا ولا تلبثوا والفاء للتعقيب بلا مہملۃ للدلالة على انه ينبغی ان يكون دخولهم بعد الاذن والدعوة على وجه يعقبه الشرع في الاكل بلا فصل والايتا على ما ذهب اليه الجمل من المفسرين

خطاب لقوم كانوا يتحيثون طعام النبي صلى الله عليه وسلم فيدخلون
ويقعدون منتظرين لادراكه مخصوصة بهم وبامثالهم ممن يفعل مثل
فعالهم في المستقبل فالنهي مخصوص بمن دخل بغير دعوة وجلس منتظرا
للطعام من غير حاجة فلا تفيد النهي عن الدخول باذن لغير طعام ولا عن
الجلوس واللبث بعد الطعام ملهماً اخر ولو اعتبر الخطاب عاماً لكان الدخول
واللبث المذكوران منهيان عنهما ولا قائل به (روح المعاني ص ۶۵ ج ۸)
والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۵ ربيع الاول ۱۲۹۵ھ

اسٹیل کے برتنوں میں کھانا پینا:

سوال: آج کل اسٹیل کے برتنوں کا عام رواج ہو گیا ہے، ایک مولوی صاحب
فرماتے ہیں کہ یہ لوہا ہے، اس میں کھانا پینا مکروہ ہونا چاہیے، جناب کی تحقیق کیا ہے؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لوہے اور اسٹیل کے برتنوں میں کھانا پینا بلا کراہت جائز ہے۔ حضرات فقہاء کرام
رحمہم اللہ تعالیٰ نے تانبے اور پیتل کے برتنوں میں کھانے کی کراہت تحریر فرمائی ہے اور
اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کا رنگ کھانے میں شامل ہو جاتا ہے جو صحت کے لئے
مضر ہے، اس لئے قلعی کرنے کے بعد استعمال جائز ہے۔ اسٹیل کے برتن تو صحت کے لئے
مفید ہیں، ان میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ويكره الاكل في نحاس
او صفر والافضل الخنزف۔

قال العلامة ابن عايد بن رحمه الله تعالى: ثم قيد النحاس بالغير
المطلی بالرسا ص وهكذا قال بعض من كتب على هذا الكتاب اى قبل
طلیہ بالقندير والشب لانه يدخل الصدأ في الطعام فيورث ضرراً
عظيماً واما بعده فلا اه

وقال بعد اسطر: وفي الجوهرة واما الانية من غير الفضة والذهب

فلا بأس بالاكل والشرب فيها والانتفاع بها كالحديد والصفى والنحاس والرمصاص والخشب والطين اه فتنبه (رد المحتار ج ۲ ص ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸۔ ذی القعدة ۱۲۹۸ھ

مینر کرسی پر کھانا:

سوال: مینر کرسی پر کھانا کھانا کیسا ہے؟ اس کا عوام و خواص میں عام رواج ہے، کیا یہ تشبہ بالکفار یا تشبہ بالفساق میں داخل ہو کر ممنوع ہے یا عام رواج ہو جانے کی وجہ سے یہ تشبہ میں داخل نہیں رہا، اس لئے جائز ہے؟ اگر تشبہ میں داخل ہے تو اپنے قریبی رشتہ داروں یا بعض دیندار لوگوں کے ہاں دعوت کے موقع پر کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کفار و فساق یا متکبرین کے ساتھ تشبہ کی نیت ہو تو مینر کرسی پر کھانا ناجائز ہے اور تشبہ کی نیت نہ ہو تو بھی خلاف سنت تو بہر حال ہے، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، البتہ کہیں ابتداء ہو جائے تو کھانے کی گنجائش ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرة ذی الحجۃ ۱۲۹۸ھ

خاک شفا کھانا جائز نہیں:

سوال: حاجی لوگ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے مٹی کی ٹکیہ لاکر تقسیم کرتے ہیں، بعض عورتیں اس کو بابرکت سمجھ کر شفاء حاصل کرنے کے لئے کھاتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مٹی کا کھانا جائز نہیں، ہاں اتنی کم مقدار جو صحت کے لئے مضر نہ ہو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰۔ ذی الحجۃ ۱۲۹۸ھ

یتیم کے ساتھ مشترک مال سے مہمان کو کھلانا:

سوال: ایک گھر میں یتیم بھی رہتے ہیں، تمام جائیداد مشترک ہے، اس گھر سے مہمان کو کھانا کھلانا اور مہمان کا کھانا کھانا، اسی طرح کسی مسکین کو کھانا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یتیموں کے ساتھ مشترک مال سے مہمان کو کھانا کھلانا اور مسکین کو دینا جائز نہیں، مہمان اور مسکین کے لئے کھانا حرام ہے۔
یتیموں کے مصارف کا صحیح حساب رکھنا فرض ہے، مہمان نوازی وغیرہ بالغ شرکاء اپنے پاس سے کریں۔

البتہ اگر بالغ شرکاء الگ سے بھی کھاتے ہوں اور اپنی کمائی کو مشترک کھاتے ہیں جمع کر دیتے ہوں، اور نجی کمائی اتنی زیادہ ہو کہ مشترک کھاتے سے مہمان نوازی کے مصارف ادا کرنے کی صورت میں یتامی کی حق تلفی نہ ہونے کا یقین ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ: السادسة: قوله تعالى و ان تخالطوہم فاخوانکم هذه المخالطة کخلط المثل بالمثل کالتم بالتم وقال ابو عبید: مخالطة الیتامی ان یکون لاحدہم المال ویشق علی کافلہ ان یفرد طعامہ عنہ ولا یجد بہا من خلطہ بعیالہ فیأخذ من مال الیتیم ما یری انہ کافیہ بالتحریر فیجعلہ مع نفقة اہلہ وهذا قد یقع فیہ الزیادة والنقصان فجاءت هذه الایة الناسخة بالمرخصة فیہ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ رمضان ۱۴۹۹ھ

شیعہ کے ہاں کھانا:

سوال: شیعہ کے گھر جانا پڑے تو ان کے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ گوشت اور دوسری چیزوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بیٹواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ زندیق ہیں، لہذا ان سے کسی قسم کا تعلق جائز نہیں، ان کے گھر سے کوئی چیز کھانا

غیرت ایمانیہ کے خلاف اور ناجائز ہے۔ البتہ بوقت ضرورت شدیدہ گنجائش ہے۔
مگر گوشت کے بارے میں چونکہ کچھ تفصیل ہے، اس لئے اس سے احتراز واجب ہے۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدة ۹۹ھ

کافر کی دعوت قبول کرنا:

سوال: کافر کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو کافر زندقہ نہ ہو یعنی خود کو مسلمان نہ کہتا ہو اس کے گھر کا کھانا جائز ہے، بشرطیکہ
اس کی آمدن اسلام یا اس کے اپنے مذہب کی رو سے حلال ہو ورنہ نہیں۔
البتہ اس کا ذبیحہ بہر حال حرام اور مردار ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵ ذی الحجہ ۹۹ھ

نائی کی دعوت قبول کرنا:

سوال: نائی کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ جبکہ وہ نمازی و متقی ہو؟
بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نائی ڈاڑھی مونڈنے، کاٹنے اور خلاف شرع بال بنانے کا کام بھی کرتا ہو تو
اس کی دعوت کھانے کے جواز کی تین شرائط ہیں:

- ① حرام آمدن کے حلال آمدن سے کم ہونے کا یقین ہو۔
- ② دعوت کا مال خالص حرام سے ہونے کا یقین نہ ہو۔
- ③ حرام و حلال سے مخلوط ہونے کا یقین نہ ہو۔

ان امور ثلاثہ میں اشتباہ کی صورت میں دعوت کھانا جائز ہے مگر احتراز

بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

غرة ذی الحجہ ۹۹ھ

دانتوں سے نکلا ہوا روٹی کا ٹکڑا نگلنا:

سوال: کھانا کھاتے ہوئے بعض اوقات کچھ ذرات دانتوں میں اٹکے رہ جاتے

ہیں، یہ ذرات کبھی تو زبان کی نوک کے ذریعہ اور کبھی خلال کے ذریعہ نکل آتے ہیں، ان کا نگلنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں صورتوں میں نگلنا جائز ہے، مگر خلال سے نکالنے کی صورت میں نگلنا نفاقت کے خلاف ہے، نیز خلال سے خون نکلنے اور غذا کے ذرہ کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ ہے، اس لئے بہتر ہے کہ نہ نگلا جائے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث: من اکل فما تخلل فیلفظ وما لاک بلسا نہ فلیبتلع من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج (مشکوٰۃ ص ۱ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰۔ محرم مشکوٰۃ

بانجھ بکری کا دودھ:

سوال: ایک بکری بدون ملاقات فحل وبدون ولادت ایسے ہی دودھ دیتے لگی، یہ دودھ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حلال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳۔ محرم مشکوٰۃ

حرام سوختہ سے پکا ہوا کھانا:

سوال: ہوٹل میں ہیٹر کے ذریعہ ناشتہ وغیرہ تیار کیا جاتا ہے جو قانوناً ممنوع ہے، اسی طرح سردیوں میں اس سے کمر اگر گرم کیا جاتا ہے، ہوٹل میں سوائے چند دیندار ساتھیوں کے سو فیصد طلبہ ہیٹر استعمال کرتے ہیں، کیا ہیٹر کا استعمال جائز ہے اور اس سے پکا ہوا کھانا حلال ہے؟ اگر ہم کسی ساتھی کے کمرے میں جائیں اور وہ ہیٹر سے چائے تیار کر کے پیش کرے تو اس کا پینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر کمرے کے دوسرے ساتھی ہیٹر سے کمر گرم کرنے پر مصر ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلاف قانون ہیٹر کا استعمال حرام ہے، اس سے بچی ہوئی چیز اگرچہ حرام نہیں، مگر اس سے احتراز لازم ہے، دوسرے ساتھی کے ہاں بھی چائے نہ پی جائے۔
مگر اگر کم کرنا بھی جائز نہیں، دوسرے ساتھی منع کرنے پر بھی باز نہ آئیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵، صفر ۱۴۲۸ھ

مدتانی مٹی کھانا:

سوال: بعض حاملہ عورتیں مدتانی مٹی بھون کر یا کچی کھاتی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟
جن سے معلوم کیا کہ کیوں کھاتی ہو تو کہنے لگی کہ حمل کے زمانے میں اچھی لگتی ہے۔
بدنوا تو جس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مٹی کی حرمت بسبب ضرر ہے۔ اگر کوئی مستند طبیب کہدے یا تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ اس کی خاص مقدار میں ضرر نہیں تو اتنی مقدار کھانا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

خون ملا ہوا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے:

سوال: ایک عورت کے پستان سے دودھ کے ساتھ خون بھی آتا ہے، جبکہ بچے کی رضاعت ابھی باقی ہے، کیا اس عورت کے لئے بچے کو دودھ پلانا جائز ہے؟ اس سے متعلق اگر کوئی جزئیہ کتب فقہ میں مل جائے تو ضرور تحریر فرمائیں۔ بدینوا تو جردا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کے لئے جزئیہ صریحہ کی ضرورت نہیں، خون کی حرمت منصوص ہے، لہذا دودھ میں خون کا رنگ نظر آئے تو حرام ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۹، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

فارمی مرغیوں کی خوراک اور گوشت کا حکم:

سوال: پولٹری فارم والے مختلف قسم کے مردار جانوروں کا خون اور دوسرے

بعض اعضاء ملا کر مرغیوں کی غذا تیار کر کے ان کو کھلاتے ہیں، اس قسم کی خوراک مرغیوں کو کھلانا، اس خوراک کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس خوراک سے پکی ہوئی مرغیوں کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی غذا کی خرید و فروخت اور مرغیوں کو کھلانا جائز نہیں، البتہ ایسی مرغیاں حلال ہیں، گوشت کی حرمت کے لئے شرط یہ ہے کہ نجس غذا کی وجہ سے گوشت میں بدبو پیدا ہو جائے، جس کا مفقود ہونا یہاں مشاہد ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله وكره لحم الجلالة التي تأكل العذرة) ای فقط حتى انتن لحمها قال فی شرح الوهبانية وفي المنتقى الجلالة المكروهة التي اذا قربت وجدت منها رائحة فلا تؤكل ولا يشرب لبنها ولا يعمل عليها وتلك حالها ويكره بيعها وهبتها وتلك حالها وذكر البقالی ان عرقها نجس اه وقد مناه فی الذبائح (رد المحتار ج ۵) وقال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: و تحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها وقد ربثلاثا ايام لدجاجته واربعه لشارة وعشرة لابل وبقر على الاظهر ولو اكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل اكل جدي غذي بلبن خنزير لان لحمه لا يتغير وما غذى به يصير مستهلكا لا يبقى له اثر۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله حلت) وعن هذا قالوا لا بأس بأكل الدجاج لانه يخلط ولا يتغير لحمه وروى انه عليه الصلوة والسلام كان يأكل الدجاج وما روى ان الدجاجة تحبس ثلاثة ايام ثم تذبح فذلك على سبيل التنزه زيلعي (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۱۰ ازی القعدة ۱۲۰۳ھ

بیوی کا دودھ حرام ہے :

سوال: شوہر بیوی کا دودھ پی سکتا ہے؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حرام ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

یوم عرفہ ۱۴۲۸ھ

ٹوٹے ہوئے پیالے سے پینا:

سوال: پیالے کا کنارہ اگر ٹوٹ جائے تو اس سے چائے یا پانی وغیرہ پینا کیسا

ہے؟ بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

پیالے کی ٹوٹی ہوئی جگہ پر منہ لگا کر پینا مکروہ ہے، وجوہ کراہت یہ ہیں:

① پانی گرنے کا اندیشہ ہے۔

② منہ میں چھپنے کا خطرہ ہے۔

③ اس مقام پر میل وغیرہ بہا ہوا ہوتا ہے۔

ٹوٹے کی ٹونٹی سے پینے میں کراہت اسی وجہ سے ہے، ٹونٹی سے پینے میں کراہت

کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شاید اس میں کوئی تنکا یا کیرا وغیرہ ہو۔

④ یہ طبع سلیم کے خلاف ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال نھی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم عن الشرب من ثلث القدح وان یتفح فی الشراب۔

متن ابی داؤد ص ۲ ج ۲

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه کمر ان یشرب الرجل من

کسر القدح او یتوضاً منه (مصنف عبد الرزاق ص ۲۸ ج ۱۰) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

غرة محرم ۱۴۰۳ھ

مروار کی ہڈی کا گودا ناپاک ہے:

سوال: میتہ کی ہڈی کے اندر جو گودا اور مغز ہے، یہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر

ناپاک ہے تو نجاست کی وجہ کیا ہے؟ ہڈی تو دونوں طرف سے بند ہے اس میں حلول نجاست

ناممکن، اگر حلال طعام میں میتہ کی ہڈی یا اس کا گودا ڈالا جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا یا

نہیں؟ بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بڈی کے اندر کا گودا بھی خوراک کے تغذیہ سے پیدا ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ خوراک وغیرہ کا اثر بڈی کے اندر بھی پہنچتا ہے، جس طرح بھی پہنچانے کا قدرت نے انتظام کیا ہو، جب خوراک کے اثر سے بڈی کا گودا پیدا ہوتا ہے تو یہ بھی نجس ہوگا۔

بڈی پاک ہے، مگر میتہ کی جو چیزیں طاہر ہیں ان کا کھانا جائز نہیں، اگر بڈی کے اوپر یا اندر کسی قسم کی رطوبت کا کوئی اثر ہو تو کھانے میں ایسی بڈی ڈالنے سے کھانا حرام ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ رجب ۱۴۰۳ھ

جیلی کی تحقیق:

سوال: ڈبل روٹی پر جیلی لگا کر کھاتے ہیں، بعض لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں، کیونکہ یہ جانور کی کھال اور بڈی سے بنتی ہے۔ آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولاً جیلی کا بڈی اور کھال سے بنایا جانا ضروری نہیں، درختوں کے پتوں وغیرہ سے بھی بنائی جاتی ہے۔

ثانیاً اگر کھال وغیرہ سے بنائی گئی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کھال مردار ہی کی ہو، حلال ذبیحہ کی کھالیں غالب ہیں۔

ثالثاً جیلی صنعت میں تبدیل ماہیت کا احتمال بھی ہے، اس صورت میں حرام جانور کی کھال سے بنی ہوئی جیلی بھی حلال ہے۔

زیادہ تجسس اور کھود کرید کرنا اور احتمالات و اولہم کی بنا پر احتراز کرنا دین میں تعمق و غلو ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور بلا دلیل شرعی حرمت کا حکم لگانا دین میں زیادتی اور تحریف ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶ صفر ۱۴۰۵ھ

چائے میں مکھی گرنا:

سوال: گرم چائے میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر چائے پینا حلال ہے یا

حرام؟ البحر کے مندرجہ ذیل جزئیہ سے علت معلوم ہوتی ہے:

ومعنى امقلوه اغمسوه وجعل الاستدلال به ان الطعام قد يكون حارا فيموت بالغمس فيه فلو كان يفسده لما امر النبي صلى الله عليه وسلم ليكون شفاء لنا اذا اكلناه (البحر الرائق مشج ۱)
جواب محقق سے نوازیں۔ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مکھی دوسرے حشرات الارض کی طرح حرام ہے، اگر کھانے پینے کی کوئی چیز اتنی گرم ہو کہ مکھی کے اجزاء اس میں حل ہو جانے یا اس کا عرق شامل ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق اس کا استعمال حرام ہوگا۔
جزئیہ بحر اس صورت پر محمول ہے کہ مکھی کے اجزاء یا عرق کے اختلاط کا ظن غالب نہ ہو۔ چونکہ حشرات الارض کی حرمت کی اصل علت استنجاث ہے اور یہ قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے، طعام و شراب کثیر مقدار میں ہو تو یہ علت نہیں پائی جاتی، لہذا بڑی دیک میں مکھی گر جائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔

قال الامام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ: روى عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اذا تفتت الضفدع في الماء كرهت شربه لا للنجاسة بل لحرمة لحمه وقد صارت اجزاؤه فيه وهذا تصريح بأن كراهية شربه تحريمية وبه صرح في التجنيس فقال يحرم شربه (فتح القدير مشج ۱)

وكذا قال العلامة ابن نجيم رحمہ اللہ تعالیٰ (البحر الرائق مشج ۱)
وقال ايضا: واعلم ان كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء وهو الاصح كذا في المحيط والتحفة والا شبه، بالفسد كذا في البدائع لكن يحرم اكل هذه الحيوانات المذكورة ما عدا السمك الغير الطافي لفساد الغذاء وخبثه متفسخا او غيره وقد قد مناه عن التجنيس (البحر الرائق مشج ۹) والله سبحانه وتعالى اعلم۔
۱۹ صفر ۱۴۱۲ھ

کیڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا:

سوال: جس پھل میں کیڑا لگا ہو اس کا کھانا کیسا ہے؟ "نفع لمفتی والسائل" سے بغرض تصدیق ایک استفسار و استبشار پیش خدمت ہے:

الاستفسار: هل يحل اكله الدود التي تكون في التفاح وغيرها معه؟
 الاستبشار: نعم لتغسل الاحتران منه واما اذا فرت واكلت فتحكمها
 حكم الذباب كذا في مطالب المؤمنين (نفع المفتي والسائل من) بينوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کیڑا نکال کر پھیل کھانا حلال ہے۔ نفع المفتی والسائل کا جواب صحیح نہیں۔
 قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا بأس بدود الزنبور
 قبل ان ينفتح فيه الروح لان ما لا روح له لا يسمى ميتة خانية وغيرها قال
 ويؤخذ منه ان اكل الجبن او الحنظل او الثمار كالنبق يدودة لا يجوز ان نفخ
 فيه الروح۔ (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدة ۱۲۸۳ھ

مسلمان کا مملوک گوشت کافر کے قبضہ میں جانے سے حرام نہیں ہوتا:

سوال: مندرجہ ذیل سوالات کا حل مطلوب ہے:

① کافر نے مسلمان کو خبر دی کہ اس نے یہ گوشت مسلمان سے خریدا ہے یا مسلمان
 نے اس کو یہ دیا ہے تو کیا اس کی خبر کو معتبر قرار دے کر وہ گوشت حلال سمجھ کر کھانا
 جائز ہے؟

② مسلمان کا مملوک گوشت کچھ وقت ایسی حالت میں کافر کے قبضہ میں رہا کہ
 کوئی مسلمان اس کے پاس نہیں تھا تو کیا اس طرح کافر کے قبضہ میں رہنے سے گوشت
 حرام ہو جاتا ہے؟ بعض لوگ اس کو حرام سمجھتے ہیں، کیا مسئلہ ایسے ہی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دونوں صورتوں میں گوشت حلال اور اس کا استعمال جائز ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: ويقبل قول كافر ولو مجوسيا

قال اشتریت اللحم من كتابی فیحل او قال اشتریتہ من مجوسی فیحرم ولا یردہ

يقول الواحد واصله ان خبر الكافر مقبول بالا جماع في المعاملات، لا في

الديانات وعليه يحمل قول الكثر ويقبل قول الكافر في الحل والحرم

يعني الحاصلين في ضمن المعاملات لا مطلق الحل والحرم كما توهم

الزيلعي۔

وقال العلامة ابن عايدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله واصله الخ)
ای اصل ما ذکر من ثبوت الحل والحرمۃ وهو یشیر الی سؤال وجواب
المتناکورین فی النہایۃ وغیرہا حاصل السؤال ان هذه المسألت
مناقضة لقوله الابقی وشرط العدالة فی الدیانات فان من الدیانات
الحل والحرمۃ کما اذا اخبربأن هذا حلال او حرام وقد شرط فیها العدل
والمراد به المسلم المرضی وهنا قوله شریعت من کتابی الخ معناه انه حلال
او حرام وقد قبل فیہ خبر الکافر ولو محسوسیا والجواب ان قوله شریعتہ من
المعاملات وثبوت الحل والحرمۃ فیہ ضمنی فلما قبل قوله فی الشراعت ثبت
ما فی ضمنہ بخلاف ما یأتی وکم من شیء یتثبت ضمنہ لا قصد اوقوف
المنقول وبيع الشرب وبہ یتضح الجواب من الکثر (رد المحتار صفحہ ۲۵ ج ۵)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ جمادی الثانیہ ۱۲۵۵ھ

کافر کے ہاں جواز اکل لحم کا جیلہ:

سوال: کافر نے جانور خرید کر کسی مسلمان سے ذبح کرایا، اس کے گوشت سے مسلمانوں
کی دعوت کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ بات انتہائی مشکل ہے کہ ذبح کے وقت سے
کھلانے کے وقت تک یہ گوشت کسی مسلمان کی نگرانی میں رکھے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کوئی ایسی
تدبیر ہے کہ جس سے اس مشکل سے نجات مل جائے اور مسلمانوں کے لئے اس گوشت کا کھانا
حلال ہو جائے؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی تدبیر یہ ہے کہ کافر اپنے جانور کا کسی مسلمان کو قیمت یا ہدیہ مالک بنادے،
پھر مسلمان اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت قیمت یا ہدیہ کافر کو دے دے۔ اس صورت
میں مسلمان کی نگرانی ضروری نہیں اور مسلمانوں کے لئے اس کا کھانا جائز ہے۔ کافر کا
اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے یہ مسلمان سے خریدا ہے یا مسلمان نے مجھے ہدیہ دیا ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ رجب ۱۴۱۵ھ

مال حرام سے مسکین کا کھانا جائز نہیں:

سوال: ایک شخص بنک میں ملازم ہے، اس کی بالغ اولاد اگر مسکین ہے تو کیا ان کے لئے والد کی حرام آمدن سے کھانا پہننا جائز ہے؟ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام مال واجب التصدق ہے جس میں تملیک مسکین ضروری ہے، اس لئے حرام آمدن والے کے ہاں کھانا مسکین کے لئے بھی جائز نہیں، البتہ وہ مسکین کو مالک بنادے تو اس کے لئے جائز ہے مگر تملیک مسکین کے بعد بھی غنی کے لئے جائز نہیں جب تک کہ غنی کو مالک نہ بنائے۔

سوال میں مذکورہ صورت میں یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ والد بالغ اولاد میں سے کسی کو نقد رقم کا مالک بنادے پھر وہ گھر کے تمام مصارف پر خرچ کرتا رہے، اس طرح پورا گھرانا حرام خوری سے بچ سکتا ہے۔

فی الباب الخامس عشر من کراہیۃ الہندیۃ: والسبیل فی المعامی ردھا وذلك ههنا بردا لما خوذ ان تمكن من رده بأن عرف صاحبه وبالتصدق به ان لم يعرفه ليصل اليه نفع ماله ان كان لا يصل اليه عين ماله (عالمگیریۃ ص ۳۴۹ ج ۵)

وقال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: علیہ دیون ومظالم جہل اربابہا وأبس من علیہ ذلك من معرفتهم فعلیہ التصدق بقدرھا من ماله وان استغفرقت جميع ماله (رد المحتار ص ۳۳۳ ج ۳)

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله تمليكاً) فلا يكفي فيها الاطعام الا بطريق التملك ولو اطعمه عنده ناديا الزكاة لا تكفي ط (رد المحتار ص ۳۳۳ ج ۲)

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وطاب لسيدة وان لم يكن مصر فالصدقة ما ادى اليه من الصدقات فجوز لتبدل الملك واصله حديث بريرة رضي الله تعالى عنها هي لك صدقة ولنا هدية كما في وارث شخص فقير مات عن صدقة اخذها وارثه الغني وكما

في ابن السبيل اخذها ثم وصل الى ماله وهي في يده اى الزكاة
وكفقر استغنى وهي في يده فانها تطيب له بخلاف فقير
اباح لغنى اوهاشمى عين زكاة اخذها لا يحل لان الملك لم
يتبدل -

قال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالى تحت قوله لان
الملك لم يتبدل لان المباح له يتناول على ملك المبيع ونظيره
المشتري شراء فاسدا اذا اباح لغيره لا يطيب له ولو ملكه
يطيب هداية (رد المحتار ج ٥) والله سبحانه وتعالى اعلم -

١٢ ربيع الاول ١٢٤٥ هـ



سلام کے احکام

کافر کو سلام کہنا یا جواب دینا:

سوال: کافر کو سلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کافر کے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ بیٹو! توجہ کرو۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کافر کو تعظیماً سلام کہنا کفر ہے، تعظیم مقصود نہ ہو محض تحیہ کے طور پر ہو تو ناجائز ہے اور کسی حاجت سے ہو تو جائز ہے مگر السلام علی من اتبع الهدی کہے۔
کافر کے سلام کا جواب دینا جائز ہے مگر جواب میں صرف وعلیک کہے۔

قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویسلم المسلم علی اهل الذمۃ لولہ حاجۃ الیہ والاکراہ ہوا لصیحہ (الی ان قال) ولوسلم یهودی اونصرانی او مجوسی علی مسلم فلا یأس بالرد ولكن لا یزید علی قوله وعلیک کہا فی الخانیۃ ولوسلم علی الذمی تبجیلًا یکفر لان تبجیل الکافر کفر۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ویسلم المسلم علی اهل الذمۃ الخ) انظر هل یجوز ان یأتی بلفظ الجمع لوکان الذمی واحدا والظاهر انه یأتی بلفظ المفرد اخذاً مما یأتی فی الرد تأمل کن فی الشرعۃ اذا سلم علی اهل الذمۃ فلیقل السلام علی من اتبع الهدی وكذلك یتب فی الکتب الیہاہ وفي التارخانیۃ قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اذا کتبت الی یهودی اونصرانی فی حاجۃ فاكتب السلام علی من اتبع الهدی اہ (قوله لولہ حاجۃ الیہ) ای الی الذمی المفہوم من المقام قال فی التارخانیۃ لان النہی عن السلام لتوقیرہ ولا توقیر اذا کان السلام لحاجۃ (رد المحتار ص ۲۶۳ ج ۵)

وقال ایضاً: (قوله فلا یأس بالرد) المتبادر منه ان الاولی عدمه ط لکن

فی التارخانیۃ واذا سلم اهل الذمۃ یتبغی ان یرد علیہم الجواب وبہ نأخذ
(رد المحتار ج ۲۵ ص ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ شعبان ۱۲۸۸ھ

بدعتی اور فاسق کو سلام کہنا:

سوال: بدعتی اور فاسق کو سلام کہنا شرعاً کیسا ہے؟ اور ان کے سلام کا جواب
دینا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بدعتی اور علانیہ فسق میں مبتلا شخص کو سلام کہنا جائز نہیں۔ ڈاڑھی ایک مشبہ
سے کم کرنا، ٹخنے ڈھانکنا، ٹی وی دیکھنا، تصویریں بنانا، رکھنا، عورتوں کا شریعت کے مطابق
پردہ نہ کرنا، حرام کھانا، بنک انشورنس وغیرہ سودی اداروں کی ملازمت، غیبت کرنا
یہ سب علانیہ بغاوتیں ہیں، جو شخص ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہے جب تک وہ ان گناہوں
سے توبہ کا اعلان نہ کرے اسے سلام کہنا جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی فاسق سے تعارف اور جان پہچان ہے تو سلام کہنا جائز ہے۔ اس لئے
کہ ایسی صورت میں سلام نہ کہنے میں کبر کا گمان ہو سکتا ہے۔ نیز اسے دین اور دنیا دونوں سے
مزید متنفر کرتے کا باعث ہے۔

جواب دینا بہر حال ضروری ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ السلام علی الفاسق

لومعلنا والالا۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله لومعلنا) وفي
فصول العلامی لا یسلم علی الشیخ المانح الکذاب واللاغی من یسب الناس
او ینظر وجوہ الاجنبیات ولا علی الفاسق المعلن ولا علی من یغنی او یطیر الحمام
مالم تعرف توبتہ (رد المحتار ج ۲۶ ص ۵)

وقال ایضاً: یتبغی وجوب الرد علی الفاسق لان کراہۃ السلام علیہ للترجیح

فلاتنافی الوجوب علیہ تأمل (رد المحتار ج ۱ ص ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ

مواقع کراہت سلام:

سوال: انسان کے کون کون سے حالات ایسے ہیں کہ کسی دوسرے شخص کا اسے سلام کہنا مکروہ ہے؟ مواقع کراہت میں اگر کوئی سلام کہے تو جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا تو جس روا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مواقع کراہت سلام درج ذیل ہیں:

① جو شخص جواب دینے سے عاجز ہو اسے سلام کہنا خواہ حقیقتہً عاجز ہو، جیسے کھانے میں مشغول ہو یا شرعاً عاجز ہو، جیسے نماز، اذان، اقامت، ذکر، تلاوت یا علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو۔

② قاضی کو مجالس قضاء میں خصمین کا سلام کہنا۔

③ نامحرم جوان عورت۔

④ برہنہ شخص۔

⑤ پیشاب، پاخانہ میں مشغول شخص۔

⑥ شطرنج، تماش وغیرہ میں مشغول شخص۔

⑦ بیوی کے ساتھ مشغول شخص۔

ان تمام صورتوں میں راجح قول یہ ہے کہ اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي النہر عن صدر الدین الغزی:

سلامك مکروہ علی من تسمع

مصل و قال ذا کر و محدث

مکرم فقہ جالس لقضاء

مؤذن ایضا بمقیم مدرس

ولعاب شطرنج و شبهہ بخلقهم

ودع کافرا ایضا و مکشوف عورة

ودع اکلا الا اذا کنت جائعا

و تعلم منه انه ليس یمنع

د قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله وصرح فی الضیاء)

قلت لكن في البحر عن الزيلعي ما يخالفه فانه قال يكره السلام على المصلی والقارئ والجالس للقضاء او البحث في الفقه او التخلي ولو سلم عليهم لا يجب عليهم الرد لانه في غير محلها ومفاده ان كل محل لا يشاع فيه السلام لا يجب الرد وفي شرح الشريعة صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع القاضی اذا سلم عليه الخصمان والاستاذ الفقيه اذا سلم عليه تلميذه او غيره او ان الدرس وسلام السائل والمشتغل بقراءة القرآن والدعاء حال شغلهم والجالسين في المسجد لتسبيح او قراءة او ذكر حال التذكير او في البرازية لا يجب الرد على الامام والمؤذن والخطيب عند الثاني وهو الصحيح اه (رد المحتار ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم

۸ ربيع الاول ۱۲۹۹ھ

خط کے سلام کا جواب :

سوال : خط کے سلام کا جواب واجب ہے یا نہیں ؟ اگر واجب ہے تو کیا فی الفور واجب ہے یا عند جواب کتاب ؟ اگر خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو کیا حکم ہے ؟ بیاد توجروا۔

الجواب باسم ما هم الصواب

زبانی یا بذریعہ خط جواب دینا واجب ہے ، بہتر ہے کہ فوراً زبان سے جواب دے دیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے خط کے جواب کا موقع نہ ملے تو واجب فوت ہونے کا گناہ ہوگا۔ خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو فوراً زبان سے جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة المحصفي رحمه الله تعالى : ويجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله ويجب رد جواب كتاب التحية) لان الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبی والناس عنه غافلون ط اقول المتبادر من هذا ان المراد رد سلام الكتاب لا رد الكتاب لكن في الجامع الصغير للسيوطي رد جواب الكتاب حق كرد السلام

قال شارحه المناوی ای اذا كتب لك رجل بالسلام في كتاب ووصل اليك وجب عليك الرد باللفظ او بالمراسلة وبما صرح جمع شافعية وهو مذهب ابن عباس رضي الله تعالى عنهما (رد المحتار ص ۲۶ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم
 ۲۰ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ

ریڈیو پر سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: ریڈیو پر تقریر، درس قرآن یا خبروں سے قبل السلام علیکم کہا جاتا ہے، سننے والوں پر اس کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا ضرورت خبریں سننا ہی جائز نہیں، اس لئے ریڈیو پر سلام سننے اور اس کا جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر کسی ضرورت واقعہ سے خبریں سن رہا ہے اور ریڈیو پر سلام سن لیا تو اس کا جواب دینا جائز نہیں اس لئے کہ یہ سلام سنت کے خلاف اور بے موقع ہے، وعظمت تقریر اور کسی امر کی عام اشاعت اور اعلان سے قبل سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خطبات ماثورہ ہیں مگر ان سے قبل سلام کہیں منقول نہیں۔

عن هلال بن يساف قال كنا مع سالم بن عبيد فعطس رجل من القوم

فقال السلام عليكم فقال له سالم وعليك وعلى امك فكان الرجل وجد في نفسه فقال اما اني لحاقل الا ما قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا عطس رجل عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال السلام عليكم فقال النبي صلى الله عليه وسلم عليك وعلى امك الحديث رواه الترمذی و ابو داود۔
 (مشکوٰۃ ص ۴۱۶)

فعدل صلى الله عليه وسلم عن الجواب المسنون واختار الطریق الغریب

تنبیہا علی ان العطاس لیس محلا للسلام۔

بعض اکابر نے ریڈیو کے سلام کا جواب واجب نہ ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ مجیب مسلم کو جواب سننے پر قادر نہیں مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ وجوب جواب کے لئے

قدرت علی السماع شرط نہیں کما قالوا فی جواب سلام الکتاب والاصم، بلکہ بعض صورتوں میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے قدرت اسماع کے باوجود بھی جواب بدون اسماع تحریر فرمایا ہے، کما فی جواب سلام الاجنبیۃ الشاہیۃ۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۲۹۸ھ

سلام میں برکات پر زیادتی مکروہ ہے :

سوال : ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ سلام اور جواب سلام میں برکات تک بعد و مغفرت وغیرہ زیادہ کرنا مکروہ ہے، حالانکہ میں نے مشکوٰۃ شریف میں زیادتی کی فضیلت کی حدیث پڑھی ہے، لہذا اس بارے میں تحقیق فرما کر ممنون فرمائیں۔ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں روایات مختلف ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے کراہت۔ بوجہ ذیل کراہت کو ترجیح ہے :

(۱) حضرات فقہاء اور عامۃ المفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کراہت کے قائل ہیں۔

(۲) بوقت تعارض اصولاً کراہت کو ترجیح ہے۔

(۳) مانعت کی روایت سنداً قوی ہے۔

(۴) مقلد کے لئے قول فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ہی دلیل ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ : ولا یزید الراد علی وبرکاتہ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : قال فی التارخانیۃ

والافضل للمسلم ان یقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والمجیب كذلك

یرد ولا ینبغی ان یزاد علی البرکات شیءا (رد المحتار ج ۲ ص ۵)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ فزادہ ورحمۃ اللہ)

فیہ مشر و عیت الزیادۃ فی الرد علی الابتداء وهو مستحب بالاتفاق لوقوع

التحیۃ فی ذلک فی قولہ تعالیٰ ”فحیوا یا حسن منها اور دوہا“ فلوزاد المبتدئ

وسمۃ اللہ استحب ان یزاد وبرکاتہ ولوزاد وبرکاتہ فہل تشوع الزیادۃ

فی الرد وکذا لوزاد المبتدئ علی وبرکاتہ هل یشرع لہ ذلک اخرج مالک

فی الموطأ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال انتہی السلام الی البرکۃ

واخرج البيهقي في الشعب من طريق عبد الله بن يابيه قال جاء رجل الى ابن عمر رضي الله تعالى عنهما فقال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته ومغفرته فقال حسيك الى وبركاته انتهى الى وبركاته ومن طريق زهير بن معبد قال قال عمر رضي الله تعالى عنه انتهى السلام الى وبركاته ورجاله ثقات وجاء عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما الجواز فاخرج مالك ايضا في الموطأ عنه انه زاد في الجواب والغايات والرائحات واخرج البخاري في الادب المفرد من طريق عمر وبن شعيب عن سالم مولى ابن عمر قال كان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يزيد اذا رد السلام فاتيته مرة فقلت السلام عليكم فقال السلام عليكم ورحمة الله ثم اتيته فردت وبركاته فرد وترادني وطيب صلوته ومن طريق زيد بن ثابت انه كتب الى معاوية رضي الله تعالى عنهما السلام عليكم يا امير المؤمنين ورحمة الله وبركاته ومغفرته وطيب صلوته ونقل ابن رقيق العيد عن ابي الوليد ابن راشد انه يؤخذ من قوله تعالى "فحيروا يا حسن منها" الجواز في الزيادة على البركة اذا انتهى اليه المبتدئ واخرج ابوداود والترمذي والنسائي بسند قوي عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه قال جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال السلام عليكم فرد عليه وقال عشر ثمر جاء اخر فقال السلام عليكم ورحمة الله فرد عليه وقال عشرون ثمر جاء اخر فزاد وبركاته فرد وقال ثلاثون واخرج البخاري في الادب المفرد من حديث ابي هريرة رضي الله تعالى عنه وصححه ابن حبان وقال ثلاثون حسنة وكذا فيما قبلها صرح بالمعدود وعند ابي نعيم في عمل يوم وليلة من حديث علي رضي الله تعالى عنه انه هو الذي وقع له مع النبي صلى الله عليه وسلم ذلك واخرج الطبراني من حديث سهل بن حنيف بسند ضعيف رفعه من قال السلام عليكم كتب له عشر حسنات ومن زاد ورحمة الله كتبت له عشرون حسنة ومن زاد وبركاته كتبت له ثلاثون حسنة واخرج ابوداود من حديث سهل بن معاذ بن انس الجهني عن ابيه بسند ضعيف

نحو حدیث عمران و مراد فی آخره ثم جاء آخر فزاد ومغفرته فقال اربعون وقال هكذا تكون الفضائل واخرج ابن السني في كتابه بسند واه من حديث انس رضي الله تعالى عنه قال كان يمر فيقول السلام عليك يا رسول الله فيقول له وعليك السلام ورحمة الله وبركاته ومغفرته ورضوانه واخرج البيهقي في الشعب بسند ضعيف ايضا من حديث يزيد بن اسلم كنا اذا سلم علينا النبي صلى الله عليه وسلم قلنا وعليك السلام رحمة الله وبركاته ومغفرته وهذه الاحاديث الضعيفة اذا انضمت قوى ما اجتمعت عليه من مشرعية الزيادة على وبركاته (فتح الباري ص ۱۰۰)

قال العبد الضعيف : فاني راجعت الموطأ فوجدت فيه خلاف ما نقل عنه المحافظ رحمه الله تعالى ونصه عن يحيى بن سعيد ان رجلا سلم على عبد الله ابن عمر رضي الله تعالى عنهما فقال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته والغايات والرائحات فقال له عبد الله بن عمر وعليك الفاكاته كراه ذلك (موطأ ص ۲۵)

قال العلامة محمود الألوسي رحمه الله تعالى : (فحيوا يا حسن منها) اي بتحية احسن من التحية التي حييت بها بأن تقولوا وعليكم السلام ورحمة الله تعالى ان اقتصر المسلم على الاول وبأن تزيدوا وبركاته ان جمعها المسلم وهي النهاية فقد اخرج البيهقي عن عروة بن الزبير رضي الله تعالى عنهما ان رجلا سلم عليه فقال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته فقال عروة ما ترك لنا فضلا ان السلام قد انتهى الى وبركاته وفي معناه ما اخرج الامام احمد والطبراني عن سلمان الفارسي رضي الله تعالى عنه مرادعا وذلك الانتظام تلك التحية لجميع فنون المطالب التي هي السلامة عن المضار ونبيل المنافع ودوامها ونماؤها وقيل يزيد المحي اذا جمع المحي الثلاثة له فقد اخرج

البخاری فی الادب المفرد عن سالم مولى عبد الله بن عمر قال کان ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اذا سلم علیہ فرد زاد فاتیتہ قلت السلام علیکم فقال السلام علیکم ورحمة اللہ تعالی شرا تیتہ مرة اخرى فقلت السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ فقال السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ وطیب صلوتہ ولا یتعین ما ذکر للزيادة فقد ورد خبر رواہ ابو داود والبيهقي عن معاذ رضي الله تعالى عنه زيادة ومغفرته فما في الدر من ان المراد لا يزيد على وبركاته غير مجمع عليهما (روح المعاني ص ۹۹ ج ۵)

قال الامام الرازي رحمه الله تعالى : (المسألة الرابعة) منتهى الامر في السلام ان يقال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته بدليل ان هذا القدر هو الوارد في التشهد واعلم انه تعالى قال "فحيوا باحسن منها وادروها" فقال العلماء والاحسن هو ان المسلم اذا قال السلام عليك زيد في جوابه الرحمة وان ذكر السلام والرحمة في الابتداء زيد في جوابه البركة وان ذكر الثلاثة في الابتداء عادها في الجواب ما روى ان رجلا قال للرسول صلى الله عليه وسلم السلام عليك يا رسول الله فقال عليه الصلوة والسلام وعليك السلام ورحمة الله وبركاته واخر قال السلام عليك ورحمة الله فقال وعليك السلام ورحمة الله وبركاته فجاء ثالث فقال السلام عليك ورحمة الله وبركاته فقال عليه الصلوة والسلام وعليك السلام ورحمة الله وبركاته فقال الرجل نقصتني فاين قول الله فحيوا باحسن منها فقال صلى الله عليه وسلم انك ما تركت لي فضلا فرددت عليك ما ذكرت (تفسير كبير ص ۲۱ ج ۱۰)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى بعد نقل الحديث المذكور بطرق متعددة : وفي هذا الحديث دلالة على انه لا زيادة في السلام على هذه الصفة السلام عليكم ورحمة الله وبركاته اذ لو شرع اكثر من ذلك لزيادة رسول الله صلى الله عليه وسلم (تفسير ابن كثير ص ۵ ج ۱)

قال العلامة ابو السعود رحمه الله تعالى : (فحيوا باحسن منها) اي

بتحیة احسن منها بأن تقولوا وعلیکم السلام ورحمة اللہ ان اقتصر المسلم علی الاول و بأن تزیید وادبرکاتہ ان جمعہما المسلم وھی النہایت لانتظامہا لجميع فنون المطالب الّتی هی السّلامۃ عن المضار وئیل المنافع و دوامہا و نماؤہا (تفسیر ابی السعود ص ۵۲ ج ۱) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۴ جمادی الثانیہ ۹۸ھ

بار بار آتے جاتے تکرار سلام:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا لقی احدکم اخاه فیسلم علیہ فان حالت بینہما شجرة او جدار او حجر ثم لقیہ فیسلم علیہ رواہ ابو داود (مشکوٰۃ ص ۳۹۹ ج ۲)
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی مرتبہ بھی کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو، پھر آنا سامنا ہو تو ہر مرتبہ سلام کہنا چاہیے۔ کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ حکم احیاناً پیش آنے والی صورت پر محمول ہے، جہاں بار بار یہ صورت پیش آتی ہو مثلاً کوئی مخدوم کے کمرے میں بار بار آتا جاتا رہتا ہے تو اس میں تکرار سلام و جواب میں حرج ظاہر ہے، اس لئے یہ صورت حدیث سے مستثنیٰ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
غرة ذی القعدة ۱۲۱۶ھ

بوقت سلام پیشانی پر ہاتھ رکھنا:

سوال: بوقت سلام پیشانی پر ہاتھ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ہندوؤں کا شعار ہے اور سجدہ کے قائم مقام ہے، اس لئے حرام ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۲۸ ذی الحجہ ۸۶ھ

ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا:

سوال: ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس کا جواب دینا واجب

ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب .

اگر کسی وجہ سے آواز پہنچانا مشکل ہو تو ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا جائز ہے اور جواب واجب ہے، اور اگر آواز پہنچ سکتی ہو تو صرف اشارہ کافی نہیں البتہ زبان سے سلام و جواب کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ مصافحہ کے قائم مقام ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۲۸ رذی الحجہ ۸۶ھ

سوال مثل یا لا:

سوال: لفظ سلام کہنے کے بغیر صرف ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا اور جواب لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیذوات وجہ وا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا عذر ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنا جائز نہیں اور اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں، اور بلا عذر لفظ سلام کے ساتھ اشارہ کو جمع کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ مصافحہ کے قائم مقام ہے اور بوجہ عذر صرف ہاتھ کا اشارہ بھی جائز ہے، البتہ ممکن ہو تو اس کے ساتھ تلفظ بھی کرے۔

حدثنا قتيبة نا ابن لهيعة عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ليس منا من تشبه بغيرنا لا تشبهوا باليهود ولا بالنصارى فان تسليم اليهود الاشارة بالاصابع وتسليم النصارى الاشارة بالاكف هذا حديث اسناده ضعيف وروى ابن المبارك هذا الحديث عن ابن لهيعة فلم يرفعه (سنن الترمذی ص ۲۹۹)

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: رواہ الترمذی وقال اسناده ضعيف ولعل وجهه انه من عمرو بن شعيب عن ابيہ عن جده وقد تقدم الخلاف فيه وان المعتمد ان سنده حسن لا سيما وقد اسنده السيوطي في الجامع الصغير الى ابن عمر و، فارتفع النزاع وزال الاشكال۔

وقال الامام النووي رحمہ اللہ تعالیٰ: روينا عن اسماء بنت زيد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر في المسجد يوما وعصبة من النساء قعود فالوى بيده بالتسليم۔

قال الترمذی: هذا حديث حسن وهو محمول على انه صلى الله عليه وسلم جمع بين اللفظ والاشارة ويدل على هذا ان ابا داود روى هذا الحديث وقال في روايته فسلم علينا قلت على تقدير عدم تلفظه عليه السلام بالسلام لا محذور فيه لانه ما شرع السلام على من مر على جماعة من النسوان (الى ان قال) وقد يحمل على انه لبيان الجواز بالنسبة الى النساء وان نهى التشبه محمول على الكراهة لا على التحريم والله اعلم (مرقاة المفاتيح ص ۴۲ ج ۸)

وقال المحافظ العيني رحمه الله تعالى: ولو كان السلام على اصم فينبغي الاشارة مع التايف ليحصل الافهام والا فلا يستحق جوابا وكذا اذا سلم عليه الا صم واراد الرد عليه فيتلفظ باللسان ويشير بالجواب ولو سلم على الاخرس فاشارة الاخرس باليد سقط عنه الفرض وكذا لو سلم عليه اخرس بالاشارة استحق الجواب (نعمدة القارى ن ۲۳ ج ۲۲) ۳۲۶
قال في الهنديه ويكره السلام بالسبابة كذا في الغياثية (عالمكبرية ج ۵) وفي الشريعة ولا يشير المسلم بالاصبع فانه من دأب اليهود ولا بالكف فانه من عادة النصارى (المتانة في مرمية الخزانة ص ۶۴) والله سبحانه وتعالى اعلم
۲۴ جمادى الثانية ۱۲۷۴ هـ



رسوم مروجہ

اشعار نعتیہ کا حکم:

سوال: شریعت مطہرہ میں اشعار نعتیہ سرورِ دُعا عالمِ علی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجسوا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار نعتیہ پڑھنا اور معجزات و کمالات کا بیان اشعار میں کرنا جائز بلکہ موجبِ ثواب و خیر و برکت ہے اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسے معجزات و مضامین بیان کئے جائیں جو صحیح روایات سے ثابت ہوں، منگھڑت قصے بیان کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وحمل ما وقع من بعض الصحابة على انشاد الشعر المباح الذي فيه الحكم والمواعظ فان لفظ الغناء كما يطلق على المعروف يطلق على غيره كما في الحديث من لم يتغن بالقرآن فليس منا۔

وقال ايضا معزياً للبحر: ان التغنى المحرم ما كان في اللفظ ما لا يحل كصفة الذكور والمرأة المعينة الحية (الى قوله) الا اذا اراد انشاده للاشتداد به او ليعلم فصاحته وبلاغته وكان فيه وصف امرأة ليست كذلك او الزهریات المتخمة وصف الریا حین والازهار والمياكة فلا وجه لمنعه على هذا (رد المحتار ج ۲۲ ص ۵)

اقول لما جاز انشاد الشعر والتغنى به لاجل وصف الزهریات فما ظنك بالتغنى بالشعر لاجل بيان معجزات رسول الله صلى الله عليه وسلم ما لم يكن على الملاهي والقيود المخترعة لاهل البدع والاهواء۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

عید کارڈ کا حکم:

سوال: احباب واعزہ کے درمیان عید کے موقع پر ”عید کارڈ“ کی مراسلت التزامی یا غیر التزامی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجسوا۔

الجواب یا سم ملہم الصواب

مصارف کے پانچ درجات ہیں:

- ① ضرورت۔
- ② حاجت۔
- ③ آسائش۔
- ④ آرائش و زیبائش۔
- ⑤ نمائش۔

ضرورت: جو لوازم زندگی میں سے ہو، اس کے نہ ہونے سے ضرر لاحق ہو جیسے بقدر کفایت طعام و لباس وغیرہ۔

حاجت: جس کے نہ ہونے سے ضرر تو نہ ہو مگر گزارا مشکل ہو، جیسے قدر کفایت سے زائد حاجات میں کام آنے والی اشیاء۔

آسائش: حاجت سے زائد آرام و راحت کی اشیاء۔

آرائش و زیبائش: صرف زیب و زینت کی اشیاء۔

نمائش: جس سے فخر و نمود مقصود ہو۔

ضرورت پر خرچ کرنا فرض ہے اور حاجت، آسائش، آرائش و زیبائش پر خرچ

کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسراف نہ ہو۔ اسراف یہ ہے کہ بلا ضرورت آمدن سے زائد خرچ کرے۔

نمائش کھیلنے خرچ کرنا حرام ہے۔

زیبائش اور نمائش فعل قلب کے قبیل سے ہیں، دونوں میں فرق صرف نیت

سے ہوتا ہے، اس لئے بلا وجہ کسی پر نمائش کا حکم لگانا صحیح نہیں۔

عید کارڈ سے اگر فخر و نمود مقصود ہو تو بلاشبہ ناجائز ہے اور اگر اس سے محض زینت

اور دوسرے کا دل خوش کرنا مقصود ہو تو یہ آرائش و زیبائش میں داخل ہے جو بلاشبہ جائز

ہے بلکہ القادسی و فی قلب المؤمن کے تحت باعث ثواب ہے۔ اس کی کئی مثالیں

ہیں، مثلاً :

گلدستہ، سبزی، خوبصورت پیڑ، خوبصورت پھولدار کاغذ، خوبصورت پھولدار لفافہ، اس قسم کی زینت کی چیزیں بالاتفاق جائز اور علماء و صلحاء کے ہاں بھی عام رائج ہیں تو عید کا رٹو کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶ سوال ۸۶

عیدی کا لین دین :

سوال : کیا عید کے موقع پر عید کی خوشی میں "عیدی" کے نام سے روپے پیسے کا لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عیدی کا لین دین مندرجہ ذیل فسادات کی وجہ سے ناجائز ہے :

- ① فخر و نمود۔
- ② عموماً مبادلہ کی نیت ہوتی ہے۔
- ③ دینے والے کی نیت عوض لینے کی نہ ہو تو بھی جس کے بچوں کو عیدی دی جاتی ہے وہ اس کو اپنے اوپر بوجھ محسوس کرتا ہے اور اس کا عوض دینا ضروری سمجھتا ہے۔
- ④ معاوضہ کی ناجائز رسم کی تائید و ترویج۔
- ⑤ دیکھنے سننے والوں کے لئے ناجائز رسم کے ارتکاب کی بدگمانی و مظنہ تہمت۔
- ⑥ بچوں کے قلوب میں مال کی محبت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اپنے بچوں کو بھی پیسے ہرگز نہ دیئے جائیں۔ بچوں کو پیسے دے کر ان کی دنیا و آخرت تباہ کرنے کی بجائے ان کو صدقہ و خیرات اور امور دین پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے رہنا لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

مختلف مواقع پر تحائف کا لین دین :

سوال : اس زمانہ میں مختلف مواقع پر ہدایا و تحائف کے لین دین کا سلسلہ عام ہو گیا ہے، مثلاً :

- ① کوئی شخص عسمرہ یا حج پر بارہا ہوتا ہے تو اقارب و احباب اس کو تحائف دہایا

دیتے ہیں پھر وہ شخص واپسی پر ان کو ہدایا و تحائف دیتا ہے اور نہ دینے میں عار سمجھتا ہے
 (۲) کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ دعوتیں کرتا ہے، جو لوگ جاتے ہیں وہ تحائف
 و ہدایا دیتے ہیں۔ اسی طرح بچے کو دیکھنے کے وقت بھی۔
 (۳) کسی کا نیا مکان بنتا ہے تو لوگ جا کر تحائف دیتے ہیں اور خالی ہاتھ جانے کو
 عار سمجھتے ہیں۔

(۴) شادی اور منگنی کے مواقع میں لوگ تحائف دیتے ہیں۔

(۵) مریض کی عیادت کے لئے جاتے ہیں تو تحائف ساتھ لے جاتے ہیں۔

(۶) عید کے موقع پر عیدی کا لین دین ہوتا ہے۔

ان مواقع میں لوگوں کا کچھ دینا پھر جس کو دیا جا رہا ہے اس کا قبول کرنا بھر قبول کرنے
 کے بعد کسی دوسرے موقع پر اس تحفہ دینے والے کو تحفہ دینا ان تمام صورتوں کی شرعی حیثیت
 کیا ہے؟ اس میں جو قباحتیں ہیں ان کو بھی تفصیل سے لکھنے کی گزارش ہے تاکہ لوگوں میں زیادہ
 سے زیادہ اس کی اشاعت کر کے ان کو صراط مستقیم کی طرف لایا جاسکے۔ بینوا و مجبور۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آپس میں ہدیہ و تحفہ کا لین دین اور مشکل حالات میں ایک دوسرے کی مدد کرنا باہم
 الفت و محبت پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ اور شریعت کا مؤکد حکم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کا ارشاد ہے: تہادوا تحابوا (موطأ مالک)

مگر شریعت نے ہدیہ، تحفہ اور باہمی تعاون و تناصر کے الفاظ خاص خاص حقیقتوں کے لئے
 وضع کئے ہیں، ان حقائق کے پائے جانے کی صورت میں ان الفاظ کا استعمال شریعت کے مطابق
 ہوگا اور یہ عمل موجب اجر و ثواب بنے گا لیکن جہاں حقیقت دور دور تک نظر نہ آتی ہو وہاں
 اصطلاحات شرعیہ کو استعمال کرنا احکام اسلام سے مذاق اور ان کی اہانت ہے، کیا رشوت
 کو چائے پانی کا نام نہیں دیا گیا؟ سود اور جوئے کی متعدد صورتوں کو نفع اور انعام کا نام دے کر
 جائز نہیں کہا جاتا؟

معاشرے کے احوال سے باخبر حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ جو صورتیں سوال میں مذکور
 ہیں ان میں ہدیہ، تحفہ اور باہمی تعاون و تناصر وغیرہ اصطلاحات کے ساتھ یہی نا روا
 معاملہ کیا جاتا ہے۔

ان اصطلاحات کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ ان تمام صورتوں میں ہدیہ، تحفہ، تعاون اور غیدی وغیرہ کے نام سے لینا دینا دونوں ناجائز ہیں اور تقریباً یہ تمام صورتیں درج ذیل قبائح پر مشتمل ہیں :

(۱) یہ رقم اور سامان جسراً وصول کیا جاتا ہے یا بنطور کہ نہ دینے والے کو ملامت کی جاتی ہے بلکہ برادری سے نکال دیا جاتا ہے اور جسراً کسی سے کچھ وصول کرنا حرام ہے۔

(۲) لینے والے کی نیت میں ریا و سمعت ہوتی ہے اور شہرت و سمعت کی نیت سے جائز فعل بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

(۳) یہ رقم واسباب قرض ہیں جن کا موقع پر واپس کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور بلا ضرورت شدیدہ قرض کا لین دین ناجائز ہے، اس لئے کہ ہدیہ تو دلیل محبت و باعث ازدیاد محبت ہے مگر اس کے بالکل برعکس قرض قاطع محبت ہے، اس کا نام ہی ”قرض“ اسی لئے رکھا گیا ہے کہ یہ مقراض ہے، مقراض محبت کو ہدیہ محبت کا نام دے کر ناجائز کو جائز بلکہ مندوب و مستحب قرار دینا اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی علانیہ بغاوت اور اصطلاحات شرعیہ میں کھلی تحریف ہے۔

(۴) قرض سے متعلق حکم ہے کہ جب بھی استطاعت ہو ادا کر دیا جائے مگر یہ اشیاء باوجود استطاعت کے مواقع معہودہ سے قبل نہیں دی جاتیں اور بلا وجہ قرض ادا کرنے میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

پھر ایک در روز کے بعد اگر مقروض یہ قرض ادا کرنا چاہے تو قرضخواہ قبول نہیں کرتا مواقع معہودہ ہی پر قبول کرتا ہے یہ بھی مستقل گناہ ہے، کیا معلوم کہ موقع تک زندگی ہوگی بھی یا نہیں، قرض ادا کر سکے گا یا نہیں، خدا نخواستہ قرض ادا کرنے سے قبل موت نے آدھو چا تو کیا بنے گا، مقروض کی موت کی صورت میں اس کے ورثہ کا ادا کرنا یقینی نہیں، اور قرضخواہ کی موت کی صورت میں اس کے تمام ورثہ پر قرض کو تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کا حصہ سپرد کرنا ضروری ہے حالانکہ اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ عرف کے مطابق مواقع معہودہ پر کسی ایک وارث کو دیا جاتا ہے اور وہ اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتا ہے دوسرے ورثہ کے حق کا خیال تک نہیں آتا۔

⑤ کئی قرضخواہ قرض وصول کرنے سے پہلے مرجاتے ہیں تو یہ قرض اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، پھر کئی وارث بھی مرجاتے ہیں تو بصورت مناسبہ تقسیم و تقسیم و نقل و نقل ہو کر اتنا پھیل جاتا ہے کہ سب اہل حق اور ہر ایک کے حق کی مقدار کا معلوم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے، اس لئے مقروض اگر کسی وقت قرض ادا کرنا بھی چاہے تو اس کے لئے ان حقوق المعیاد سے سبکدوش ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی بے شمار لوگوں کے حقوق کا بوجھ ایک مرے گا۔

⑥ ان رسوم پر فرض و واجب کی طرح اصرار و التزام کیا جاتا ہے حالانکہ اس قسم کے التزام سے امر مباح و مندوب بھی واجب ترک ہو جاتا ہے۔

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا الا لا یجل مال امرئ الا بطیب نفس منہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان والدارقطنی فی المجتبی (مشکوۃ ص ۲۵۵)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لبس ثوب شہرة فی الدنیا البسہ اللہ ثوب مذلتہ یوم القیامۃ رواہ احمد و ابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ ص ۳۳)

وعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یرفعہ قال من لبث ثوب شہرة البسہ اللہ ایاک یوم القیامۃ ثم الہب فی النار ذکرہ رزین فی جامعہ۔

وعن ابی زر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من لبث ثوب شہرة اعرض اللہ عنہ حتی یضعہ متی رضعہ الترغیب والترہیب ص ۲۴ محمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کنا جاؤسا عند رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرغم رأسہ الی السماء ثم رضعہ راحۃ علی جہتہ ثم قال سبحان اللہ ما اذا انزل من التشدید فسکتنا و فرعنا فلما کان من الغد سألتہ یا رسول اللہ ما هذا التشدید الذی نزل فقال الذی نفسی بیدہ لو ان رجلا قتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم قتل ثم احیی ثم قتل و علیہ دین ما دخل الجنة (جمع الفوائد)

وفی الحدیث مطلق الغنی ظلم۔

نقل العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الخیریتہ سئل فیما یرسلہ الشخص الی غیرہ فی الاعراس ونحوہا هل یكون حکمہ حکم القرض

فیلزمہ الوفاء بہ ام لا؟ اجاب ان کان العرف بأخصرید فموضہ علی
وجہ البدل یلزم الوفاء بہ (الی ان قال) نعم فی بعض القری یعدونہ
قرضانی کل ولیمۃ یحضرن الخطیب ینسب لہم ما یدعی ناذا جعل المہدی ولیمۃ یراجع المہدی
الذکر فیمہدی الاول الی الثانی مثل ما اہدی الیہ (رد المحتار ج ۵)

قال الفقہ لا بأس ان یتدین الرجل اذا کان لہ حاجۃ لا بد منها یرید
قضاءہا (بستان العارفین) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳۱ جمادی الاول ۱۲۱۶ھ

تقاریب میں چراغاں کرنا:

سوال: شادی یا کسی خوشی کے موقع پر مکان کو بجلی کی چھوٹی چھوٹی رنگین بتیوں سے مزین کیا
جاتا ہے، شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجہوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بقصد زینت چراغاں کرنا جائز ہے بہ نیت تفاخر و ریاء جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
(اس کی تفصیل عید کارڈ کے حکم کے تحت گزر چکی ہے)

سوال مثل بالا

سوال: بعض دینی جلسوں یا شادی کے اجتماع پر چھوٹے چھوٹے بلب کثیر تعداد میں
زمین کے لئے لگا دیتے ہیں اور رنگین جھنڈیاں بھی لگاتے ہیں، کیا یہ اسراف نہیں ہے؟ اور
تعدد بلب میں دیوالی سے مشابہت نہیں ہے؟ البتہ قصد مشابہت کا نہیں ہوتا، کیا علامہ
شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ کلیہ المراد بالتشبیہ مقصد بہ التشبیہ سے یہ عمل خارج از تشبیہ نہ سمجھا
جائے گا؟ بینوا توجہوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عدم قصد تشبیہ کی وجہ سے دیوالی سے مشابہت کی علت صحیح نہیں اور اسراف
اس کو کہتے ہیں کہ آمد سے زائد خرچ کیا جائے، اور اگر آمد کے اندر خرچ ہو تو اسراف نہیں
مأکولات، مشروبات، ملبوسات، مکان اور سواری وغیرہ پر ضرورت سے زائد مصارف
کو کیوں اسراف نہیں کہتے؟ اسراف کو صرف بتیوں اور جھنڈیوں کے ساتھ مخصوص
کرنے کی کیا وجہ ہے؟ درحقیقت آسائش و آرائش پر خرچ کرنا فی نفسہ مباح بلکہ بعض

صورتوں میں مستحسن ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: قل من حرم زینۃ اللہ الّتی اخرج لعبادہ والطیبت
من الرزق قل ہی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ۔
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کو منقش سنگ مرمر سے مزین فرمایا۔
اس پر کسی صحابی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس
تزیین کا جواز باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت ہوا۔ البتہ آرائش و تزیین پر مال وقف
خرچ کرنا جائز نہیں، جس کو شوق ہو وہ اپنے ذاتی مال سے کرے یا چندہ دہندگان سے اجازت
لے، جہاں اس قسم کی تزیین کا عام دستور ہو اور چندہ دہندگان کو اس کا علم ہو وہاں ان سے
صریحہً اجازت لینا ضروری نہیں، دلالت اذن ہی کافی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۴ صفر ۱۰۸۵ھ

صحتیاب ہونے پر گلے میں ہار ڈالنا:

سوال: مریض کے بیماری سے شفا پانے پر دوست احباب کا اس کے گلے میں پھولوں کا ہار
ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بیہوش تو جسوا۔

الجواب باسم مہتمم النصوایب

اظهار مسرت و شکر نعمت کے لئے ایسا کرنا جائز ہے مگر اس میں غلو کرنا جائز
نہیں، نیز اس قسم کی چیزیں ابتداءً صحیح نیت سے انفرادی طور پر شروع ہوتی ہیں، آگے
چل کر باقاعدہ رسم کی شکل اختیار کر جاتی ہیں اور ان کا التزام ہونے لگتا ہے جس میں
کئی قباحتیں اور ناجائز امور بھی شروع ہو جاتے ہیں، ان کے سد باب کے لئے ایسے
امور سے احتراز ضروری ہے۔

شکر نعمت کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی سے توبہ کی جائے اور منعم حقیقی کی طرف
رجوع کیا جائے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الاول ۱۰۸۵ھ

امام کے گلے میں ہار ڈالنا:

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا درس
دیتے ہیں، اگر اس موقع پر کبھی کبھار مقتدی امام صاحب کے گلے میں پھولوں کا ہار

ڈال دیں تو اس میں کچھ حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فی نفسہ جائز ہے اگر ایسی چیزیں عموماً آگے چل کر بدعت یا رسم کی صورت اختیار کر جاتی ہیں اور اس میں بہت غلو ہونے لگتا ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ

ختم قرآن کی دعوت:

سوال: بچوں کا قرآن مجید ختم ہونے کے موقع پر دعوت کرنا یا مٹھائی تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ بقرہ کی تعلیم بارہ سال میں مکمل کی اور اس خوشی میں اونٹ ذبح کیا۔

البتہ فخر و نمود یا اپنی حیثیت سے زیادہ قرض لے کر خرچ کرنا جائز نہیں، نیز التزام سے بھی احتراز ضروری ہے۔

عن مراد اس بن محمد ابی بلال الاشعری قال حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال تعلم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ البقرۃ فی اثنتی عشرة سنة فلما ختمها نحر جزورا (الجامع لاحکام القرآن ۵/۱) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

بچوں کی سالگرہ منانا:

سوال: بچوں کی سالگرہ منانے اور اس موقع پر قرآن خوانی کرنے کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سالگرہ منانا ایک قبیح رسم ہے، اس کا ترک واجب ہے۔ اصل سالگرہ تو یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اپنی زندگی کا احتساب کیا جائے، اپنے اعمال کے بارہ میں سوچا

جائے کہ جنت کی طرف لے جا رہے ہیں یا جہنم کی طرف ؟ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۱۲ رجب ۹۱ھ

حاجی کی دعوت کرنا:

سوال: زید حج کر کے آیا، اب زید اظہار مسرت کے لئے اپنے اعزہ و اقارب کی دعوت کرے یا دوسرے رشتہ دار زید کی دعوت کریں تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر اس کا ایسا التزام نہ کرنے کو معیوب اور ایک دوسرے پر قرض سمجھا جانے لگے تو جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۸ محرم ۹۲ھ

دعوت ختنہ:

سوال: ختنہ کے موقع پر لوگوں کی دعوت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دعوت ختنہ کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، نہ تو نصاً اس کا کہیں ذکر ہے اور نہ ہی مشروعیت دعوت ضابطہ الدعوة فی السراوت میں داخل؛ اس لئے یہ دعوت جائز نہیں، پھر اس کو سنت سمجھنے میں بدعت ہونے کی قباحت شنیعہ مزید۔ تبدیع کے لئے عدم ثبوت ہی کافی تھا اور یہاں تو قرون مشہود لہا بالتجیریں اس پر نکیر موجود ہے۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا محمد بن سلمة الحرانی عن ابن اسحق یعنی محمد بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن طلحة بن کثیر عن الحسن قال دعی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی ختان فابی ان یجیب فقیل له فقال انا کنا لانا فی الختان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندعی له (مسند احمد ۲/۴۱۷ ج ۲)

سروایۃ الادب المفرد:

حدثنا زکریا بن یحیی قال حدثنا ابو اسامة عن عمرو بن حنظلہ قال

اخبرنی سالم قال ختنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انا ونعیم فذبح علینا کبشا فلقد رأیتنا وانا لنجدل به علی الصبیان ان ذبح علینا کبشا۔
اس روایت کی سند کی تحقیق کی حاجت نہیں، تسلیم صحت سند بھی اس سے بوجہ ذیل استدلال صحیح نہیں۔

(۱) یہ صرف ایک واقعہ جزئیہ ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل عام کے خلاف ہے۔

(۲) مشروعیت دعوت کے ضابطہ مذکورہ کے خلاف ہے۔

(۳) ائمہ حدیث وفقہ رحمہم اللہ نے اس کو اختیار نہیں فرمایا۔

وجوہ ثلاثہ مذکورہ کی بناء پر یہ جزئیہ واجب التأویل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب کو لڑکیوں کی ولادت بہت ناگوار تھی۔

واذا بشر احدہم بالانثی ظل وجہہ مسودا وھو کظیم یتواری من القوم

من سوء ما یشر بہ ایسکد علی ہون ام یداسہ فی التراب الاساء
ما یحکمون۔

اس کے برعکس لڑکوں کی ولادت پر بہت خوش ہوتے تھے، بہت اتراتے اور فخر کرتے۔

عتل بعد ذلک نرینم ان کان ذامال وبنین۔

اس لئے وہ لڑکے کی ولادت پر اس کی تشہیر، اظہار مسرت اور فخر و مباہاتہ کی غرض سے اور اس امر کے اظہار و اعلان کے لئے کہ لڑکی پیدا نہیں ہوئی لڑکا ہے، دعوت ختان کرتے تھے اور اس کا ان میں عام دستور تھا،

شریعت میں اس دعوت سے صراحتہً نہی وارد نہیں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس دعوت کے خلاف ضابطہ شرعیہ خلاف عقل ہونے کی وجہ سے اس کے ترک ہی کو ممانعت کے لئے کافی سمجھا اور ایسے بدیہی البطلان کام سے صراحتہً نہی کی ضرورت نہ سمجھی، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتنے بڑے جم غفیر میں سے کسی ایک فرد کا عدم نص ہر طرح و عدم شیوع ممانعت کی وجہ سے عرب کے دستور عام کے مطابق

نمل کر لینا بعید نہیں۔

اقوال الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ :

کتب فقہیں دعوت ختان کا ذکر ملتا ہے مگر ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

قال الامام الخرقی رحمہ اللہ تعالیٰ : ودعوة الختان لا یعرفہا المتقدمون ولا علی من دعی الیہا ان یجیب ، وانما وردت السنة فی اجابة من دعی الی ولیمۃ تزویج۔

وقال الامام ابن قدامة رحمہ اللہ تعالیٰ : یعنی بالمتقدمین : اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین بقتدی بہم۔ وذلك لما روى " ان عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعی الی ختان ، فابی ان یجیب فقیل لہ ، فقال : انا کنا لانا فی الختان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، ولاندعی الیہ " رواہ الامام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ باسنادہ۔ اذا ثبت هذا فحكم الدعوة للختان وسائر الدعوات غیر الولیمۃ : انها مستحبة ، لما فیہا من اطعام الطعام ، والاجابة الیہا مستحبة غیر واجبة۔ وهذا قول مالک والشافعی۔ وابی حنيفة ، واصحابہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

وقال : فاما امر الاجابة الی غیرہ (طعام الولیمۃ) فمحمول علی الاستحباب ، بدلیل انه لم یخص بہ دعوة ذات سبب دون غیرہا واجابة کل داع مستحبة لهذا الخبر ولان فیہ جبر قلب الداعی و تطیب قلبہ وقد دعی احمد رحمہ اللہ تعالیٰ الی ختان فاجاب واکل ، فاما الدعوة فی حق فاعلہا فلیست لہا فضیلة تختص بہا لعدم ورود الشرع بہا ولكن ہی بمنزلة الدعوة لغير سبب حادث فاذا قصد فاعلہا شکر نعمۃ اللہ علیہ واطعام اخوانہ وبذل طعامہ فلہ اجر ذلك انشاء اللہ تعالیٰ۔

(المعنی ص ۲۸۶ ج ۷)

عبارت مذکورہ نص ہے کہ قرون مشہور لہا بالخیر میں دعوت ختان کی بدعت کا کوئی ذہور

نہ تھا، البتہ اس عبارت میں امور ذیل محل بحث ہیں:

① ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت استحباب۔

جواب:

① نقل مذہب میں غیر اصحاب مذہب کا قول معتبر نہیں، لان صاحب البیت ادری بما فیہ۔

② سائر الدعوات سے وہ دعوات مراد ہیں جو کسی داعیہ شرعیہ یا عقلیہ کی وجہ سے ہوں، دعوت ختان کو ان میں داخل سمجھ کر ذکر کر دیا، حالانکہ اس کا عدم دخول واضح ہے۔ یہ احتمال دوسرے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت میں بھی موجود ہے اور یہاں احتمال بعید بھی معتبر بلکہ واجب القبول ہے۔ لما بینا۔

② دعوت بلا سبب کا اثبات۔

جواب:

① اس میں ائمہ مذکورہ یعنی جبر قلب داعی، تطیب القلب ہر نعمت اطعام اخوان و بذل طعام کو بلا سبب قرار دینا صحیح نہیں۔

② دعوت بلا سبب کا ثبوت تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا جواز اس سے مفید ہو گا کہ کسی ایسے امر کو سبب نہ سمجھا جائے جو نہ شرعاً سبب ہو نہ عقلاً، دعوت ختان کو بلا سبب کہنا صحیح نہیں، سبب تو موجود ہے، مگر یہ سبب مخترع ہے شرعی ہے نہ عقلی، بلکہ شریعت نے اس کو سبب دعوت قرار دینے پر رد کیا ہے، عوام نے دستور زمانہ جاہلیت کے مطابق غیر سبب کو سبب بنالیا ہے، و هذا ظاہر جدا۔

فعل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و اقوال فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہ تأویل قرین قیاس نہیں کہ اس سے دعوت بوقت اندمال زخم مراد ہے جو بوجہ حصول صحت موقع اظہار شکر و سرور ہے۔

حاصل یہ کہ اس رسم شنیع و قبیح کا بطلان فی نفسہ بھی ظاہر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی بنیاد جاہلیت کے مغضوب علیہم کے ایسے عمل مبغوض پر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں کئی جگہ بہت سخت نکیر فرمائی ہے، اتنے بڑے جرم عظیم کو سنت قرار دینے کی بدعت پر جتنی بھی تردید کی جائے اور اس کی جتنی بھی تبدیع و تشنیع و تفسیح بیان کی جائے کم ہے۔ واللہ ہوالعاصم من البدع فی الدین و ہوالہادی لسبیل الرشاد۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

مقابلہ حسن قرامۃ:

سوال: حسن قراءۃ کے مقابلہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لوگوں میں تجوید قرآن کا شوق پیدا کرنا مقصود ہو تو جائز ہے۔ مگر مروجہ محافل میں عموماً درج ذیل مفاہد پائے جاتے ہیں:

① مردوں، عورتوں کا بے حجابانہ اختلاط۔

② تفساد ویر کی لعنت۔

③ خلاف شرع دعوتیں۔

ان حالات میں احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

سیاسی و لسانی فسادات میں قنوت نازلہ کا حکم:

سوال: آج کل جو سیاسی اور لسانی فسادات ہوتے ہیں اور غیر مسلم قوتوں کی سازشوں

کے نتیجہ میں مذہبی فسادات بھی ہوتے ہیں، جن میں بے گناہ مسلمان شہید ہوتے ہیں، کیا ان حالات میں قنوت نازلہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمانوں پر آنے والے مصائب و بلیات کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے، مگر

دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات کا اصل نسخہ جس کا خود اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں کئی جگہ بار بار اعلان فرمایا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے توبہ و استغفار

کیا جائے اور ہر قسم کے منکرات کو ترک کیا جائے، گناہ چھوڑے بغیر سالوں قنوت نازلہ پڑھتے

رہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہرگز نجات نہیں مل سکتی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله الانزالۃ) قال فی الصحاح النازلۃ الشدیدۃ من شدائد الدھر ولا شک ان الطاعون من اشد النوازل اشباہ (قوله فیقنت الامام فی الجہریۃ) یوافقه ما فی البحر و الشرنبلالیۃ عن شرح النقایۃ عن الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الجہر وهو قول الثوری واحمد اھ وکذا ما فی شرح الشیخ اسماعیل عن البناۃ اذا وقعت نازلۃ قنت الامام فی الصلوۃ الجہریۃ لکن فی الاشباہ عن الغایۃ قنت فی صلوۃ الفجر ویؤیدہ ما فی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام فتكون شرعیۃ اى شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرة وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیہ الصلوۃ والسلام وهو مذهبنا وعلیہ الجمهور قال الحافظ ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ انما لا یقنت عندنا فی صلوۃ الفجر من غیر بلیۃ فان وقعت فتنة اوبلیۃ فلا بأس به فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رد المحتار ج ۱) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۲۸ ربیع الاول ۹۷ھ

شادی کے موقع پر مہندی کی رسم:

سوال: ہمارے ہاں یہ قدیم دستور چلا آ رہا ہے کہ شادی کے موقع پر دلہن کو پھول پہناتے ہیں اور اسے مہندی لگائی جاتی ہے، ساتھ دوسری لڑکیاں بھی مہندی لگاتی ہیں کیا عورتوں کے لئے مہندی لگانا اور پھول پہننا سنت ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے مہندی لگانا مستحب ہے مگر آج کل جو مہندی کی رسم کا دستور ہے کہ دوسری عورتوں کا بھی بڑا مجمع لگ جاتا ہے، یہ کئی مفسد کا مجموعہ ہے اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔ اپنے طور پر عورتیں مہندی لگا سکتی ہیں۔

پھول پہننے کا کوئی ثبوت نہیں، مگر شادی کے موقع پر زیب و زینت اختیار کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ زیب و زینت کے ساتھ کسی غیر محرم کے سامنے جانا سخت گناہ اور حرام ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۳ شعبان ۹۸ھ

مکان کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنا:

سوال: آج کل جب کوئی شخص مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کی بنیادوں میں بکرا ذبح کر کے اس کا خون ڈالتا ہے اور گوشت احباب و فقراء میں تقسیم کرتا ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عمل ناجائز ہے، یہ ہندوؤں اور بت پرستوں کا عقیدہ اور شعار ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

ثواب کا ہبہ اور اس کا قبول کرنا:

سوال: قرآن خوانی کی رسم میں اگر سب لوگ ثواب بخشنے کا طریقہ نہ جانتے ہوں تو اس کی مقدار بتا کر کسی شخص کی ملک کرنا اور اس کا قبول کرنا کیسا ہے؟ اس میں ترتیب و مقدار معلوم ہو جانے کی خوبی بھی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ایجاب و قبول خلاف شرع و عبث ہے، بلکہ اس طرح اجتماعی خوانی کا کوئی ثبوت نہیں، یہ بدعت ہے، ایصال ثواب کے لئے صرف نیت کافی ہے، جو ہر شخص کر سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

حاجی کی پیشانی کا بوسہ لینا:

سوال: جب کوئی حج کر کے واپس آئے تو تبرک حاصل کرنے یا حاجی کے اعزاز کی خاطر اس کی پیشانی کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رسم بن جانے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۹ رجب ۱۳۹۹ھ

عیادت کے موقع پر کھانا پینا:

سوال: ہمارے ہاں کسی مریض کی تیمارداری کے موقع پر یہ رواج ہے کہ بیمار پر سی

کے لئے آنے والوں کو چائے وغیرہ پلائی جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ دستور غلط اور قابل اصلاح ہے، آپ اپنی رائے تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عبادت کے موقع پر زیادہ دیر بیٹھنا ویسے ہی خلاف سنت ہے، پھر جبکہ مریض کے اہل خانہ پر بیمار کے علاج کے مصارف، اوقات کار کا حرج اور تیمارداری کی محنت کا بوجھ بھی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں ان سے چائے وغیرہ وصول کر کے ان کی محنت اور مصارف میں اضافہ کرنا عقلاً و شرعاً سخت قبیح اور انتہائی بے شرمی کی بات ہے۔

نیز بسا اوقات اہل خانہ رواج سے مجبور ہو کر اور مردت میں کھلاتے پلاتے ہیں، دل سے راضی نہیں ہوتے، چنانچہ نادار مساکین بھی اس رسم کے تحت کچھ نہ کچھ کھلانے پلانے پر مجبور ہوتے ہیں، اس صورت میں "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ" کی وجہ سے یہ کھانا پینا حرام ہے۔

اگر کوئی صاحب حیثیت طبیب خاطر سے کھلائے پلائے تو اگرچہ فی نفسہ یہ جائز ہے مگر اس میں بھی یہ قبائح ہیں:

(۱) طریق مسنون کے خلاف ہے، کما ذکرنا۔

(۲) اس رسم کی تائید ہوتی ہے جو مساکین کے لئے بلائے جان ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ سوال ۱۴۱ھ

دیوالی کی مٹھائی کھانا:

سوال: ہندوؤں کے تہوار دیوالی کی مٹھائی کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ہندوؤں کے تہوار کی مٹھائی کھانا شمسی سال کی ابتداء کی خوشی میں مٹھائی کھانے سے اہون معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کرسمس (ابتداء سال کی خوشی) میں یہود و نصاریٰ کے غلط نظریہ یعنی قتل عیسیٰ علیہ السلام کی تائید و ترویج ہے جبکہ دیوالی کی بنیاد کسی غلط نظریہ پر نہیں، بسال میں قمر کے کسی خاص مقام پر پہنچنے پر یہ رسم ادا کی جاتی ہے، اس لئے اس کے کھانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

یہ حکم ابتلاء اور ضرورت کی صورت میں ہے، عام حالات میں کفار سے اس قسم کے

تعلقات رکھنا کہ ایک دوسرے کی خوشی غمی کے مواقع میں شرکت کی ذمت آئے، دین کے لئے سخت مضر ہونے کے علاوہ غیرت ایمانیہ کے بھی خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
۶ ذی القعدة ۱۴۱۶ھ

مروج قرآن خوانی کا حکم:

سوال: آج کل جو قرآن خوانی کا رواج عام ہو چکا ہے مثلاً نیا گھر لیا جائے تو قرآن خوانی کی جاتی ہے۔ دکان کا افتتاح ہو تو قرآن خوانی کی جاتی ہے، کسی کا چہلم ہو تو قرآن خوانی یا پھر سوئم ہو تو قرآن خوانی تاکہ مرنے والے کو ثواب پہنچے اور بعض دفعہ تو اس کا اعلان تو اخبار میں بھی کیا جاتا ہے اور لوگ دور دور سے صرف قرآن خوانی کے لئے آتے ہیں اور جاتے ہیں تو فرمائیے یہ قرآن خوانی کا عمل کیسا ہے، اس کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث کی رد سے ملتا ہے؟ یا پھر بے اصل بدعت ہے؟ اس میں ہمارے دوست احباب یا خاندان کے لوگ شرکت کریں یا نہیں؟ کیا ہم اس عمل میں خود شریک ہو کر گناہ کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ بینوا تو جرو۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① قال الامام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: حدثنا قتیبہ ثنا جریر عن منصور عن مجاہد قال دخلت انا وعروة بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما المسجد فاذا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جالس الى حجرة عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا واذا اناس يصلون في المسجد صلوة الضحی قال فسالناہ عن صلاتهم فقال بدعة الخ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۸۸)

② وقال الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ: حدثنا اسحاق بن ابراہیم اخبرنا جریر عن منصور عن مجاہد قال: دخلت انا وعروة بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما المسجد فاذا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جالس الى حجرة عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا والناس يصلون الضحی في المسجد فسالناہ عن صلوٰتہم فقال بدعة الخ (صحیح مسلم ج ۹ ص ۲۸۹)

(۳) وقال الشيخ محي الدين ابو زكريا يحيى بن شرف النووي رحمه الله تعالى: (قوله انهم سألوا ابن عمر رضي الله تعالى عنهما عن صلوة الذين كانوا يسألون الضمى في المسجد فقال بدعت) هذا قد حمله النفاذى وغيره على ان مراده ان اظهارها في المسجد والاجتماع لها هو البدعة، لان اصل صلوة الضمى بدعة وقد سبقت المسألة في كتاب الصلوة (شرح النودى على صحيح مسلم صفحه مندرجه بالهـ)

(۴) وقال الامام محمد بن محمد بن شهاب المعرف بابن البراء الكردى الحنفى رحمه الله تعالى: وقد صح عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنهما انه سمع نوايا اجتماعوا في مسجد يهللون ويصلون عليه عليه الصلوة والسلام جهرا فراح اليهم فقال ما عهدنا ذلك على عهدك عليه السلام وما اراكم الامتدعين فما زال يذكر ذلك حتى اخرجهم عن المسجد. (بزازية بهامش الهندية ج ۶)

(۵) وقال في موضع آخر: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره. (بزازية بهامش الهندية ص ۴۵ ج ۴)

(۶) وقال الفقيه المخدوم محمد جعفر بن العلامة عبد الكريم البوبكاني السندى رحمه الله تعالى: في الصيرفية، قراءة القرآن لاجل المهمات والبأس مكروه، (وبعد صفحة) يكره للقوم ان يقرأ القرآن جملة تضمنها ترك الاستماع والانصات للمأمور بهما (فك) لا بأس به في التارخانية من المحيط من المشايخ من قال: ان ختم القرآن بالجماعة جهرا ويسمى بالفارسية "سپاره خواندن" مكروه، (الى قوله) في عين العلم ولا يختم في اقل من ثلاثة ايام (وبعد صفحة) في مفيد المستفيد من النصاب قراءة القرآن في المجالس يكره لانه يقرأ طمعا في الدنيا وكن لك في الاسواق وكذلك على رأس القبر قيل: ولو قرأ ولا يسأل والناس اعطوه من غير

سؤال قال يكره ايضا لانه اذ المر يقصد السؤال لم لا يجلس في بيته ويقرأ القرآن (المتانة في الرمة عن الخزانة ص ٢٣٢ و ٢٣٣ و ٢٣٤)

(٤) وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (تتمة) اشار بقوله فرادى الى ما ذكره بعد في متنه من قوله ويكره الاجتماع على احياء ليلة من هذه الليالي في المساجد وتمامه في شرحه، وصرح بكراهة ذلك في المحاوى القدسي قال: وما روى من الصلوات في هذه الاوقات يصلى فرادى غير التراويح.

قال في البحر: ومن هنا يعلم كراهة الاجتماع على صلاة الرغائب التي تفعل في رجب في اول جمعة منه وانها بدعة، وما يحتال له اهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والكراهة باطل اهـ

قلت: وصرح بذلك في البزازية كما سيذكره الشارح آخر الباب، وقد بسط الكلام عليه شارحا المنية، وصرح بان ما روى فيها باطل موضوع، وبسط الكلام فيها خصوصا في الحلية، وللعلامة نور الدين المقدسي فيها تصنيف حسن سماه "ردع الراغب عن صلاة الرغائب" احاط فيها بغالب كلام المتقدمين والمتأخرين من علماء المذاهب الاربعة (رد المختار ص ٢٢ ج ٢)

(٨) وقال في موضع آخر:

وقال ايضا: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور ولا في الشرور وهي بدعة مستبقة، وروى الامام احمد وابن ماجه باسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال "كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة" اهـ وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للنختم او لقراءة سورة الانعام والاخلاص.

والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره،

وفيهما من كتاب الاستحسان : وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا ه
وا طال في ذلك في المعراج وقال : وهذه الافعال كلها للمسعة والرياء
فيحترق عنها لا تهم لا يريدون بها وجه الله تعالى اه (رد المحتار ص ۲ ج ۲)
⑨ وقال في موضع آخر :

وقد اطنب في رده صاحب تبیین المحارم مستندا الى القول الصريح
فمن جملة كلامه قال تاج الشريعة في شرح الهداية : ان القران بالاجرة
لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى ، وقال العيني في شرح الهداية : ويمنع
القارئ للدنيا ، ولاخذ والمعطى الثمان .

فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لا يجوز ،
لان فيه الامر بالقراءة واعطاء الثواب للأمر والقراءة لاجل المال ، فاذا
لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فاين يصل الثواب الى المستأجر
ولولا الاجرة ما قرأ احد لاحد في هذا الزمان بل جعلوا القران العظيم
مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا ، انا لله وانا اليه راجعون (وبعد اسطر) كما
صرح به في التارخانية حيث قال : لا معنى لهذه الوصية ولصلة القارى
بقراءته ، لان هذا بمنزلة الاجرة ، والاجارة في ذلك باطلة وهى بدعة ولم
يفعلها احد من الخلفاء الخ (رد المحتار ص ۵ ج ۶)

⑩ وقال ايضا :

ونقل العلامة الخلق في حاشية المنتهى الحنبلى عن شيخ الاسلام
تقى الدين ما نصه : ولا يصح الاستئجار على القراءة واهدائها الى الميت
لانه لم ينقل عن احد من الائمة الاذن في ذلك وقد قال العلماء : ان
القارئ اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فای شيء يهديه الى الميت
وانما يصل الى الميت العمل الصالح ، والاستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به احد
من الائمة . (وبعد اسطر) وحينئذ فقد ظهر لك بطلان ما اكب عليه
اهل العصر من الوصية بالختمات والتهاليل مع قطع النظر عما يحصل
فيها من المنكرات التى لا ينكرها الا من طمست بصيرته ، وقد جمعت

فیہا رسالۃ سہیتھا "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختات والتمہایل (رد المحتار ص ۵ ج ۶)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ مردج قرآن خوانی بدعت اور ناجائز ہے۔ قرآن و حدیث اور قرون مشہود لہا بالآخر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اس میں شریک ہونا جائز نہیں۔ مزید برآں مردج قرآن خوانی میں بے شمار خرابیاں ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) اعلان اور زبردستی دجبر کر کے اس میں لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کو تداعی کہا جاتا ہے جو کہ عبادات نافلہ میں ممنوع ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے کچھ لوگ مسجد میں صلوۃ الضعی جماعت کی حالت میں پڑھ رہے تھے، جب آپ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس عمل کو بدعت قرار دیا۔ حالانکہ صلوۃ الضعی افراد پڑھنا ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک قوم کے بارے میں سنا کہ وہ اجتماعی حالت میں جہراً تہلیل اور درود شریف پڑھ رہے ہیں تو آپ نے ان کو بدعتی قرار دے کر مسجد سے نکال دیا حالانکہ افراد تسبیح و تہلیل اور درود شریف پڑھنا باعث اجر و ثواب ہے۔

(۲) بلانے کے بعد اگر کچھ لوگ قرآن خوانی میں حاضر نہ ہوں تو ان کو طرح طرح سے ملامت کی جاتی ہے حالانکہ امر مستحب کے ترک پر ملامت جائز نہیں۔

(۳) حاضر نہ ہونے والوں سے بغض و نفرت اور کدورت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

(۴) قرآن خوانی کرانے والے جم غفیر کے جانہ ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

(۵) مردج قرآن خوانی کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن خوانی نہ

کرائے یا اس میں کم لوگ حاضر ہوں تو ان کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔

(۶) پورے قرآن کے ختم کو ضروری سمجھا جاتا ہے جبکہ شریعت میں برکت اور

ایصال ثواب کے لئے کوئی مقدار معین نہیں بلکہ تلاوت قرآن کے سوا ذکر و اذکار، تسبیحات، نوافل اور صدقات وغیرہ دوسرے طریقوں سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

(۷) اگر پڑھنے والے کم جمع ہوں تو پورے قرآن کے ختم کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں

اور زہر کا گھونٹ سمجھا کسی طریقے سے گلے سے اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ حدیث میں ارشاد ہے:

”اقرو القرآن ما اختلفت علیہ قلوبکم فاذا اختلفتم فقوموا عنہ“

(صحیح بخاری ص ۴۷ ج ۲)

یعنی اس وقت تک قرآن پڑھو جب تک دل نہ اکتائے۔

(۸) ایسی صورت میں تجوید کے قواعد، حروف و صفات کی صحیح ادائیگی، غنہ، اخفاء، انہار اور مدات وغیرہ کی رعایت کئے بغیر الفاظ و حروف کو کاٹ کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۹) مروج قرآن خوانی میں بعض وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو قرآن پڑھے ہوئے نہیں ہوتے تو وہ کوئی پارہ اٹھا کر ہر سطر پر بسم اللہ پڑھ کر یا محض انگلی پھیر کر پارہ رکھ دیتے ہیں۔ اس کو ”انگلی اور بسم اللہ ختم“ کہا جاتا ہے جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ اس میں قرآن کریم کی توہین ہے۔

(۱۰) ختم کے آخر تک بیٹھنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے، لہذا کوئی شخص اپنا پارہ ختم کر کے شدید تقاضے کے باوجود اٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ اسکو نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے۔

(۱۱) بعض لوگوں کو سجدہ تلاوت کا علم نہیں ہوتا تو وہ سجدوں کی آیات پڑھ اور سکر سجدہ تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے ثواب کی بجائے ترک واجب کا گناہ اپنے سر لیتے ہیں۔

(۱۲) بعض مقامات پر قرآن خوانی کرانے والے سب لوگوں کی طرف سے چودہ سجدے ادا کر لیتے ہیں۔ اس سے ان کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا اور خلاف شرع سجدے کرنے والے گنہگار ہوتے ہیں۔

(۱۳) مروج قرآن خوانی کے موقع پر دعوت یا شیرینی کا بند و بست بھی کیا جاتا ہے ”المعروف کا ملش و ط“ کے قاعدے سے یہ پڑھنے والوں کی اجرت ہے اور قرآن پڑھنے کی اجرت دینے اور لینے والے دونوں گنہگار ہیں تو اس پر ثواب کی کیا توقع ہے اور جب پڑھنے والوں کو خود ثواب نہیں ملتا تو وہ میت کے لئے ایصال ثواب کیسے کر سکتے ہیں؟

(۱۲) دعوت یا نیر-خی کو اتنا لازم کر رکھا ہے کہ اس کا انتظام نہ کرنے والے پر لعن و تشنیع کی بھرا رہوتی ہے۔

(۱۵) مروج قرآن خوانی کے لئے سوئم، چہلم وغیرہ خاص دن کی تعیین کی جاتی ہے، اور غیر معین عبادت میں اپنی طرف سے تعیین کردہ، نا جائز بلکہ بدعت سے۔

(۱۶) حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کنا بعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من الذیاحة ”ہم میت کے گھر والوں کے ہاں جمع ہونے اور ان کے طعام تیار کرنے کو ”نوحہ“ سمجھتے تھے“ اور نوحہ حرام ہے۔

(۱۷) مروج قرآن خوانی میں شرکت کرنے والوں اور کرانے والوں دونوں کی نیت نمائش اور دکھلاوے کی ہوتی ہے۔ ریاکاری سے انسان کا بڑے سے بڑا عمل بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ریاکاری سے نیک عمل ایسا تباہ ہو جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا عمل مردود ہو جاتا ہے۔

سو جو عمل اللہ کے لئے کرنا تھا اور برکت و ثواب پہنچانا مقصود تھا ریاکاری سے سارے عمل کو آگ لگا دی۔ ثواب تو کیا ملا؟ الٹا ریاکاری کا عذاب سر پہ آگیا۔

یہ تمام خرابیاں شریعت و سنت کے طریقے سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔ اس کے برعکس اگر شریعت کا طریقہ اختیار کیا جاتا تو راحت ہوتی اس قدر رحمت اور تکالیف کی مشقت برداشت نہ کرنی پڑتی، اخلاص و للہیت ہوتی جس کی بدولت پڑھنے والوں کا بھی نفع ہوتا اور میت کا بھی اور ریا و نمود کا عظیم گناہ بھی سر پہ نہ آتا۔
ایصال ثواب کا صحیح طریقہ :

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ لسانی و جسمانی عبادات میں سے ہر شخص اپنے گھر میں انفرادی طور پر جو نیک عمل اپنے لئے کرتا ہے، نفل نماز پڑھتا ہے، نفل روزے رکھتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، نفل حج یا عمرہ کرتا ہے، طواف کرتا ہے، اس میں صرف یہ نیت کر لے کہ اس کا ثواب ہمارے فلاں عزیز یا دوست کو پہنچے، وہ پہنچ جائے گا اور بس یہی ایصال ثواب ہے، وہ ثواب جو آپ کو ملنا تھا، آپ کو بھی ملے گا۔

اور جن دوسرے لوگوں کی نیت کی ہے ان سب کو بھی پورا ثواب ملے گا۔
 مالی صدقہ و خیرات کرنے کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق
 نقد رقم کسی کار خیر میں لگا دے یا کسی مسکین کو دیدے۔
 یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مسکین اپنی ہر حاجت پوری کر سکے گا اور
 اگر آج اسے کوئی ضرورت نہیں تو کل کی ضرورت کے لئے رکھ سکتا ہے، نیز یہ سورت زیاد
 نمود سے پاک ہے۔ حدیث میں مخفی صدقہ دینے والے کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ
 ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے جبکہ
 اور کوئی سایہ نہ ہوگا اور تمازت کے سبب لوگ پسینوں میں غرق ہو رہے ہوں گے۔
 تفصیلت کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر یہ صورت ہے کہ مسکین کی حاجت کے
 مطابق اسے صدقہ دیا جائے یعنی اس کی حاجت کو دیکھ کر اسے پورا کیا جائے۔
 مکان و دکان میں برکت کے لئے بھی مالک بذات خود مندرجہ بالا صورت اختیار
 کرے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

(مروج قرآن خوانی کا بیان جلد سابع کتاب الاجارہ میں بھی ہے)



متفرقات المحفل الایامیہ

ایک بستر پر دو آدمیوں کا سونا:

سوال: فراش واحد پر دو شخصوں کا سونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز لمبی چٹائی اور بڑا پلنگ فراش واحد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ بیہوا تو جہاں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دس سال یا اس سے زیادہ عمر کے دو شخصوں کو خواہ دونوں مرد ہوں یا دونوں عورتیں یا ایک مرد اور ایک عورت فراش واحد پر سونا جائز نہیں، خواہ ایک شخص ایک جانب ہو اور دوسرا دوسری جانب جبکہ ان کے درمیان کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو، اگر حائل ہو تو اکٹھے سونا مکروہ تنزیہی ہے۔

البتہ لڑکا اپنے والد کے ساتھ اور لڑکی اپنی والدہ کے ساتھ سو سکتی ہے۔ لمبی چٹائی اور بڑا پلنگ فراش واحد کے حکم میں نہیں۔ ہاں اتنے مل کر سونا کہ دیکھنے والے کو فراش واحد پر سونا معلوم ہو، جائز نہیں۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا يجوز للرجل مضاجعة الرجل وان كان كل واحد منهما في جانب من الفراش قال عليه الصلوة والسلام لا يفضي الرجل الى الرجل في ثوب واحد ولا تقضي المرأة الى المرأة في الثوب الواحد و اذا بلغ الصبي او الصبية عشر سنين يحجب التفريق بينهما بين اخيه و اخته و امه و ابيه في المضجع لقوله عليه الصلوة والسلام و فرقوا بينهم في المضاجع و هم ابناء عشر و في الذنف اذا بلغوا ستا كذا في المجتبى و فيه الغلام اذا بلغ حد الشهوة كالغفل۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله مضاجعة الرجل) ای فی ثوب واحد لا حاجز بينهما و هو المفهوم من الحديث الا في و به فسر الاتفاق في المحكمة على خلاف ما مر عن الهداية و هل المراد ان يلتقي في ثوب واحد او يكون احدهما في ثوب دون الآخر و الظاهر الاول يؤيده

ما نقله عن جمع البحار المحمدي، دين وان كان بينهما حائل فيكرة تنزيهاه تأمل۔
 (قوله بين اخيه وابنته الخ) قال في الشريعة ويفرق بين الصبيان في المصاحح
 اذا بلغوا عشر سنين (الى قوله) فان ذلك داعية الى الفتنة ولو بعد حين اه
 وفي البنزاري اذا بلغ الصبي عشر الايام مع امه واخته وامرأة الابا امراته
 او جاريته اه فاما ان التصريق بينهما عند النوم خوفا من الوقوع في المحذور (الى قوله)
 بخلاف ما اذا كان نائما وحده او مع ابيه وحده او البنت مع امها وحدها۔
 (رد المحتار ج ۲ ص ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۲، صفر ۱۲۸۶ھ

مقروض کے مال سے خفیہ اپنا حق وصول کرنا:

یہ مسئلہ احسن الفتاویٰ ص ۱۷۱ ج ۱، باب القرض والدین میں بعنوان "قرض وصول کرنے
 کی تدبیر" گزر چکا ہے۔

حج کی فلم دیکھنا حرام ہے :

سوال: آج کل کراچی، حیدرآباد اور سکھر کے سینما ہالوں میں حج کی فلم دکھائی
 جاتی ہے، دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس فلم میں کوئی غیر شرعی فعل، مزامیر، رقص، عریان
 تصاویر اور گانے وغیرہ بالکل نہیں ہیں، صرف حجاج کرام کا بندرگاہ جدہ پر اترنے سے لے کر
 پھر سوار ہونے تک حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ طیبہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً کی کارگزاری
 دکھائی جاتی ہے، یعنی طواف سعی صفا و مروہ، استلام حجر اسود، رمی جمار، وقوف عرفہ کے
 مناظر اور دیگر عبادات کی جیسی جاگتی تصاویر دکھائی جاتی ہیں۔ ایک مولانا صاحب اور ایک
 قاری صاحب ساتھ ساتھ حج سے متعلق بیان کرتے رہتے ہیں اور تلاوت بھی ہوتی رہتی ہے۔
 دریافت طلب یہ ہے کہ مناسک حج جو شعائر اسلام ہیں ان کو فلم کرنا اور سینما
 میں دیکھنا دکھانا کیسا ہے؟ جواز یا عدم جواز جو بھی حکم ہو اس کے اسباب و علل تحریر
 فرما کر ممنون فرمائیں۔

اگر کوئی شخص باعقداً حصول ثواب یہ فلم دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ تعریف یعنی نقل و قوف عرفہ بدعت ہے حالانکہ وہاں دوسرے منکرات نہیں ہوتے۔ فلم میں تو کئی منکرات ہیں اس لئے یہ بطریق اولیٰ ناجائز ہوگی۔ اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

① فلم کا آلہ لہو و لعب ہونا ظاہر ہے اور آلات لہو کو مقاصد دنیہ میں استعمال کرنا دین کی سخت اہانت اور استخفاف ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اتخذوا دینہم لہوا ولعبا الا یہ۔

② اکثر افعال حج تعبدی غیر مدرک بالقیاس ہیں، جنہیں مخالفین اسلام بھی دیکھتے ہیں، ان افعال کو دیکھ کر وہ اسلام کا مذاق اڑائیں گے اور فلم بنانے والے اس کا سبب بنیں گے۔

③ اس میں تصاویر کا استعمال اور ان سے تلذذ ہوتا ہے اور اس کے قبیح میں کسی کو کلام نہیں، گو عابدین ہی کی تصاویر ہوں۔

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی جو تاشیل بنا کر بیت اللہ میں رکھی گئی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا تھا وہ معلوم ہے۔

④ اس سے اہل ہوی اس رسم کے جواز پر استدلال کریں گے جو کچھ عرصہ قبل ایجاد ہوئی ہے کہ ایک خاص علاقہ میں جمع ہو کر حج کی نقل کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ابتداء حج کی ترغیب اور تشویق کی نیت ہو مگر اب اس کو اچھا خاصا حج سمجھا جانے لگا ہے، جس کے مفاسد پر سب کا اتفاق ہے۔ اہل ہوی کے سامنے دونوں رسموں کے درمیان کیا فسرق بیان کیا جائے گا؟

⑤ نیز فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حارس کے لئے بغرض ایقاظ رفع الصوت بالتملیل کو معصیت قرار دیا ہے حالانکہ طاعت و مباح میں اتنا بعد نہیں جتنا کہ طاعت اور معصیت میں ہے۔

⑥ معصیت یعنی فلم کو ترغیب حج کا ذریعہ بنانے میں سب سے بڑھکر شناعیت یہ ہے کہ اس میں صالحین کی اہانت ہے، درحقیقت یہ اسلام کی اہانت ہے جس کا تحمل طبعاً دشرفاً کسی طرح ممکن نہیں۔

جب اس عمل میں اباحت ہی نہیں تو اعتقاد ثواب قریب کفر ہوگا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ

”محمد نام تبدیل کرنا:

سوال: خالد کی بیوی حاملہ تھی، اس نے حمل کو لڑکا تصور کر کے ”محمد“ نام رکھ دیا، اللہ کے فضل و کرم سے لڑکا ہی پیدا ہوا، اب اگر ”محمد احمد“ یا ”محمد عبدالرحمن“ یا کوئی دوسرا نام رکھ دیا جائے تو کچھ ررج تو نہیں؟ گناہ تو نہ ہوگا؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بچہ پیدا ہونے کے بعد کوئی دوسرا نام رکھنا یا ”محمد“ کے ساتھ کچھ اور ملا دینا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر بہتر نہیں، ایسے محبوب نام کو تبدیل کرنا باعث حرمان ہے، مسلمان کی طبیعت اسے کیسے گوارا کر سکتی ہے؟ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ ذی القعدة ۱۲۸۶ھ

”عبدالرسول“ یا ”غلام غوث“ نام رکھنا:

سوال: اس قسم کے نام رکھنے کا کیا حکم ہے:

غلام غوث، غلام احمد، غلام مصطفیٰ، عبدالرسول، عبدالنبی، عبدالمعلیٰ وغیرہ۔ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غلام غوث اور غلام احمد وغیرہ نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں، عبدالرسول وغیرہ ایسے نام رکھنا جس میں عبد کی اصناف غیر اللہ کی طرف کی گئی ہو موصوم شرک ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، البتہ ایسے شخص کو مشرک نہیں کہا جائے گا کیونکہ عبد سے خادم اور مطیع مراد لیا جاسکتا ہے۔

قال الملاء علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یجوز نحو عبد الحارث

ولا عبد النبی ولا عبرة بہا شاع فیما بین الناس (المراقبة ص ۹ ج ۹)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یسمیہ حکما ولا

ابا الحکم ولا ابا عیسیٰ ولا عبد فلان (الی ان قال) اقول ویؤخذ من قوله ولا

عبد فلان منع التسمیة بعبد النبی ونقل المناوی عن الدمیری انه قيل

بالجواز بقصد التشريف بالنسبة والاكثر على المنع خشية اعتقاد حقيقة
العبودية كما لا يجوز عبد الداراه (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ

نام بدلنا یا متعدد نام رکھنا:

سوال: کیا نام تبدیل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس وجہ سے کہ پہلا نام معنی کے
محاط سے اچھا نہ تھا یا بے معنی تھا یا دوسرا نام پسند آگیا نیز کیا ایک شخص کے ایک سے زیادہ
نام رکھے جاسکتے ہیں؟ بینوا توجسرا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یرے نام کو اچھے نام سے بدل دینا ضروری ہے، بلا ضرورت نام بدلنے اور متعدد
نام رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت بحث ما تجوز التسمیة
بہ من الاسماء وما لا تجوز: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغیر الاسم القبیح
الی الحسن جاءہ رجل یسمی اصرم فسماہ زرعۃ (رد المحتار ج ۵)
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۹ صفر ۱۲۹۲ھ

غیر قریشی کا قریشی کہلانا:

سوال: غیر قریشی کا اپنے کو قریشی کہلانا کیسا ہے؟ ہماری برادری شیخ، قصاب
یا نصائی مشہور و معروف ہے، کچھ لڑکے بی اے پڑھ گئے ہیں، انہوں نے اپنے کو قریشی
کہنا شروع کر دیا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجسرا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر قریشی کا قریشی کہلانا یا کسی خاندان سے تعلق رکھنے والے کے لئے اپنے کو
دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنا حرام اور سخت گناہ ہے، اس پر شدید
وعید آئی ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص و ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادعی الی غیرابیہ و هو یعلم فالجنة علیہ

حرام متفق علیہ۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ترغبوا عن ابائکم فمن رغب عن ابيه فقد کفر متفق علیہ۔
(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۱۷) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ شعبان ۱۴۱۹ھ

عبدالرحمن یا عبدالرحیم نام رکھنا:

سوال: عبدالرحمن یا عبدالرحیم جیسے اسماء سے مضاف حذف کر کے حرف رحمن یا رحیم پکارنے کا عام دستور ہو گیا ہے کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ ایسے اسماء میں مضاف محذوف معنوی ہوتا ہے اس لئے جائز تو ہے مگر کراہت سے خالی نہیں بالخصوص ان اسماء میں جو صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں جیسے غفار، رحمن وغیرہ، ان میں حذف مضاف زیادہ قبیح ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

پتنگ اڑانا جائز نہیں:

سوال: کیا پتنگ اڑانا جائز ہے؟ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پتنگ اڑانا جائز نہیں، اس میں مندرجہ ذیل مفسد ہیں:

① کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سأى رجلاً يتبع حمامة فقال شيطان يتبع شيطانة (ابوداؤد سنن ج ۲ ص ۲۱۷)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دنیویہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی

میں بھی پایا جاتا ہے، لہذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

② مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہو جانا، شراب اور جوئے کے حرام

ہونے کی اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی ہے، دیصد کہ عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ۔

③ پتنگ اکثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہو کر اڑائے جاتے ہیں جس سے آس پاس

والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

(۴) بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پھپھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گر جاتے ہیں، چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو۔

(۵) بے جا مال صرف کرنا تبذیر اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ معصیت میں تسابق و تفاخر ہے جو حرام ہے اور اس پر کفر کا خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۱ محرم ۱۳۸۸ھ

تعدیہ مرض کی تحقیق:

سوال: کسی علاقہ یا شہر میں کوئی وبا پھیل جائے تو وہاں سے دوسرے شہر یا محلہ کی طرف منتقل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جانوروں میں کوئی وبا آجائے تو تندرست جانوروں کو الگ کرنا کیسا ہے؟ بینوا تو جس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض احادیث سے عدوی کی نفی ہوتی ہے اور بعض سے ثبوت ملتا ہے۔ صورت تطبیق یہ ہے کہ احادیث نفی میں وہ عدوی مراد ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے اور اب بھی اس کے معتقدین موجود ہیں۔ یعنی یہ اعتقاد کہ بعض امراض میں یہ خاصیت طبعی اور لازمی ہے کبھی تخلف ہو ہی نہیں سکتا۔ اس اعتقاد کی نفی نص لا عدوی ولا طیرۃ کے علاوہ مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے، مثلاً کسی مقام پر طاعون پھیلنا ہے تو اموات کی تعداد محفوظین کی تعداد سے بہت کم ہوتی ہے۔ اگر تعدیہ ضروری ہوتا تو اس کا عکس ہوتا بلکہ کوئی بھی نہ بچتا۔

اور جن احادیث میں پرہیز کا حکم ہے وہ بدرجہ سبب ہے مگر اس سبب کی حیثیت اسباب ظاہرہ سے کم ہے، اس لئے پرہیز ضروری نہیں۔ فرمن المجدوم فرارک من لاسد کا حکم ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے ہے کہ ان کو اگر بمشیت الہیہ بیماری لگ گئی تو وہ لا عدوی

دلائل پر جیسی احادیث کا انکار کر بیٹھیں گے جس میں ان کے سبب ایمان کا خطر ہے
 اگر فرار من الوارد سے چونکہ حدیث میں صراحت منع کیا گیا ہے اس لئے ایک شہر چھوڑ کر
 دوسرے شہر یا اجائز نہیں، البتہ ایک محلہ سے دوسرے محلہ یا ایک مکان سے دوسرے مکان
 میں جانا جائز ہے۔

اسی طرح مواشی کو بدرجہ سبب الگ کرنا جائز ہے، اعتقاد لزوم جائز نہیں۔
 واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

طلب معاش کے لئے بدون اذن والدین سفر کرنا:

سوال: والدین اور بیوی کی اجازت کے بغیر روزگار کے لئے کسی دور شہر کا سفر کرنا
 کیسا ہے؟ جبکہ اس شہر میں روزگار نہ ملتا ہو۔ بیدنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر سفر کی وجہ سے والدین یا بیوی بچوں کے منیاع کا خوف ہو یعنی وہ خود غنی نہ ہوں
 یا ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں سفر نہ کرے اور اگر اپنے شہر میں روزگار
 کا کوئی انتظام نہ ہو سکتا ہو تو ان کے لئے نفقہ اور حفاظت کا معقول انتظام کر کے سفر کر سکتے
 ہیں، البتہ اگر سفر ایسا پرخطر ہے کہ ہلاکت کا ظن غالب ہے تو بہر صورت والدین کی اجازت
 کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة المحضی رحمہ اللہ تعالیٰ: و لہ الخرج لطلب العلم الشرعی
 بلا اذن والدیہ لو ملتیہما و تسامہ فی الدرر۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله و لہ الخرج لطلب العلم الشرعی)
 ای ان لم یخف علی والدیہ الضیعة بأن کاناموسرین دلم تکن نفقتہما
 علیہ فی الخنیة و لو اراد الخرج الی الحج و کرھا ذلک قالوا ان استغنی
 الاب عن خدمتہ فلا بأس و الا فلا یسعد الخرج فان احتاجا الی النفقة
 ولا یقدرا ان یخلف لہما نفقة کاملہ او امکنہ الا ان الغالب علی الطريق
 الخوف فلا یخرج و لو الغالب السلامة یمخرج و فی بعض الرایات لا یخرج
 الی الجہاد الا باذنہا و لو اذن احدہما فقط لا ینبغی لہ الخرج لان مراعاة حقہما

فرض عين رالجهاد فرض كفایة (الی ان قال: لونی سفر تجارة ارجح لا بأس به بلا اذن الابوين انما نیا عن سد سته ولو خرج المتسام وضم نیالا برأعی حق العبال اه (رد المحتار ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۷۹ جمادی الثانیہ ش ۱۰

بصورت استغناء والدین بلا اجازت سفر جائز ہے :

سوال : ایک شخص کی والدہ انتہائی ضعیف ہے ، ان کی خدمت بہترین طریقہ سے ہو رہی ہے ، ان کے صاحبزادے کی ان کو کوئی ضرورت نہیں ، صاحبزادہ ایک دو سال کے سفر کے لئے جا چاہتا ہے ، والدہ اجازت تو دے رہی ہے مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے صاحبزادہ کے فراق کا کافی صدمہ ہوگا۔ ایسی صورت میں سفر پر جانے سے صاحبزادہ گناہ گار تو نہیں ہوگا ؟ بینوا تو جبردا۔

الجواب باسم ملہ صواب

اگر کسی ذیوی یا دینی حاجت کے لئے سفر کر رہا ہے تو جائز ہے یا کہ بوقت استغناء والدین ان کی اجازت کے بغیر بھی سفر کرنا جائز ہے بشرطیکہ راستہ پر خطر نہ ہو۔ استغناء کا مطلب یہ ہے کہ زنا بیٹے کی جسمانی خدمت یا مالی تعاون کے محتاج نہ ہوں۔ طبعی صدمہ تو بہر حال ہوتا ہی ہے۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ : ولما اخرج لطلب العلم الشرعی

بلا اذن والہ یم۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (ولو اخرج) ای ان

لم یخف علی والدیه الضیعة بأن کانا موسرین ولم تکن نفقهما علیہ فی الخانیة ولو اراء الخروج ای الحج ذکرها ذلك قالوا ان استغنی الاب عن خدمته فلا بأس والا فلا یسعد الخروج فان احتاجا الی النفقة ولا یقدر ان یخلف لهما نفقة کما ملتا او امکنہ الا ان الغالب علی الطریق الخوف فلا یمخرج رلو الغالب السلامة یمخرج (الی ان قال) ولو اذن الابوان لا یلتفت الی غیرہما ہذا فی سفر الجہاد فلو فی سفر تجارة ارجح لا بأس بہ بلا اذن الابوين ان استغنی عن خدمته اذ لیس فیہ ابطال حقہما الا اذا کان

الطریق مخوفاً کالبحر فلا یخرج بلا اذ نھا وان استغنی عن خدمتہ
(ردالمحتار ص ۲۶ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۹ شعبان ۱۳۳۸ھ

بدون اجازت والدین دوسری جگہ تدریس کرنا:

سوال: ایک شخص والدین کی رضائے خلاف کسی دوسری جگہ تدریس کرتا ہے
والدین کا اصرار ہے کہ وہ وہاں سے چھوڑ کر قریب کسی جگہ تدریس کرے، تو کیا اس
حالت میں از روئے شرع اس شخص کے لئے اس جگہ تدریس کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دور حاضر قحط الرجال کا دور ہے، مدارس دینیہ و جامعات اسلامیہ میں علم و عمل
کے لحاظ سے ماحول اس قدر ابتر ہو چکا ہے کہ ہر سال ہر جامعہ سے سینکڑوں فارغ ہونے
والوں میں گنتی کے چند افراد علم و عمل کے اعتبار سے باصلاح ہوتے ہیں۔

راسخ فی العلم اور محقق علماء ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہوتے چلے جا رہے
ہیں، ان اکابر علماء کا منصب سنبھالنے کسی حد تک ان کی جانشینی کا حق ادا کرنے، اشاعتِ
علم اور حفاظتِ دین کا فریضہ ادا کرنے اور اکابر کے خون پسینے سے سینچے ہوئے اس
باغیچہ کو سرسبز و شاداب رکھنے کی امید اگر کی جاسکتی ہے تو ان ہی معدود باصلاحیت
نوجوانوں سے کی جاسکتی ہے۔

دوسری طرف والدین اور اعزہ و اقارب کے دین سے حد درجہ دور اور حب دنیا
میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حال یہ ہے کہ وہ کسی قیمت پر علم سے بہرہ مند ادا کو کسی بہتر
ادارے میں اطمینان سے کام کرنے کی بخوشی اجازت نہیں دیتے، وہ صرف اپنی سہولت،
آسائش اور تعیش کو پیش نظر رکھتے ہیں، چنانچہ دنیا کمانے اگر کوئی لڑکا امریکہ یا یورپ بھی
چلا جائے تو ان کو کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

بعض تو دین کا کام کرنے ہی نہیں دیتے بلکہ دنیا کمانے پر لگا دیتے ہیں اور بعض
قریب رہ کر تدریس کرنے پر مجبور کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قریب رہ کر مدرس
گھر کے مسائل میں الجھ جاتا ہے اور دلجمعی سے کام کرنا ممکن نہیں رہتا بلکہ بسا اوقات بہتر
ماحول نہ ملنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ تدریس سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے اور ہر خدمت دین

سے ہاتھ دھو کر خالص دنیا دار بن جاتا ہے بلکہ بعض اوقات برے ماحول کے اثر سے دین اور علماء دین سے متنفر ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس طرح وہ بجائے دین کی قابل قدر خدمت انجام دینے کے دین اور علماء دین کی بدنامی کا ذریعہ بنتا ہے اور بہت سے علم کا شوق رکھنے والوں کے لئے رکاوٹ بن جاتا ہے۔

اس بناء پر اگر گئے چنے نوجوانوں کو بھی بے دین والدین کی آسائش اور تعیش کی بھینٹ چڑھا دیا جائے تو دین و علم دین کا رہا سہا نام بھی دنیا سے مٹ جائے گا اور دین کا ایک مسئلہ بتانے والا بھی کوئی نہیں رہے گا۔

اس لئے والدین اور اعزہ نے جب اپنی اولاد میں سے کسی کو عالم بنانے کی سعادت حاصل کی تو اب اس کی خدمات دینیہ میں رکاوٹ بن کر شقاوت اپنے سر نہ لیں، بلکہ اس کو بخوشی خدمت دین کی اجازت دیں بلکہ اس کے ساتھ تعاون کر کے سعادت دائمہ کو اپنا مقدر بنائیں اور تدریس و خدمت دین کے لئے جگہ کے انتخاب میں اس کو پورا پورا اختیار دیں، وہ اپنی طبیعت اور صلاحیت کو مد نظر رکھ کر بہتر جگہ کا انتخاب کر سکتا ہے، وہی زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہے کہ وہ کہاں زیادہ بہتر خدمت کر سکتا ہے اور اس کے لئے علمی و عملی ترقی کے مواقع کہاں زیادہ ہیں؟

خلاصہ یہ کہ دور حاضر میں کسی جگہ تدریس کے لئے والدین کی رضا ضروری نہیں بلکہ اگر والدین خدمت کے محتاج نہیں اور مدرس ان کی تمنا پوری کرنے میں اپنا دینی نقصان سمجھتا ہے اور دور رہ کر متعدی و غیر متعدی خدمات احسن طریقہ سے انجام دے سکتا ہے تو اس امر میں والدین کی اطاعت جائز نہیں۔

سفر تجارت کے لئے والدین کی اجازت ضروری نہیں حالانکہ یہ محض دنیوی اور ذاتی نوعیت کا نفع ہے تو علم دین جس پر پوری امت کی دنیوی و اخروی کامیابی موقوف ہے اس کے لئے سفر والدین کی اجازت پر کیسے موقوف ہو سکتا ہے؟

ہاں درج ذیل صورتوں میں والدین کی اجازت کے بغیر سفر کرنا یا دور رہنا جائز نہیں :

① والدین جسمانی خدمت کے محتاج ہیں اور کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے۔

② سفر ایسا پرخطر ہے کہ ہلاکت کا ظن غالب ہے۔

(۳) لڑکا مرد ہے، اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
۸ محرم ۱۵۰۰ھ

ننگے سر اور ننگے پاؤں رہنا:

سوال: ننگے سر اور ننگے پاؤں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو عدم جواز کی کیا دلیل ہے؟ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹوپی یا عمامہ اور جوتا پہننا سنت ہے اور خلاف سنت وضع قطع کے برا اور قبیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزوں کے استعمال پر موانعت فرمائی ہے۔ نیز ننگے سر رہنا آج کل فساق و فجار کا شعار ہے اس لئے اس میں زیادہ قباحت ہے۔ نیز لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جو زینت بھی ہے اور گرمی سردی وغیرہ تکالیف سے حفاظت بھی۔ اور نعمت کا ترک کفران نعمت ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۲۸۰ھ

غیر عالم کو درس قرآن و حدیث دینا جائز نہیں:

سوال: آج کل عام طور پر ائمہ مساجد جو باقاعدہ سند یافتہ نہیں ہوتے اردو ترجمہ دیکھ کر اپنی اپنی مساجد میں درس قرآن و حدیث دیتے ہیں، کیا ان کا درس دینا جائز ہے؟ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب تک کسی مستند عالم سے باقاعدہ علم دین حاصل نہ کیا ہو درس قرآن یا حدیث دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

غرة رجب ۱۲۸۰ھ

غسل خانے میں پیشاب کرنا:

غسل خانے میں پیشاب کرنا کیسا ہے جبکہ فرش نچتہ ہو اور پیشاب کر کے پانی بہا دیا جائے؟ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے۔ اس سے وسوسہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبرلن احدكم في مسنحه ثم يغتسل او يتوضأ فيه فان عامة الوساوس منه والله سبحانه وتعالى اعلم
 ۵ رجب ۱۳۸۵ھ

ڈھنڈورا پٹوانا جائز ہے :

سوال : کسی چیز کا اعلان کرنے کے لئے ڈھول بجا کر ڈھنڈورا پٹوانا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جس وا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کسی نیک یا جائز کام کے لئے اس قسم کا اعلان کرنا جائز ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے اعلان کے لئے دف بجانے کی اجازت دی ہے۔
 قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله ويندب اعلاناً) ای اظہاراً والضمیر راجع الی النکاح یعنی العقد لحديث الترمذی اعلنوا هذا النکاح واجعواوه فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف فتح رد المحتار ج ۲ ص ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ رجب ۱۳۸۵ھ

جوان آدمی کا سفید بال چننا جائز ہے :

سوال : جوان آدمی کو تزلہ کی وجہ سے دو چار سفید بال آجائیں تو ان کا چننا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جس وا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ازالہ عیب کے لئے سفید بال چننا جائز ہے اور قبل از رقت بالوں کا سفید ہونا عیب ہے لہذا جائز ہے۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ : ولا بأس بنتف الشیب۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله ولا بأس بنتف

الشیب) فبدہ فی البزازیة بأن لا یكون علی وجه التزین (رد المحتار ج ۲ ص ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ رجب ۱۳۸۵ھ

سو ذخیرے رشتہ جوڑنا:

سوال: بنک یا بیمہ ملازم کے گھر میں اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا یا ان سے لڑکی کا رشتہ لینا اور جہیز وغیرہ قبول کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ شعبان ۱۳۸۷ھ

گا بھن گائے کو ذبح کے لئے فردخت کرنا:

سوال: گا بھن گائے ذبح کرنے کے لئے قصاب کو فردخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گا بھن جانور کو ذبح کرنا جائز ہے، لہذا قصاب کو فردخت کرنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ اگر قریب الولادہ ہو تو ذبح کرنے کو بعض علماء نے مکروہ فرمایا ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولیس فی ذبح الام اضاعة الولد لعدم التیقن بموتہ۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولیس فی ذبح الام الخ) جواب عما یقال انہ لو لم یحل بذبح امہ لما حل ذبحها حاملا لا تلاف حیوان وتقریر الجواب ظاہر لکن فی الکفایۃ ان تقاربت الولادۃ یکرہ ذبحها (رد المحتار ص ۱۹۳ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۹ شوال ۱۳۸۷ھ

ممتحن کا نالائق طالب علم کو کامیاب کرنا جائز نہیں:

سوال: کسی ممتحن نے ایک لڑکے کو رعایت پاس کیا، اس کے بعد اس لڑکے کو ایک ملازمت ملی۔ اس لڑکے کے لئے اس ملازمت کے پیسے نا جائز تو نہیں ہونگے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ملازمت کا کام کرنے کی پوری صلاحیت ہو تو ملازمت جائز ہے۔

اس کی آمدن پر ممتحن کے فعل کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ البتہ ممتحن محکمہ کی طرف سے امین تھا اور اس کا پابند کہ لائق طالب علم کو کامیاب کرے۔ اس نے نااہل کو کامیاب کر کے امانت میں خیانت اور بددیانتی کا ارتکاب کیا، جس کا اسے گناہ ہوگا، اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔

قال الله تعالى: ان الله يأمر بالعدل والامانات الى اهلها
واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل الآية (۴-۵۸) والله سبحانه
وتعالى اعلم۔

غزہ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ

موذی جانوروں کو مارنا:

سوال: کتا، بلی، مکھی، چیونٹی، مکڑی وغیرہ تکلیف دہ جانوروں اور کیڑوں کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قتل کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جانور اور حشرات الارض اگر ابتداءً باللاذی کریں تو ان کے قتل میں کوئی حرج نہیں ورنہ خلاف اولیٰ ہے۔

سانپ اور بچھو چونکہ خلقہ مؤذی ہی ہوئے ہیں اس لئے ان کو مارنا جائز بلکہ باعث ثواب ہے، کاٹنے والے کتے اور مؤذی بلی کا بھی یہی حکم ہے۔

مؤذی جانوروں اور حشرات الارض کو مارنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جلد جان نکل جائے۔ آگ میں جیلانا جائز نہیں۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز قتل ما یضر منها
کلب عقور دھرة تضر ویذبھما ای الھرة ذبحا ولا یضر بھا لانہ لا یفید
ولا یحرقھا و فی المبتغی یکرہ احراق جراد و قمل و عقرب ولا بأس باحراق
حطب فیھا التمل۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وینذبحھا) الظاهر

ان الکلب مثلھا تأمل (قوله یکرہ احراق جراد) ای تحریمھا ومثل القمل
الیرغوٹ ومثل العقرب الحیطة (رد المحتار ص ۴۹ ج ۵)

فی المندبۃ: قتال النبیوں والمحشرات، هل یباح فی الشرع
ایتداء من غیر ایذ او هل یشاب علی قتلہم قال لا: ثاب علی ذلک
وان لم یوجد منہ الا یذ او فالادلی ان لا یتعرض بقتل شیء منہ کذا فی
جواهر الفتاوی (عالمگیریہ ص ۳۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم
۲ رجب ۱۳۳۵ھ

چھپکلی کو مارنا ثواب ہے:

سوال: جنگوں میں چھپکلی جیسی شکل کا ایک جانور پایا جاتا ہے اور ہلکے مکانوں
میں چھپکلی کثرت سے پائی جاتی ہے کیا ان دونوں کا مارنا جائز ہے؟ بیدنا تو جرداء
الجواب باسم ملہم الصواب
دونوں کا مارنا باعث اجر و ثواب ہے، حدیث میں ”وزغ“ کا لفظ ہے جو دونوں
کو شامل ہے۔

حفصہ را کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارنے پر اجر و ثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے
کہ یہ آتش نمردیں بھونک مار کر اس کو تیز کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچائے
تو عائد کر رہی تھی۔

عن ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
امر بقتل الوزغ وقال دکان بنحو علی ابراہیم علیہ السلام (بخاری ص ۲۶ ج ۱)
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من
قتل وزغاً فی اول ضربة کتبت له مائة حسنة وفي الثانية دون ذلك وفي الثالثة
دون ذلك (مسلم ص ۱۲۶ ج ۲)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم من قتل وزغاً بالضربة الاولى کان له کذا وکذا حسنة فان قتلہ فی
الضربة الثانية کان له کذا وکذا حسنة فان قتلہا فی الضربة الثالثة
کان له کذا وکذا حسنة وفي الباب عن ابن مسعود وعائشة دام شریک و
حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن صحیح (ترمذی ص ۲۶ ج ۱)

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالی: وقال کعب وقتادة والزهری والبر

تبقى يومئذ دابة الا اطفأت عند النار الا الوزغ فاذا كانت تمزق عليه
فانذك امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتلها وسماها فويسقة (الجمع الاحكام القرآن ۱۱)
والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۰ رجب ۱۳۹۲ھ

تحصیل ملازمت کے لئے ستر کھولنا:

سوال: تلامذہ نے اتر فورس میں مذہبی تعلیم کے سلسلے میں ایک نیا شعبہ کھولا ہے جس میں علماء کو وارنٹ آفیسر (ریلیجس ٹیچر) کے عہدہ پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ سرکاری قانون یہ ہے کہ بھرتی کے رات طبی معاینہ کروانا ضروری ہے جس میں ستر کھولنا لازمی ہے کیا مذکورہ صورت میں ستر کھولنا اور اعضا مخصوصہ کا معاینہ کر دانا جائز ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کی بناء پر کسی کے سامنے ستر کھولنے کی اجازت ہو۔ تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ جن لوگوں کو مذہبی تعلیم کے لئے لیا جا رہا ہے ان کو مذہب کے خلاف کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، جو لوگ ملازمت کے لئے ایسے گناہ کبیرہ اور حرام کے ارتکاب پر تیار ہوں گے وہ مذہب کی تعلیم جو کچھ دیں گے وہ ٹال رہے، ایسے لوگوں سے مذہب کو نائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان ہی پہنچے گا۔

بہر کیف بلا ضرورت شدیدہ کسی کو ستر دکھانا اور دیکھنا سخت گناہ اور حرام

ہے اور سوال میں مذکورہ صورت ضرورت شدیدہ میں داخل نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

غزہ محرم ۱۳۹۲ھ

گائے کا مصنوعی بچہ:

سوال: اگر گائے کا بچہ مر گیا تو دوسری کسی چیز سے بچہ کی صورت بنا کر گائے کے

سامنے رکھ کر دودھ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بچے کا چہرہ اور آنکھیں پوری طرح نمایاں نہ ہوں ایسے ہی ایک شکل بنادی گئی ہو تو

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

محرم ۱۳۹۲ھ

چراگاہ میں سب کا حق ہوتا ہے :

سوال : ہمارے علاقہ میں تمام پہاڑ علاقہ وار منقسم ہیں۔ ایک گاؤں والے دوسرے گاؤں والوں کی چراگاہ میں اپنے مویشی نہیں لے جاسکتے۔ اگر کوئی لے جائے تو اس سے معاوضہ لیا جاتا ہے۔ یہ معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر معاوضہ نہ لیا جائے تو سارے لوگ اپنے مویشی ایک چراگاہ میں لے جاتے ہیں جس سے ان لوگوں کا نقصان ہوتا ہے جن کے حصے میں وہ چراگاہ ہے۔ اگر ایک گاؤں والے اپنی چراگاہ میں کسی کو نہ چھوڑیں تو علاقے کا حاکم جبراً بھیجتا ہے۔ ان حالات میں کیا کیا جائے ؟ بدینوا تو جس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پہاڑوں کو علاقہ وار اس طرح تقسیم کرنا کہ ایک قوم کے مویشی دوسری قوم کی چراگاہ میں نہ جاسکیں جائز نہیں۔ معاوضہ لینا اور بھی شدید ظلم ہے۔ تمام پہاڑی علاقوں اور اس کی گھاس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

ارض مباحہ تو درکنار اپنی مملوکہ زمین کی خود رو گھاس سے بھی کسی کو روکنا جائز نہیں اگر مالک زمین میں داخل نہ ہونے دے تو اس پر لازم ہے کہ گھاس کاٹ کر طالب کے حوالہ کرے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ : وبيع ثوب من ثوبین والمرعى اى الكلا واجارتها اما بطلان بيعها فعدم الملك لحديث الناس شرکاء فى ثلاث فى السماء والكلا والناس واما بطلان اجارتها فلا يخفى على استهلاک عین ابن کمال وهذا اذا بنت بنفسه وان انبتہ بسقى وتربية ملكه وجاز بيعه عینی وقیل لا۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله لحديث الناس شرکاء فى ثلاث) ومعنى الشراكة فى النار الاصطلاء بها وتجهيف الثياب لا اخذ الجمال الا باذن صاحبه وفى الماء الشرب وسقى الدواب والاستقاء من الابار والحياض والا نهار المملوكة وفى الكلا الاحتشاش ولو فى ارض مملوكة غير ان لصاحب الارض المنع من دخوله ولغيره ان يقول ان لى فى ارضك حقاً قاما ان توصلنى اليها وتحشه او تستقى وتدفعه لى وصار كثوب رجل وقع فى داس رجل اما ان يأذن للمالك فى دخوله لياخذها واما ان يخرجها

الیہ فتحہ ملخصاً (رد المحتار ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ صفر ۱۳۸۷ھ

خنزیر اٹھانے میں کافر کا تعاون کرنا:

سوال: زید شکار کرنے گیا، وہاں اس سے پہلے ایک انگریز نے خنزیر کا شکار کیا ہوا تھا، انگریز نے زید سے کہا کہ اسے اٹھوا کر ذرا ہماری گاڑی میں رکھوادیں، زید نے انکار کر دیا۔ کافر نے کہا کہ اگر آپ کا کوئی جانور مر جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اسے بھی تو آپ ہاتھ سے باہر پھینکتے ہیں۔ زید نے خنزیر تو نہیں اٹھایا مگر اس کے اس استدلال کا کوئی معقول جواب نہیں بن پڑا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کے کسی موقع پر خنزیر اٹھانے میں تعاون کرنا جائز ہے؟ کیا خنزیر کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ ناپاک ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں تذلیل مسلم ہے اس لئے جائز نہیں۔

انگریز کا استدلال باطل ہے، اس لئے کہ مردار جانور کو گھر سے حرام، نجس اور متعفن چیز باہر پھینکنے کے لئے اٹھایا جاتا ہے، اس میں کافر کے سامنے مسلم کی تذلیل نہیں، یہ تو مأمور بہ اور اطاعت ہے۔

اگر خنزیر کے بال یا پکڑنے والے کا ہاتھ تر ہو تو ناپاک ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

اخبار میں مرد اور عورت کی تصویر دیکھنا:

سوال: اخبار کا مطالعہ کرتے وقت مردوں اور عورتوں کی تصاویر دیکھنا کیسا

ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ضرورت سے اخبار دیکھنا ہی ہو تو تصویریں دیکھنے سے حتی الامکان اجتناب کرتا چاہیے۔ اور تصاویر کو قلم زد کر دینا چاہیے۔ آج کل اخبار بینی ایک ذہنی تعیش بن گیا ہے جسے لوگ ضرورت سے تعبیر کرتے ہیں جو ایمان کی سخت کمزوری کی علامت

ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

بنیت تبلیغ ارتکاب معصیت جائز نہیں:

سوال: اگر کسی فاسق کے ساتھ اس کے فسق میں شریک ہونے سے اس کی اصلاح کی امید ہو تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟ جیسے اہل بدعت کی مجالس بدعات میں شریک ہونا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصلاح و تبلیغ کی نیت سے معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں۔ جب ارشاد و تبلیغ سے مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو اس مقصد کی تحصیل کے لئے اس کی معصیت کا کیا مطلب؟ اگر کوئی شخص ناحشہ عورت کی اصلاح کی خاطر اس سے بدکاری کرے تو کیا کوئی احمق بھی اسے جائز کہہ سکتا ہے؟ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۱ شعبان ۱۳۸۵ھ

تذہیب: اس مسئلہ کی مفصل و مدلل تحقیق رسالہ ”تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود“ میں ہے، جس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔
کسی مصلحت سے گناہ کو جائز سمجھنا الحاد ہے:

سوال: ایک امر میں حکم شرعی کرنے یا نہ کرنے کا موجود ہے۔ مگر زید کہتا ہے کہ مصلحت کی بناء پر حکم شرعی کو چھوڑ دینا چاہیے۔ کیا زید کا یہ نظریہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مصلحت کی بناء پر حکم شرعی کو چھوڑنا الحاد اور بے دینی ہے۔ ایسا کہنے والا فاسق ہے اور آیت قرآنیہ ”أَفَمَا آيَةُ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا هَوَاهُ رَضِيَ اللَّهُ عَلَىٰ عَمِلِهِ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاةً“ کا مصداق ایسے باطل نظریہ اور الحاد کے توبہ و استغفار لازم ہے۔

شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ مسائل پر مصالح کو مصالحہ کی طرح پیس ڈالو، جتنا زیادہ پیسوں کے سامنے اتنا ہی زیادہ لذت ہوگا۔

اس کی پوری تحقیق مفصل و مدلل رسالہ ”سیاست اسلامیہ“ مندرجہ ”احسن الفتاویٰ“ جلد ۷ میں ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

غرة ربیع الآخر ۱۶ھ

عالم کا تصویر کھینچنا ازیادہ شنیع ہے :

سوال : اس زمانہ میں تصویر کھینچوانے کے جواز کا استنباط کیا گیا ہو تو دلائل سے واضح کریں، اگر نہیں تو پھر اس کی دفاحت کریں کہ کیا اس میں کسی عالم یا مفتی اور عامی آدمی میں کچھ فرق ہے ؟ بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تصویر کھینچنا باجماع امت حرام ہے۔

عوام کے مقابلہ میں کسی عالم یا مفتی کا تصویر کھینچنا کئی وجوہ سے زیادہ شنیع اور

قبیح ہے۔

① اہل علم و فہم اور قرین پرگزت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

② علماء کی معصیت سے عوام معاصی پر جرأت کرنے لگتے ہیں۔

③ علماء کی مداہنت سے عوام اس گناہ کو جائز سمجھنے لگتے ہیں۔

تنبیہ : مقتدر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بدن اجازت کسی کی تصویر لینا قانوناً منع ہے اس لئے اگر کسی کی تصویر غفلت میں لے لی گئی ہے تو اس پر فرض ہے کہ ایسے مجرم کو قانونی کارروائی کی دھمکی دے کر اس تصویر کے ضائع کرنے پر مجبور کرے، اگر وہ ضائع نہ کرے تو قانونی کارروائی کرنا شرعاً فرض ہے۔ خصوصاً علماء پر یہ فریضہ زیادہ مؤکد ہے، اس میں تساہل برتنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کے حفاظت فرمائیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

غرة جمادی الثانیہ ۱۳۳۷ھ

گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں جانبین کو تعویذ دینا :

سوال : گدھوں گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرنے والوں کو جیتنے کے لئے تعویذ دینا

اور اس کی اجرت لینا جائز ہے ؟ بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دوڑ میں اگر جانبین سے رقم لینے کی شرط ہو تو یہ فعل حرام ہے اور حرام فعل کے لئے تعویذ

دنیا اور اس کی اجرت لینا بھی حرام ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
عمرہ رمضان شہر

کان ناک چھیدنا:

سوال: اکثر عورتیں خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں کان اور ناک چھدواتی ہیں، کیا شرعاً کان ناک میں سوراخ کرنا جائز ہے اور کیا یہ تغیر الخلق نہیں؟ حدیث میں جسم گودنے اور گودانے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے۔ اس کی علت تغیر الخلق ہی ہے تو کان اور ناک میں سوراخ کرنا بطریق اولیٰ تغیر الخلق ہے کیونکہ اس میں گوشت میں بھی سوراخ کیا جاتا ہے جبکہ گودنے میں صرف جلد میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کانوں میں بالیاں پہننے کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رواج تھا اور اب بھی عرب میں اس کا رواج ہے، اس پر قیاس کر کے ناک چھیدنا بھی جائز ہے اگر یہ تغیر خلق اللہ میں داخل ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور نیکر فرماتے۔

قال العلامة المحضی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکرہ للولی الباس الخلل وال
السواہ للصبی ولا بأس بثقب اذن البنت والطفل استحسانا ملتقطا قلت وهل
يجوز الخزام فی الانف لمرأۃ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله للصبی) ای الذکر
لانه من زینة النساء ط (قوله والطفل) ظاہرہ ان المراد بہ الذکر مع ان
ثقب الاذن لتعلیق القرط وهو من زينة النساء فلا یجوز للذکور والذى فی
عامۃ الکتب وقد مناه عن التارخانیۃ لا بأس بثقب اذن الطفل من البنات
و نرا فی حادی القدسی ولا یجوز ثقب اذان البنین فالصواب اسقاط الواو
(قوله لمرأۃ) قلت ان کان مما یتزین النساء بہ کما هو فی بعض البلاد
فهو فیہا کثقب القرط اھ ط وقد نص الشافعیۃ علی جوازہ مدنی۔

(رد المحتار ج ۵)

وفی الہندیۃ: ولا بأس بثقب اذان النسوان کذا فی الظہیریۃ ولا
بأس بثقب اذان الاطفال من البنات لا ینہم کانوا یفعلون ذلک فی

من امان رسول الله صلى الله عليه وسلم من غير انكار كذا في الكبرى
(عالمگیریۃ ص ۲۵۴ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ صفر ۱۲۹۹ھ

غیبت کی جائز اور ناجائز صورتوں کی تفصیل :

سوال : غیبت کسے کہتے ہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ ؟ بعض علماء کا کہنا ہے کہ
علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والوں کی غیبت کرنا جائز ہے، کیا یہ صحیح ہے ؟ غیبت کی
جائز و ناجائز صورتیں تحریر فرما کر ممنون فرمائیں بینوات جردا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کے پس پشت اس کے کسی ایسے واقعی عیب کو ذکر کرنا کہ اس کو معلوم
ہو جائے تو اسے ناگوار گزرے غیبت ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے جس پر قرآن و حدیث میں شدید
ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

غیبت کی ناجائز صورتیں :

- ① غیبت کو حلال سمجھ کر کرنا، مثلاً غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکا گیا تو اس
نے جواب دیا کہ یہ غیبت نہیں ہے اس لئے کہ میں سچ بول رہا ہوں۔
یہ کفر ہے، اس لئے کہ قطعی حرام کو حلال سمجھ رہا ہے۔
- ② نام ذکر کئے بغیر کسی کی غیبت ایسے شخص کے سامنے کرنا جس کے نزدیک وہ شخص
متعین و معلوم ہے۔

یہ نفاق و ریاء کا مجموعہ ہے۔

- ③ کسی متعین شخص کی غیبت کرنا۔

یہ گناہ کبیرہ ہے۔

غیبت کی جائز صورتیں :

- ① دفع ظلم کے لئے قادر علی دفع الظلم کے سامنے غیبت کرنا۔
- ② تغیر منکر کی نیت سے قدرت رکھنے والوں کے سامنے غیبت کرنا۔
- ③ حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے مفتی کے سامنے غیبت کرنا، لیکن نام کو مبہم

رکھنا بہتر ہے۔

(۴) کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس کی غیبت کرنا، جیسے شہود و رواۃ پر جرح کرنا۔

(۵) علانیہ گناہ کرنے والوں کی غیبت کرنا۔

البتہ صرف اسی گناہ کا تذکرہ جائز ہے جو وہ علانیہ کرتے ہوں، مخفی گناہوں کا ذکر جائز نہیں۔

(۶) تعارف کی غرض سے کسی کے عیب کا ذکر کرنا جیسے اعور و اعشى وغیرہ۔ یہ اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے بغیر تعارف ناممکن یا متعذر ہو۔

عن ابی ہریرۃ راضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتدرون ما الغیبة قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذکرک اخاک بما یکرہ قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بیتہ رواہ مسلم (مشکوۃ ص ۴۱۲) وقال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت الآیۃ ایحب احداکم ان یا کل لحم اخیه : والآیۃ دالت علی حرمة الغیبة ، وقد نقل القرطبی وغیرہ الاجماع علی انها من الكبائر وعن الغزالی وصاحب العدة انها صرحاً بأنها من الصغائر وهو عجیب منہما لکثرة ما یدل علی انها من الكبائر ، وقصاری ما قیل فی وجہ القول بأنها صغیرۃ انه لو لم تکن كذلك یلزم فسق الناس کلہم الا القذاتادرنہم وهذا حرج عظیم و تعقب بأن فسق المعصیۃ ارتکاب جمیع الناس لها فضلاً عن الأكثر لا یوجب ان تكون صغیرۃ ، وهذا الذی دل علیہ الکلام من ارتکاب اکثر الناس لها لم یکن قبل ، علی ان الاصرار علیها قریب منها فی کثرة الفسوق فی الناس و هو کبیرۃ بالاجماع و یلزم علیہ الحرج العظیم وان لم یکن فی عظم الحرج السابق مع ان هذا الدلیل لا یقاوم تلك الدلائل الكثیرۃ۔
(روح المعانی ج ۲۶ ص ۲۶۹)

وعن عبد اللہ بن مسعود راضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایاکم والکذب فان الکذب یهدی الی الفجور وان

الفجور يهدى الى النار وما يزال الرجل يكذب ويتعمى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا متفق عليه (مشكوة ٢١٢)

وقال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعى لا يتوصل اليه الا بها وتختص في ستة اسباب، الاول التظلم فلئن ظالم ان يشكو لمن يظن له قدرة على ازالة ظلمه او تحقيقه - الثانى الاستعانة على تغيير المنكر بذكره لمن يظن قدرته على ازالته - الثالث الاستفتاء فيجوز للمستفتى ان يقول للمفتى: ظلمنى فلان بكذا فهل يجوز له انما طريق تحصيل حتى او نحو ذلك، والا فضل ان يجهله - الرابع تحذير المسامين من الشر كجرح الشهود والرواة والمصنفين والمتصدين لا فتاء اذ اقراء مع عدم اهلية فتجوز اجبا عا بل تجب (الى ان قال) والخامس ان يتجاهر بفسقه كالمكاسين وشربة الخمر ظاهر فيجوز ذكرهم بها تجاهر وافيد دون غيره الا ان يكون له سبب آخر مما مر (روح المعاني ج ١٢) وقال العلامة المحصنى رحمه الله تعالى: فتباح غيبة مجهول ومتظاهر بقبيل ولبصاهرة ولسوء اعتقاد تحذير منه ولشكوى ظلامته المحاكم شرح وهبانية -

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله فتباح غيبة مجهول الخ) وفي تنبيه الغافلين للفقير ابي الليث الغيبة على اربعة اوجه في وجهه هي كفر بان قيل له لا تغتب فيقول ليس هذا غيبة لا في صادق فيه فقد استحل ما حرم بالادلة القطعية وهو كفر وفي وجهه هي نفاق بان يغتاب من لا يسميه عند من يعرفه فهو مغتاب ويرى من نقشه انه متورع فهذا هو النفاق وفي وجهه هي معصية وهو ان يغتاب معينا ويعلم انها معصية فعليه التوبة وفي وجهه هي مباح وهو ان يغتاب معلنا بفسقه او صاحب بدعة وان اغتاب الفاسق لمحذرة الناس يثاب عليه لانه من النهي عن المنكر اه اقول والاباحه لا تنافي الوجوب في بعض المواضع الا تبيته (قوله ومتظاهر بقبيل) وهو الذى لا تستتر عنه ولا يؤثر عنده اذا قيل

عنه انه يفعل كذا ۱۵ ابن الشحنة قال في تبیین المحارم فيجوز ذكره بما يحاهر به لا غيره قال صلى الله عليه وسلم من اتقى جلباب الحياء عن وجهه فلا غيبة له واما اذا كان مستترا فلا تجوز غيبته اه قلت و ما اشتمل بين العوام من انه لا غيبة لتارك الصلوة ان اريد به ذكره بذلك كان متجاهرا فهو صحيح والا فلا (رد المحتار ص ۲۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۱ صفر ۱۲۹۹ھ

تصویر دار سائیکل پر سوار ہونا:

سوال: جو سائیکل کرایہ پر ملتی ہے بوقت ضرورت اس پر سوار ہونا پڑتا ہے، اس کے ڈنڈوں پر عورتوں کی تصویریں چسپال ہوتی ہیں، کیا اس پر سوار ہونا جائز ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی سائیکل پر سوار ہونا جائز نہیں، اگر بغیر تصویر کے سائیکل نہ ملتی ہو اور ضرورت شدیدہ ہو تو گنجائش ہے مگر تصویر کو کسی چیز سے چھپا دے، یہ بھی نہ ہو سکے تو تصویر سے حتی المقدور اغماض واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ

خاندانی منصوبہ بندی کی جائز صورتیں:

سوال: خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کے کئی طریقے ہیں:

- ① عورت کی بچہ دانی نکال دی جاتی ہے۔
- ② مرد کا اپریشن کیا جاتا ہے جس کے بعد وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔
- ③ ادویہ استعمال کرائی جاتی ہیں۔
- ④ بوقت جماع پلاسٹک کی تھیلی استعمال کی جاتی ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

منصوبہ بندی قلت رزق کے خوف سے بہر صورت حرام ہے، البتہ اگر یہ نظریہ نہ ہو بلکہ عورت کی صحت یا بچوں کی تربیت پیش نظر ہو تو پلاسٹک کی تھیلی یا ادویہ کا

استعمال جائز ہے، بچہ دانی نکال دینا یا مرد کا اپریشن کر کے اسے ہمیشہ کے لئے بے کار بنا دینا جائز نہیں۔ تفصیل رسالہ ”نسیط تولید و اسقاط حمل“ مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد ۸ میں ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۳۱ جمادی الثانی۹۸ھ

فاسق بیٹے سے قطع تعلق :

سوال : میرا لڑکا کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے، مجھے بھی گالی گلوچ کرتا ہے، حتیٰ کہ مجھے اس سے جان کا خطرہ ہے، میں نے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے، کچھ رشتہ دار مصر ہیں کہ میں اسے معاف کر دوں، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسے لڑکے کو معاف کر کے اس سے تعلقات استوار کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک معاف کر دینا یعنی دنیا یا آخرت میں انتقام نہ لینا، یہ بہت بلند مقام ہے اور قرب و رضائے الہی کا بڑا ذریعہ ہے، شریعت نے اس کے فضائل تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

دوسرا یہ کہ بیٹے سے تعلقات رکھنا، اس کا فیصلہ لڑکے کے آئندہ حالات سے متعلق اطمینان پر موقوف ہے، اگر اطمینان ہو کہ وہ اپنے حالات درست کر لے گا تو تعلقات استوار کر لئے جائیں ورنہ نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۲ رجب ۹۸ھ

مختل کے مصلیٰ پر نماز پڑھنا جائز ہے :

سوال : مختل کے مصلیٰ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، یہ ریشم کے حکم میں تو نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو مصلیٰ خالص ریشم کا ہو اس پر نماز پڑھنے میں اختلاف ہے۔ قول جواز

راجح ہے، آج کل بازار سے جو مصلیٰ ملتا ہے وہ خالص ریشم کا نہیں ہوتا، اس لئے اس پر نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: ویحل توسدہ وافتراشہ والنوم علیہ وقالوا الشافعی ومالك رحمہم اللہ تعالیٰ حرام وهو الصحیح كما فی المواہب قلت فلیحفظ هذا لکنہ خلاف المشہور۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله لکنہ خلاف المشہور) قال فی الشریعۃ قلت هذا التصحیح خلاف ما علیہ المتون المعبرۃ المشہورۃ والشرح (رد المحتار ص ۲۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ رجب ۱۲۹۹ھ

جعلی سٹیفکیٹ بنوا کر ملازمت کرنا:

سوال: کسی کو ایک ملازمت مل رہی ہے مگر شرط یہ ہے کہ پانچویں جماعت کا سٹیفکیٹ ہو۔ وہ ان کے پاس نہیں۔ مگر جعلی بن سکتا ہے تو اس صورت میں کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ نیز اس کی اس معاملہ میں اعانت کرنے والوں پر گناہ ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح ویلڈنگ وغیرہ کام کی مہارت کا جعلی سٹیفکیٹ حاصل کر کے ملازمت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر ملنے والی تنخواہ حلال ہوگی یا حرام؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جھوٹ اور دھوکا ہے لہذا جائز نہیں، اس کی اعانت کرنے والے بھی گناہگار ہوں گے، البتہ جو کام اس کے ذمہ ہے اگر وہ اسے بحسن و خوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو تنخواہ حلال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

میڈیکل بل کے لئے مقرر ڈاکٹر کا تشخیص میں رعایت کرنا:

سوال: حکومت کی طرف سے بعض ملازمین کو میڈیکل سہولتیں مہیا ہیں تشخیص کے لئے ہر محکمہ کا ڈاکٹر مقرر ہوتا ہے اس کی تشخیص ضروری ہے۔ اب اگر ایک آدمی کسی اور ڈاکٹر سے تشخیص کرائے اور متعلقہ ڈاکٹر سے مرمت میں آکر بل پاس کرائے تو اس شخص کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

متعلق ڈاکٹر اگر دوسرے ڈاکٹر کی تشخیص پر مطمئن ہو تو اس کا بل پاس کرنا جائز ہے

درجہ نہیں، مروت کی بنا پر بل پاس کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

دم کر کے گرہ لگانا:

سوال: چیچک کے واسطے دھاگہ میں سورہ رحمن یا اور کوئی آیت پڑھ کر دم کر کے گرہ لگا کر بچوں کے گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ حدیث میں ممانعت آئی ہے اب شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ ایام جاہلیت میں ایسی چیزوں کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا اس لئے حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

ریڈیو میں تلاوت و تفسیر:

سوال: ریڈیو میں قرآن کریم کی تلاوت اور تفسیر کرنا اور اسے سننا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس وقت استماع و انصات ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

محض تلاوت دو وجہ سے ناجائز ہے:

- ① عموماً تلاوت کرنے والا اجرت لیتا ہے اور تلاوت محضہ پر اجرت لینا حرام ہے۔
- ② اسی مجلس میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے جس میں قرآن کریم کی توہین ہے لہذا اس کا سننا بھی جائز نہیں۔

تفسیر بیان کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

ٹی وی پر اسلامی نشریات سننا بھی حرام ہے:

سوال: ٹیلی ویژن پر کسی عالم کی تقریر سننا یا کرکٹ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹی وی دیکھنا بہر حال وجوہ ذیل کی بنا پر حرام ہے:

- ① اس میں عموماً اصل کی بجائے فلم آتی ہے جو تصویر ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور

جس مجلس میں تصویر ہو وہاں جانا بھی حرام ہے، حدیث میں تصویر والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے، جہاں تصویر ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

(۲) اناؤنسر عورت ہوتی ہے اور عورت کا عکس دیکھنا بھی حرام ہے، خواہ تصویر ہو یا براہ راست عکس دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

(۳) اناؤنسر کے علاوہ بھی ٹی وی پر بہت سی عورتیں آتی ہیں جنہیں مرد دیکھتے ہیں اور ٹی وی پر آنے والے مردوں کو عورتیں دیکھتی ہیں۔ غیر محرم مرد عورت کا ایک دوسرے کو بلا ضرورت شدیدہ دیکھنا حرام ہے۔

(۴) کشتی اور تیراکی وغیرہ کے مناظر میں ستر کھلتے ہیں، کسی کے سامنے ستر کھولنا اور کسی کا ستر دیکھنا حرام ہے۔

(۵) موسیقی اور دوسرے فواحش و بے حیائی پر مشتمل نشریات ہوتی ہیں جنہیں سنا اور دیکھنا حرام ہے۔

(۶) ٹی وی کے مفاسد مذکورہ کی وجہ سے معاشرہ میں بے حیائی، فحاشی، بدمعاشی، زنا اور ہر قسم کی بدکاری کا طوفان بپا ہو گیا ہے، حتیٰ کہ سگے بھائی بہن اور باپ بیٹی کی آپس میں بدکاری سے متعلق ہمارے پاس استفقار آنے لگے ہیں۔

(۷) تمام سائنس دانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ٹی وی دیکھنا بلکہ اس کے قریب بیٹھنا بھی صحت کے لئے سخت مضر ہے، ایک لڑکی کے دماغ کی رگ پھٹ گئی، دماغ کے اسپیشلسٹ نے بتایا کہ یہ ٹی وی دیکھنے کا نتیجہ ہے۔

ایک لڑکی کی بیانی کمزور ہو گئی، آنکھوں کے اسپیشلسٹ نے بتایا کہ یہ ٹی وی دیکھنے کی وجہ سے ہے، اگر آئندہ احتیاط نہ کی تو اندھی ہو جائے گی۔

(۸) بیشتر مضامین ایسے ہوتے ہیں جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ دنیا کا، اور ہر وہ چیز ممنوع ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔

(۹) ٹی وی جیسے آلہ لہو و لعب بے دینی، فواحش و منکرات کے مرکز پر دینی پروگرام دکھائے جاتے ہیں اور انہیں اشاعت اسلام کا نام دیا جاتا ہے یہ دین کی سخت بے حرمتی ہے اور مسلمان کے لئے ناقابل برداشت توہین ہے۔

(۱۰) کوئی کتنا ہی اہتمام کرے کہ صرف جائز اشیاء ہی دیکھے گا تو بھی احتراز ناممکن ہے۔

(۱۱) اگر بطور فرض محال تسلیم کر لیا جائے کہ کسی حرام کام کے ارتکاب کے بغیر صرف جائز اشیاء کا دیکھنا ممکن ہے تو بھی اس میں یہ فساد ہے کہ شروع کرنے کے بعد اس کا شوق اور نشہ اتنا بڑھے گا کہ حرام اشیاء دیکھنے تک پہنچ کر چھوڑے گا اور ہر وہ کام جو حرام تک پہنچنے کا ذریعہ ہو حرام ہے اگرچہ وہ فی ذاتہ مباح ہو۔

(۱۲) کوئی دیندار شخص محرمات سے بچ کر ٹی وی دیکھنے کی کوشش کرے تو عوام اس سے ٹی وی کی مطلقاً اباحت پر استدلال کریں گے۔
ٹی وی کی تباہ کاریوں کی تفصیل رسالہ ٹی وی کا زہر ٹی بی سے مہلک تر میں ہے۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۹ محرم ۱۴۱۹ھ

انگریزی پڑھنا:

سوال: انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو وجہ کیا ہے؟ آج کل اچھے خاصے لوگ اس طرف مائل نظر آتے ہیں۔ بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

انگریزی پڑھنا جائز ہے مگر اسکول اور کالج وغیرہ کا ماحول بے دینی کا ہے جو بے دینی کی طرف داعی ہے لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

مصنوعی مجسمہ کے کھلونے کا حکم:

سوال: بچوں کو کھلونے دینا کیسا ہے؟ جب کہ کھلونے میں جاندار جیسے مصنوعی انسان، گھوڑے، بکری وغیرہ کے بھی مجسمے ہوتے ہیں۔ بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بچوں کو کھلونے دینا جائز ہے مگر جاندار کے مجسمے جیسے انسان، گھوڑا، بکری وغیرہ

دینا جائز نہیں۔

تصویری حرمت کے دلائل اور احکام کی تفصیل رسالہ "الذریعہ العریان عن عذاب صورۃ الحيوان" میں ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

بلدیہ سے مردہ جانوروں کا ٹھیکہ لینا:

سوال: زید نے بلدیہ کیٹی سے مردہ جانوروں کا دس ہزار پر ایک سال کے لئے ٹھیکہ لیا ہے مثلاً جو جانور شہر میں مر جائے گا زید اس کو اٹھائے گا، اس کا چمڑا، ہڈی کام میں لائے گا، چربی پگھلا کر سا بن بنانے والوں کو فروخت کرے گا۔ کیا زید کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟ بینوا تو جو روا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ شوال ۱۴۱۹ھ

حالت اضطرار میں غیر کا مال کھانا:

سوال: ایک فقیر آدمی جس کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہ ہو، سوال کرنے سے بھی اس کی کفایت نہ ہوتی ہو، اس حالت میں اس کو کیا کرنا چاہیے، اگر وہ حالت اضطرار میں کسی مالدار سے کھانا نہ دینے پر لڑائی کر کے اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت کس قسم کی موت ہوگی؟ بینوا تو جو روا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر کا مال اس کی طیب خاطر کے بغیر لینا حرام ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب

نفس منہ۔

حالت اضطرار میں بھی جان بچانے کے لئے مال غیر بلا اجازت کھانے کی بہ نسبت بقدر ضرورت مردار کھا کر جان بچانا اھون ہے۔ البتہ مردار کا گوشت بھی میسر نہ ہو تو جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت غیر کا مال بلا اجازت کھا سکتا ہے۔

قال العلامة المحض کافی رحمہ اللہ تعالیٰ فی جنایات الحج: اذ ہو مضطر

الی اکلہ (الی قولہ) ویقدم المیتۃ علی الصيد والصيد علی مال الغیر ولحم

الانسان الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۷)

پھر تعجب اس پر ہے کہ جو شخص کمانے پر قدرت نہیں رکھتا وہ لڑائی پر کیسے

تیار ہو جاتا ہے، اگر یہ شخص لڑائی میں مر گیا تو حرام موت مرا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ

بضرورت کتاب پالنا:

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتاب یا تصویر ہو، تو کیا مطلقاً کتاب پالنا جائز ہے یا ضرورت کے وقت کوئی گنجائش ہے؟ بینوا تو جس را۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حفاظت یا شکار کے لئے کتاب پالنا جائز ہے۔ حدیث میں ممانعت بلا ضرورت پالنے سے ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۵ جمادی الآخرۃ ۹۱ھ

پاسپورٹ سائز تصویر کھینچنا اور اس کی اجرت لینا بھی حرام ہے:

سوال: پاسپورٹ سائز تصویر کھینچنا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جس را۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہے، اس کی حرمت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لاشادات کتب حدیث میں بکثرت منقول ہیں۔

منہا: عن سعید بن ابی الحسن قال کنت عند ابن عباس اذا تاه
سراج فقال یا ابن عباس انی انسان انما معیشتی من صنعة یدی وانی
اصنع هذه التصاوير فقال ابن عباس لا احد ثلک الا ما سمعت رسول
الله صلی الله علیه وسلم یقول سمعته یقول من صور صورة فان الله
معذبه حتی ینفخ فیها الروح و لیس بنا فخر فیها ابد (الحديث (بخاری ج ۱) ۲۹۲)
والله سبحانه و تعالیٰ اعلم۔

۱۶ جمادی الآخرۃ ۹۲ھ

بچوں کو فوٹو کے ذریعہ تعلیم دینا:

سوال: بچوں کو تعلیم دینے کے لئے تصاویر کا استعمال کہاں تک صحیح ہے؟

کیا اس مسئلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑبیلوں اور ذوالجناح

سے کچھ روشنی پڑ سکتی ہے؟ بینواتوجرہا۔

الجواب باسم ماہم الصواب

حرام ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھلونوں میں تصویر نہیں تھی۔

قال فی حاشیۃ مشکوٰۃ معزیا الی اللہات: والمراد ہہنا ما تلعب بہ الصبیۃ من الخرق والرقی ولعلین لہا صور مشخصة كالتصاویر المحرمتہ فلا حاجۃ الی ما قیل ان عدم انکارہ صلی اللہ علیہ وسلم لعبہا بالصور وابقائہا فی بیڈھا دال علی ان ذلك كان قبل التحريم وان اللعب الصغار منطۃ للاستخفاف (حاشیۃ مشکوٰۃ ص ۲۸ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ جمادی الثانیۃ ۱۳۹۲ھ

ڈاڑھی منڈے کا مسجد میں بیان کرنا:

سوال: کیا ڈاڑھی منڈا شخص مسجد میں وعظ اور بیان کر سکتا ہے؟ بینواتوجرہا۔

الجواب باسم ماہم الصواب

اس میں دین اور منصب وعظ کی توہین ہے اس لئے جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرۃ ۱۳۹۲ھ

کافر کو ڈیکوریشن کا سامان دینا:

سوال: کافروگوں کی شادی وغیرہ میں مسلمان کو اپنا ڈیکوریشن کا سامان مثلاً

دیگ، پلیٹ، گلاس وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجرہا۔

الجواب باسم ماہم الصواب

جائز ہے۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز بیع عصیر عنب ممن

یعلم انہ یتخذ خمر الان المعصیۃ لا تقوم بعینہ الخ (رد المحتار ص ۲۵ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ رجب ۱۳۹۲ھ

حق وصول کرنے کے لئے جھوٹ بولنا:

سوال: زید نے بکر کی زمین پر جبراً قبضہ کر لیا ہے، اب مقدمہ چلا تو اس میں اگر

بکر اپنا حق وصول کرنے کے لئے جھوٹ بولے تو جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید کو بکر نے دو ہزار روپے دیئے ہوں اور وہ یہ کہہ دے کہ میں نے اسے پانچ ہزار دیئے ہیں تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ بغیر جھوٹ بولے کام ہی نہ چلے اور بغیر مقدمہ کے فیصلہ ہی نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صریح جھوٹ بولنا جائز نہیں، موقع ضرورت میں تعریف جائز ہے۔ یعنی ایسی بات کہہ سکتا ہے جو بظاہر خلاف واقع ہو مگر اس سے کوئی صحیح مطلب نکل سکتا ہو۔
قال المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: الکذب مباح لاحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لان عین الکذب حرام (رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۵)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ذی القعدة ۹۲ھ

تبلیغی اجتماع میں بلند آواز سے دعاء کرنا:

سوال: تبلیغی جماعت کے اجتماع کے اختتام پر ہمیشہ بلند آواز سے دعاء ہوتی ہے اور سامعین زور زور سے آمین کہتے ہیں اور اکثر پر بہت گریہ طاری ہوتا ہے اور اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے، اکثر لوگ اس دعاء کو درس قرآن سے بھی زیادہ باعث ثواب سمجھتے ہیں، آیا دعاء کا یہ طریقہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دعاء کے لئے اجتماع ثابت نہیں، البتہ اجتماع کسی اور مقصد سے ہو تو اس میں اجتماعی دعاء جائز ہے۔ تبلیغی اجتماع سے مقصود دعاء نہیں بلکہ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کرنا اور دین کی تبلیغ مقصود ہوتی ہے، لہذا وہاں بلند آواز سے اجتماعی دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ صفر ۹۳ھ

ظلم سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا:

سوال: حکومت جو عوام پر ٹیکس عائد کرتی ہے اس سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب
حکومت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ٹیکس لگا سکتی ہے:

(۱) حکومت کو ضرورت ہو۔

(۲) ٹیکس بقدر ضرورت لگایا جائے۔

(۳) مصرف صحیح ہو۔

(۴) تعیین و تخصیص صحیح ہو۔

اگر شرائط مذکورہ میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو تو ٹیکس لگانا ظلم ہے اور اس سے بچنے کے لئے کوشش کرنا جائز ہے اور اگر رشوت دینے کی ضرورت پڑے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ صریح جھوٹ بولنا جائز نہیں، البتہ ایسی بات کہہ سکتا ہے جو درحقیقت تو خلاف واقع ہو مگر کوئی صحیح مطلب بن سکتا ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ رجب ۱۳۹۳ھ

بحرمت لا الہ الا اللہ کہنا:

سوال: بحرمت لا الہ الا اللہ کہہ کر دعاء مانگنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

درست ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدة ۱۳۹۳ھ

زیارت والدین کے لئے پاسپورٹ بنوانا:

سوال: والدین کی زیارت کے لئے پاسپورٹ بنوانا جس میں فوٹو کی ضرورت پڑتی ہے، کیا ایسا پاسپورٹ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علماء وقت جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں مجھے اس میں شرح صدر نہیں، عامی علماء وقت کے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵ رمضان ۱۳۹۳ھ

اعلان توبہ کے بعد قطع تعلق جائز نہیں:

سوال: ایک عورت نے ایک شخص سے ناجائز تعلقات قائم کئے۔ پھر والدین کی رضامندی کے بغیر اسی جگہ جو کہ اس کا کفو بھی نہیں نکاح کر لیا جس سے اس کے تمام قبیلے والوں کی بے عزتی ہوئی اس بناء پر اس کے تمام رشتہ داروں نے اس سے قطع تعلق کر لیا، عرصہ دراز کے بعد اس کو ندامت ہوئی اور اپنے تمام رشتہ داروں سے معافی مانگی، تو کیا اب طلب معافی کے بعد بھی اس کے رشتہ داروں کا اس سے قطع تعلق کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مذکورہ عورت نے اپنے اس گناہ سے توبہ کر لی ہے اور جن لوگوں کو اس گناہ کا علم تھا ان سب کو اپنی توبہ کی اطلاع بھی کر دی ہے اور اپنے تمام اعزہ و اقارب سے بھی معافی طلب کر لی ہے تو اس سے قطع تعلق جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۹ رزی الحجۃ ۱۴۲۳ھ

سانپ، بندر، ریچھ وغیرہ پالنا:

سوال: سانپ، بندر یا ریچھ وغیرہ کا پالنا اور ان سے لوگوں کو تماشا دکھانا، لوگوں کا اس پر پیسے دینا اور ان پیسوں کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر تو لینا، دینا منع معلوم ہوتا ہے، اولاً تو اس میں حیوان کا حبس ہے جو ممنوع ہے، ثانیاً حیوان بھی ایسا کہ جس کا حکم قتل ہے۔ ثالثاً لوگوں کو بہو و لعب میں لگانا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے تماشے دکھانا اور دیکھنا جائز نہیں۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي البرازية استماع صوت الملاحی كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلوة والسلام استماع الملاحی معصية والمجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر ای بالنعمة (رد المحتار ج ۲ ص ۵)

وقال ایضا: ذكره كل لهو لقوله عليه الصلوة والسلام كل لهو المسلم حرام الا ثلاثة ملاعبته اهل و تأديبه لفرسه و مناضلته بقوسه

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ذكره كل لهو) ای كل لعب
وعبث فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات والاطلاق: شامل
لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الاوتار
من الطنبور والبربط الخ (رد المحتار ص ۲۵۳ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ محرم ۱۲۹۵ھ

مروج کمیٹی کا حکم:

سوال: آج کل ہر علاقے میں یہ رواج ہے کہ چند افراد مل کر ایک کمیٹی بنا لیتے
ہیں، ہر ماہ کمیٹی کا ہر رکن ایک متعین مقدار میں رقم جمع کرتا ہے، پھر جمع شدہ رقم
پر قرعہ اندازی ہوتی ہے، ارکان کمیٹی میں سے جس کا نام قرعہ میں برآمد ہوا اس کو
جمع شدہ کل رقم ادا کر دی جاتی ہے، ایسے ہر ماہ چکر چلتا ہے، باری باری ہر رکن
کمیٹی کو اس اکٹھی رقم سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا رہتا ہے، اس کو امداد باہمی
کی ایک شکل سمجھا جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً یہ صورت جائز ہے؟
بندہ کو اس معاملے میں چند شبہات ہیں:

① ہر رکن اس امید پر شریک ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی رقم ایک کثیر رقم کھینچ
لائے گی، گویا ایک بڑی رقم بطور قرض حاصل کرنے کے لئے ایک چھوٹی رقم اپنی جیب
سے نکالتا ہے، استقراض کی یہ شکل غلط ہے، کیونکہ کل قرض جس نفعاً فہور ہوا
فرمایا گیا ہے۔

② موجودہ صورت میں قرعہ اندازی سے قرض حاصل کرتا قمار نہ سہی، قمار
کے مشابہ ضرور ہے۔

③ کوئی ممبر قرض کی رقم حاصل کرنے کے بعد اگر اپنا ماہانہ چندہ بند کر دے تو
نزاع پیدا ہوگا، ظاہر ہے کہ ایسے معاملات شرعاً غلط ہوتے ہیں۔

④ یہ ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے کہ جو واقعۃً ضرورت مند ہے، قرعہ میں نام
نہ نکلنے کی وجہ سے عرصہ تک قرض حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے اور اپنی احتیاج کے
باوجود ہر ماہ چندہ کی رقم ادا کر کے مزید مشکلات کا شکار ہوتا ہے، لہذا یہ امداد باہمی نہیں
بلکہ ایک حاجتمند پر ظلم ہے۔

⑤ ہر رکن کمیٹی کو ہر ماہ چندہ دیتا ہے جس کمیٹی کا خود بھی رکن اور جزد ہے سو ہر فرد اپنے آپ کو قرض دینے والا ہوا یہ ایک مہمل امر ہے۔ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کمیٹی کا مردجہ طریقہ بلاشبہ ناجائز ہے، البتہ جواز کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ شرائط ذیل کی مکمل پابندی کی جائے:

① بنام کمیٹی جمع کردہ رقم سب شرکاء کی رضا سے بلا قرعہ کسی ایک کو بطور قرض دی جائے یا بذریعہ قرعہ دی جائے مگر قرعہ کے نتائج کو لازم نہ قرار دیا جائے بلکہ سب شرکاء کی رضا سے صرف تسہیل انتخاب کا ایک ذریعہ سمجھا جائے۔

② ہر شریک کو ہر وقت الگ ہونے کا اختیار ہے، کوئی جبر نہ ہو بلکہ ایک یا چند مرتبہ رقم کسی شریک کو دے دینے کے بعد بھی ہر شریک کو علیحدہ ہو جانے کا پورا اختیار ہو اور اسے دی ہوئی رقم واپس لینے کے مطالبہ کا پورا حق ہو، اس پر شرکاء میں سے کسی کو اعتراض نہ ہو۔

③ ایک ماہ کی مدت کو لازم نہ قرار دیا جائے، ہر شریک کو ہر وقت بطور قرض دی ہوئی اپنی رقم کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہو۔

شرائط مذکورہ کے تحت معاملہ کیا جائے تو اس پر سوال میں مندرجہ اشکالات وارد نہ ہوں گے۔ تفصیل یہ ہے:

① اس اشکال کے دو جواب ہیں:

① یہاں جرنفع مستقرض سے نہیں غیر سے ہے۔

② جب ہر شخص کو ہر وقت الگ ہونے کا اختیار ہوگا تو یہ نفع مشروط نہ ہوگا۔

② شرط اول کے تحت قمار رہا نہ قمار سے مشابہت۔

③ یہ صورت تو ہر قرض میں ہوتی ہے کہ قرضخواہ کو مطالبہ کا حق ہوتا ہے، البتہ ایک ماہ کی تاخیر باطل ہے اور یہ بطلان شرط ثالث سے مرتفع ہو گیا۔

④ شرط ثانی کے تحت ہر شریک کو ہر مرحلہ پر اختیار ہوگا اور وہ جب چاہے گا اپنی دی ہوئی رقم واپس لے سکے گا تو یہ اشکال نہ رہا۔

(۵) قرض کیٹی کو نہیں دیا جاتا بلکہ جس کے نام قرعہ نکلتا ہے اسے دیا جاتا ہے، کیٹی کے منتظمین کا قبضہ و کالتہ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ رجب ۱۴۰۵ھ

کھیلوں میں انہماک اور ان میں عزت سمجھنا:

سوال: کیا مسلمانوں کے لئے دنیا میں کافروں کے سامنے اپنی عزت قائم رکھنے کے لئے کھیلوں میں حصہ لینا، اس میں جیتنے کی کوشش کرنا اور دعائیں کرنا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا اس طرح واقعی عزت مل سکتی ہے؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمانوں کی عزت و وقار اور دنیا و آخرت کی سرخروئی صرف اس میں ہے کہ وہ صحیح معنوں میں مسلمان بنیں اور اسلام کے تمام احکام پر عمل کریں اور کفار پر اپنی دھاک بٹھاتے اور ان کے سامنے اپنا سر ادا نہ کر رکھنے کے لئے جہاد کی تیاری کریں، ایسی ورزشیں کریں جن سے جسم مضبوط اور جہاد کے قابل بنے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ

وعدو دکم الایۃ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں تربیت جہاد ہی کے ذریعہ کفار پر رعب ڈالا جاتا تھا، چنانچہ مسجد نبوی میں تیر اندازی کے مقابلے ہوتے تھے، اسی تربیت سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شہسوار مہارت حاصل کر کے جب کفار کے مقابلے میں میدان میں اترتے تو مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فداۃ ابی داہی "ارم یا سعد بابی داہی" کا نعرہ لگا کر ان کو تیر اندازی کے جوہر دکھانے پر ابھارتے تھے۔

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ بچے، جوان، بوڑھے سب جذبہ جہاد سے سرشار تھے، بچے پنچوں کے بل کھڑے ہو کر اپنا قدم باظاہر کر کے جہاد میں جانے کی اجازت کے لئے بے تاب رہتے تھے، جوان نئی دہن کے حقوق ادا کرنے کے بعد جہاد کی آواز سن کر غسل مکمل کئے بغیر میدان کی طرف دوڑ جاتے اور جام شہادت نوش فرماتے تھے۔ پاؤں سے معذور میدان جہاد کی طرف جاتے ہوئے "اللہم لا ترونی الی اہلی" جیسی دعائیں

مانگا کرتے تھے۔ بوڑھے نوے سال کا بڑھا پالے کر جہاد کے لئے نکلتے تھے اور راستے میں متوقع انتقال کے پیش نظر جنازے کو بھی میدان جہاد میں لے جا کر دفن کرنے کی وصیتیں کرتے تھے۔

ان قدسی صفات حضرات نے کبھی بھی کھیلوں کے مقابلے کر کے کفار پر عرب بٹھانے کا فلسفہ سوچا نہ اس میں اسلام کی سربلندی سمجھی۔

درحقیقت یہ اعداء اسلام کی گھناؤنی سازش ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو لہو و لعب اور کھیل تماشے میں مشغول رکھو، تاکہ وہ اپنے دین کے تمام احکام سے غافل بلکہ عاری ہو جائیں، ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، مکمل طور پر ہمارے رنگ میں رنگے جائیں اور ہمارے خلاف علم جہاد بلند کرنے کا تصور ہی ان کے ذہن سے مٹ جائے۔

افسوس! آج کی مسلم حکومتیں اور مسلمان نوجوان اپنی حیثیت کو بھول کر ذلت کے کس قدر عمیق گڑھے میں گر گئے اور دشمنان اسلام کی سازشوں کے جال میں پھنس کر فکر آخرت سے تو کوسوں دور ہوئے ہی تھے، منافع دنیویہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے

”نسوا اللہ فانساہم انفسہم“

اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو پس پشت ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے نفع کا شعور ان سے چھین لیا۔

چنانچہ کھیلوں کے مقابلوں میں کئی خلاف شرع امور کے ارتکاب، نماز، روزہ جیسے اہم فرائض سے غفلت بلکہ تنفر کے علاوہ قوم کا کروڑوں، اربوں روپے کا سرمایہ کھیل کے میدان بنانے، تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام کرنے، غیر مسلم کھلاڑیوں کی آؤ بھگت اور یہود و ہنود کے ساتھ تعلقات نبھاتے جیسی لغویات اور غیرت ایمانیہ کے خلاف حیا سوز حرکات پر خرچ ہوتا ہے۔ خالی اللہ المشتکی۔

بنا بریں کھیل کے مروجہ مقابلوں کا کوئی جواز نہیں، اس لئے ان کے لئے کسی بھی قسم کا تعاون یا دعا د کرنا کر دانا جائز نہیں، بلکہ ہر شخص پر بقدر استطاعت مسلمان نوجوانوں اور حکومتوں کو ایسی تباہ کن سازشوں سے بچانے کی سعی کرنا فرض ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مختلف خبریں سننا سنانا:

سوال: اندرون ملک یا باہر کے جو حالات مختلف ذرائع سے موصول ہوتے ہیں، ان کا سننا اور ایک دوسرے سے بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، اس میں درج ذیل مفاسد ہیں:

(۱) اکثر خبریں فضول اور لایعنی ہوتی ہیں، جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ دنیا کا۔ جو شخص لایعنی سے نہ بچے اللہ تعالیٰ کو اس کا اسلام پسند نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعیئہ“

(۲) اکثر باتیں غیر محقق ہوتی ہیں جن کا بیان کرنا اور پھیلانا جھوٹ میں داخل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کفی بالمرء کذباً ان یحدث بكل ما سمع“

(۳) کئی خبروں میں افتراء اور غیبت بھی ہوتی ہے، غیبت زنا سے بدتر ہے اور افتراء غیبت سے بھی بدتر۔

(۴) ان خبروں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور سازشیں ہوتی ہیں حالات سے ناواقف سادہ لوح مسلمان غیر شعوری طور پر اس سے متاثر ہوتے ہیں اور دشمنان اسلام کے بیان کردہ خلاف واقع نقائص سے ان کے دلوں میں اسلام سے دوری اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔

(۵) مختلف لطائف اور مختلف علاقوں کے درمیان عصبیت اور منافرت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) طرح طرح کے فتنوں اور فسادات کی خبریں سن کر انتشار، خوف و ہراس اور بزدلی پھیلتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی خبروں کو پھیلانا منافقین کی عادات قبیحہ میں ذکر کیا ہے۔

واذا جاءهم امر من اکامن او الخوف اذا عوا یہ

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبہم مرض والمرجفون فی المدینۃ

لنفرینک بہم ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلاً واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا:

سوال: بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا جائز نہیں، اگر سخت ضرورت ہو تو جائز ہے مگر تقویٰ کے خلاف ہے۔ آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب
چین کے استعمال کی دو صورتیں ہیں:

- ① اس کا باندھنا بذات خود مقصود ہو جیسے زینت کے لئے لوگ باندھتے ہیں۔
 - ② بذات خود مقصود نہ ہو کسی دوسری چیز کے باندھنے کے لئے استعمال کی جائے۔
- صورت اولیٰ میں استعمال ناجائز اور ثانیہ میں بلا کراہت جائز ہے۔
- خود گھڑی کی پشت جو کلانی کے ساتھ لگتی ہے وہ بھی تو کسی دھات ہی کی ہوتی ہے، مگر چونکہ وہ بھی خود مقصود نہیں اس لئے جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

نانی سے حجامت بنوانا: ۱۲ ربیع الاول ۱۴۹۹ھ

سوال: نانی جو لوگوں کی ڈاڑھی مونڈتا اور کاٹتا ہو اور خلاف شرع بال بناتا ہو، اس سے حجامت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر استرا، قینچی وغیرہ آلات حجامت کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ حلال مال سے خریدے گئے ہیں یا حرام سے یا حلال و حرام مخلوط سے تو غلبہ کا اعتبار ہے، اگر حلال غالب ہے تو ان آلات کا استعمال جائز ہے ورنہ نہیں۔

اگر غلبہ کا علم نہ ہو سکے تو جائز ہے، مگر احتراز بہتر ہے۔

بیٹھنے کی کرسی وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

دکان کی قیمت خرید یا کرایہ میں حلال غالب ہو تو اس دکان میں داخل ہونا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

مذکورہ تمام صورتوں میں حلال و حرام مخلوط ہونے کا یقین ہو جائے تو غلبہ کا اعتبار نہیں، حلال غالب ہو تو بھی ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲ محرم ۱۴۰۰ھ

(تفصیل رسالہ حلال حرام سے مخلوط مال کا حکم میں ہے)

سفارش کا حکم :

سوال : کسی سے سوال کرنا حرام ہے، اگر کسی صاحب منصب سے کسی مسکین مسلمان کو نوکری دلوانے کی سفارش کی جائے تو کیا یہ بھی ممنوع سوال میں داخل ہے ؟ بینوا توجروا۔
الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صاحب منصب پر آپ کی وجاہت کا اثر ایسا غالب ہو کہ جس کی وجہ سے وہ آپ کی سفارش کو رد نہ کر سکتا ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ خلاف شرع یا خلاف قانون امر کا ارتکاب کر کے بھی آپ کی سفارش ضرور قبول کرے گا تو سفارش کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ ایسی دوستی اور بے تکلفی ہو کہ اگر سفارش قبول کرنا خلاف شرع یا خلاف قانون ہو یا کسی مصلحت کے خلاف ہو تو وہ بلا تکلف انکار کر سکتا ہو اور اس کے انکار سے آپ کو بھی کوئی ناگواری نہ ہو تو سفارش کرنا جائز بلکہ باعث اجر ہے۔

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اشفعوا ولتوجروا ویقضی اللہ علی لسان رسولہ ما شاء متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۴۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

غیر زوج کا نطفہ رحم میں ڈالنا :

سوال : آج کل ایک قسم کا آلہ ایجاد ہوا ہے جس کے ذریعہ عورت کے رحم میں دوسرے اجنبی مردوں کی منی داخل کی جاتی ہے، جس سے عورت عموماً حاملہ ہو جاتی ہے اور بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ بچہ حرامی ہے یا نہیں ؟ نیز اس طرح کے فعل کو زنا کہا جائے گا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ فعل حرام ہے لا مستعمال جزاء غیر الزوج، مگر زنا نہیں لعدم صدق تعریف علیہ۔ بچہ ثابت النسب ہوگا لان الولد للفراش۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۱۰ رجب ۱۴۰۸ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم :

سوال : توالد و تناسل کے طریق جدید ”ٹیسٹ ٹیوب بے بی“ کا شرعاً کیا

حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کی شرمگاہ یا رحم میں کوئی ایسا مرض ہو جو جسمانی تکلیف و اذیت کا باعث ہو تو اس کا علاج طبیب سے کروانا جائز ہے، مرد طبیب سے جائز نہیں، البتہ اگر مرض مہلک یا ناقابل برداشت ہو اور طبیبہ میسر نہ ہو تو مرد طبیب سے علاج کروانا جائز ہے۔

طبیعتِ یوب بے بی کے طریق کار میں کسی ایسے مرض کا علاج نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے کسی جسمانی تکلیف میں ابتلاء ہو، یہ دفع مضرت بدنیہ نہیں بلکہ جلب منفعت ہے، اس لئے یہ عمل لیڈی ڈاکٹر سے بھی کروانا جائز نہیں، مرد ڈاکٹر سے کروانا انتہائی بے دینی کے علاوہ ایسی بے غیرتی دے شرمی بھی ہے جس کے تصور سے بھی انسانیت کو سوں دور بھاگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے جو اولاد حاصل کی گئی وہ وبال ہی بنے گی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال فی الجوهرة: اذا کان المرض فی سائر بدنھا غیر الفرج یجوز النظر الیہ عند الدواء لانه موضع ضرورة وان کان فی موضع الفرج فیتبغی ان یعلم امرءة تد او یھا فان لم توجد وخافوا علیھا ان تھلک او یصیبھا وجع لا تحمله یسائر منها کل شیء الاموضع العلة ثمرید او یھا الرجل ویغض بصره ما استطاع الا عن موضع الجرح اه فتأمل والظاہر ان ینبغی هنا للوجوب (رد المحتار ص ۳۷۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۴ صفر ۱۴۱۲ھ

نابالغ بچوں سے خدمت لینا:

سوال: دیہات کی مساجد میں جو طلبہ رہتے ہیں ان میں نابالغ لڑکے بھی ہوتے ہیں جن کے ذمہ تمام کام ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان نابالغ بچوں پر کبھی ظلم و زیادتی بھی ہو جاتی ہے، ان حالات میں نابالغ سے بلا اجرت کام لینا کیسا ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

والدین و اولیاء کی طرف سے دلالت کلام لینے کی اجازت ہوتی ہے اس لئے کام لینا جائز ہے، بلکہ ان کی تربیت کے لئے کسی قدر کام لینا ضروری ہے۔ البتہ دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱) تعلیم میں زیادہ حرج واقع نہ ہو۔

(۲) استطاعت و طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

خلاف قانون کسی ملک میں ٹھہرنا:

سوال: بعض لوگ حکومت سے عمرہ کی اجازت لے کر مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر واپس نہیں آتے، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد سعودی حکومت کسی کو مستقل طور پر رہنے کی اجازت نہیں دیتی اور حکومت پاکستان نے بھی اجازت اس لئے دی کہ وہ عمرہ کے لئے جا رہا ہے، اگر حکومت پاکستان کو یہ پتہ چل جائے کہ کوئی شخص وہاں جا کر عمرہ کے بعد مستقل رہائش کے لئے بندوبست کر لے گا تو وہ اسے ہرگز اجازت نہ دے، بہر حال بعض لوگ اس طرح غیر قانونی طور پر جا کر وہاں چوری چھپے رہ جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ شرعی اور قانونی اعتبار سے مجرم ہیں یا نہیں؟

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ حکومتوں کے قوانین سفر خلاف شریعت ہیں، شریعت میں کسی جگہ کے سفر کرنے کی ممانعت نہیں خصوصاً بلد حرام کا سفر تو موجب قرب الہی ہے، اس لئے اگر وہ عمرہ کا پاسپورٹ، ویزا لے کر جانے کے بعد وہیں قیام کر لیتے ہیں تو شرعاً مجرم نہیں ہیں۔

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ملکی اور شہری نظام کو برقرار رکھنے کے لئے قوانین سفر، خصوصاً اجازت کے بغیر ایک ملکی کا دوسرے ملک میں نہ جانے کے قوانین خلاف شریعت نہیں۔

دوسرا یہ کہ اگرچہ قانون شرعی نہیں لیکن عمرہ کرنے والے نے پاکستانی حکومت اور سعودی حکومت کے ساتھ دیر حاصل کرنے کے وقت گویا معاہدہ کیا ہے کہ وہ عمرہ کر کے واپس آئے گا وہیں پر قیام نہیں کرے گا۔

لہذا عمرہ کے بعد وہاں چوری چھپے رہ کر اس نے قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ وعدہ اور معاہدہ کی بھی خلاف ورزی کی ہے اس لئے شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ صیغہ کیا ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ صورت شرعاً و قانوناً ہر طرح نا جائز ہے۔

قانوناً تو ظاہر ہے کہ پاسپورٹ اور ویزا میں جو تاریخ مقرر ہے اس تاریخ سے زائد ٹھہرنا جرم اور قانون شکنی ہے۔

شرعاً نا جائز ہونے کی کئی وجوہ ہیں :

(۱) پاسپورٹ اور ویزا حاصل کرنا ایک معاہدہ ہے اور عہد شکنی کو شریعت نے جرم عظیم قرار دیا ہے۔

(۲) مباحات میں حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

(۳) جان و عزت کو خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

وزیر کی مدت سے زیادہ قیام جائز نہیں:

سوال: میں مع اہل و عیال مکہ المکرمہ میں اقامت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ حکومت پاکستان کی طرف سے صرف دو ہفتے کا ویزا مل سکتا ہے کیونکہ عمرہ کے لئے جانے والوں کو دو ہفتے سے زائد عرصہ کا ویزا نہیں مل سکتا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ دو ہفتے کا ویزا ختم ہو جانے کے بعد مکہ المکرمہ میں چوری چھپے رہنا پڑے گا۔ کبھی گرفت میں آگیا تو فوراً واپس ہو جانے کا خطرہ ہے، اور اگر کوئی کام سعودی حکومت کی طرف سے مل گیا تو اطمینان سے قیام کی صورت بھی نکل آئے گی، اس صورت حال میں میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

۱۔ مورمباحہ میں حکومت نے قانون کی خلاف ورزی سخت گناہ ہے۔ علاوہ ازیں نفس یا عزت کو خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

بجلی کے میٹر سے کنکشن دینا:

سوال: بعض لوگ چوری چھپے اپنے ہمسائے سے کچھ پیسے لے کر کنکشن دیتے ہیں حکومت اس کی اجازت نہیں دیتی، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ حکومت سے بجلی خریدنے کی وجہ سے ملک آجاتی ہے۔ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع نہیں بلکہ بجلی پہنچانے کا اجارہ ہے اور میٹر بھی اجارہ پر ہے اور مستاجر پر دوسرے کو نہ دینے کی پابندی میں اگر کوئی فائدہ ہو تو ایسی پابندی لگانا جائز ہے، بظاہر محکمہ کی نظریں اس پابندی میں یقیناً کوئی فائدہ ملحوظ ہوگا، لہذا دوسرے کو دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵۱ شعبان ۱۴۱۷ھ

اپنی زمین سے عام راستہ بند کرنا:

سوال: زید کی زمین کے قریب بکر کی زمین ہے جس میں ایک عام راستہ تھا جس پر عام لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی، بکر نے اپنی اس زمین کے چاروں طرف دیوار لگا کر اس عام راستہ کو بند کر دیا، مجبوراً لوگوں نے متصل زید کی زمین میں راستہ بنالیا، زید نے بھی اس سے چشم پوشی کی، اب چند سال کے بعد زید نے اپنی اسی زمین میں نیا گھر بنالیا، جس کی وجہ سے اب اپنی زمین کے اس راستہ کو بند کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس راستے کی وجہ سے اس کو بہت نقصان ہوتا ہے، فصل کی خرابی کے علاوہ بے پردگی کا راستہ بھی کھل جاتا ہے، دیگران عام لوگوں کو اپنے کاروبار کے سرانجام دینے کے لئے اور راستہ بھی ہے مگر وہ کافی دور پڑتا ہے، اب شرعی فیصلہ کیا ہے؟ واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کو اپنی ملک میں سے راستہ بند کرنے کا حق ہے اگرچہ اس کو کوئی نقصان نہ ہو، اور جب اس کو بے پردگی اور فصل کی خرابی جیسے نقصانات درپیش ہیں تو اس فتنے کا سد باب اس پر فرض ہے، عوام کو چاہیئے کہ وہ دوسرا راستہ اختیار کریں، شرکاء فی العین بوقت مضرت اپنے شریک کے حصے میں تصرف نہیں کر سکتے تو بالکل اجنبی لوگ بطریق ادلی

تعرف نہیں کر سکتے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: وكل من شركاء الملك اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبه لعدم تضمنها الوكالة (رد المحتار ج ۲) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الثانی ۹۶ھ

خنزیر کے بالوں کے برش کا حکم:

سوال: آج کل دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں پر روغن کرنے کے لئے خنزیر کے بالوں کا برش استعمال ہوتا ہے، ایسے برش سے رنگی ہوئی لکڑی اور دیوار پاک ہے یا نہیں؟ اگر ناپاک ہے تو خشک ہونے کے بعد اس کے ساتھ گیلہ پٹا یا گیلہ ہاتھ لگ جائے تو کیا وہ بھی ناپاک ہو جائے گا؟ نیز ایسے دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں کو پاک کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ مسجدوں میں رنگ کرنے کے لئے بھی یہی برش استعمال ہوتا ہے، تو کیا مسجد کے لئے ایسی نجس چیز کے استعمال کرنے کی شرعاً اجازت ہے؟ بینوا تو جسرا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مفتی یہ اور ظاہر مذہب پر خنزیر کے بال ناپاک ہیں، جس چیز میں ڈالے جائیں گے وہ بھی ناپاک ہو جائے گی، مگر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنزیر کے بال پاک ہیں۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: (وشعر المیتۃ) غیر المختزیر

علی المذہب (الی قولہ) طاہر۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله علی المذہب) ای علی قول

ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ الذی ہو ظاہر الروایۃ ان شعرة نجس وصحیہ فی البدائع ورجحہ فی الاختیار فلو صلی ومعه منه اکثر من قدس الدرہم لا تجوز ولو وقع فی ماء قليل نجسہ وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا ینجسہ افادہ فی البی و ذکر فی الدرر انہ عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ طاہر لضرورۃ استعمالہ للخرابین قال العلامة المقدسی وفی زماننا استغنوا عنہ ای فلا یجوز استعمالہ لزال الضرورة الباعثة للحکم بالطہارۃ نوح آفندی (رد المحتار ج ۱)

وقال السرافعي رحمه الله تعالى: (توله ای فلا يجوز استعماله لنزول الضرورة الخ) سیاقی له عن ط مراد ما قاله فی النهر فی بیان ثمرۃ الاختلاف فی خیرء الحمام والعصفور هل هو طاهر او معفوق عنه من انها تظهر فی مالو وجدها فی ثوب وعنده ما هو خال عنه لا تجوز الصلوة علی العصفور لانتفاء الضرورة و تجوز علی الطهارة قال ط فیه نظر اذ مقتضاہ عدم جواز التطهر بهذا الماء حیث وجد غیرہ اه فمقتضی ما قاله ط انه بزوال الضرورة الداعية للطهارة لا تعود النجاسة وهو الظاهر اذ الضرورة هی علة لقول الشارع بالطهارة علی ما قال محمد رحمه الله تعالى وبعد قوله علينا اتباعه حتی یوجد منه ما یدل علی النجاسة لذلك قال محمد رحمه الله تعالى بعدم فساد الماء وبصحۃ صلوة الحامل مع عدم وجود الضرورة حقيقة (التحریر المختار ص ۲۵ ج ۱)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شعر خنزیر بہر حال پاک ہیں ان کے استعمال کی ضرورت ہو یا نہ ہو، چونکہ مفتی بہ قول نجاست کہہ اس لئے ان کے استعمال سے حتی الامکان احتراز واجب ہے، صرف مواقع ضرورت میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لکڑی کو روغن کرنا ضرورت میں داخل ہے، اس لئے کہ روغن کے بغیر لکڑی بہت جلد خراب ہو جاتی ہے اور خنزیر کے بالوں کے سوا کوئی اور برش استعمال کیا جائے تو برش بہت جلد ٹوٹ جاتا ہے اور کام کرنے میں محنت اور مشقت در چند ہوتی ہے، نیز بال ٹوٹ کر لکڑی پر رہ جانے کی وجہ سے صفائی نہیں آتی۔ صفائی اور زینت اگرچہ ضرورت میں داخل نہیں مگر پہلی دو چیزیں یعنی برش کا بہت جلد ٹوٹنا اور محنت و دچند ہونا بلاشبہ ضرورت میں داخل ہیں، جوتے کی سلائی کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ضرورت قرار دیا ہے حالانکہ اس زمانے میں بھی جوتے کی سلائی کے دوسرے ذرائع بھی یقیناً موجود تھے، مگر ان میں مشقت اور خنزیر کے بال سے سلائی میں سہولت تھی، اس سہولت کو ضرورت قرار دے کر شعر خنزیر کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس لئے دروازوں اور کھڑکیوں اور لوہے کے جنگلوں وغیرہ کی رنگائی میں طہارت کے قول کی گنجائش ہے۔

البتہ دیواروں پر رنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر کسی حد تک اس کی ضرورت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ سفیدی کرنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، لہذا یہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس قسم کی دیوار کو اگر دھو لیا جائے تو اوپر سے پاک ہو جائے گی، مگر اس کا اندر ناپاک رہے گا، دھونے سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس پر گیلہ یا گیلہ کپڑا لگنے سے ناپاک نہ ہوگا۔

مساجد کی دیواروں کو روغن کرنے میں خنزیر کے بالوں کا برش استعمال کرنے سے احتراز لازم ہے، اگر ایسی دیوار کو دھو کر اوپر سے پاک بھی کر دیا گیا تو بھی اس کی اندرونی نجاست احرام مسجد کے خلاف ہے، لہذا اگر مسجد میں ایسے برش سے رنگ کر دیا گیا ہو تو اسے کھرچ کر اتار دینا چاہیئے۔

قال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ: وقد قيل ايضا ان الضرورة ليست ثابتة في الخنزيرة بل يمكن ان يقام بغيره وقد كان ابن سيرين لا يلبس خفا خنزير بشعر الخنزير فعلى هذا لا يجوز بيعه ولا الانتفاع به و مروى ابو يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ كراهة الانتفاع به لان ذلك العمل يتأتى بدونه كما ذكرنا الا ان يقال ذلك فرد تحمل مشقة في خاصته نفسه فلا يجوز ان يلزم العموم حرجا مثله (فتح القدیر ص ۲۲ ج ۵)

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وحاصله ان تأتى الخنزير بغيره من شخص حمل نفسه مشقة في ذلك لا تزول به ضرورة الاحتياج اليه من عامة الناس (رد المحتار ص ۱۱ ج ۴) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸ جمادی الآخرہ ۹۶ھ

امتحان میں نقل کرنا:

سوال: آج کل امتحان میں طلبہ امتحان گاہ میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور بتاتے ہیں یا نقل کرتے کراتے ہیں یا اپنے پاس کاغذات چھپا کر امتحان گاہ کے اندر لے جاتے ہیں، یہاں تک کہ کتابیں بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں حالانکہ ان سب امور کی حکومت کی طرف سے بھی ممانعت ہے، یہ چیزیں شریعت کی رو سے جائز ہیں یا ناجائز؟
بینوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب .

امتحان میں ایک دوسرے سے پوچھنا یا لکھے ہوئے کاغذ یا کتاب چھپا کر ساتھ لے جانا اور اس سے دیکھ کر سوالات کا جواب لکھنا وجوہ ذیل کی بناء پر شرعاً ناجائز اور حرام ہے :

- (۱) اس میں قانون کی خلاف ورزی ہے جو ناجائز ہے۔
- (۲) ممتحن کو دھوکا دیا جاتا ہے، اس لئے کہ ممتحن تو یہی سمجھے گا کہ یہ جواب طالب علم نے خود اپنی یادداشت سے لکھا ہے۔
- (۳) یہ ظاہر کرنا کہ یہ جواب لکھنے والے نے خود اپنی قابلیت سے لکھا ہے، جھوٹ ہے۔

(۴) اس قسم کے امتحان سے نالائق شخص اپنی لیاقت ظاہر کر کے مختلف محکموں میں ایسے کام پر لگے گا جس کی اس میں صلاحیت نہیں، جس میں ملک و ملت کا سخت نقصان ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵ شعبان ۱۴۱۶ھ

گناہ میں والدین کی اطاعت جائز نہیں :

سوال: میرے والد صاحب بعض منکرات کے رد پر مجھے نہیں روکتے لیکن بعض منکرات کے رد پر مجھے روکتے ہیں اور مجھ سے ناراض بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً ایکشن کے زمانے میں مجھے علماء حق کی حمایت سے روکتے ہیں تو کیا مجھے صورت ثانیہ میں خاموش رہنا چاہیے یا حق کا اظہار کرنا چاہیے؟ بینوا تو جس وار۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حق بات کی حمایت کرنا ضروری ہے، اگر اس سے والدین روکیں تو اس میں والدین کی اطاعت جائز نہیں، البتہ ان سے جھگڑا نہ کریں۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶ شعبان ۱۴۱۶ھ

ڈاکٹری پڑھنا:

سوال: میڈیکل کی تعلیم جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کی چیر بھپا کرنا انسانی ڈھانچے کی بے حرمتی ہے اس لئے جائز نہیں، اگر جانوروں کے یا پلاسٹک کے ڈھانچے استعمال کئے جائیں تو ڈاکٹری پڑھنا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ شعبان ۱۴۱۶ھ

امردا غیار کو سفر میں ساتھ لے جانا:

سوال: دور حاضر میں جب کہ مرض لواطت کی کثرت ہے، امردا غیار کے ساتھ سفر کرنا خصوصاً امور غیر ضروریہ میں خواہ امور دنیویہ ہوں یا دینیہ جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بمقتضائے اتقوا مواضع التہمة اماردا غیار کو سفر میں ساتھ رکھنے سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۸ رمضان ۱۴۱۶ھ

انجکشن لگا کر دودھ نکالنا:

سوال: مواشی رکھنے والوں نے بھینس کا دودھ نکالنے کی ایک تدبیر نکالی ہے کہ جو بھینس دودھ نہ دے اور دو چار گھنٹے اس کے نیچے بیٹھے رہیں لیکن وہ لات مارتی ہے اب آسان طریقہ یہ نکالا ہے کہ میڈیکل اسٹور سے ایک دوا کی چھوٹی شیشی خرید کر سرنج میں بھر کر بھینس کو لگاتے ہیں جس سے بھینس اپنا پورا دودھ تھنوں میں اتار لیتی ہے جس سے آسانی سے اس کا دودھ نکالا جاتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ طریقہ بلاشبہ جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرمایا ہے، اس لئے ان سے انتفاع میں ان کو کچھ تکلیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں،

اسی لئے گوشت کی بہتری کی غرض سے حیوان کا خصی کرنا بالاتفاق جائز ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی ذبیہوں کی قربانی کی ہے، خصی کرنے کی تکلیف انجکشن لگانے سے بھی بہت زیادہ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۸ شوال ۹۶ھ

زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

سوال: بزرگوں کی زیارت کے لئے مستقل سفر کر کے جانا مثلاً کراچی سے لاہور داتا گنج بخش، ٹھٹہ اور سیہون شریف جانا حصول مراد کے لئے قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر اللہ سے مانگنا بہر حال شرک ہے خواہ اولیاء اللہ کے مزار پر جا کر مانگیں یا اپنے مقام میں رہ کر مانگیں، البتہ اگر مراد مانگنا مقصود نہیں تو صرف زیارت کے لئے جانا بشرائط ذیل جائز ہے:

- ① وہاں کسی قسم کی بدعات و منکرات نہ ہوں۔
 - ② دیکھنے سننے والوں کو جانے والے کے مشرک یا مبتدع ہونے کا گمان نہ ہو۔
 - ③ علماء محققین و موجدین صاحب مراد کی ولایت کے قائل ہوں۔
- اس دور فساد میں شرائط مذکورہ کا وجود محال ہے اس لئے احتراز لازم ہے۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۱ ذی القعدہ ۹۶ھ

حکم قرعہ اندازی:

سوال: قرعہ اندازی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حقوق میں قرعہ اندازی جائز نہیں، تبرع محض میں جائز ہے، مثلاً آپ کسی کو انعام دینا چاہیں اور بذریعہ قرعہ کسی کو ترجیح دیں یا تقسیم میں مساوی حصے کر کے محض انتخاب کی غرض سے قرعہ ڈالیں تو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی القعدہ ۹۶ھ

رمضان میں ہوٹل کھلا رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی مسلمان منع کرنے کے باوجود رمضان میں ہوٹل کھولتا ہے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ ایسے شخص کی کسی تقریب میں شریک ہونا یا رمضان وغیرہ رمضان میں دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ بینوا تو جس را۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کوئی شخص رمضان میں افطار کی تیاری کے لئے افطار سے قبل یارات کو ہوٹل کھولے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر دن کے وقت ہوٹل کھول کر لوگوں کو کھلاتا پلاتا رہے تو ایسا شخص فاسق مجاہر اور سزا کا مستحق ہے۔

حکومت پر فرض ہے کہ ایسے شخص کو کھلے میدان میں عبرتناک سزا دے۔ عامۃ المسلمین ایسے شخص سے زجراً تعلقات ختم کر دیں، اس کی تقریبات میں شامل نہ ہوں، بغض فی اللہ کا مقتضی یہی ہے۔

ہاں جب وہ اپنے اس فعل شنیع سے توبہ کرے اور آئندہ احتیاط کا وعدہ کرے تو تعلقات بحال کر لئے جائیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ رمضان ۱۴۲۹ھ

اثبات زنا کے لئے ڈاکٹری معاینہ:

سوال: جب کوئی عورت کسی مرد پر جبراً اس کے ساتھ زنا کرنے کا الزام لگاتی ہے تو عدالت دونوں کو معاینہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس بھیجتی ہے، اس معاینہ میں ڈاکٹر کو مرد و عورت کی ایک ایک چیز خصوصاً شرمگاہ کو اچھی طرح دیکھنا پڑتا ہے۔ کیا شریعت میں یہ معاینہ معتبر ہے اور اس کی اجازت ہے؟ بینوا تو جبر را۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اثبات زنا کا یہ طریقہ شرعاً معتبر نہیں، لہذا اس طرح شرمگاہ کا معاینہ کرنا کرنا

حرام ہے۔

ڈاکٹر کے لئے شرمگاہ دیکھنے کی گنجائش صرف اس صورت میں ہے کہ موت یا تکلیف مالا یطاق میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال فی الجوهرة اذا کان

المرضى في سائر بدنها غير الفرج يجوز النظر اليه عند الدواء لانه موضع ضرورية وان كان في موضع الفرج فينبغي ان يعلم امرأة تداويها فان لم توجد وخافوا عليها ان تهلك او يصيبها وجع لا تحتمله يستردا منها كل شيء الا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع الا عن موضع الجرح اه فتأمل - الظاهر ان ينبغي هنا للوجوب - (رد المحتار ج ۲ ص ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم -

۱۶ رجب ۱۳۹۷ھ

نا جائز ملازمت چھوڑنا:

سوال: زید جہاز میں چیف آفیسر ہیں، ان کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ جہاز کے عملہ اور مسافروں کے لئے شراب خریدے اور بوقت طلب ان کو مہیا کرنے کا انتظام کرے، زید انتظامیہ سے کئی مرتبہ اس کو اس کے فرائض سے خارج کرنے کا مطالبہ کر چکا ہے، مگر انتظامیہ اور کپتان "عدم اداء فرض" (چارج شیٹ) کی دھمکی دیتے ہیں۔ کوشش کرنے سے پاکستانی جہاز پر ملازمت مل سکتی ہے مگر تنخواہ کا بہت فرق ہے۔ یہاں ساڑھے پانچ ہزار ہے اور پاکستانی جہاز پر سولہ سو ہوگی۔ ایسی صورت میں یہ ملازمت زید کے لئے جائز ہے یا ترک کر دے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس ملازمت کا چھوڑنا فرض ہے، بالخصوص جبکہ پاکستانی جہاز پر ملازمت بھی مل سکتی ہے، حلال کی قلیل آمدن میں حرام کی کثیر آمدن سے کہیں زیادہ برکت ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرة جمادی الآخرة ۱۳۹۷ھ

طلبہ کو سزا دینا:

سوال: بالغ یا نابالغ بچوں کو پڑھائی میں کوتاہی یا کسی غلطی پر سزا دی جاسکتی ہے یا نہیں، نیز سزا کے لئے شرعاً کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بوقت ضرورت بقدر ضرورت طلبہ کو سزا دینا جائز ہے، سزا کی کوئی حد مقرر نہیں،

طبائع وقوی کے اختلاف سے حکم مختلف ہوگا، البتہ اصولی طور پر چند امور کی پابندی ضروری ہے :

- ① چہرہ پر نہ مارا جائے۔
- ② اتنا نہ مارا جائے کہ زخمی ہو جائے۔
- ③ تحمل سے زائد نہ ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۴ صفر ۹۷ھ

بھینس کے بچے کو ذبح کرنا ظلم ہے :

سوال : ہمارے شہر میں یہ رواج ہے کہ بھینس کے اگر بچہ مذکر پیدا ہو تو اسے فوراً بھینس کو دکھائے بغیر ذبح کر دیتے ہیں اور اگر مؤنث ہو تو اسے زندہ رکھ لیتے ہیں، تو کیا مذکر بچہ کو فوراً ذبح کرنا شرعاً جائز ہے ؟ بینوا تو جس وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ اس کی ماں پر کھلا ظلم ہے، لہذا ذابح گناہگار ہوگا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۷ رجب ۹۸ھ

مکان کی بنیاد کسی بزرگ سے رکھوانا :

سوال : مکان کی بنیاد کسی بزرگ سے رکھوانا اور کھودنے کے بعد دعا کرنا کرانا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آج کل یہ کام بھی ایک رسم بن گیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ عموماً صاحب خانہ کے حالات و اعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو دین سے کوئی تعلق نہیں، کسی بزرگ سے بنیاد رکھوا کر پھر اسی مکان میں تصاویر لگانا بجانا اور دوسرے علاقہ معاصی کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اگر کسی کے قلب میں واقعۂ فکر آخرت ہو اور مکان میں برکت کے لئے خود اپنے اعمال کی بھی اصلاح ضروری سمجھتا ہو پھر بلا تکلف کبھی کسی بزرگ سے بنیاد رکھوانے کا موقع مل گیا، کھانے پینے کے تکلفات اور دوسرے خرافات سے بچ کر بنیاد رکھوائی تو کچھ حرج نہیں، بلکہ مستحسن ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۷ صفر ۹۹ھ

مکان کی بنیاد میں بکری کا خون ڈالنا:

سوال: آج کل جب کوئی شخص مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کی بنیادوں میں بکری ذبح کر کے اس کا خون ڈالتا ہے اور گوشت اپنے احباب اور فقراء میں تقسیم کرتا ہے، کیا شرعی لحاظ سے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، یہ ہندوؤں اور بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الاول ۱۴۹۹ھ

ٹڈی کو گرم پانی میں ڈالنا:

سوال: اگر ٹڈی کو مارنے کے لئے گرم پانی میں ڈالا جائے تو کیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ ویسے مشکل سے مرقی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زندہ جانور کو گرم پانی میں ڈالنا گناہ ہے، پھر اگر پانی تیز گرم ہے اور ٹڈی کو اس میں اتنی دیر رکھا گیا کہ اس کے فضلہ کی نجاست گوشت میں سرایت کر گئی تو یہ ٹڈی حرام ہوگی اب اس کے پاک کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وکذا دجاجة ملقاة

حالة غلی الماء للنتف ثبل شقها فتح۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قال فی الفتح انہا لا

تطهر ابداً لکن علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ تطهر

والعلة والله اعلم تشربها النجاسة بواسطة الغلیان وعلیہ

اشتھر ان اللحم السمیط بمصر نجس لکن العلة المذكورة

لا تثبت ما لم یمکن اللحم بعد الغلیان زمانا یقع فی مثله

التشرب والدخول فی باطن اللحم الخ (رد المحتار ص ۲۳ ج ۱) واللہ

سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ صفر ۱۴۹۹ھ

ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ڈالنا:

سوال: ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟
ایک صاحب مکروہ بتاتے ہیں، کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟ اگر واقعی مکروہ ہے تو
مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ اور مسجد، عام مجلس، اپنے گھر کے اندر اور تنہائی
میں سب کا ایک ہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ باحوالہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں۔

بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کی حالت میں اور ان حالات میں جو نماز کے حکم میں ہیں مثلاً نماز کی
طرف جاتے ہوئے یا نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی حالت میں مکروہ تحریمی ہے
اور عام حالات میں بلا حاجت مکروہ تنزیہی ہے، انگلیاں پٹخانے کا بھی
یہی حکم ہے۔

قال المحقق رحمه الله تعالى: و فرقة الاصابع وتشبيكها
ولو منتظرا الصلاة او ماشيا اليها للنهي ولا يكره خارجها لحاجة۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: المراد بخارجها ما ليس من توابعها.
لان السعي اليها والجلوس في المسجد واجلها في حكمها كما مر لحديث الصحيحين
لا يزال احدكم في صلوة ما دامت الصلاة تجسده واراد بالحاجة نحو
راحة الاصابع فلولدون حاجة بل على سبيل العبث كراهة تنزهها
والكراهة في الفرقة خارجها منصوص عليها۔ واما التشبيك فقال
في المحلية لمواقف لمشايتنا فيه على شيء والظاهر انه لو غير عبث
بل لغرض صحيح ولو لراحة الاصابع لا يكره فقد صح عنه صلى الله عليه
وسلم انه قال المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا وشبك اصابعه
فانه لا فائدة تمثيل المعنى وهو التعاضد والتناصر بهذه الصورة المحسنة۔

رد المحتار ج ۲۳ (ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم

۱۶ ربيع الثاني

کوکھ پر ہاتھ رکھنا:

سوال: کوکھ پر ہاتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں مکروہ تحریمی ہے اور عام حالات میں مکروہ تنزیہی۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکررہات الصلوۃ: التخصر وضع اليد علی الخاصرة للنفی ویکوہ خارجہا تنزیہا۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قال فی البحر والذی یظہران الکراہۃ تحریبۃ فی الصلوۃ للنفی المذكور ولان فیہ ترک ستۃ الوضع کما فی الہدایۃ لکن العلة الثانیۃ لا تقتضی کراہۃ التحریم نعم تقتضی کراہۃ وضع اليد علی عضو اخر غیر الخاصرة (رد المحتار ص ۴۳ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۱۶ ربیع الثانی ۹۹ھ

حکومت کا کسی کی ذاتی ملکیت میں تصرف کرنا:

سوال: کیا کوئی مسلم حکومت بغیر معاوضہ ادا کئے کسی بھی مسلمان شخص کی ملکیت جائیداد غیر منقولہ خصوصاً زرعی اراضی لینے اور مالک کو اس کی ملکیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کرنے کی مجاز ہے؟ خواہ اس جائیداد کو تحویل میں لینے کا مقصد کچھ بھی ہو، میں شرعی عدالت میں مقدمہ کرنا چاہتا ہوں کہ گزشتہ حکومتوں نے لوگوں کی ملکیت قطعی بغیر کسی معاوضہ کے حاصل کر لی، کیا یہ شریعت اسلامیہ میں جائز ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کے لئے ملک غیر میں اس کی رضا کے بغیر کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، اس کی حرمت قرآن و حدیث کے علاوہ مسلمات عقلیہ میں سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۲ ربیع الثانی ۹۹ھ

غیر اللہ کو شہنشاہ کہنا جائز نہیں:

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی بادشاہ کو شہنشاہ کہنا جائز ہے یا

نہیں؟

بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر اللہ پر اس کے اطلاق کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، شہنشاہ اسل میں شاہ شاہاں تھا یعنی بادشاہوں کا بادشاہ اور یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الثانی ۹۹ھ

بغرض تداوی داغ دینا:

سوال: کسی مرض کی وجہ سے حیوان یا انسان کو داغ دینا جائز ہے یا نہیں؟

بینواتوجر وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (تنبیہ) لا بأس بکئی الیہائم للعلامة وثقب اذن الطفل من البنات لانهم كانوا يفعلونه فی نر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر انکار ولا بأس بکئی الصبیان لداء اتقانی (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

علم جفر و رمل حرام ہے:

سوال: علم جفر کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اس حکم کے ذریعہ شادی وغیرہ کا استخارہ بھی لیتے ہیں، اس علم کے نتیجے کو صحیح سمجھنے اور یقین رکھنے سے ایمان پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ بینواتوجر وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس جیسی کفریات کا سیکھنا سکھانا اور اس کے مدعی کے پاس کوئی بات پوچھنے جانا حرام اور اس کے نتائج کو یقینی سمجھنا کفر ہے۔

تعریف علم الجفر والجماعة

هو عبارة عن العلم الاجمالي بلوح القضاء والقدر المحتوى على

کل ما کان وما یكون کلیاً وجزئياً:

والجفر عبارة عن لوح القضاء الذى هو العقل الكل والجامعة لوح
القدر الذى هو نفس الكل وقد ادعى طائفة ان الامام على بن ابی طالب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضع الحروف الثمانية والعشرين على طريقة البسط
الا عظم في جلد الجفر يستخرج منها بطرق مخصوصة وشرائط معينة الفاظ
مخصوصة يستخرج منها ما في لوح القضاء والقدر (مفتاح السعادة
ومصباح السيادة ص ۵۵ ج ۲)

وفي المنجد: علم الجفر ويسمى علم الحروف: علم يدعى اصحابه انهم يعرفون
به الحوادث الى انقراض العالم (المنجد ص ۹۴)

حكمه: حكم علم الرمل لانها متحدثان في الغرض فهو حرام مثله -

قال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ فی حکم الرمل: وقد علمت
انه حرام قطعاً واصلاً لا دریس علیہ السلام ط ای فهو شریعة منسوخة
وفي فتاویٰ ابن حجر ان تعلمه وتعليمه حرام شدیداً التحريم لما فيه من
ايهام العوام ان فاعله يشارك الله تعالى في غيبه (رد المحتار ص ۳ ج ۱)
والله سبحانه وتعالى اعلم -

الحرم ۱۴۰۰ھ

عشاء کے بعد کراہت سمر:

سوال: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کے بارے میں جو حدیث پاک آئی ہے
جس کا مضمون اس قسم کا ہے: ڈرس و تدریس یا مہمان یا اہلیہ کے علاوہ باقی سے
باتیں کرنا ممنوع ہے، تو اگر ممنوع سے مراد لغو باتیں لی جائیں تو وہ تو ہر وقت حرام ہیں
اور اگر مباح باتیں مراد ہوں تو اس میں اکثریت مبتلا ہے کیونکہ بعض دنیوی امور کے
مشورے بعد از عشاء ہی ہوا کرتے ہیں۔ یہ منع کس قسم کا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کراہت کی علت نماز فجر باجماعت یا اس میں انشراح یا قیام لیل یا اس میں
انشراح فوت ہونے کا خوف ہے، ان امور کے تفادیت درجات کے مطابق عشاء
کے بعد امور دنیا میں شغل کی کراہت متفادیت ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قال فی البرہان ویکرہ النوم قبلہا والحديث بعدها لنهى النبي صلى الله عليه وسلم عنهما الا حديثاً في خير لقوله صلى الله عليه وسلم لا سمر بعد الصلوة يعنى العشاء الا خبره الا لحد رجلين مصل او مسافر وفي رواية او عرس اه وقال الطحاوى انما كره النوم قبلها لمن خشى عليه فوت وقتها او فوت الجماعة فيها واما من وكل نفسه الى من يوقظه فيباح له النوم اه وقال الزيلعي وانما كره الحديث بعدها لانه ربما يؤدى الى اللغو او الى تقويت الصبح او قيام الليل لمن له عادة به واذا كان لحاجة مهمة فلا بأس وكذا قراءة القرآن والذكر وحكايات الصالحين والفقه والحديث مع الضيف اه والمعنى فيه ان يكون اختتام الصعيفة بالعبادة كما جعل ابتداءها بها ليمحي ما بينهما من الزلات ولذا كره الكلام قبل صلوة الفجر وتاممه في الامداد ويؤخذ من كلام الزيلعي انه لو كان لحاجة لا يكره وان خشى فوت الصبح لانه ليس في النوم تفريط وانما التفريط على من اخرج الصلوة عن وقتها كما في حديث مسلم نعم لو غلب على ظنه تقويت الصبح لا يخل لانه يكون تفريطاً تأمل (رد المحتار ص ۲۴ ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۲ ربيع الاول ۱۴۰۰ھ

اخبار بیٹی:

سوال: بعض لوگ مساجد میں اخبار بیٹی کے عادی ہیں، جب ان کو روکا جاتا ہے تو دلیل اور جواب میں بعض علماء کرام کا عمل پیش کرتے ہیں تو ان کو کہا جاتا ہے کہ علماء حجج اربعہ میں سے کوئی حجت نہیں، اگر وہ حجج اربعہ میں سے کوئی حجت پیش کریں تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں اور بھی اس قسم کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہیں، اگر آپ از روئے شرع اس کی تشریح فرما دیں تو بہت فائدہ ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت اخبار دیکھنا ویسے ہی گناہ ہے اور مسجد میں گناہ کرنا مزید باعش

عذاب ہے۔

اخبار بینی کے چند مفاسد:

① اضاعت وقت اور فضول دلا یعنی خبریں دیکھنا جن میں نہ آخرت کا فائدہ نہ دنیا کا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لا یعنی امور سے نہیں بچتا اس کا اسلام پسندیدہ نہیں۔

”من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنہ“

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جس میں دین کا یا دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

”اللهم انی اعوذ بک من علم لا ینفع“

② اخبار میں بالعموم بہت سی باتیں اسلام کے خلاف ہوتی ہیں، اخبار دیکھنے سے ان خلاف شرع باتوں کی اشاعت میں تعاون ہوتا ہے۔

③ اخبار کی اکثر خبریں غیر مصدقہ ہوتی ہیں اور بعض یقیناً غلط ہوتی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیر مصدق خبر نقل کرنے والا بھی جھوٹوں کی فہرست میں داخل ہے۔

”کفی بالمرء کذباً ان یحدث بكل ما سمع“

④ اخبار تصویر سے خالی نہیں ہوتا، اور تصویر دیکھنا گناہ ہے، اخبار بینی کے مفاسد کی تفصیل حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ کے رسالہ ”اخبار بینی“ میں ہے جو امداد الفتاویٰ میں شائع ہو چکا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰۔ اجماعی الاخرۃ ص ۳۷۷

اسکول کی تعلیم:

سوال: حضرت والا کے ”وصیت نامہ“ ص ۳ پر وصیت ملے ہیں ہے: ”اپنی اولاد کو اسکول اور کالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیر یا بھڑیے سے بچایا جاتا ہے الخ“

اور حضرت تھانوی قدس سرہ ”بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۲۲۴“ کی آخری سطر میں لکھتے ہیں: ”لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھا دو کہ ضروری خط اور گنہر کا حساب و کتاب لکھ سکیں“

اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ ان دونوں مذکورہ اقوال میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جو منع حضرت کا مقصود ہے وہ اس ماحول اور اس کالج وغیرہ کے طرز تعلیم سے منع کرنا ہے اور حضرت تقاضی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو ترمغیب دی ہے یا تو اس صورت میں ہے کہ محرم سے ہو، یا اگر محرم سے نہ ہو تو شریعت کے اصول کے ماتحت پردہ کا معقول انتظام ہو، لیکن باعث سوال بات یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں کو کسی حال بھی اسکول نہ بھیجا جائے یا کہ اتنی گنجائش ہے کہ ضرورت کے مطابق لکھنا پڑھنا سیکھ لیں، اگر اتنی بھی گنجائش نہیں تو کیا ان کے لئے بقدر ضرورت سیکھنا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو اسکول کالج کے علاوہ ان کو کیسے پڑھایا جائے؟ اور کیا بجائے اسکول کی کتابوں میں پڑھانے کے ان کو تعلیم الاسلام، بہشتی زیور، باقی دینی رسائل پڑھانے کیسے ہیں؟ کہ اس میں پڑھنے کے ساتھ پڑھانا بھی سیکھ لیں گے اور ذہن بھی دینی بنتا جائے گا، اس بارے میں اپنی مفید رائے سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقصود برے ماحول سے حفاظت ہے اس کا جو طریقہ بھی ہو، مثلاً کسی اسکول کا ماحول اچھا ہو یا گھر پر پڑھانے کے لئے کسی کو مقرر کیا جائے یا خود گھر میں پڑھایا جائے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۴ جمادی الآخرۃ ۱۴۲۸ھ

شراب کی بوتل استعمال میں لانا:

سوال: شراب کی وہ بوتلیں جنہیں اچھی طرح صاف کر لیا گیا ہو ان میں شربت وغیرہ استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے مگر گناہ کی یادگار سے بچنا بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵ رجب ۱۴۲۸ھ

ریوٹ سے تعلق رکھنا جائز نہیں:

سوال: ہمارے محلہ میں ایک شخص کا اپنے رشتہ دار کے ہاں آنا جانا ہے اور وہ اس کی لڑکی سے غلط مراسم قائم کئے ہوئے ہے، اس لڑکی کے والدین اور

دوسرے محلے والے سب لوگوں کو اس کا علم ہے، اس کے باوجود وہ اس کا کوئی سدباب نہیں کرتے تو کیا ایسے شخص سے تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص دیوث ہے، جب تک زانی سے حفاظت کی تدبیر نہیں کرتا اس وقت تک اس کے ساتھ تعلق رکھنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۱ رجب ۱۴۲۷ھ

جانور کی آنکھ انسان کو لگانا جائز ہے :

سوال : جس طرح مردہ انسانوں کی آنکھ دوسرے لگاتے ہیں، جانور کی آنکھ بھی انسان کو لگ جاتی ہے تو آیا اس کا لگانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جانور کی آنکھ لگانا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ رجب ۱۴۲۷ھ

اڈنی کارڈ بنوانا جائز نہیں :

سوال : حکومت نے مدارس عربیہ کے طلبہ کے لئے بسوں اور ہوائی جہاز کے کرایہ میں رعایتی شرح کا اعلان کیا ہے، لیکن اس کی تحصیل کے لئے اڈنی کارڈ اور اس پر تصویر لازمی ہے اور دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی مدارس کے طلبہ عموماً غریب ہوتے ہیں، بسا اوقات پورا کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے ضروری سفر بھی ملتوی کرنا پڑتا ہے، نیز کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے ایک تسلیم شدہ حق سے محرومی بھی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے طلبہ کے لئے کرایہ میں تخفیف کی غرض سے تصویر کھینچنا اور اس کو شناختی کارڈ پر چپان کر کے اپنے پاس محفوظ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

وجہ اشکال یہ ہے کہ اس کارڈ میں ایک پہلو جلب منفعت کا بھی ہے اس لئے کہ اگر کوئی کارڈ نہ بنوائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کو کرایہ میں رعایت نہ ملے گی اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ طلبہ کو نصف کرایہ پر سفر کرنے کا حق ہے اور ان کا

یہ حق تصویر کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اس کو دفع مفرت بھی کہا جاسکتا ہے، لہذا ان دونوں پہلوؤں میں کون سے پہلو کو غالب قرار دیا جائے؟ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تصویر کے عدم جواز کے لئے اس کا سایہ دار ہونا ضروری ہے۔

کما فی حاشیۃ الخطاب المواق علی مختصر خلیل ص ۴ ج ۴ والشرح الصغیر للصاوی علی شرح الدردیر ص ۵ ج ۲ کتاب النکاح باب الولیمة والمغنی لابن قدامة ص ۴ ج ۲ والانصاف للسمر داوی ص ۳۳۶ ج ۸ وغیر ذلک من کتب المالکیۃ۔

تو کیا اس قسم کے شناختی کارڈ کے لئے جو ضرورت بمعنی اضطرار میں تو یقیناً داخل نہیں، لیکن حاجت میں داخل سمجھا جاسکتا ہے، ایسی تصویر کو گوارا کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ تصویر سایہ دار نہیں ہوتی اور کیا یہ اس مجتہد فیہا مسئلہ میں داخل ہے؟ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲-۵-۱۴۰۲ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

اڈنی کارڈ درج ذیل مفاسد کثیرہ کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے :

① یہ تمام تر رعایت تصویر جیسی لعنت پر موقوف ہے۔

والموقوف علی الحرام حرام۔

تصویر پر سخت وعیدیں مشہور و معروف ہیں، تصویر کی حرمت پر دس روایات تو صرف صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

لکن حبك الشیء یحیی ویصم۔

② اس رعایت خبیثہ کی وجہ سے طلبہ میں آوارگی اور بد محنتی جنم لے رہی ہے

ضرورت بے ضرورت جب اور جہاں جی چاہے پلے جاتے ہیں، حالانکہ زمانہ کے علمی تنزل کا تقاضا تو یہ تھا کہ عوام کی بنسبت طلبہ کے کرا یوں میں معتد بہ اضافہ کر دیا جاتا تاکہ اسفار غیر ضروریہ سے نجات پا کر سکون و اطمینان سے محنت کر سکیں

③ حکومت نے پرائیویٹ بسوں پر یہ رعایت ظلم اور جبر رکھی ہے، ایسی

صورت میں اسے قبول کرنا حکومت کے ساتھ ظلم میں اعانت اور حرام کام میں حمایت ہے۔

والظالم و عونه سواء فی الوزر

اور بموجب حدیث :

لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه

سراسر ناجائز اور حرام ہے، ظلم اور غضب کو وصول حق کا نام دینا اسلام کے خلاف بہت بڑے اور انتہائی خطرناک فتنہ ”اشتراکیت“ کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔

(۴) مقبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پرائیویٹ بسوں کے مالکین چونکہ اس پر راضی نہیں، اس لئے طلبہ اور کنڈیکٹروں کے مابین کشیدگی ہو جاتی ہے، اہل مشاہدہ بخوبی واقف ہیں کہ اس وقت طلبہ علم دین کی کس قدر امانت ہوتی ہے، علم کی ذلت، دین کی حقارت، اس وقت عوام علماء دین کے حق میں گستاخی کرتے ہوئے کفریہ کلمات تک بک دیتے ہیں، یہ اسی رعایت کا نتیجہ ہے۔

(۵) بہت سے لوگوں کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ طلبہ نے بوقت مزاحمت بس اور اہل بس پر مشغول ہو کر حملہ کر دیا، بیسیوں دفعہ بسیں جلانے کے واقعات اخبار میں شائع ہوئے، قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ اہل مدارس کا طلبہ پر ضابطہ نہیں، اس لئے وہ اس رعایت کی آڑ لے کر بہت سے ناجائز امور کا ارتکاب کر لیتے ہیں۔

(۶) ایک بہت بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس میں حکومت و ارباب اقتدار کے سامنے اظہار احتیاج ہے جو اہل علم کے لئے تباہ کن و رسوا کن ہے، افسوس بالائے افسوس یہ کہ یہ مطالبہ خود اہل مدارس کی طرف سے کیا گیا ہے اور متعدد بار اخباروں میں شائع ہوا ہے۔

اس دور کی حکومتوں سے ادنی رعایت بھی حاصل کرنا دین کے لئے سخت مضر بلکہ مہلک ہے، جن مدارس نے حکومت سے امداد لی ہے آئندہ کے لئے ان کی زبان حق گوئی سے بند ہو گئی اور حکومت اس احسان کے عوض ان سے بہت سے خلاف شریعت کام کرا لیتی ہے۔

جو کام ایسے اور اتنے ناجائز امور پر مشتمل ہو وہ سراسر مضرت ہی مضرت ہے اور اس کے ترک ہی میں دفع مضرت ہے۔

لان ادنی المعصیۃ مضرة کبیرة۔

لہذا سوال جلب منفعت و دفع مضرت کا قیاس باطل محض ہے، اس فلسفہ کے تحت چوری، رشوت خوری اور ڈاکہ زنی سب کیائے حلال ہو جائیں گے واللہ باطل فالملزوم مثله۔

مذہب غیر پرفتوی دینا ضرورت شدیدہ سے ہوتا ہے اور یہاں مذکورہ بالا قباحتوں کی وجہ سے اس کی حرمت پر فتویٰ دینے ہی میں ضرورت شدیدہ ہے۔ علاوہ ازیں سوال میں درج کردہ مذہب بعض مالکیہ کا ہے جسے محققین نے ”مذہب باطل“ فرمایا ہے۔ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مطلقاً عدم جواز نقل فرمایا ہے کما فی شرح مسلم للنووی۔

قول جواز روایت و درایت دونوں کے سراسر خلاف ہے۔

طلبہ کا عدم رعایت سے خائف دپریشان ہونا بے دینی اور حب دنیا کی وجہ سے ہے، افسوس کہ اہل مدارس طلبہ کے اس مرض کا علاج معاصی سے کر رہے ہیں۔

ع چوں کفر از کعبہ بخسیند کجا ماند مسلمانی

اور افسوس کہ اس دور کے علماء کی نظر اللہ تعالیٰ و حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راسخ اور صریح ارشادات سے ہٹ کر دنیا کے مردار پر ہے، اگر ایسی ہی ضرورتوں سے حرام کام جائز ہونے لگے تو اس میں اڈنی کارڈ کی کیا خصوصیت ہے؟ طلبہ کے لئے چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، جیب تراشنا سب امور جائز ہوں گے، اس لئے کہ ضرورت ہے اور پھر طلبہ ہی کیا ہر ایسے ضرورت مند کے لئے سب کچھ جائز ہو جائے گا۔

بیمہ اور بینک میں تو اس سے زیادہ مصالح و ضرورات ہیں اور شراب میں منافع خود قرآن سے ثابت ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال رکھا جائے گا؟

اہل مدارس طلبہ کی علمی، عملی اور اخلاقی کمزوری دور کرنے کی بجائے ان کی آخرت و دنیا دونوں کو تباہ کر رہے ہیں، طلبہ کو سفر کی اجازت اور وہ بھی صریح حرام کام سے تصور سے بالاتر ہے۔

یہ اعمال بدکی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

قال الله تعالى:

ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب ومن يتوكل على الله فهو حسبه ان الله بالغ امره قد جعل الله لكل شئ عقدا -

ومن يتق الله يجعل له من امره يسرا -

وقال النبي صلى الله عليه وسلم:

من كان لله كان الله له -

من كانت الآخرة همه جعل الله غناه في قلبه وجمع له شمله واته الدنيا وهي راغمة ومن كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه وفرق عليه شمله ولم تأت من الدنيا الا ما قدر له، رواه الترمذی - لا يحملنكم استبطاء الرزق ان تطلبوه بهما صی الله فانه لا يدرك ما عند الله الا بطاعته، رواه في شرح السنه -

وان الرزق ليطلب العبد كما يطلبه اجله رواه ابو نعیم

④ جب ثابت ہو گیا کہ ایسی بدترین رعایت کے لئے تصویر کھینچنا ناجائز اور

جرام ہے تو بلا ضرورت تصویر رکھنے کا گناہ کتنا بڑا ہو گا - واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

شطرنج، لوڈ و اور بارہ گوئی کھیلنا جائز نہیں:

سوال: شطرنج کی حرمت کی علت کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ اس میں تصادیر ہوتی

ہیں اور جو اکی قسم ہے اس لئے حرام ہے، کیرم بورڈ اور بارہ گوئی وغیرہ میں تصادیر نہیں اور ان

میں ذہنی ورزش کا فائدہ بھی ہے؟ اس لئے اس قسم کے کھیل جو اسکے طور پر نہ کھیلے جائیں تو

جائز ہونے چاہئیں۔ ذرا تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ ان کھیلوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر

نا جائز ہیں تو عدم جواز کی علت کیا ہے؟ نیز کھیلوں کے جواز و عدم جواز کا کوئی کلیہ تحریر

فرمائیں جس کے تحت ہر کھیل کا حکم معلوم کیا جاسکے، بینوا بالتفصیل اجرکموا الجلیل۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حرمت شرطی کی علت صرف تصادیرا درجوا ہی نہیں، اگر تصاویرا درجوا کا وجود شرطی کے لئے لازم ہوتا تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی کراہت تنزیہیہ کا قول نہ فرماتے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جس کھیل میں بھی ذہنی ورزش ہوگی وہ ناجائز ہوگا، اور جو ذہنی ورزش سے پاک ہو وہ جائز ہے، خواہ اس میں جسمانی ورزش ہو یا محض دل و دماغ کی تفریح، جیسے لٹو، چکٹی، بچوں کے کھلونے اور سیر و تفریح وغیرہ جوہ الفرق تین ہیں:

① دل و دماغ کے سامنے مقاصد اصلیہ بہت کثیر ہیں بلکہ مقاصد آخرت تو غیر متناہیہ ہیں اس لئے انہیں کسی مقصد کی تحصیل کے لئے ذہنی ورزش کو ذریعہ بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ فرصت ہی نہیں ہے۔

آں خیالاتی کہ دام اولیاء ست

عکس مہر دیان یستان خداست

جسمانی صحت کے لئے جسمانی ورزش کی ضرورت ہے، اس لئے جائز بلکہ بقدر ضرورت واجب و موجب اجر ہے، اسی طرح دل و دماغ کی تفریح کا سامان بھی صحت جسمانیہ کے لئے نافع ہونے کی وجہ سے جائز و باعث اجر ہے بشرطیکہ وہ ذہنی ورزش سے پاک ہو، حقیقت تو یہ ہے کہ دل و دماغ کی تفریح اور ورزش دونوں کا اجتماع محال ہے، دماغی تفریح صحت جسمانیہ کے لئے نافع اور دماغی ورزش مضر ہے۔

اگر کسی کو بارہ ٹینی جیسی ذہنی ورزش میں دماغی فرحت محسوس ہو تو اس کی مثال کھلی کے مرض جیسی ہے جس میں کھیلانے سے وقتی طور پر لذت و سکون ملتا ہے مگر بعد میں سخت تکلیف و اذیت۔

دماغ بادشاہ ہے اور پورا جسم اس کی فوج ہے، فوج کے لئے پریڈ اور جنگی مشقیں کرنا لازم ہے، اس لئے کہ یہ تحصیل مقصد کا ذریعہ ہے مگر بادشاہ کے لئے جس طرح جسمانی پریڈ مضر ہے اسی طرح فکری پریڈ بھی سخت مضر ہے۔ حکومت کا بقاء اس پر موقوف ہے کہ بادشاہ دماغ کو فکری پریڈ میں لگانے کی بجائے براہ راست تحصیل مقاصد کی طرف متوجہ رکھے۔

(۲) ذہنی ورزش دل و دماغ کے مقاصد اصلیہ کی تحصیل میں محل ہونے کے علاوہ جسمانی صحت کے لئے بھی سخت مضر ہے۔ اس کے برعکس جسمانی ورزش اور تفریح صحت جسمانیہ کے لئے نافع ہونے کے ساتھ دل و دماغ کے مقاصد اصلیہ کی تحصیل میں بھی معین و مددگار ہے۔

اس وجہ ثانی اور وجہ اول میں یہ فرق ہے کہ اول میں مقصود یہ ہے کہ ورزش ذہنی کی ضرورت نہیں اس لئے غیبت و لہو میں داخل ہونے کی وجہ سے نا جائز ہے اور وجہ ثانی میں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ صحت جسمانیہ اور دل و دماغ کے مقاصد کی تحصیل کے لئے سخت مضر ہے۔

(۳) ذہنی ورزش میں ایسا انہماک ہو جاتا ہے جو مشاغل دنیویہ و دنیویہ کو نقصان پہنچاتا ہے، جسمانی ورزش میں اتنا انہماک نہیں ہوتا، اس فرق کی دو وجوہ ہیں :

① جسمانی ورزش میں کچھ وقت کے بعد تھکاوٹ کا احساس اس سے روک دیتا ہے، گویا الارم اور منبہ کا کام دیتا ہے، ذہنی ورزش میں ایسا کوئی منبہ نہیں۔

② جسمانی ورزش میں دماغ کسی قدر آزاد ہوتا ہے، کھیل میں مشغول تو ہوتا ہے مگر اتنا نہیں کہ دوسری جانب توجہ کا ہوش ہی نہ رہے اور ذہنی ورزش میں مکمل طور پر اسی طرف مشغول ہوتا ہے۔

لوگ جسے ”ذہنی ورزش“ کہتے ہیں وہ درحقیقت ”تفکر بے مقصد“ ہے جو نعمت فکر کو بے محل صرف کرنے کی وجہ سے تباہ ہے۔

تحقیق حکم کی غرض سے اس قسم کے مروجہ کھیلوں کے نقشے اور کھیل جاننے والے دارالافتاء میں بلائے گئے، بندہ نے چند علماء کو ساتھ بٹھا کر ان کے طریق کار کا معائنہ کر کے فیصلہ کیا کہ ان میں سے کس میں تفکر بے مقصد ہے اور کس میں محض دماغی تفریح، تفصیل درج ذیل ہے :

دماغی تفریح

① کیرم بورڈ

تفکر بے مقصد

① شطرنج ② تاش

- (۳) ڈرافٹ (۴) لوڈو (۵) سواں جوڑ
 (۶) اٹھارہ گوٹی، بارہ گوٹی، نو گوٹی
 (۷) اڈہ کھڈہ، چوسر، چوڑ چنگل چرا
 چنگلاوہ، نرد بازی، پچسی
 (۲) لوڈو کا حاشیہ
 (۳) لوڈو کی پشت
 (۴) دو گوٹی (کیونکہ اس میں عدم تفکر
 ضروری ہوتا ہے)

مندرجہ بالا دماغی تفریح کے کھیلوں کا تفصیل مذکور کے تحت اگرچہ جواز معلوم ہوتا ہے مگر ان میں فسادات ذیل کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں:

- (۱) ان سے ذہنی ورزش والے کھیلوں میں ابتلا کا خطرہ ہے۔
 (۲) ناجائز کھیلوں کے ساتھ مشابہت ہے۔
 (۳) بے دین لوگوں کا شعار ہے۔
 (۴) دیکھنے والوں کے لئے موقع اشتباہ و باعث سوء ظن۔
 (۵) انہماک کی وجہ سے دین و دنیا کے اہم کاموں سے غفلت۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۴ رجب ۱۴۱۰ھ

دینی تنظیموں کا انگریزی نام رکھنا:

سوال: آج کل بعض دینی تنظیموں کا نام مشائخ کی طرف منسوب کرتے ہوئے انگریزی الفاظ شامل کر کے رکھنے کا رواج چل پڑا ہے، کیا ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ مثلاً شیخ الہند اکیڈمی، شاہ دلی اللہ اکیڈمی وغیرہ۔ بینوا توجہ وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ اس قسم کے امور کو بہت معمولی خیال کیا جاتا ہے اور اکثر علماء بھی اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے اور اس رواج کو صحیح قرار دینے کے لئے مختلف تاویلات اور بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس رواج کے محرکات و نتائج پر سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا اصل سبب انگریزوں کی برتری اور اپنی کمتری کا احساس ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کے بے ضمیر مسلمان کھانے، پینے، چلنے پھرنے، لباس و پوشاک، بول چال، غرض ہر چیز میں انگریزوں کی نقل کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں، علماء تک اسلامی تاریخ کی بجائے انگریزی تاریخ استعمال کرتے ہیں اور اس میں مطلقاً کوئی حرج

محسوس نہیں کرتے، بلکہ اس میں اپنا اعزاز اور وقار سمجھتے ہیں، جس صورت کے بارے میں استفادہ کیا گیا ہے یہ بھی اس مرعوب ذہنیت کا کرشمہ ہے، جن اکابر نے انگریزی کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا کر ان کو اس خطہ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا، آج انہی کے مبارک ناموں کے ساتھ انگریزی کے الفاظ لگا کر ان کی توہین کی جا رہی ہے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ خود کو علماء کہنے اور سمجھنے والے عربی جیسی مبارک اور مسلمانوں کے لئے اہم و اعظم زبان پر انگریزی جیسے دشمنان اسلام کی زبان کو ترجیح دیتے ہیں جو علم و علماء کے اقدار اور دینی غیرت کے سخت خلاف ہے، اس نیت سے انگریزی سیکھنا کہ دنیوی ضروری معاملات میں ان سے معاملہ کر سکیں بلاشبہ جائز اور بعض حالات میں واجب بھی ہے، لیکن مجلسوں یا تنظیموں اور کتب خانوں کے نام رکھنے میں ایسی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ بلاشبہ انگریزی زہر کا اثر ہے، تجارت سے ثابت ہوا کہ ایسے امور میں یا تو انگریزوں سے تشبیہ کا قصد ہوتا ہے یا پھر ان کے نقالوں کے ساتھ، کہ آج کے فاسق معاشرہ میں ایسے ناموں کو باعث اعزاز سمجھا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن شرائط پر یہود و نصاریٰ کو معافی دی تھی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی:

”و ان لا یتکلموا بکلامنا“

اور آج اس کے برعکس مسلمان کافروں جیسا کلام کرتے ہیں، اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ اسے قابل فخر بھی سمجھتے ہیں ع

بین تفادت رہ از کجاست تا یکجا

الغرض! شیخ الہند جیسے مقدس برگزیدہ اور دشمن انگریز کے اسم گرامی کے ساتھ انگریزی الفاظ لگانا تفصیل بالا کے پیش نظر نہایت قبیح و شنیع ہے، دینی غیرت کے سخت خلاف ہے، علم و علماء کے اقدار کے منافی ہے، اکابر کے لئے باعث اذیت ہے، فاسق معاشرے کا زہر بلا اثر ہے اور بلا ضرورت دینیہ و دنیویہ عربی پر انگریزی کو ترجیح دینا ہے، علماء وقت پر لازم ہے کہ ایسے منکرات پر بروقت گرفت کیا کریں ورنہ اس تساہل کا نتیجہ بدیہی ہے کہ بہت جلد دہندار معاشرہ بھی مکمل طور پر انگریزی معاشرہ بن جائے گا اور مسلمانوں کے پاس اسلام کی ایک چیز بھی باقی نہ رہے گی، اور پھر اس کی اصلاح کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

آخر میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی احکام القرآن سے شمسی تاریخ استعمال کرنے کے بارے میں یہ درود لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

و یبعد منہ کل البعدان یسبل الی هذا الصند بحیث لا یبقی لہ میل الی المطلوب الشرعی بالمرۃ کما ہو مشاہد من غوائل اکثر المسلمین فی هذا الزمان بل ومن عادة کثیر من العلماء والی اللہ المشتکی من انقلاب القلوب ومیلها الی العیوب المؤدیة الی الذنوب وکل ذلك مع دعواهم بغض النصاری وقد اشرب فی قلوبهم حب النصرانیة اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلك ورزقنا من حب السنة النبویة والغواصة الاسلامیة انه سمیع عجیب (احکام القرآن ص ۱۹ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۱ رمضان ۱۴۱۱ھ

انگریزی تاریخ کا استعمال:

سوال: مہتمم صاحب کا خیال ہے کہ امور مدرسہ میں انگریزی تاریخ استعمال کی جائے، تعطیلات بھی انگریزی مہینوں کے اعتبار سے جون، جولائی میں ہوں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ نیز مکاتبات و مخاطبات اور عام بول چال میں انگریزی تاریخ استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مکاتبات و مخاطبات، عام بول چال اور دیگر امور میں انگریزی تاریخ کا استعمال بلا ضرورت شدیدہ قبیح و شنیع ہے۔ اس میں عیسائیوں کے نظریہ باطلہ کی تائید کا شائبہ اور ان کو خوش کرنے کا مفہدہ پایا جاتا ہے۔ انگریزی تاریخ کی ابتداء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے ہوئی ہے جبکہ عیسائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا، اس سے اس تاریخ کی ابتداء ہوئی ہے۔

قال حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: ومن ہہنا علم ان استعمال

الحساب الشمسی فی مکاتبات والمخاطبات والمعاملات وان کان جائزاً فلا ریب انہ خلاف الاولی لکونہ خلاف سنتہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم وسنة اصحابہ والسلف الصالحین وایضا فلما کان مدار
 الاحکام الشرعیة والعبادات الدینیة علی الحساب القمزی کان حفظہ
 وضبطہ فریضا علی الکفایة واحسن طرقہ وایسرها ان یستعمل فی المكاتبات
 والمخاطبات والمعاملات لیومیة ولا یخفی ان الاتیان بفرض الکفایة
 عبادة وما کان طریقا الی حفظہ فهو عبادة ایضا فاستعمال الحساب القمزی
 مطلوب شرعا وبعید من المسلم ان یتروک المطلوب الشرعی و یستعمل
 الحساب الشمسی الذی هو صندہ فی الجملة و یبعد منه کل البعد ان یميل
 الی هذا الصند بحیث لا یبقی لہ میل الی المطلوب الشرعی بالمرۃ کما هو مشاہد
 من عوائد اکثر المسلمین فی هذا الزمان بل ومن عادة کثیر من العلماء ایضا
 فالی الله المشتکی من انقلاب القلوب ومیلها الی العیوب المؤدیة الی
 الذنوب وکل ذلك مع دعواهم بغض النصارى وقد اشرب قلوبهم حب
 النصرانية اعادنا الله من ذلك ورزقنا حب السنة النبویة والعوائد
 الاسلامیة انه سميع مجیب (احکام القرآن ص ۱۹ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
 ۲۰ صفر ۱۴۱۵ھ

اس زمانے میں مباہلہ جائز نہیں:

سوال: مباہلہ کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا یا اب بھی
 مشروع ہے؟ اگر جائز ہے تو صرف کفار سے یا مسلمانوں کے آپس میں اختلافات میں بھی؟
 بیان القرآن میں جواز لکھا ہے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ تعین حق و باطل کے لئے
 دلائل شرعیہ پس ہیں مباہلہ پر موقوف نہیں۔

اس پر اشکال ہے کہ پھر مباہلہ کا کیا فائدہ؟ حکم فیصل تحریر فرما کر رہنمائی
 فرمائیں۔ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصاریٰ سے مباہلہ کا حکم فرمایا تھا اور
 نصاریٰ کی ہلاکت کی بشارت دی تھی، مباہلہ کا حکم قرآن کریم میں مذکور ہے اور ہلاکت

کی بشارت حدیث میں ماثور ہے، اس طرح مباہلہ کا ایک خاص متعین نتیجہ موعود تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مباہلہ پر متعین نتیجہ کا ترتیب کسی دلیل سے ثابت نہیں، لہذا بے سود بلکہ بعض اوقات مضر ہونے کی وجہ سے اس کی مشروعیت محل نظر ہے۔

حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ کی بھی آخری تحقیق یہی ہے، و نصہ:

”میرے خیال میں اس کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ آیا مباہلہ اب بھی مشروع ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اس کا اثر متعین کیا ہے؟ اور اس اثر کے یقینی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس کی تحقیق اس لئے ضروری ہے کہ اگر اس مباہلہ کا کوئی موعود یقینی اثر متعین نہ ہو اور ممکن ہے کہ اس کے بعد اتفاقی طور پر اہل حق کو کوئی ابتلا پیش آ جاوے تو عام دیکھنے والوں کو التباس نہ ہو جاوے جس سے اور التاثر نہ ہو اور اگر ایسا ہو تو اس کے جواب کے لئے کس طرح تیار رہنا چاہیے۔“

اور اگر اس کا کوئی اطمینان کسی دلیل یقینی سے نہ ہو تو مباہلہ کی درخواست میں بجائے مباہلہ کے اس صحیح تحقیق کو جواب میں کیوں نہ پیش کر دیا جائے جو کہ دلیل سے ثابت ہو۔ گو لوگوں نے اس کی مشروعیت پر آیت لعان سے استدلال کیا ہے مگر وہاں تو نتیجہ تفریق ہے اور یہاں جس نتیجہ کی توقع ہو سکتی ہے اس کے ترتیب کی کوئی دلیل ہونا چاہیے، اس لئے اس کا اس پر قیاس مع الفارق ہے“ (بواد النوا در فضیلت ج ۱)

اگر مباہلہ کی مشروعیت کسی دلیل سے ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس زمانہ میں مفاسد ذیل کی وجہ سے جائز نہیں۔

① بیان القرآن میں مباہلہ کا فائدہ ”قطع نزاع لسانی“ لکھا ہے، اس زمانہ میں عوام و خواص مباہلہ کی اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔

② ان کو اگر سمجھا بھی دیا جائے کہ مباہلہ کی حقیقت صرف ”قطع نزاع لسانی“ ہے تو بھی اس سے نزاع ختم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھتا ہے، جانبدار ایک دوسرے پر طرح طرح کے الزامات لگا کر بے شمار نئے نزاعات کھڑے کر دیتے ہیں۔

③ ہر فریق دوسرے کی ہر آفت و مصیبت کو مباہلہ کا نتیجہ قرار دینے لگتا ہے۔

④ اہل حق پر قدرۃ کوئی ابتلا آگیا تو عوام کی گمراہی کا باعث ہوگا۔

(۵) اس زمانہ میں عوام و خواص کا عقیدہ راسخ یہ ہے کہ مباہلہ پر نتیجہ متعینہ کا ترتیب لازم ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل بے دلیل اور سراسر غلط ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنجین میں لعان ہوا مگر سوائے تفریق کے کسی پر کوئی آفت نہ آئی۔

اس حقیقت کے مطابق اگر اس دور میں مباہلہ کے بعد فریقین میں کسی پر بھی کوئی آفت نہ آئی تو لوگوں کو بزعم خویش اللہ تعالیٰ کے قطعی فیصلہ میں تردد ہو گا جو کفر ہے۔

(۶) نصوص شرعیہ و علماء اسلام کے مقابلہ میں جاہل و گمراہ پیر مباہلہ کی دہائی دے کر عوام میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں، لہذا ان کی طرف سے دعوت مباہلہ کو قبول کر لینا ہی ان کی کامیابی ہے۔

(۷) اگر ہر جاہل پیر کی دعوت مباہلہ کو علماء اسلام قبول کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے لگیں اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی جواہم خدمات جلیلہ لے رہے ہیں ان میں نقص و خلل ڈالنے لگیں تو یہی شیطان اور اس کے ادویاء کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخالف کو دعوت مباہلہ دینا منقول ہے۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى : فان قلت هل يشرع الدعاء باللعن على الكاذب المعين قلت قال في غاية البيان من العدة وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه انه قال من شاء باهله ان سورة النساء القصص نزلت بعد التي في سورة البقرة اي من شاء الميا هلة اي الملا عنة باهله وكانوا يقولون اذا اختلفوا في شيء بهله الله على الكاذب منا قالوا هي مشروعة في زماننا ايضا اه (البحر الرائق ج ۴)

وكذا نقل عنه العلامة ابن عايد بن رحمه الله تعالى (رد المحتار ج ۲)

وقال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى : ومن ذهب الى جواز مباهلة

اليوم على طرز ما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم استدلهما اخرجه عبید

ابن حمید عن قيس بن سعد ان ابن عباس رضي الله تعالى عنهما كان بينه

وبین الاخر شیء فدعاہ الى المباحلة وقرأ الاية ورفع ید یدہ فاستقبل الرکن
(روح المعانی ص ۲۸ ج ۳)

اگر یہ روایات باسناد صحیحہ ثابت ہو جائیں تو ان حضرات کا یہ عمل غرض قطع نزاع
سانی پر محمول ہو گا جو اس زمانہ میں مفقود ہے۔

علاوہ ازیں ان کے زمانہ میں وہ دوسرے مفاسد بھی نہیں تھے جن کی تفصیل اوپر لکھی
گئی ہے، لہذا اب مباہلہ جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

، صفر ۱۴۱۲ھ

مشت زنی حرام ہے :

سوال : مشت زنی کرنا کیسا ہے ؟ ناجائز ہے تو کون سا گناہ ہے ، صغیرہ یا کبیرہ ؟
کیا کوئی صورت ایسی ہے جس میں اس کی گنجائش ہو ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب۔

مشت زنی حرام اور گناہ کبیرہ ہے ، قرآن و حدیث میں اس پر بہت سخت وعیدیں
آئی ہیں۔ اگر زنایں مبتلی ہونے کا سخت خطرہ ہو اور اس حرکت شفیعہ کے سوا بچنے کی کوئی
صورت ممکن نہ ہو تو شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔

قال اللہ تعالیٰ : والذین ہم لفرو جہم حافظون الاعلیٰ ازواجہم الا یہ
قال القاضی شناع اللہ القاضی فتی رحمہ اللہ تعالیٰ : فی ہذہ الایۃ دلیل
علی ان الاستمنا بالید حرام و هو قول العلماء قال ابن جریر سألت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ
عنه فقال مکروہ سمعت ان قوما یحشرون وایدیہم جالی واظن انہم ہولاء وعن سعید بن جبیر
رحمہ اللہ تعالیٰ قال عذب اللہ امۃ کانوا یعبثون بہذا کیرہم (تفسیر مظہری ج ۶)
وقال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : وکذا الاستمنا بالکف وان کمرہ
تحریرا لحديث "ناکح الید ملعون" ولو خاف الزنا یرجى ان لا ویال علیہ ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : ویدل ایضاً علی ما قلت
ما فی الزیلعی حیث استدل علی عدم حلہ بالکف بقولہ تعالیٰ والذین ہم
لفرو جہم حافظون الا یہ وقال فلم یجہ الاستمتاع الا بجمہای بالزوجة والامۃ
فاذا و عدم حل الاستمتاع ای قضاء الشهوة بغيرہما (رد المحتار ص ۲۸ ج ۲)

وقال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ : (ناکھ الکف ملعون) ای مطرود عن منازل الابرار و افاد الحدیث لعنه علی العموم و لعن المعین لا یجوز و ویردان الکف تجزی و یوم القیامۃ حبلی و انه یخلق خلق من ذلک الماء لا رأس له یتطلب فاعل ذلک باہتمام خلقہ تعذیباً لہ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرۃ ص ۵۲ ج ۱۷) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸ شعبان ۱۴۱۲ھ

شیعہ، قادیانی اور ذکری کے ساتھ معاملات

سوال: شیعہ، مرزائی اور ذکری دوسرے عام کفار ہندو، سکھ وغیرہ جیسے ہیں یا ان کا حکم الگ ہے؟ ان کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ کی جملہ اقسام، قادیانی، ذکری، منکرین حدیث اور انجمن دینداران سب زندیق ہیں جن کے احکام دوسرے کفار بلکہ مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں، ان کے ساتھ خرید و فروخت وغیرہ ہر قسم کا لین دین ناجائز ہے اور ان سے دوستانہ تعلق رکھنا اور محبت سے پیش آنا غیرت ایمانیہ کے خلاف ہے، حتی الامکان ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات سے بچنا فرض ہے۔

اگر کسی نے ان کے ساتھ کوئی معاملہ بیع یا اجارہ وغیرہ کر لیا تو منعقد نہیں ہوگا، البتہ صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عدم جواز کے باوجود عقد نافذ ہو جائے گا، بوقت ابتلاء عام و ضرورت شدیدہ اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

تعریف زندیق :

لغت میں بے دین اور بد اعتقاد کو کہتے ہیں۔

اصطلاح شریعت میں جو اسلام ظاہر کرتا ہو اور باطن میں عقائد کفریہ رکھتا ہو یا عقائد کفریہ ظاہر کرتا ہو اور غلط تاویلات سے اپنے ان عقائد کفریہ کو عقائد اسلام قرار دیتا ہو۔

قال العلامة الفتاویٰ رحمہ اللہ تعالیٰ : وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اظہارہ شعائر الاسلام بیطن عقائدہ ہی کفر

بالاتفاق خص باسم الزنديق (شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۶۹)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : واماني اصطلاح الشرع
فالفرق اظهر لا اعتبارهم ابطان الكفر والاعتراف بنبوة نبينا صلى الله عليه
وسلم على ما في شرح المقاصد (رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۶)
وقال ايضا : (تولد المعروف) اي بالزندقة الذي يدعوا الناس الى
زندقته -

فان قلت : كيف يكون معروفا داعيا الى الضلال وقد اعتبر في مفهومه
الشرعي ان يبطن الكفر ؟

قلت لا بعد فيه فان الزنديق بموه كفرة ويررج عقيدته الفاسدة ونحوها
في الصورة الصحيحة وهذا معنى ابطان الكفر، فلا ينافي اظهاره الدعوى
الى الضلال وكونه معروفا بالاضلال ابن كمال (رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۶)

وقال الشافعي والى الله رحمه الله تعالى : ان المخالف للدين الحق ان لم
يعترف به ولم يذعن له لا ظاهر اذ لا باطنا فهو كافر وان اعترف بلسانه وقلبه
على الكفر فهو المنافق وان اعترف به ظاهرا لكنه يفسر بعض ما ثبت
من الدين ضرورة بخلاف ما فسر الصحابة والتابعون واجتمعت
عليه الامة فهو الزنديق (المسوى ج ۲ ص ۱۳)

وقال العلامة الكشميري رحمه الله تعالى : قلت الزنديق مزيج
معاني الانفاظ مع ابقاء الفاظ الاسلام كهذا اللعين في القاديان يدعي انه
يؤمن بختم النبوة ثم يخترع له معنى من عنده يصلح له بعده الختم دليلا
على فتح باب النبوة فهذا هو الزندقة حقا اي التغيير في المصاديق و
تبديل المعاني على خلاف ما عرفت عند اهل الشرع وصرفها الى اهل
مع ابقاء اللفظ على ظاهره والعياذ بالله (فيض الباري ج ۲ ص ۴۲)

وقال العلامة عالم بن العلاء الانصاري رحمه الله تعالى : ثم عندها
تصرفات المرتد متى نفذت نفذت في كسب الاسلام والردة جميعا
واختلف المشايخ في مذهب ابي حنيفة رحمه الله تعالى قال بعضهم

تصرفاته في كسب الرواة نافذة في ظاهر مذهبه وانما التوقف في تصرفاته في كسب الاسلام والى هذا مال شيخ الاسلام خواهرزاده رحمه الله تعالى واستدل بمسألة ذكرها في كتاب الرهن وصورتها: المرتد اذا قضى ديناً وجب عليه بعد الردة من كسب الردة جازر عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى، قال شيخ الاسلام: هذا، وروى الحسن عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى في غير رواية الاصول ان تصرفه في كسب الردة يتوقف ولكن ما ذكر في ظاهر الرواية اصح وذكر شمس الاثمة السرخسي رحمه الله تعالى ان الصحيح ان تصرف المرتد يتوقف في الكسبين جميعاً قال شمس الاثمة: هذا وما ذكر في كتاب الرهن ان المرتد اذا قضى ديناً وجب عليه بعد الردة من كسب الردة جازر فذلك على رواية ابي يوسف عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى فاما على رواية الحسن رحمه الله تعالى فلا ينفذ كما اذا كان في كسب الاسلام قال: والصحيح رواية الحسن - قال شمس الاثمة: الحاصل ان الروايات قد اختلفت عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى في قضاء ديون المرتد ففي رواية ابي يوسف يبدأ بكسب الردة فان لم يف يقض من كسب الاسلام وفي رواية الحسن عنه: يبدأ من كسب الاسلام فان لم يف يقض من كسب الردة وفي رواية زهر رحمه الله تعالى: دين الردة يقضى من كسب الردة ودين الاسلام يقضى من كسب الاسلام والصحيح رواية الحسن (التارخانية ص ٥٥ ج ٥)

وقال العلامة السيد محمد ابوالسعود المصري الحنفى رحمه الله تعالى: (قوله هذا عند ابي حنيفة) اعلم ان تصرفات المرتد يتوقف في الكسبين جميعاً وهو الصحيح وقال بعض المشايخ ان تصرفه في كسب الردة نافذ في ظاهر الرواية وموقوف في رواية الحسن والاول اصح وهذا كله عند الامام واما عندهما فتصرفاته نافذة في الكسبين قهستانى (قوله وعنهما) والخلاف بينهما في تصرفات وقعت قبل اللحاق واما بعده قيل الحكم فهي موقوفة بالاجماع كولايته على ادلادة الصغار

قہستانی عن المحيط (فتح المعین ص ۲۶۲ ج ۲)

وهكذا قال القهستاني رحمه الله تعالى (جامع الرموز ص ۵۸ ج ۲)

وقال العلامة المحصن رحمه الله تعالى: واعلم ان تصرفات المرتد على اربعة اقسام فينفذ منه اتفاقا ما لا يعتمد تمام ولا نية وهي خمس الاستيلاء والطلاق وقبول الهبة وتسليم الشفعة والحجر على عبدة و يبطل منه اتفاقا ما يعتمد الملة وهي خمس النكاح والذبيحة والصيد والشهادة والارث۔

ويتوقف منه اتفاقا ما يعتمد المساواة وهو المفاوضة او ولاية متعدية وهو التصرف على ولده الصغير ويتوقف منه عند الامام وينفذ عندهما كل ما كان مبادلة مال بمال او عقد تبرع كالمبايعات والصرف والسلم والعتق والتدبير والكتابة والهبة والرهن والاجارة والصلم من اقرار وقبض الدين لانه مبادلة حكمية والوصية وبقی ايمانه وعقله ولا شك في بطلانها واما ايداعه واستيداعه والتقاطه ولقطته فينبغي عدم جوازها نعم ان اسلم نفذ وان هلك بموت او لحق بداس الحرب وحكم بلحاظه بطل ذلك كله فان جاء مسلما قبله قبل الحكم فكانه لم يرتد۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله فينبغي عدم جوازها) عبارة التهم: فلا ينبغي التردد في جوازها منه اهـ فلفظه عدم من سبق القلم (قوله ويتوقف منه عند الامام رحمه الله تعالى) بناء على زوال الملك كما سلف نعم (قوله وينفذ عندهما) الا انه عند ابی يوسف رحمه الله تعالى تبصر كما تصح من الصحيح لان الظاهر عودة الى الاسلام وعند محمد رحمه الله تعالى كما تصح من المريض لانها تفضي الى القتل ظاهرا عن البحر (رد المحتار ص ۳ ج ۳) والله سبحانه وتعالى اعلم۔ غرة محرم ۱۲۱۵ھ

۱۔ ادیبانوں کے ساتھ تعلقات کے مسائل جلد اول کتاب الایمان والعقائد اور جلد سادس باب

المرتد والبغاة اور تتمہ میں بھی ہیں)

ذنیوی غرض سے عمل بہ مذہب غیر حرام ہے :

سوال : حنفی عالم غیر احناف کی مسجد میں امامت کرتا ہے، یہ اس کی ملازمت ہے۔ اگر مسلک حنفی کے مطابق نماز پڑھائے تو معزول ہو جائے گا، ایسی حالت میں مسلک احناف کو حق سمجھتے ہوئے ملازمت باقی رکھنے کے لئے غیر حنفی طریقہ پر نماز پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟ بینوا تو حیران۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : قال فی جواہر الفتاویٰ : لو ان رجلاً من اہل الاجتہاد برئ من مذہبہ فی مسألة او فی اکثر منہا باجتہاد لما وضم له من دلیل الكتاب او السنة او غیرہما من الحجج لم یکن ملوماً ولا مذموماً بل کان مأجوراً محمداً وهو فی سعة منه وهكذا افعال الامة المتقدمین فاما الذی لم یکن من اهل الاجتہاد فانتقل من قول الی قول من غیر دلیل لکن لما یرغب من غرض الدنیا وشہوتہا فهو مذموم اشر مستوجب للتأذیب والتعزیر لاد تکابہ المنکر فی الدین واستخفافہ بدینہ ومذہبہ و نقل السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فی رسالۃ المسماة ببحریل المواہب فی اختلاف المذاهب من فصل الانتقال من مذہب الی مذہب وهو جائز الی ان قال : اقول للمنتقل احوال الاول ان یرکب السبب الحامل له علی الانتقال امرأ دنیویاً کحصول وظیفۃ او مرتب او قرب من الملوک و اهل الدنیا فهذا حکمہ کمہا جرم قیس لان الامور بہا قصد ہا ثم لہ حالان الاول ان یرکب عاریاً من معرفۃ الفقہ لیس لہ فی مذہب امامہ سوی اسم شافعی او حنفی کغالب متعمہی زماننا ارباب الوظائف فی المدارس حتی ان رجلاً سأل شیخنا العلامة الکافی رحمہ اللہ تعالیٰ مرۃ یرکب لہ علی قصۃ تعلیقاً بولایۃ اول وظیفۃ تشغیراً بالشیخونۃ فقال لہ ما مذہبک قال مذہبی خبیر وطعام یعنی وظیفۃ اما فی الشافعیۃ او المالکیۃ او الحنبلیۃ فان الحنفیۃ فی الشیخونۃ لا خبیر لہم ولا طعام فهذا امرہ فی الانتقال انھ

لا یصل الی حد التحریم لانہ الی الآن عامی لا مذهب لہ یحققہ فهو یستأنف
مذہباً جدیداً ثانیہما ان یشک فی فقیہا فی مذهب و یرید الانتقال لهذا
الغرض فهذا امرہ اشد و عندی انه یصل الی حد التحریم لانہ تلعب
بالاحکام الشرعیۃ لمجرد غرض الدنیا (العقود الدریۃ ص ۳۲ ج ۲) واللہ سبحانہ
وتعالیٰ اعلم۔
فون سنالازم نہیں:

سوال: اگر فون کی گھنٹی بج رہی ہو تو فون اٹھانا اور سننا واجب ہے یا نہیں؟
بیتواتوجسوا

الجواب باسم ملہم الصواب

واجب نہیں، کیونکہ اگر کوئی شخص دور سے ملنے آئے اور دروازے پر دستک دے تو
اہل خانہ پر اس سے ملنا لازم نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: یا ایہا الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی
تستأنسوا وتسلموا علی اہلہا (الی قولہ) وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا
ہو انہ کی لکم (۲۴-۱۸)

فون تو انسان اپنے گھر یا کہیں دور سے کرتا ہے، اس سے ملنا بطریق اولیٰ لازم
نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

تعویذ کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ رقیہ (دم) تو ثابت ہے لیکن تمیمہ (تعویذ) ثابت نہیں
بلکہ شرک ہے اس لئے اول جائز اور ثانی ناجائز ہے۔ کیا واقعی تعویذ کا ثبوت نہیں اگر ہے تو
شرائط جواز کیا ہیں، نیز حساب ابجد سے تعویذ لکھنا کیسا ہے؟ بیتواتوجسوا

الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث صحیحہ صریحہ کثیرہ سے رقیہ (دم) کا ثبوت بے غبار ہے، تمیمہ (تعویذ) کی
مندرجہ ذیل صورتیں ناجائز ہیں:

① ٹوٹکا، جو پیتل، تانبے یا لوہے وغیرہ کے ٹکڑے کو باندھ کر کیا جاتا ہے۔

(۲) ایسا تعویذ جس میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ، اور ادعیہ ماثورہ نہ ہوں بلکہ کلمات شرکیہ ہوں۔

(۳) تعویذ کو مؤثر بالذات سمجھا جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور اب بھی بعض جہال یونہی سمجھتے ہیں۔

یہ صورتیں بلاشبہ ناجائز، حرام اور شرک ہیں۔

تمیمہ میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ اور ادعیہ ماثورہ ہوں تو یہ جائز اور ثابت ہے اس کو ناجائز اور شرک کہنا جہالت ہے کیونکہ اس قسم کے تعویذ میں مؤثر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جاتا ہے۔

تعویذ کو شرک کہنے والوں پر لازم ہے کہ شرک کی ایسی تعریف کریں جس میں تعویذ تو داخل اور دعا، دوا، رقیہ خارج ہو جائیں۔

حاصل یہ کہ جواز تمیمہ کے لئے تین شرائط ہیں :

(۱) لغت مفہوم میں ہو۔

(۲) مأثور و منقول ہو۔

(۳) اس کے نافع بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

حاج ابجد سے تعویذ لکھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی لغت مفہوم میں ہے
روایات الحدیث والفقہ :

(۱) عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کننا نرقی فی الجاہلیۃ فقلنا یا رسول اللہ کیف تری فی ذلک فقال اعرضوا علی رقاکم لا یأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک (صحیح مسلم ص ۲۲ ج ۲)

(۲) عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ فنزلنا بقوم فسألناهم الرقا فلم یقرؤنا فلداغ سیدہم فأتونا فقالوا اهل فیکم من برقی من العقرب قلت نعم انا ولكن ارقیہ حتی تعطونا غنما قالوا فانا نعطیکم ثلاثین شاتاً فقبلنا فقرأت علیہ الحمد سبع مرات الخ (الجامع للترمذی ص ۲۲ ج ۲)

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم يعوذ الحسن والحسين يقول اعيذكما بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامة ومن كل عين لامة ويقول هكذا كان ابراهيم عليه السلام يعوذ اسحق واسماعيل (الجامع للترمذي ص ۲۶ ج ۲)

(۴) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت ليست التيممة ما تعلق به بعد البلاء انما التيممة ما تعلق به قبل البلاء رواه الحاكم وقال صحيح الاسناد (الترغيب ص ۲۴ ج ۵)

(۵) ان عائشة رضي الله تعالى عنها نزل بها روح النبي صلى الله عليه وسلم قالت ليست تيممة ما علق بعد ان يقع البلاء (شرح معاني الآثار ص ۳۲ ج ۲)

(۶) وكان عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما يعلمهن من عقل من بنيه ومن لم يعقل كتبه فاعقله عليه (ابوداود ص ۹۴ ج ۲)

(۷) وقال الحافظ رحمه الله تعالى: والتمائم جمع تيممة وهي خرزة او قلادة تعلق في الرأس كانوا في الجاهلية يعتقدون ان ذلك يدفع الافات الخ (فتح الباري ص ۱۶ ج ۱۰)

(۸) وقال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: واما ما كان من الآيات القرآنية والاسماء والصفات الربانية والدعوات المأثورة النبوية فلا بأس بل يستحب سواء كان تعويذا او راقية او نشرة واما على لغة العبرانية ونحوها فيمتنع لاحتمال الشرك فيها (رقاة ص ۳۲ ج ۸)

(۹) وقال ايضا: (او تعلقت تيممة) اي اخذتها علاقة والمراد من التيممة ما كان تماشرا لجاهلية ورقاها فان القسم الذي يختص باسماء الله تعالى وكلماته غير داخل في جملة بل هو مستحب مرجو البركة عرف ذلك من اصل السنة وقيل يمنع اذا كان هناك نوع قدح في التوكل الخ (المرقاة ص ۳۲ ج ۸)

(۱۰) وقال ايضا: (والتمائم) جمع التيممة وهي التعويذة التي تعلق على الصبي اطلقه الطيبي لكن ينبغي ان يقيد بأن لا يكون فيها اسماء الله تعالى وآياته المتلوة والدعوات المأثورة وقيل هي خرزات كانت للعرب

تعلق علی الصبی لدفع العین بزعمہم وهو باطل ثم اتسعوا فیہا حتی
سہوا بہا کل عوزة ذکرہ بعض الشراح وهو کلام حسن وتحقیق مستحسن
(المراقبة ص ۳۱۸ ج ۸)

(۱۱) وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا بأس بالمعاذات
اذا كتب فیہا القرآن او اسماء اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۳۶۳ ج ۶)

(۱۲) وقال ایضاً: (قوله التیمة المكروهة) اقول الذی رأیتہ فی المجتبى
التمیمة المكروهة ما كان بغير القرآن وقيل هی الخرزة التي تعلقها الجاهلیة
فلتراجع نسخة اخرى وفي المغرب: وبعضهم يتوهم ان المعاذات هی التمام
ولیس كذلك انما التیمة الخرزة (الی ان قال) وفي الشلبی عن ابن الاثیر
التمائم جمع تيممة وهي خرزات كانت العرب تعلقها علی اولادهم یتقون بها
العین فی نزعمهم وابطلها الاسلام۔ والحديث الآخر "من علق تيممة فلا اثم
الله له" لانهم یعتقدون انها تمام الدواء والشفاء بل جعلوها شركاء
لانهم ارادوا بهاد فعم المقادير المكتوبة علیهم وطلبوا دفع الاذى من غیر
الله تعالی الذی هو دافعه اھ ط (الی ان قال) وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انه كان بمود نفسه قال رضی اللہ تعالی عنہ وعلى الجوانم عمل الناس البوم
وبہ وردت الآثار (رد المحتار ص ۲۳۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۱۔ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

شیطانی گوئے کی تباہ کاریاں :

سوال: ورزش کی نیت سے فٹ بال کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ورزش کی دو قسمیں ہیں :

(۱) جس کا تعلق براہ راست جہاد سے ہو۔

اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مقام ایسا منتخب کیا جائے جس میں جہاد
کی مشق کرنے سے گرد و نواح میں کسی قسم کے جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، خود
ورزش کرنے والوں کا خطرے سے محفوظ ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی مر بھی گیا تو

شہید ہوگا۔

(۲) جس کا براہ راست جہاد کی تربیت سے تعلق نہیں۔

ایسی ورزش تحفظ صحت اور دینی و دنیوی امور میں معین ہونے کی وجہ سے فی نفسہ جائز بلکہ کسی قدر ضروری ہے مگر اس کے لئے یہ شرائط ہیں:

(۱) شرط مذکور یعنی گرد و نواح میں کسی قسم کے جانی و مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) خود ورزش کرنے والے کو یا اس کے ساتھ شرکاء میں سے کسی کو کسی قسم کے جسمانی یا مالی نقصان یا ایذا پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۳) اس میں ورزش کے مفہوم پر کھیل کود، لہو و لعب اور تماشا کا پہلو غالب نہ ہو۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل شيء يلهو به الرجل باطل الا رميه بقوسه وتأديبه فرسه وملاعبته امرأتها فافتن من الحق رواه الترمذی (مشکوٰۃ ص ۳۳ ج ۲)

عن سعيد بن الجبير رضى الله تعالى عنه ان قريبا لعبد الله بن مغفل رضى الله تعالى عنه خذف قال فنهاه وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الخذف وقال انها لا تصيد صيدا ولا تنكأ عدوا ولكنها تكسر السن وتفقد العين قال فعاد فقال احدثك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنه ثم خذف لا اكلماك ابدار صحيح مسلم ص ۱۵۲ ج ۲

گیند اور فٹ بال :

یہ درج ذیل فسادات کی بنا پر جائز نہیں :

(۱) اس میں کھیل کے شرکاء کو سخت جسمانی نقصان پہنچتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہیں، بعض کی ٹانگیں ٹوٹنا اور بعض کے پیٹ میں چوٹ لگنے سے بربل مرگ ہو جانا ہم نے خود دیکھا ہے۔

(۲) قریب سے گزرنے والوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ بعض کی آنکھیں پھوٹنے اور بعض کے چہرے مسخ ہونے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

اس شیطانی تماشے کے نواح میں شارع عام پر کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی اطمینان سے نہیں گذر سکتا۔

(۳) مالی نقصان، جب یہ کسی عمارت کے قریب کھلتے ہیں تو کتنے لوگوں کے مکانوں کی کھڑکیاں توڑ دیتے ہیں، اس کے بے شمار واقعات ہیں، دوبار تو ہمارے ساتھ یہ حادثہ ہو چکا ہے۔

(۴) بسا اوقات دنگا و فساد۔

اس شیطانی گولے کے مالی، جسمانی، جانی اور دینی و ایمانی نقصانات پوری دنیا میں مستم، ہر شخص کے مشاہد، بدیہی بلکہ روز روشن کی طرح اجلی البدیہیات سے ہیں، مجھے گوشہ نشینی کے باوجود اس شیطانی حرکت کی جن تباہ کاریوں کا مشاہدہ اور یقینی علم ہے خیال تھا کہ ان میں سے مثال کے طور پر چشم عبرت کے لئے چند واقعات لکھ دوں مگر اس سے دو امر مانع ہوئے۔

(۱) ان کی فہرست بہت طویل ہے اور اگر انتخاب کروں تو کیسے؟ کیونکہ ایک سے بڑھ کر ایک۔

(۲) ایسی حقیقت بدیہیہ کی مثالیں لکھنا اس کو نظری یا غیر ظاہر قرار دینے کے مترادف ہے۔

اس مہلک شیطانی گولے کی تباہ کاریاں اللہ کی نافرمانیوں پر عذاب ہے۔

ولنذیقنہم من العذاب الادی دون العذاب الاکبر لعلمهم

یرجعون۔

پھر ایسے عذاب الیم کو پچشم خود دیکھنے بلکہ اپنی جان پر بتینے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ان دشمنوں کو عبرت و ہدایت کی توفیق نہ ملنا عذاب پر عذاب۔ ضعف الحیوة وضعف المات۔ نفس و شیطان کے بندوں پر عذاب الہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کو اپنے دنیوی نفع و نقصان کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ نسوا للہ فانسلہم انفسہم۔

(۳) اس میں درزش کے مفہوم پر تماشے کا مفہوم غالب ہے، اس پر دلائل:

(۱) کسی درزش کو پوری دنیا میں کوئی کھیل نہیں کہتا، پہلوان درزشیں

کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مختلف امراض کے لئے درزشیں بتاتے ہیں کوئی بھی اسکو

کھیل نہیں کرتا۔ گیند اور فٹ بال کو کوئی بھی ورزش نہیں کہتا، کھیل کہتے ہیں۔
 (۲) ورزش کو دیکھنے کے لئے دوسرے لوگ جمع نہیں ہوتے، کوئی ایک آدمی چلا گیا تو
 الگ بات ہے، فٹ بال کو دیکھنے بہت لوگ آتے ہیں مولوی لوگ بھی آتے ہیں۔
 ایک شخص نے صرف فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لئے نیائی دی خریدا اور گھر والوں سے
 یوں جھوٹ بولا اور یوں فریب دیا کہ فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لئے ٹی وی کے جواز کا میں نے
 فلاں سے فتویٰ لیا ہے۔

مجھ پر افتراء باندھا کہ اس نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔
 (۳) فٹ بال وغیرہ کے مقابلہ کو دیکھنے کے لئے لوگ ٹی وی پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں،
 کسی ورزش کو دکھانے کے لئے کسی حکومت میں کسی ملک میں کوئی نظم نہیں۔
 (۴) ورزش میں کوئی شخص ایسا مگن نہیں ہوتا کہ ضرورت سے زائد کرتا ہی چلا جائے،
 وقت متعین ہوتا ہے، آدھا گھنٹہ، گھنٹہ، جب وقت گزر جاتا ہے تو پھر اس کا شوق نہیں رہتا۔
 اس شیطانی دھندے کا حال یہ ہے کہ شروع کیا تو ہوش نہیں رہتا، کھیلنے ہی چلے
 جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ورزش نہیں بلکہ کھیل تماشا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
 تفریحی تالاب میں تیراکی سیکھنا:
 غرہ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

سوال: تفریح یا تیراکی سیکھنے کے لئے ایسے تالاب میں نہانا جائز ہے یا نہیں جہاں
 بے دین، فساد و فحار کا ہجوم ہوتا ہے، جن کے ران کھلے ہوتے ہیں؟
 بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم بنیت جہاد تیراکی سیکھنے جاتے ہیں، جب بازاروں میں
 منکرات والی دکانوں پر اپنی حاجت سے جانا جائز ہے تو بضرورت جہاد ایسے تالاب میں
 نہانا بطریق ادلی جائز ہونا چاہیے۔

اس بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تالاب میں نہانے کو حاجات عامہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لئے اس سے احتراز
 لازم ہے، بالخصوص علماء و صلحا ربکے لئے زیادہ فیصیح ہے۔

هذا، ومسألة دخول الحمام مشهورة وفي كتب المذهب من بوجاهة۔

غرہ صفر ۱۴۱۶ھ

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

نابالغ کا ستر دیکھنا :

سوال : نابالغ بچے کے ستر کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ عورت غلیظہ و خفیضہ میں کچھ فرق ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جس را۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بہت چھوٹے بچے کی عورت غلیظہ و خفیضہ دونوں کو دیکھنا جائز ہے، سات سال کی عمر تک صرف خفیضہ کا دیکھنا جائز ہے، غلیظہ کا دیکھنا جائز نہیں۔

سات سال سے زیادہ عمر کا بچہ اس مسئلہ میں بالغ کے حکم میں ہے، لہذا اس عمر کے بعد غلیظہ و خفیضہ دونوں کا دیکھنا ناجائز ہے۔

حد صغریٰ چار سال تک کی عمر کا قول بلا نسبت مذکور ہے، مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس عمر میں بچہ استنجا وغیرہ میں مستغنی نہیں ہو سکتا اس لئے اس میں رائی مبتلی بہ کا اعتبار ہونا چاہیئے۔

عورت غلیظہ سے مراد پیشاب و پاخانہ کا مقام اور ان کے ارد گرد کا حصہ ہے اور عورت خفیضہ سے ان مواضع کے سوا باقی حصہ۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : وفي السراج لا عورة للصغير جدا ثم مادام لم يثبت فقبل ودبر ثم تغلظ الى عشر سنين ثم كبالغ (الى قوله) والغليظة قبل ودبر وما حولها والخفيضة باعد ذلك۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله لا عورة للصغير جدا) وكذا الصغيرة كما في السراج فيباح النظر والمس كما في المعراج قال ج دفر منخنا بابن اربع فماد ونها ولم ادر لمن عزاه (رد المحتار ص ۲۴ ج ۱)

وقال ايضا : (ثم يتغلظ بعد ذلك الى عشر سنين) قال في النهر : وكان ينبغي اعتبار السبع لانهما يومان بالصلاة اذا بلغا هذا السن الخ (البحر ص ۲ ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم۔ ۲۰ جمادی الثانی۱۴۱۷ھ

مال حرام سے خریدا ہوا مال بھی حرام ہے :

یہ مسئلہ کھانے پینے کی اشیاء کے باب میں عنوان ”مال حرام سے خریدا ہوا طعام بھی حرام ہے“ کے تحت گزر چکا ہے۔

آلات معصیت توڑنے کا حکم:

سوال: گانے بجانے کے آلات اور شراب کے برتن توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز توڑنے والے پر ضمان ہے یا نہیں؟ اگر یہ آلات ذمی کے پاس ہوں تو پھر کیا حکم ہے؟ بیہنوا توجروا۔
الجواب باسم ملہم الصواب

آلات معصیت کا توڑنا جائز ہے اور مندرجہ ذیل تین صورتوں میں توڑنے پر بالاتفاق ضمان نہیں:

(۱) اس آلہ کو لہو و لعب کے سوا کسی اور کام میں استعمال نہ کیا جاسکتا ہو۔

(۲) امام کی اجازت سے توڑا ہو۔

(۳) آلات لہو و لعب مغنی کے پاس ہوں اور شراب کے مثلکے خمار یعنی شراب بیچنے والے کے پاس ہوں۔

جہاں یہ تینوں صورتیں منتفی ہوں، یعنی آلہ میں جائز امر میں استعمال کرنے کی صلاحیت ہو، امام کی اجازت نہ ہو، مغنی یا خمار کے پاس نہ ہو تو وجوب ضمان میں اختلاف ہے، اہم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکڑی وغیرہ اجزاء جو لہو و لعب کے کام نہ آسکیں ان کی قیمت واجب ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی واجب نہیں، فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے لفساد الزمان۔

ذمی بھی تجکم مسلم ہے، البتہ وہ اگر علانیہ خمر کی بیع نہ کرتا ہو تو اس کے حق میں آلہ معصیت نہ ہونے کی وجہ سے ضمان واجب ہوگا۔

قال العلامة المحصن کفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وضمن بکسر معزف بکسر المیم التہ اللہو ولولکافر ابن کمال قیمته خشبا منحوتا صالحا لغير اللہو وضمن قیمته لا المثل بارقة سکرو منصف سیحی، بیانہ فی الاشریۃ و صح بیعہا کلہا وقال لا یضمن ولا یصح بیعہا وعلیہ الفتوی ملتقی ودرر وزیلعی وغیرہا وقرہ المصنف۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقال الخ) هذا الاختلاف فی الضمان دون اباحتہ اتلاف المعازف و فیما یصلح لعمل آخر والا لم یضمن شیئا اتفاقا و فیما اذا فعل بلا اذن الامام والا لم یضمن

اتفاقا و فی غیر عود المغنی و جابیت الخمار والا لم یضمن اتفاقا لانه
لو لم یکسرھا عاد لفعلہ القبیح و فیما اذا کان لمسلم فلو لذمی ضمن
اتفاقا قیمته بالغاما بلغ و کذا لو کسر صلیبہ لانه مال متقوم فی حقہ
قلت لکن جزم القہستانی و ابن الکیمال ان الذمی کالمسلم فلیحرر
در منتقی اقول و جزم بہ فی الاختیار ایضا و لعلہ اقتصر فی الهدایۃ
علی ذکر المسلم لکونہ محل الخلاف و بہ یتحرر المقام فتدبر
(رد المحتار ص ۳۱ ج ۵)

وقال العلامة محمد الدین الموصلی رحمہ اللہ تعالیٰ: و یجب فی
کسر المعازف قیمتھا لغير اللہ و سواء کانت لمسلم او ذمی کالبربط
و الطبل و الدف و المزمار و الجثک و العود و نحوھا و یجوز بیعھا و قالوا:
لا یضمن ولا یجوز بیعھا لانھا اعدت للمعاصی فلا تضمن کالخمر
و متلفھا یتأول النہی عن المنکر و انہ: مأمور بہ شرعا فلا یضمن کاذن
القاضی و بل ادلی (الاختیار ص ۳ ج ۲) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ

حکم الاستمناء بید الزوجۃ:

سوال: بیوی کے پیٹ، ران اور ہاتھ سے استمتاع کرتے ہوئے انزال کرنا جائز ہے یا
نہیں؟ نیز بیوی کا شوہر کے ہاتھ سے استمتاع کے بعد انزال کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بضرورت تسکین بلا کراہت جائز ہے۔ بلا ضرورت مکروہ تنزیہی ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معنی المعراج الدراية: و یجوز ان یستمنی بید
زوجتہ و خادمۃ و سیدۃ الشارح فی الحدود عن الجوہرۃ انہ یکرہ و لعل المراد
بہ کراہتہ التنزیہ فلا ینافی قول المعراج یجوز تأمل (رد المحتار ص ۳ ج ۲) واللہ سبحانہ
و تعالیٰ اعلم۔

حق طبع محفوظ رکھنا جائز نہیں:

تمہ میں رسالہ القول الصدوق بیع الحقوق میں ہے۔



قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَ
الطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ — (۲۴: ۳۲)
بِسْمِ اللَّهِ تَعَالَى جَمِيلٌ مُجِيبُ الْجَمَالِ (مسلم متفق)

رَدِّ الْخَالَصَةِ

فقہ کئی بعض کتابوں سے معلوم
ہوتا ہے کہ بقصد زینت سرمہ لگانا
مردوں کے لئے مکروہ ہے۔

زیر نظر تحقیق میرا کئی وضاحت کی گئی ہے
اور ثابت کیا گیا ہے کہ مردوں کے لئے
بھی بقصد زینت سرمہ لگانا بلا کرمیت
جائز ہے۔

بقصد زینت سرمہ لگانا جائز ہے

سوال ① ولا بأس بالاکتعال للرجال اذا قصد به التداوی دون الزینة

(ہدایہ ص ۲۰۱ ج ۱ کتاب الصوم)

② ولا بأس بالاکتعال للرجال باتفاق المشایخ ویکره الکحل بالاسود

بالاتفاق اذا قصد به الزینة واختلفوا فیما اذا لم یقصد به الزینة عامتهم

علیٰ انہ لا ینکرہ کذا فی جواهر الاحلالی (عالمگیریۃ کتاب الکراہیۃ)

ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے لئے بقصد زینت سیاہ سرمہ کا استعمال

مکروہ ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

یعنی تداوی کے بغیر مردوں کے لئے سیاہ سرمہ کا استعمال زینت کے ارادے سے

جائز ہے یا مکروہ ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عادیۃ مستمرہ کے طور پر سرمہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی علیکم

جیسے الفاظ دوام واستمرار والتزام سے تاکید فرماتے تھے، اگر مردوں کے لئے قصد زینت میں

کوئی کراہت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ضرور تنبیہ فرماتے، موقع تنبیہ میں سکوت دلیل عدم

کراہت ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقۃ ”اکحل“ پیدا فرمایا تھا، اگر سرمہ

لگانے میں تشبہ بالنسار ہے تو یہ بہت بڑا عیب ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقۃ ”معیب“ پیدا فرمایا، تو یہ نقص ہوا حالانکہ اسکو حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال میں شمار کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام کو ہر قسم کے عیوب جسمانیہ سے بھی منزہ و مبرا پیدا فرمایا ہے تو کیا کسی کی عقل یہ تسلیم

کر سکتی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدائشی طور پر اتنا بڑا عیب رکھ دیا ہو۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مردوں کو بقصد زینت سرمہ لگانا بلا کراہت جائز ہے، شریعت

نے مردوں کے لئے مہندی وغیرہ جیسی رنگ دار زینت کی مانعت سے اسکو مستثنیٰ قرار دیا ہے

جیسا کہ بالوں میں خضاب غیر اسود مستثنیٰ ہے۔

رہا یہ احتمال کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل "اُثمَد" کے ساتھ خاص ہو، اور یہ احتمال کہ "اُثمَد" سیاہ نہیں ہوتا ہوگا، ایسے احتمالات بعیدہ تسلیم کر لینے کے باوجود بھی مظنہ قصد زینت موجود ہے، معہذا نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قصد زینت کی کراہت منقول ہے نہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور نہ ہی حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے بلکہ اس کے برعکس امام ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز بلا کراہت کی تصریح منقول ہے ونصہ :

الكحل يشتمل على منفعتين احدهما زينة والثانية تطيب فاذا استعمل للزينة فهو مستثنى من التصنع الذي يلبس الصنعة بالخلقة كالوصل والوشم والتفالج والتفص رحمة من الله لخلق ورخصة منه لعبادة واذا استعمل بنية التطيب لتقوية البصر من ضعف يعتوره واستنبات الشعر الذي يجمع النور للادراك ويصد الاشعة الغالبة له ثمران كحل الزينة لاحد له شرعا وانما هو بقدر الحاجة في بدوه وخفائه الخ (شرح الشمايل للمناوي على هامش جمع الوسائل ص ۱۰۴ ج ۱)
حقیقت مذکورہ کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قول کراہت کے دو محمل بیان فرمائے ہیں :

① زینت میں اس قدر افراط جو تشبہ بالنساء تک مفضی ہو۔

② نمائش و فخر مقصود ہو۔

قال الامام ابن الهمام رحمہ اللہ تعالیٰ :

(قوله دون الزينة) لانه تعورف من زينة النساء ثم قيد دهن الشارب بذلك ايضا وليس فيه ذلك وفي الكافي يستحب دهن شعر الوجه اذا لم يكن من قصدة الزينة به وردت السنة فقيدة بانتفاء هذا القصد فكانه والله اعلم لانه تبرج بالزينة وقد روى ابو داود والنسائي عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكره عشر خلال ذكر منها التبرج بالزينة لغير محالها وسنودة بتمامه ان شاء الله تعالى في كتاب الكراهية - وفي الموطأ عن ابي قتادة رضي الله تعالى عنه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم ان في جملة افارجها قال نعم واكرمها فكان ابو قتادة رضي الله تعالى عنه ربهاد دهنها

فی اليوم مرتین من اجل قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا لحظ النفس الطالبة للزینۃ الظاہرۃ وذلك لان الاکرام والجمال المطلوب یتحقق مع دون هذا المقدار وفي سنن النسائی ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقال له عبیدۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینہی عن كثير من الارفاه فسئل ابن بريدة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن الارفاه قال لترجیل والمراد واللہ اعلم الترجیل الزائد الذی یشترک الی حد الزینۃ لہما کان لقصہ رفع اذی الشعر والشعث هذا ولا تلافی بین قصد الجمال وقصد الزینۃ فالقصد الاول لدفع الشین واقامة قابہ الوقار واطہار النعمۃ شکر الافخر او هو اثر ادب النفس وشہامتہا والثانی اثر ضعفہا وقاویا الخضاب وردت السنۃ ولم یکن لقصہ الزینۃ ثریب بعد ذلك ان حصلت زینۃ فقد حصلت فی ضمن قصد مطلوب فلا یضرہ اذا لم یکن ملتفتا الیہ (فتح القدیر ص ۲۷۶ ج ۲) وقال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ بعد نقل ما مر عن الفتح :

ولهذا قال لولوالہی فی فتاواہ لبس الثیاب الجمیلۃ مباح اذا کان لا یتکبر لان التکبر حرام وتفسیرہ ان یكون معها کما کان قبلہا ہ (البحر الرائق ص ۲۸۱ ج ۲) وكذا نقل العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الفتح والبحر (رد المحتل ص ۱۳۳ ج ۴) تحریرات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سرمہ لگانا، تیل لگانا، کنگھی، خضاب (غیر اسود) اور ثیاب جمیلہ وغیرہ اسباب آرائش و زیبائش سب کا ایک ہی حکم ہے، یعنی بغرض زیبائش مباح بلکہ مندوب اور بغرض نمائش ناجائز و حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ شعبان ۱۲۱۱ھ بحری





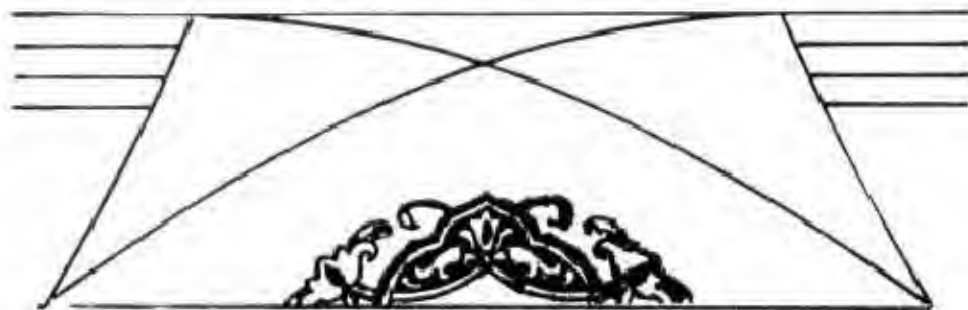
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ



تَوْقِيعُ الْإِعْيَانِ

علی

حُرْمَةُ تَرْقِيعِ الْإِنْسَانِ



انسانی اعضاء کی پیوند کاری



انسانی اعضاء کی پیوند کاری اور خون دینا

سوال :

دو مریض ہیں جن میں سے ایک کی قوت باہ بالکل زائل ہو چکی ہے اور وہ شادی شدہ ہے، دوسرے مریض کی قوت باہ تو ٹھیک ہے مگر وہ کسی اور مرض میں مبتلا ہے دونوں مریض ایک سول سرجن کے زیر علاج ہیں، جس مریض کی مردانہ قوت ٹھیک تھی اس کا انتقال ہو گیا، سول سرجن نے اس مردہ کا آلہ تناسل کاٹ کر دوسرے مریض کے لگا دیا اس کی قوت باہ بحال ہو گئی اور بیوی کی ضرورت پوری کرنے کے قابل ہو گیا اور اولاد بھی پیدا ہونے لگی، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اگر سول سرجن ایسا نہ کرے تو وہ مریض ٹھیک نہیں ہو سکتا اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی، اگر یہ صورت شرعاً جائز نہیں تو کیا یہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے؟ فعل مذکور کے جواز کا ایک فتویٰ ارسال ہے اس سے متعلق بھی اپنی تحقیق تحریر فرمائیں۔ بیٹنواستوجروا

الجواب باسمہم الصواب

یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں :

- ① استعمال جزر الادمی للتداوی جائز ہے یا نہیں؟
- ② اگر ناجائز ہے تو پیوست کردہ جزر کا قطع واجب ہے یا نہیں؟
- ③ اگر قطع واجب نہیں تو ایسے آلہ کا استعمال للجماع جائز ہے یا نہیں؟
- ④ اگر جماع جائز نہیں تو کیا بیوی کو طلاق دینا واجب ہے؟
- ⑤ اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟

ان امور خمسہ کے جوابات بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں :

- ① قال فی العلائقہ ویقدم المضطر المیتة علی الصيد (صيد الحرم) والصيد علی مال الغیر ولحم الانسان قیل والخزیر ولو المیتة نبیاً لم یحل بحال کمالاً یأکل طعام مضطر آخر (رد المحتار ص ۲۳۲ ج ۲)

الضرر لا يزال بالضرر ولا يأكل المضطر طعام مضطر آخر ولا شيئاً من بدنه (الاشباه ص ۱۱۰)

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدي وكلها او قال اقطع مني قطعة وكلها لا يسعه ان يفعل ذلك ولا يصح امره به كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من نفسه فياً كل (خانية ص ۷۸۰ ج ۲ عالمگیری ص ۳۲۸ ج ۵، شامية ص ۲۹۵ ج ۵)

روى عن ابی امامة بن سہل بن حنیف ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم راوی وجہہ یوم احد بعظم بال، فیہ دلیل جواز المداواة بعظم بال وهذا لان العظم لا یتنجس بالموت علی اصلنا لانه لا حياة فیہ الا ان يكون عظم الانسان او عظم الخنزیر فانه یکرہ التداءوی به لان الخنزیر نجس العین فعظمه نجس کلحمه لا یجوز الانتفاع به بحال والادوی محترم بعد موته علی ما کان علیہ فی حیاته فکما لا یجوز التداءوی بشیء من الادوی الحی اکراماً له فکذلک لا یجوز التداءوی بعظم المیت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسر عظم المیت ککسر عظم الحی (شرح السائر الکبیر ص ۱۸۸ ج ۱)

الانتفاع باجزاء الادوی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحيح کذا فی جواهر الاخلاطی (عالمگیری ص ۳۵۲ ج ۵)
واذا کان برجل جراحة یکرہ المعالجة بعظم الخنزیر والانسان لانه یحرم الانتفاع به کذا فی الکبری (عالمگیری ص ۳۵۲ ج ۵)

ولو سقط سنہ یکرہ ان يأخذ سن میت فیشدھا مکان الاولی بالاجماع وکذا یکرہ ان یعید تلك السنة الساقطة مکانھا عند ابی حنیفة ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ ولكن يأخذ سن شاة ذکية فیشدھا مکانھا وقال ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ لا بأس بسنہ ویکرہ سن غیرہ (بدائع ص ۱۳۲ ج ۵)

لا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشر به للدواء (عالمگیری ص ۳۵۵ ج ۵)
عبارات بالاسے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے :

① صرف مضطربان بچانے کے لئے مردہ انسان کا گوشت کھا سکتا ہے، اس

سے معلوم ہوا کہ مردہ کے کسی عضو کو علاج کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں اگرچہ مریض کو ہلاکت کا خطرہ ہو، اسے اکل مضطر پر قیاس کرنا دو وجہ سے صحیح نہیں :

(۱) اکل سے شبع و حیات متیقن ہے اور تداوی سے صحت متیقن نہیں ۔

قال فی العلائقۃ الاکل للغذاء والشرب للعطش ولو من حرام او مال غیرہ
وان ضمنہ یشاب علیہ ،

وفی الشامیۃ بخلاف من امتنع عن التداوی حتی مات اذ لا یتیقن بانہ
یشفیہ (رد المحتار ص ۲۹۵ ج ۵)

الرجل استطاع بطنہ اور مہلات عیناہ فلم یعالج حتی اضعفہ واضناہ و مات
منہ لا اثم علیہ فرق بین ہذا و بین ما اذا جاع ولم یأکل مع القدرة حتی
مات حیث یأثم والفرق ان الاکل مقدار قوتہ شبع بیقین فکان ترکہ
اہلا کا ولا کذلک المعالجة والتداوی کذا فی الظہیریۃ (عالمگیریۃ ص ۲۳۶ ج ۶)
(۲) اکل کی صورت میں عضو ماکول بالکل ہلاک و لاشیء ہو جاتا ہے جبکہ پیوند
رگایا ہوا عضو باقی رہتا ہے ۔

انہی وجوہ کی بناء پر فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ
بھی مضطر کے لئے اکل میتہ انسان کی اجازت دیتے ہیں مگر تداوی کے لئے عظم
انسان کے پیوند کو ناجائز فرماتے ہیں، ونصہ : واذا کسر لامرأة عظم فطار فلا
یحوز ان ترقعہ الا بعظم ما یؤکل لحمہ ذکیا و کذلک ان سقطت سنہ
صارت میتة فلا یحوز لہ ان یعیدھا بعد ما بان ان لا یحید سن شیء
غیر سن ذکی یؤکل لحمہ وان رقع عظمہ بعظم میتة او ذکی لا یؤکل
لحمہ او عظم انسان فہو کامیتة فعلیہ قلعہ واعادة کل صلاۃ
صلاھا وھو علیہ فان لم یقلعہ جبرہ السلطان علی قلعہ (الام ص ۵۴ ج ۱)

(۲) مضطر زندہ انسان کا گوشت اور خود اپنا کوئی عضو نہیں کھا سکتا۔ اس سے
معلوم ہوا کہ آج کل مریض کے کسی حصہ سے گوشت اتار کر دوسری جگہ چڑھانے کا
جو معمول ہے یہ ناجائز ہے، جب حالت اضطرار میں جان بچانے کے لئے اپنے یا
دوسرے کے گوشت یا کھال کو کاٹ کر استعمال کرنا جائز نہیں تو تداوی کے لئے

بطریق اولیٰ جائز نہ ہو گا۔

بعض علماء نے مریض کے اپنے عضو سے اس کے دوسرے کسی عضو کو پیوند لگانے کے جواز پر بدائع کا جزئیہ مذکورہ بالا پیش کیا ہے۔

یہ قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ کسی عضو کو اسی کی اصل جگہ پر لگانے کو مرمت کرنا نہیں سمجھا جاتا اس لئے اس میں اہانت نہیں، دوسری جگہ لگانا مرمت کہلاتا ہے جو اہانت ہے۔ ولذا قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ:

واعادة جزء منفصل الى مكانه ليلتئم ويجوز كما اذا قطع شيء من عضو فاعاده الى مكانه ولا اهانته في استعمال جزء نفسه في الاعادة الى مكانه (بدائع ص ۱۳۳ ج ۵) اس لئے اس جزئیہ سے دوسری جگہ نقل کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، معہذا بوقت ضرورت شدیدہ ان علماء کی توسیع پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

(۳) زندہ انسان کے گوشت کے سوا باقی اجزاء خون اور دودھ وغیرہ پر تدویٰ بالمحرم کا حکم ہو گا، اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت شدیدہ جان بچانے کے لئے عمل نقل دم جائز ہے، مگر خون کی خرید و فروخت جائز نہیں، اگر خون مفت نہ مل سکے اور سخت مجبوری ہو تو خریدنے کی گنجائش ہے، بیچنے والا بہر حال گنہگار ہو گا۔

اعضائے کو دودھ اور خون پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ دودھ کی تو تخلیق ہی افراد و ارضاع کے لئے ہے۔

خون کا بوجہ ذیل فرق ہے :

(۱) بسا اوقات خون کا اخراج ناگزیر ہوتا ہے، بلکہ قصدًا اخراج کی بجائے قدرۃً تکبیر وغیرہ کے ذریعہ اخراج ہوتا رہتا ہے۔

(۲) خون کے اخراج میں کسی عضو کی قطع و برید نہیں ہوتی۔

(۳) لمخوق شین بھی نہیں ہوتا۔

(۴) خون دینا تغذیہ ہے، تدویٰ نہیں۔

(۲) قال فی البحر معریاً الى الذخيرة سقط سنہ فاخذ سنہ الکلب

فوضعه موضع سنہ (الی قولہ) ان کان ممکن قلع سنہ الکلب بغیر ضرر

یقلع وان كان لا يمكن الا لبصره لا يقلع (البحر الرائق ص ۲۰۵ ج ۸)
چونکہ آلہ تناسل کا قطع بلا ضرر ممکن نہیں لہذا اس کا قطع کرنا واجب نہیں۔
(۳) اس کے استعمال للبول اور مس للاستنجار وغیرہ پر مجبور ہونے کی وجہ سے مأخوذ
نہ ہوگا مگر استعمال للجماع پر مجبور نہیں لہذا اپنے اصل (حرمت استعمال جزر الا آدمی)
کے مطابق جماع حرام ہوگا، میاں بیوی دونوں گنہگار ہونگے، بیوی کے لئے اس کا
دیکھنا اور چھونا جائز نہیں۔

قال في شرح المنية ان الثانی (سائر الغلیظة والخفیقة) هو المأخوذ
لقوله عليه الصلوة والسلام لعلى رضى الله تعالى عنه لا تنظر الى فخذ
حی ولامیت ولان ما كان عورة لا یسقط بالموت ولذا لا یجوز مسه

(رد المحتار ص ۸۰۰ ج ۱)

وفي البحر في باب شروط الصلوة كل عضو هو عورة من المرأة اذا انفصل
عنها هل يجوز النظر اليه فيه روايتان، الثانية لا يجوز وهو الاصح وكذا
الذكر المقطوع من الرجل وشعر عانته اذا حلق على هذا والاصح انه
لا يجوز (حموی علی الاشباہ ص ۱۸۸ ج ۱)

(۴) بیوی کے مطالبہ پر طلاق دینا واجب ہے ومسئلة العنین والمجبوب
مشہورۃ وفي كتب المذهب مذبورة۔

(۵) ثبوت النسب کا تعلق نطفہ سے ہے، لہذا یہ اولاد ثابت النسب ہوگی،
ونظائرهما متکاثرۃ فی الكتب المتوافرة۔

جواز کے فتویٰ پر تنقید

اس فتویٰ میں ترقیع انسان کا جواز ثابت کرنے کے لئے گیارہ دلائل پیش
کئے گئے ہیں:

(۱) ولا بی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ ان الاطراف یسلف بہا مسلف الاموال
فیجرى فیہا البذل بخلاف النفس فانه لو قال اقطع یدى فقطعه لا یجب
عليه الصمان وهذا اعمال البذل الا ان لا یباع لعدم الفائدة وهذا البذل

مفید لاندفاع الخصومة فصارت قطع اليد للأكله وقطع السن للوجع

(ہدایۃ ص ۹۰ کتاب الدعوی)

تنقید :

اولاً اباحت قطع ید و قطع سن وغیرہ خود صاحب جزر کے نفع بلکہ دفع ضرر کیلئے ہے۔
ثانیاً اس میں صرف قطع الجزر کی اباحت ہے نہ کہ اسکے استعمال کی۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مضطر جان بچانے کے لئے اپنا گوشت نہیں کھا سکتا تو تداوی کے لئے یہ کیسے جائز ہوگا؟ اجزاء آدمی کے بدلہ استعمال اور بیع و شراء کی صحت پر صریح عبارات اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا احصاء مشکل ہے، پس جزئیہ مذکورہ میں صرف بدل کا لفظ آجانے سے پورے ذخیرہ حدیث و فقہ کے خلاف جواز بیع و شراء وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کتنی بڑی جرأت ہے۔

(۲) جواز شق بطن المیت لاجراہج الولد اذا كانت ترجیح حیاتیہ وقد امر بہ

ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فعاش الولد کما فی الملتقط (الاشباہ ص ۱۱۲ ج ۱)

تنقید :

اس عبارت سے تو صرف جواز قطع المیت بلکہ شق المیت ثابت ہوا نہ کہ استعمال جزر کا جواز،

شق المیت بھی احیاء نفس کے لئے نہ کہ محض تداوی کے لئے۔

یہ حادثہ سے نجات دلانے کے قبیل سے ہے جو مضطر کے اکل میتہ کی طرح فرض ہے

جبکہ تداوی فرض نہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی تولیہ کا ایک متبادل طریق ہے۔

(۳) وان اضطر ولم یجد شیئاً فہل یجوز لہ ان یقطع شیئاً من بدنہ

ویأکلہ وجہان قال ابو اسحاق یجوز لانما حیاء نفس بعضہ فجاز کما یجوز

ان یقطع عضوہ اذا وقعت فیہ الأکلۃ (احیاء نفسہ الخ) شرح المہذب للناووی ج ۲

(۴) وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یا کل لحم بنی آدم (الی قولہ) والصحیح

عندی ان لا یأکل الا آدمی الا اذا تحقق ان ذلک ینجیہ و ینجیہ

(احکام القرآن لابن العربی ص ۵۸ ج ۱)

تنقید :

اس میں اکل مضطر کا مسئلہ ہے۔ اور پر بیان کیا جا چکا ہے کہ اس پر تداویٰ کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

علاوہ ازیں تداویٰ بعضو الانسان کی حرمت فقہ حنفی کے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی صراحتاً ثابت ہے، وقد منانصوصہم۔

(۵) ویجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا اخبرہ الطیب ان شفاءً فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ وان قال الطیب یتعجل شفاؤک فیہ وجہان (الہندیۃ ص ۳۳۵ ج ۵)

(۶) اذا سال الدم عن انف انسان ولا ینقطع حتی یخشی علیہ الموت وقد علم انہ لو کتبت الفاتحة والاخلاص بذلک الدم علی جہتہ ینقطع فلا یرخص فیہ، وقیل یرخص کما رخص فی شرب الخمر للعطشان واکل المیتة فی المخصصة وهو الفتوی نقلًا عن الخانیة (رد المحتار ص ۱۹۲ ج ۱)

تنقید :

ان جزئیات میں تداویٰ بالحرام کا بیان ہے اور اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ لحم الانسان اس سے مستثنیٰ ہے۔ جب مضطر جان بچانے کے لئے لحم الانسان نہیں کھا سکتا تو اس سے تداویٰ کیسے جائز ہوگی؟ ہاں مضطر کے لئے مردہ انسان کا گوشت کھانے کے جواز کا قول ملتا ہے مگر اس پر تداویٰ کا قیاس صحیح نہیں، کما حررنا۔

(۷) وسبب الاباحۃ الحاجة الى حفظ النفس عن الهلاك لكون هذه المصلحة اعظم من مصلحة اجتناب النجاسات والصيانة عن تناول المستخبات (المغنی ص ۴۱۶ ج ۹)

(۸) الضرورة تنبیح المحظورات ومن ثم جاز اكل المیتة عند المخصصة واساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الکفر للاکراه وكذا اتلاف مال الغير (الاشباه ص ۱۰۸ ج ۱)

تنقید :

ضرورت کی وجہ سے اباحت محظورات میں تفصیل ہے، ہر ضرورت سے ہر محظور

مباح نہیں ہو جاتا، چنانچہ لحم الانبیاء علیہم السلام اور مال المضطر کسی حال میں بھی مباح نہیں، کما قد مناه عن الشامیة وغیرہا۔

(۹) قوله للضرورة: فی فتح القدير ههنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول۔

فالضرورة بلوغه حداً ان لم يتناول الممنوع هلك او قارب وهذا يبيح تناول الحرام۔

والحاجة كالجائع الذي لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير انه يكون في جهد مشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح فطر الصوم۔

والمنفعة كالذي يشتهي خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم۔
والزينة كالمشتهي للحوى والسكر۔

والفضول التوسع باكل الحرام والمشتبه (شرح المحموى ص ۱۰۸ ج ۱)

تنقید :

اس عبارت میں الحاجة کی تفسیر میں تصریح ہے کہ جب تک خوف ہلاک غالب نہ ہو اسوقت تک اکل الحرام کی اجازت نہیں تو خوف ہلاکت کے بغیر تداوی کے لئے کیسے جائز ہوگا۔ خصوصاً جبکہ تداوی اکل سے اہون ہے کما قد مناه مرآۃ۔

(۱۰) لو كان احدهما عظم ضرراً من الأخرفان الاشد نزاله لا الاخف (الاشباہ)

(۱۱) قاعدة رابعة: اذا تعارض مفسدتان روعي اعظمهما ضرراً بالنكاح۔

اخفهما (الاشباہ ص ۱۱۲ ج ۱)

تنقید :

کسی انسان کی قوت بینائی یا قوت مردمی کا نقص یا فقدان بدستور باقی رہنے میں زیادہ ضرر ہے یا کہ اس کی خاطر دوسرے انسان کی تذلیل و تحقیر، قطع و برید اور آنکھیں نکالنے میں؟

ایک شخص کے فائدہ کے لئے دوسرے کو نقصان پہنچانا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ جب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے، یا یوں کہا جائے کہ احداث ضرر سے ابقار ضرر اہون ہے۔

پھر تعجب اس پر ہے کہ جزئیات کثیرہ صریحہ کے ہوتے ہوئے کلیات سے غلط استنباط کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

اس فتویٰ کے آخر میں انسان کو پیوند لگانے کی غرض سے ضرورت کی تعریف میں بھی بلا دلیل پیوند لگا دیا ہے، فرماتے ہیں :

”ضرورت کی تعریف جیسا کہ شارح نے کی ہے پیش نظر رکھی جائے، اس کو معیار نہ بنالیا جائے، کیونکہ انسان کی کرامت کو شریعت نے بڑی حیثیت دی ہے، تو کیا انسان کے مرجانے سے اس کی کرامت ختم ہو جائے گی کہ اس کی بے حرمتی، اعضاء کا ٹنا اور آنکھیں نکالنا اور ان کی خرید و فروخت جائز ہو جائے پھر قوت بصارت یا قوت رجولیت کے فقدان کا مہلک ہونا تو درکنار اس سے عام صحت پر بھی کوئی برا اثر نہیں پڑتا، ایسے امراض کے علاج کی خاطر انسان کی بے حرمتی کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۹ ربیع الآخر ۸۷ھ

الحاق :

① بندہ کی اس تحریر کے بعد دارالعلوم کراچی، بدرستہ نیوٹاؤن اور دارالافتاء والارشاد کی مشترک ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ نے بالاتفاق بندہ کی تحقیق کے موافق ہی حرمت کا فیصلہ کیا، اس لئے بندہ نے اپنے اس زیر نظر رسالہ کا نام ”توقیع الاعیان علی حرمتہ ترقیع الانسان“ تجویز کیا۔

”مجلس تحقیق“ کی مشترک کارروائی اور سب ارکان کے متفقہ فیصلہ کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا، جو مستقل رسالہ کی صورت میں بنام ”انسانی اعضا کی پیوند کاری“ شائع ہو چکا ہے۔

② بندہ کی تحریر کے بائیس برس بعد اس موضوع پر مختلف ممالک کے اہل قلم کے دس ضخیم مطبوعہ مقالے میرے سامنے آئے جن میں سے آٹھ میں ترقیع انسان کی حلت ثابت کرنے پر زور قلم صرف کیا گیا ہے مگر ان میں محررہ دلائل میں سے کوئی ایک دلیل بھی مثبت مدعی نہیں، بلکہ سب دلائل ایسے ساقط ہیں کہ لائق اعتناء

ہی نہیں، معہذا ان میں سے دو دلائل سے متعلق کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

① عن عبادة رضى الله تعالى عنه من تصدق بشىء من جسده اعطى

بقدر ما تصدق (الجامع الصغير ص ۱۶۸ ج ۲)

اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ دیدینا صدقہ ہے جس پر اجر ملتا ہے۔

ایسی سطح کے لوگ بھی جب مفکر اسلام بن گئے تو اس دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔ قرآن و حدیث کا ادنیٰ علم رکھنے والا بھی اس حدیث کا مطلب سمجھ سکتا ہے کہ یہ جنت سے متعلق ہے، یعنی کسی نے کسی پر جنایت کی مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹ دیا، مجنی علیہ نے قصاص لینے کی بجائے معاف کر دیا تو یہ اس کی طرف سے مجنی علیہ پر صدقہ ہے یہ حدیث آیت کریمہ:

انّ النفس بالنفس والعین بالعين والالف بالالف والاذن بالاذن والسنن بالسنة والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له ط

کی تفسیر ہے، چنانچہ مسند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہی حدیث ان ہی حضرت عباده رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ہے:

ان عبادة بن الصامت رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من رجل يجرح في جسده جراحة فيتصدق بها الا كفر الله عنه مثل ما تصدق به (مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

قال الهيثمي رجا له رجاله الصحيح (مجمع الزوائد ج ۶)

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ حدیث بھی الجامع الصغير جلد ۲ ص ۱۴۹ میں موجود ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

وقال العلامة الفافى فتى رحمه الله تعالى فى تفسير قوله تعالى :

فمن تصدق به فهو كفارة له اى للمتصدق كذا قال عبد الله بن عمرو بن العاص والحسن والشعبي وقتادة -

اخرج ابن مردويه عن رجل من الانصار عن النبى صلى الله عليه وسلم فى قوله فمن تصدق به فهو كفارة له قال هو الرجل يكسر سنده او يقطع يده او يقطع

شیء منہ اویجرح فی بدنہ فیعفو عن ذلک فیحط عنہ قدر خطایاہ فان ربع الدیۃ فربع خطایاہ وان کان الثلث فثلث خطایاہ وان کان الدیۃ حطت منہ خطایاہ كذلك،

وروی الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عبادة الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تصدق من جسده بشیء کفر اللہ بقدرہ من ذنوبہ،

والطبرانی والبیہقی عن سخیرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابتلی فصد و اعقل فشکرو ظلم فغض و ظلم فاستغفر اولئک لہم الامن و ہم مہتدون،

وروی الترمذی وابن ماجہ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یصاب بشیء فی جسده فتصدق بہ الا رفع اللہ بہ درجۃ و حط عنہ خطیئۃ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۱۲۲)

② امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ”منہاج الطالبین“ سے ترقیع بعظم الانسان کا جواز نقل کیا ہے۔

جوابات :

① اوپر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ترقیع بعظم الانسان کی حرمت کی تصریح گزر چکی ہے، امام کے قول کے مقابلہ میں اس کے کسی مقلد کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

② امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کے بیان میں متقدمین فی المذہب میں سے کسی کا حوالہ نہیں دیا، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ انھوں نے اپنے امام سے لیا ہو، اگر آپ امام کے تلمیذ ہوتے یا آپ نے امام کا زمانہ پایا ہوتا یا امام سے زمانہ قریب میں گزرے ہوتے تو اس کا امکان تھا کہ انھوں نے امام سے بلا واسطہ یا بالواسطہ سنا ہو، مگر دونوں کے درمیان تقریباً ساڑھے چار سو سال کا زمانہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۲۰۴ھ ہجری میں ہوئی اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ۸۱۳ھ اور وفات ۸۵۰ھ ہجری میں ہوئی ہے۔

③ مقلد کے لئے بلا ضرورت شدیدہ و بدو شرائط معہودہ دوسرے امام کا قول

لینا جائز نہیں تو اس کے کسی مقلد کا ایسا قول لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے جو اس کے اپنے امام کی نص صریح کے خلاف ہے۔

(۴) منہاج مع الشرح تحفۃ المحتاج اور اس کے بعد حاشیۃ الشروانی کی پوری عبارت درج ذیل ہے :

فی المنہاج مع شرحہ تحفۃ المحتاج (ولو وصل) معصوم اذ غیرہ لایأتی فیہ التفصیل الاّتی علی الاوجه لانه لما اهدر لم یبال بضررہ فی جنب حق اللہ تعالیٰ وان خشى منہ قوات نفسہ (عظمہ) اختلالہ وخشیۃ مبیح تیمم ان لم یصلہ (بنجس) من العظم ولو مغلظا ومثلک ذلک بالاولیٰ دھنہ بمغلظا وربطہ بہ (لفقد الطاہر) الصالح للوصل کان قال خیر ثقۃ ان النجس او المغلظ اسرع فی الجہاد ومع وجودہ وهو من ادعی محترم (فمعدور) فی ذلک فتصح صلاتہ للضرورة ولا یلزمہ نزعاً وان وجد طاهرًا صالحًا کما اطلقاہ وینبغی حملہ علی ما اذا کان فیہ مشقۃ لا تحتمل عادة وان لم تیمم التیمم ولا یقاس بہا یأتی لعذرہ ہنا لاثم (والا) بان وصلہ بنجس مع وجود طاهر صالح ومثلہ ما لو وصلہ بعظم ادعی محترم مع وجود نجس او طاهر صالح (وجب نزعہ ان لم یخف ضررًا ظاہرًا) وهو ما یبیح التیمم وان تألم واستتر بالاحرف ان امتنع اجیرۃ علیہ الامام او نائبہ وجوباً کذا المصوب ولا تصح صلاتہ قبلہ بنزع النجس لتعدیہ بجملة مع سہولۃ ازالۃ فان خاف ذلک ولو تحوشین وبطء برء لم یلزمہ نزعہ لعذرہ بل یحرم کما فی الانوار وتصح صلاتہ معہ بلاعادة (قیل) یلزمہ نزعہ (وان خاف) مبیح تیمم لتعدیہ (فان مات) من لزمہ النزع قبلہ (لم یزعم) ای لم یجب نزعہ (علی الصحیح) لان فیہ ہتکاً لحرمتہ او لسقوط الصلاة المأمور بالنزع لاجلہا قال الرافعی فی حرم علی الاول دون الثانی وقضیۃ اقتصار المجموع وغیرہ علیہ اعتماد عدم الحرمة بل قال بعضهم انہ اولیٰ من الابقاء لکن الذی صرح بہ جمع ونقلہ فی البیان عن الاصحاب حرمتہ مع تعلیہم بالثانی وقیل یجب نزعہ لتلا یلقى اللہ تعالیٰ حاملاً نجاستہ ای فی القبر او مطلقاً بناءً علی ما قیل ان العائد اجزاء المیت عند الموت

والمشهور انہ جمیع اجزائہ الاصلیۃ فتعین ان مرادہ الاول ویجری ذلک کلمہ
 فیمین داوی جرحہ او حشاه بنجس او خاطہ بہ او شق جلدہ فخرج منه
 دم کثیر ثم بنی علیہ اللحم لان الدم صار ظاهراً فلم یکف استتارہ کما لو قطعت
 اذنه ثم لصقت بحرارة الدم وفي الوشم وان فعل به صغیراً علی الاوجه و
 توهم فرق انما یتأتی من حیث الاثر وعدمه فمتی امکنہ ازالته من غیر
 مشقة فیما لم یتعد به وخوف مبیح تیمم فیما تعدی به نظیر ما مرفی
 الوصل لزمتہ ولم تصح صلاتہ وتنجس به ما لا قاہ والا فلا فتصح امامتہ
 وفي حاشیۃ الشروانی رحمہ اللہ تعالیٰ (ولو وصل عظم الخ) ظاہرہ ولو کان
 الواصل غیر معصوم لکن قیدہ حج بالمعصوم ولعل عدم تقييد الشارح م
 ای والمغنی بالمعصوم جری علی ما قدمہ فی التیمم من ان الزانی المحصن ونحو
 معصوم علی نفسه وتقييد حج جری علی ما قدمہ ثم من انه هدر ع ش
 (قوله لاختلاله) ای بکسر ونحو نهائية ومغنی (قوله وخشية مبیح تیمم الخ)
 یؤخذ منه انه لو کان النجس صالحاً والطاهر كذلك الا ان الاول یعید العضو
 لما کان علیہ من غیر شین فاحش والثانی مع الشین الفاحش فینبغی تقییم
 الاول ع ش (قوله من العظم الخ) ولو وجد عظم میتة لا یؤکل لحمها وعظم
 مغلظ فکل منهما صالح وجب تقییم الاول ولو وجد عظم میتة ما یؤکل وعظم
 میتة ما لا یؤکل من غیر مغلظ وکل منهما صالح تخیر فی التقدیما لانهما
 مستویان فی النجاسة فیما یتظهر فیہما وکذا ینبغی تقییم عظم الخنزیر علی
 الکلب للخلاف عندنا فی الخنزیر دون الکلب ع ش (قوله ومثل ذلك بالاولی الخ)
 لعل وجهها ان العظم یدوم ومع ذلك عفی عنه والدهن ونحوه مما لا یدوم
 فهو اولی بالعفو ع ش (قول المتن لفقد الطاهر) ای بمحل یصل الیه قبل
 تلف العضو و زیادة ضرورة اخذ امامنا تقدّم فیمین عجز عن تکبیرة الاحوام او
 نحوها حیث قالوا ینبغی علیہ السفر للتعلم وان طال وفرقوا بینہ و بین ما
 یطلب منه الماء فی التیمم بمشقة تکرار الطالب للماء بخلاف هنا وعبارة سم
 علی حج لم یمین ضابط الفقد ولا یبعد ضبطه بعدم القدر علیہ بلا مشقة

لا تحتمل عادة وينبغي وجوب الطلب عند احتمال وجودة لكن اى
 حد يجب الطلب منه انتهى اقول ولا نظر لهذا التوقف ع ش
 وهو الظاهر وما نقله عن سم هو الموافق لما فى ايدينا من نسخة وفى البصرى
 بعد نقله عبارة سم من نسخة سقيمة مانصه وكان فى آخر عبارة سم
 سقطا واصالها ان وجد بمحل يجب الطلب للماء منه كأنه يشير بذلك الى
 محى التفصيل الما فى التيمم وليس بعيد اه (قوله كان قال خير ثقة الخ)
 وفاقا للمغنى وخلافا للنهاية عبارة ولو قال اهل الخبرة فان لحما الادى
 لا ينجر سريعا الا بعظم نحو كلب قال الاسنوى فينتجه انه عذر وهو قياس
 ما ذكره فى التيمم فى بطلان البرء انتهى وما تفقده مردود والفرق بينهما
 ظاهر وعظم غيره من الادميين فى تحريم الوصل به ووجوب نزع كالعظم
 النجس ولا فرق فى الادى بين ان يكون محترما او لا كمرتب وحزلى خلافا
 لبعض المتأخرين فقد نص فى المختصر بقوله ولا يصل الى ما انكسر من
 عظمه الا بعظم ما يؤكل لحمه ذكيا ويؤخذ منه انه لا يجوز الجبر بعظم الادى
 مطلقا فلو وجد نجسا يصلح وعظم ادى كذلك وجب تقديما الاول اه وفى
 سم بعد ذكرها ووافقه ع ش والرشيدى ما نصه وقضيته اى قوله سم ر
 وجب تقديم الاول انه لو لم يجد نجسا يصلح جاز بعظم الادى اه قال
 ع ش قوله سم ر خلافا لبعض المتأخرين هو السبكي تبع للامام وغيره
 منهج ونقله المحلى عن قضية كلام التتمة وقوله سم ر وهو قياس ما ذكرناه
 جرى عليه حج وقوله وعظم غيره الخ اى غير الوصل من الادميين و
 مفهومه ان عظم نفسه لا يمتنع وصله به ونقل عن حج فى شرح العباب
 جواز ذلك نقلا عن البلقينى وغيره لكن عبارة ابن عبد الحق وعظم
 الادى ولو من نفسه فى تحريم الوصل به ووجوب نزع كالنجس اه صريحة
 فى الامتناع وينبغي ان محل الامتناع بعظم نفسه اذا اراد نقله الى غير محله
 اما اذا وصل عظم يده بيد مثلا فى المحل الذى ابين منه فالظاهر الجواز
 لانها اصلاح للمنفصل منه ثم ظاهرا طلاق الوصل بعظم الادى اى اذا فقد

غاية مطلقا انه لا فرق بين كونه من ذكر او انثى فيجوز للرجل الوصل بعظم الانثى وعكسه ثم ينبغي انه لا ينتقض وضوءه وضوء غيره بمسه وان كان ظاهرا مكشوفاً ولم تحل الحياة لان العضو الميان لا ينتقض الوضوء بمسه الا اذا كان من الفرج واطلق عليه اسمه وقوله م م مطلقا اى حيث وجد ما يصلح للجبر ولو نجسا وقوله م ر فلو وجد نجسا اى ولو مغلظا ه ع ش (قوله محترم) ليس بقيد عند النهاية والمغنى كما مر (قوله فتصح صلاة الخ) قال م ر وحيث عذر ولم يجب النزع صار لذلك العظم النجس ولو قبل استتاره باللحم حكم جزئه الظاهر حتى لا يضر من غيره له مع الرطوبة وحمله في الصلاة ولا ينجس ماء قليلا لاقائه انثى اه سم (قوله وان وجد الخ) ولم يخف من نزعه ضررا خلافا لبعض المتأخرين فهاية ومغنى (قوله وينبغي الخ) تقدم عن النهاية والمغنى انفا خلافا (قوله وان لم يتم التيمم) فربذا لك من لزوم اتحاد الشقين سم (قوله مع وجود ظاهر الخ) اى او لم يحتاج للوصل فهاية ومغنى (قوله محترم) ليس بقيد عند النهاية والمغنى كما مر (قوله مع وجود نجس الخ) يفهم انه لو لم يجد الا عظم آدمى وصل به وهو ظاهر وينبغي تقدم عظم الكافر على غيره وان العالم وغيره سواء وان ذلك في غير النبى ع ش وفي سم والرشيدى مثله الا قوله وينبغي الخ قول المتن (وجب نزعه الخ) اى وان لم يكن الوصل مكلفا فختارا عند الشارح كما يأتى في الوشم وبشرط ان يكون مكلفا فختارا عند النهاية والمغنى قول المتن (ان لم يخف ضررا الخ) ينبغي ان يكون موضعه اذا كان المقلوع منه ممن يجب عليه الصلاة فان كان ممن لا يجب عليه الصلاة كما لو وصله ثم جن فلا يجبر على قلعه الا اذا فاق او حاضرت لم تجبر الا بعد الطهر ويشهد لذلك ما سياتى في عدم النزع اذ مات لعدم تكليفه احاشية الشهابى الرملى على شرح الروض اى ومع ذلك فينبغى انه اذا لاقى مائعا او ماء قليلا نجسه ولو قيل بوجوب النزع على وليه مراعاة للاصلح في حقه لم يكن بعيدا وقد يتوقف ايضا في عدم وجوب النزع على الحائض لان العلة في وجوب النزع حمله لنجاسة تعدى بها وان لم تصح منه الصلاة لما نبع قام به ع ش (قوله ولا تصح صلاة الخ) وينبغي على قياس ذلك نجاسة الماء القليل والمائع بملاقاة عضو الموصول

بالنجس قبل استتاره یا یجلد وعدم صحة غسل عضوه المذكور عن الطهارة لنجاسة
الماء المماس للنجس المتصل به بخلاف ما اذا لم یجب النزاع فینبغی م عدم نجاسة
الماء القلیل بملاقاته وصحة غسله عن الطهارة للعفو عن النجس حیثئذ وتنزله
منزلة جزئه الطاهر سم (قوله ولونحو شین) ظاهرة ولو كان فی عضو باطن ع ش
(قوله على الاول) هو قوله لان فی الخ و (قوله دون الثاني) هو قوله اول سقوط الخ
(قوله عليه) ای الثاني (قوله والمشهور) ای الذي هو نذهب اهل السنة مغنی و
نهاية (قوله لكن الذي صرح به جمع ونقله الخ) وهذا هو المعتمد مغنی ونهاية وقضية
صحة غسله وان لم یستتر العظم النجس باللحم مع انه فی حال الحياة لا یصح غسله
فی هذه الحالة وكأنهم اغتفروا ذلك لضرورة هتك حرمة سم على المنهج اه
ع ش (قوله الاول) ای فی القبر (قوله دم كثير) ای لانه بفعله فلم یعف عنه مع
كثرته سم (قوله كما لو قطعت اذنه الخ) ای وانفصلت بالکلیة بخلاف ما اذا بقی
لها تعلق بجلد ثم لصقت بحرارة الدم فلا تلزمه ازالتهما مطلقا وتصح صلاته و
امامة (قوله وان فعل به صغیر الخ) هذا ممنوع بل لا لزوم هنا وفيما لو اکره
مطلقا م ر اه سم عبارة النهاية فعلم من ذلك ای من ان الوشم کالجبر فی تفصيلة
المذكوران من فعل الوشم برضاة فی حال تکلیفه ولم یخف من ازالته ضرر ابییم التیم
منع ارتفاع الحدث عن محله لتنجسه والاعتذار فی بقاءه وعفی عنه بالنسبة له ولغيره
وصحت طهارته وامامة وحيث لم یعذر فيه ولاقی ماء قليلا او ماء نعا ورطبا
نجسه کذا افقی به الوالد رحمه الله تعالى اه وفي المغنی ما یوافقہ وعبارة ع ش
قال فی الذخائر فی العظم قال بعض اصحابنا هذا الکلام فیہ اذ فعله بنفسه
او فعل به باختیاره فان فعل به مکرها لم تلزمه ازالته قولا واحدا قلت وفي
معناه الصبی اذا وشمته امه بغیر اختیارة فبلغ واما الکافر اذا وشم نفسه او
وشم بلختیارة فی الشراء ثم اسلم فالمتجه وجوب الکشط علیه بعد الاسلام
لتعديیه ولانه کان عاصيا بالفعل بخلاف المکره والصبی سم على المنهج اه
(قوله فیما لم یعتقد به) ای على بحثه السابق فی سم ای بقوله وینبغی حمله الخ
الذي خالفه النهاية والمغنی كما مر (تحفة المحتاج ص ۱۲۵ تا ۱۲۷ ج ۲)

لووی، ہیشمی اور شروانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مباحث مذکورہ سے امور ذیل مستفاد ہوئے :
 (۱) امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نص صریح کے خلاف ان کے مقلدین کے اقوال میں
 غیر معمولی اختلاف واضطراب ہے۔

(۲) ہم نے ابتداء بحث میں اکل عضو کی بنسبت ترقیع کے زیادہ قبیح ہونے کی
 دو وجوہ تحریر کی ہیں، جن میں دوسری یہ ہے کہ اکل میں افنار ہے اور ترقیع میں ابقار،
 اس کی تائید علامہ شروانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے اسلاف سے بھی ہو گئی، حیث قال :
 (قوله ومثل ذلك بالاولی الخ) لعل وجهان العظمیدوم ومع ذلك عفی عنه
 والدھن ونحوہ مما لایدوم فهو اولی بالعضوع ش (تحفة المحتاج ج ۲ ص ۱۲۵)
 (۳) ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ انسان کے اپنے عضو سے ترقیع کو عضو کے اصل مقام
 میں اعادہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں،

علامہ شروانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تائید بھی مل گئی، ونصہ :
 وینبغی ان محل الامتناع بعظم نفسه اذا اراد نقله الى غیر محله اما اذا
 وصل عظمیدہ بیدہ مثلاً فی المحل الذی ابین منه فالظاهر الجواز
 لانه اصلاح للمنفصل عنه (تحفة المحتاج ج ۲ ص ۱۲۶)
 (۴) علامہ ہیشمی و علامہ شروانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عضو مقطوع کے اصل مقام سے الصاق
 بحرارة الدم کو ممنوع قرار دیا ہے،
 قال العلامة الهیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ :

ویجری ذلك کله فیمن داوی جرحه او حشاه بنجس او خاطبه به او شق
 جلده فخرج منه دم کثیر ثم بنی علیہ اللحم لان الدم صادر ظاهر فلم
 یکف استتاره کما لو قطعت اذنه ثم لصقت بحرارة الدم۔

وقال العلامة الشروانی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله کما لو قطعت اذنه الخ) ای
 وانفصلت بالکلیة بخلاف ما اذا بقی لها تعلق بمجلد ثم لصقت بحرارة الدم فلا تلزم
 ازالتهما مطلقاً وتصح صلاته وامامته (تحفة المحتاج ج ۲ ص ۱۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

رشید احمد

غرة رمضان ۱۰۴۱ھ عند انداء العصر



وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
يَعْبُدُ عَلَيْهِمْ وَابْتِغَاءَ مَوْلَاكَ لَهْوَ عَذَابٍ مُهِينٍ (٢٠٠-٢٠١)



اقاصہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

مختار

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

ٹی وی کا زہر ٹی وی سے مہلکار

ٹی وی کے مفاسد :

تصویر سازی کی لعنت

تصویر بینی کی لعنت

تصویر نمائی کی لعنت

ملائکہ رحمت کی بجائے ملائکہ لعنت

مال ضائع کرنا

گانا باجا سننے کی لعنت

حیار اور شرم وغیرت کا جنازہ

دل کی سیاہی اور ظلمت و کدورت

دل میں گناہوں سے الفت پیدا ہونا

وقت جیسی قیمتی دولت ضائع کرنا

صحت جسمانیہ ، دماغ ، اعصاب اور مبنیائی کا دیوالا

جرائم کی تعلیم اور دنیا میں جرائم پھیلانا

شعائر دین کی بے حرمتی

ٹی وی کے احکام :

ٹی وی دیکھنا ، خریدنا ، بیچنا ، مرمت کرنا حرام ہے ۔

ایسے لوگوں کی اذان ، اقامت ، امامت جائز نہیں ۔

ان کی شہادت قبول نہیں ۔

ٹی وی کی لعنت

سوال : ٹی وی آجکل گھر گھر میں موجود ہے، کیا بے دین، کیا دیندار، سبھی لوگ شوق سے اسے دیکھتے ہیں، لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ آجکل ٹی وی ذریعہ تعلیم ہے، اسمیں خانہ کعبہ، مسجد نبوی، فیصل مسجد، جدید ایجادات، نت نئی مشینریاں اور دنیا بھر کے عجائبات دکھائے جاتے ہیں، مزید براں علماء کرام کی تقاریر، نعتیں اور قرآن مجید کی تلاوت سنائی جاتی ہے۔
 حضرت یہ بڑوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔

کیا ان فوائد کے پیش نظر ٹی وی رکھنا یا دیکھنا شرعاً درست ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹی وی کی تباہ کاریاں کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں، موجودہ معاشرے میں ٹی وی دھم سے کام کر دار دیکھتے ہوئے بھی کوئی شخص اس کے منافع گمانے پر مصر ہے تو اس کی مثال اس احمق سے کچھ مختلف نہیں جس کے سامنے آگ کا لادجل رہا ہے اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کی پٹ ارد گرد کی ہر چیز کو جھلسائے دے رہی ہے عقلمند لوگ تو یہ منظر دیکھ کر دُور دُور بھاگ رہے ہیں، مگر یہ ڈھٹائی سے کھڑا آگ کے منافع گنارہا ہے، اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مجھے یا تو قائل کرو ورنہ میں بیوی بچوں سمیت اس دہکتی آگ میں کود جاؤں گا۔ ایسے شخص کو کیا جواب دیا جائے سوائے اس کے کہ اپنے دماغ کا علاج کراؤ؟

غرض ٹی وی کے مفاسد اور اس کی زیاں کاریاں کوئی نظریاتی مسئلہ نہیں کہ دلائل کے ذریعہ اسے سمجھایا جائے، یہ تو ایک چشم دید حقیقت اور سامنے کی بات ہے کہ ٹی وی کی لعنت انسانی معاشرے کے صحت مند ڈھانچے کو ٹی بی کی طرح تلیٹ کئے جا رہی ہے، مگر افسوس! کہ اسکی رنگینیوں نے اچھے بھلے لوگوں کی نظروں کو خیرہ کر دیا ہے، اس لئے ہم قدرے تفصیل سے اس کے مفاسد پر روشنی ڈالتے ہیں، شاید کسی چشم بینا کے لئے بصیرت کا سامان بن جائے۔

ٹی وی کے مفاسد :

① تصویر بینی :

ٹی وی میں تصویر دیکھنا کہنے کو تو ایک گناہ ہے مگر بنظر غائر دیکھا جائے تو لاتعداد گناہوں کا پشتارہ ہے، مثلاً:

- ① اکہ معصیت کا استعمال۔
- ② اس کی خریداری پر مال ضائع کرنا۔
- ③ تصویر سازی۔
- ④ تصویر بینی۔
- ⑤ تصویر نمائی۔
- ⑥ ملائکہ رحمت سے دوری۔
- ⑦ استحقاق لعنت۔
- ⑧ کفار سے مشابہت۔
- ⑨ مردوں کا غیر محرم عورتوں کو دیکھنا۔
- ⑩ غیر محرم عورتوں کی آواز سننا۔
- ⑪ عورتوں کا غیر محرم مردوں کو دیکھنا۔
- ⑫ بلا ضرورت غیر محرم مردوں کی آواز سننا۔
- ⑬ پہلوان، تیراک اور کھاڑی عموماً نیم برہنہ ہوتے ہیں، انھیں دیکھنے کا گناہ۔

تقریباً یہ تمام گناہ اپنی جگہ کبیرہ اور سخت وعیدوں کے مصداق ہیں۔ مثلاً آکات معصیت اور ان میں مال ضائع کرنے کے متعلق ارشاد ہے:

وَمَنْ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا

هَذَا وَاهٍ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (۶: ۳۱)

”اور بعض آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے ہو جھے گمراہ کرے، اور اس کا مذاق اڑائے، ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔“

لہو الحدیث کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الغناء والذی لا الہ الا هو یرددھا ثلاث مرات (تفسیر ابن جریر ص ۳۶ ج ۲)

”اس سے مراد گناہ ہے، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تین بار یہ جملہ دہرایا“

امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

هو اشتراء المغنى والمغنية والاستماع اليه والى مثله من الباطل .

(تفسیر ابن جریر ص ۳ ج ۲۱)

”اس سے مراد گانے والا غلام یا گانے والی نوٹری خریدنا اور ان سے گانا سننا اور

گانے جیسی دیگر خرافات سننا ہے“

تصویر احادیث کی روشنی میں :

رحمت الہیہ سے دوری کا سبب ہے۔

صفت تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ہے۔

مستوجب شد العذاب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر ساز پر لعنت بھیجی۔

یہ تمام احادیث مفصل طور پر ہم نے رسالہ ”التذیر العریان عن عذاب صوره الحيوان“

میں درج کر دی ہیں۔

عورتوں کی بے پردگی اور عریانی تو حکومت الہیہ سے کھلی بغاوت کا اعلان ہے، پردہ

سے متعلق متعدد قرآنی آیات کے علاوہ ستر سے زائد احادیث منقول ہیں، پردہ کے مفصل

احکام رسالہ ”ہدایۃ المراتب فی فرضیۃ الحجاب“ (پردہ شرعی قرآن کی روشنی میں) میں

ملاحظہ ہوں۔

ٹی وی دیکھنے والے بیک وقت ان تمام گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اگر کسی میں شہ

برا بر بھی عقل و ادراک اور ایمانی حس ہو تو سوچ کر فیصلہ کرے کہ اس دوران کیا کھورہا ہے؟ کیا

پارہا ہے؟

② غنا و مزامیر سننے کا گناہ :

ساز باجے اور گانے بھی ٹی وی کا لازمہ ہیں، یوں تو یہ کام ہر حال قطعی حرام ہے مگر چونکہ

کار پر وازان ٹی وی نے ہر گناہ کو بام عروج تک پہنچانے کا ٹھیکہ اٹھایا ہے اس لئے ٹی وی

کے گانے فحش سے فحش ہوتے ہیں اور بالعموم فاحشہ عورتوں کی آواز میں پیش کئے جاتے ہیں،

عورتیں بھی کیسی؟ بے پردہ جوان! نیم عریاں! متحرک درقضاں! اور پوری طرح فتنہ
سامان!

ظلمت بعضها فوق بعض۔

گانا بجانا حدیث کی رو سے دل میں نفاق کی تخم ریزی کرتا ہے:

الغناء مینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع (ابوداؤد، بیہقی)

”گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو اگاتا ہے“

نیز گانے کو زنا کا منتر کہا گیا ہے:

الغناء رقیۃ الزنا (تلبیس ابلیس ص ۲۹۱)

”گانا زنا کا منتر ہے“

اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

واستغفر من استطعت منہم بصوتک میں جس شیطانی آواز کا ذکر ہے

اس کی ایک معروف تفسیر گانے بجانے سے کی گئی ہے (تفسیر ابن جریر ص ۱۵۷، وعامة التفاسیر)

گانے بجانے کے متعلق مفصل روایات ہم نے رسالہ ”المصباح الغرار للوقایۃ عن عذاب

الغناء“ میں درج کر دی ہیں۔

معرض یہ گناہ ٹی وی کے گناہوں میں نمایاں ترین گناہ ہے اور اکثر ٹی وی بین اس

میں مبتلا ہیں، بسا اوقات ان کے گھروں سے راگ باجوں اور فلمی گانوں کا وہ شور اٹھتا ہے

کہ آس پاس کے لوگوں کو کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، ان کا کاروبار تلپٹ، نیندیں حرام

اور جینا دو بھر ہو جاتا ہے، ایسا بھی بارہا دیکھنے میں آیا کہ کسی مسجد کے متصل مکان یا دوکان

سے ٹی وی کا شور بلند ہوا اور بیچارے نمازیوں کی نماز غارت کر کے رکھ دی، بندہ نے خود دیکھا:

”بیچارے بوڑھے نمازی چیخ چیخ اٹھے کہ خدا را ہمیں نماز تو پڑھ لینے دو“

کوی بتائے کہ یہ مسلمانوں کی ادائیں ہیں یا کفار کی حرکتیں؟ ع

عار دارد کفر از اسلام تو

پڑوسی خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کے حقوق کا اندازہ ان احادیث سے لگا لیجئے:

واللہ لایؤمن! واللہ لایؤمن! واللہ لایؤمن! قیل من یا رسول اللہ! قال

الذی لایؤمن جاراہ بوائقہ (بخاری و مسلم)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، واللہ! مؤمن نہیں ہو سکتا، واللہ! مؤمن نہیں ہو سکتا، واللہ! مؤمن نہیں ہو سکتا۔ عرض کیا گیا: کون یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ شخص جس کی ایذا سے پڑوسی محفوظ نہیں۔“
مزید ارشاد فرمایا:

من کان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره (بخاری و مسلم)
”جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے۔“

(۳) حیار و غیرت کا جنازہ نکل جانا:

حیار شعبۂ ایمان اور جو ہر انسان ہے، حدیث میں ہے:

الحياء شعبة من الايمان (بخاری و مسلم)

”شرم و حیا ایمان کی شاخ ہے۔“

اذا لم تستح فاصنع ما شئت (بخاری و مسلم)

”بیچیا باش و ہرچہ خواہی کن۔“

مگر ٹی وی، وی سی آر اور سینماؤں کی بہتات نے دنیا کو بیچیائی کا گہوارہ بنا دیا ہے، ہر سو بے پردگی، عریانی اور فواحش و منکرات کی یلغار ہے۔

ٹی وی کی ایجاد سے پہلے ہر منکر کا دائرہ فساد اس کے وجود تک محدود تھا، اس طرح ہر شخص کے لئے ہر آن ہر گناہ میں شرکت ممکن نہ تھی، مگر ٹی وی کی ایجاد نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا، دنیا بھر کی بیچیائی، ناگفتنی ہر طرف سے سمٹ کر بیک وقت ٹی وی میں سما گئی۔

ہمارے ذرائع ابلاغ معاشرہ میں بیچیائی کو کس قدر فروغ دے رہے ہیں؟
اس کا اندازہ کسی شخص کے لئے مشکل نہیں، زنا، ہم جنس پرستی بلکہ جانوروں سے بدعتی اس بدقسمت معاشرہ میں کوئی انہوں نے واقعات نہیں رہے، نوبت بائیںجا رسید کہ اب سگے بہن بھائیوں بلکہ باپ بیٹی تک میں ناجائز تعلقات کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، یا لیتنی مت قبلہ هذا و.....

(۴) دل پر کدورت چھانا:

گناہوں کی نحوست سے انسان کے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے، کما جاء فی الحدیث،
ٹی وی دیکھنے کا یہ نتیجہ بد بھی عام طور پر مشاہد ہے، کسی بھی ٹی وی بین سے اس موضوع

پر گفتگو کر کے دیکھ لیجئے، سیدھے منہ گناہ کا اعتراف کرنے کی بجائے ٹی وی کے فوائد گنانا شروع کر دیگا، ایک قطعی حرام کو جائز قرار دینے کا یہ رجحان دینی لحاظ سے جتنا کچھ خطرناک ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

⑤ گناہ کی شناعیت دل سے نکل جانا:

جو لوگ ٹی وی کی لعنت کو جائز نہیں سمجھتے مگر دیکھنے سے باز بھی نہیں آتے وہ اس شیطانی فریب میں تو یقیناً مبتلا ہیں کہ نجات کے لئے ترک منکرات کی ضرورت نہیں، بلکہ صدقہ و خیرات، خواہ مال حرام ہی سے ہو، اور اذکار و اوراد و نوافل کا اہتمام نجات کے لئے کافی ہے، حالانکہ مسلمان کے دین کے لئے گناہ سم قاتل ہیں۔

بعض گناہوں کا زہر تو اتنا متعدی ہوتا ہے کہ وہ انسان کی نیکیوں کو بھی غارت کر دیتا ہے۔ اس لئے قرآن و حدیث میں جس قدر زور گناہوں سے اجتناب پر دیا گیا ہے اتنا زور کسی نفل عبادت پر نہیں دیا گیا، مثلاً:

وَذُرُوا ظَاهِرَ الْأَثَمِ وَبَاطِنَهُ الْآيَةُ

لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا الْآيَةُ

لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ الْآيَةُ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الْآيَةُ

وغيرها من آیات کثیرہ کثیرہ۔

اتَّقِ الْمَحَارِمَ الْحَدِيثَ

وَالْمُهَاجِرُ مِنَ هَجْرٍ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ -

المُهَاجِرُ مِنَ هَجْرٍ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ -

وَالْمُجَاهِدُ مِنَ جَاهِدِ نَفْسِهِ -

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ الْحَدِيثَ -

وغيرها من احادیث کثیرہ شہیرہ۔

گناہ چھوڑنے کی بجائے جو شخص صرف نفل عبادات میں کوشاں ہے اور انہی کو وسیلہ نجات قرار دیتا ہے اس کی مثال اس احمق سے چنداں مختلف نہیں جو ایک سرنگوں گرتی عمارت کی بنیادیں مستحکم کر نیکی بجائے اسکی کھوکھلی دیواروں پر رنگ و روغن کر نہیں مصروف ہے۔

⑥ قیمتی وقت کا ضیاع :

اس فانی زندگی کے چند گنے چنے سانس انسان کا سرمایہ حیات ہیں اس کا ایک ایک لمحہ دنیا و مافیہا سے گراں بہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

”موج حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه (مالک، احمد، ترمذی)

”مسلمان کے دین کی خوبی یہ ہے کہ بے فائدہ کام چھوڑ دے“

اور ارشاد ہے :

علامة اعراضه تعالى عن العبد اشتغاله بما لا يعنیه (مکتوبات امام ربانی)

”انسان کا کسی بے فائدہ کام میں مشغول ہونا اس کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس

سے ناراض ہیں“

مزید ارشاد ہے :

لیس یتحسّر اهل الجنة الا على ساعة فرّقت بهم ولعید کر اللہ تعالیٰ فیہا

(طہرانی کبیر، ابن السّیّ)

”اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہوگی سوائے اس گھڑی کے جو ذکر اللہ سے غفلت

میں گزری“

وہ غفلت کیش مسلمان جن کا کوئی دن ٹی وی دیکھے بغیر نہیں گزرتا کسی دن بھی

سوچیں کہ آنے والی زندگی میں اپنے لئے کتنی بڑی حسرت کا سامان کر رہے ہیں۔

④ صحت جسمانیہ بالخصوص دماغی صلاحیتوں اور بنیائی کا دیوالا نکل جانا :

جسمانی صحت اور اعضاء کی سلامتی ہزار نعمتوں کی ایک نعمت ہے، مگر اکثر لوگ

اس نعمت بے بہا کی قدر و قیمت سے بے خبر ہیں، حدیث میں ہے :

نعمتان مغبون فیہما کثیر من الناس الصحة والفراغ (بخاری)

”تندرستی اور فراغت دو ایسی نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان میں ہیں“

ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

ٹی وی کے پرستار اتنے بڑے نقصان سے آنکھیں بند کئے جسم و جان ایسی مستاع

عزیز کو بھی داؤ پر لگا رہے ہیں۔

جب سے ٹی وی کی ایجاد ہوئی ہے ڈاکٹر اس کے جسمانی نقصانات سے آگاہ کرتے آرہے ہیں، جرمنی کا مشہور ڈاکٹر والٹر بوہر لکھتا ہے :

”بعض چھوٹے چھوٹے جانور چوہا چڑیا وغیرہ اگر ٹی وی کے سامنے رکھ دیئے جائیں تو اس کی اسکرین کی شعاعوں کی تیزی سے کچھ دیر کے بعد یہ مر جائیں۔“

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی صحت اس سے کس قدر متاثر ہوتی ہوگی ؟

یہاں کراچی میں ایک لڑکی کی دماغ کی رگ پھٹ گئی، دماغی امراض کے مشہور اسپیشلسٹ ڈاکٹر جمعہ خاں نے معاینہ کر کے بتایا :

”یہ دماغی رگ ٹی وی دیکھنے سے پھٹی ہے۔“

ایک لڑکی آنکھوں کے اسپیشلسٹ کے پاس نظر ٹیسٹ کرانے آئی، ڈاکٹر نے کہا :

”اس کی نظر ٹی وی دیکھنے سے کمزور ہو رہی ہے۔“

اس قسم کے واقعات حد احصاء سے باہر ہیں، کہاں تک درج کئے جائیں ؟

ماہرین فن کا فیصلہ ہے کہ ایک کمرے میں ٹی وی چل رہا ہو تو ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے والے لوگوں کی صحت بھی اس سے متاثر ہوتی ہے ۔

یہ بھی سامنے کی بات ہے کہ جن لڑکوں کو ٹی وی کی لت پڑ جاتی ہے وہ پڑھنے سے توجہ چاٹ ہو ہی جاتے ہیں کسی اور کام کے بھی نہیں رہتے نہ دین کے نہ دنیا کے ۔

خسر الدنیا والآخرۃ

”دنیا و آخرت دونوں تباہ“

یہ نقصان کا ایک پہلو تھا دوسری طرف نوخیز لڑکوں لڑکیوں میں شہوانی جذبات اور جنسی انار کی جو آگ ٹی وی اور وی سی آر نے برپا کی ہے اس کی تپش سے پورا معاشرہ سلگ رہا ہے، عشق و محبت کی فحش داستانیں اور مرد و عورت کے ملاپ کے ناگفتہ بہ ننگے مناظر پیش کر کر کے وہ خام ذہنوں کے جنسی جذبات کو مسلسل انگیخت کرتے ہیں، نتیجہ یہ کہ یہ لاشعور نئی نسل بالغ ہونے سے پہلے ہی بالغ ہو رہی ہے، پھر وہ فوجی جذبات سے بے قابو ہو ہو کر تسکین کے لئے وہ غیر فطری طور طریقے اختیار کر رہی ہے جنہیں صفحہ قرطاس پر لانے سے قلم شرار باہر ہے ۔ ع

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

ایک شخص اپنی روسیاء ہی کا قصہ لکھ کر بغرض استفتا خود دار الافتاء میں آیا، جس کا خلاصہ یہ ہے :

”وہ، اس کی بیوی اور بیٹی وی سی آر دیکھ رہے تھے، کچھ دیر بعد بیوی بستر پر جا کر سو گئی تو اس نے اپنی بیٹی سے منہ کالا کیا اور مکمل طور پر کیا۔“
بیوی کو علم ہو گیا ہوگا، اس نے استفتا پر مجبور کیا ہوگا، ورنہ ٹی وی، وی سی آر کے سامنے یہ بہت معمولی بات ہے، واللہ علم روزانہ کتنے ایسے واقعات ہو رہے ہیں۔ ایسی قوم طرح طرح کے عذابوں میں نہ پسے تو اور کیا ہو؟

آفرین ہے ان سنگ دل والدین پر جو یہ سب کچھ سننے دیکھنے کے باوجود بچوں کی تفریح اور ذہنی نشوونما کے لئے گھر میں ٹی وی رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ع
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
اپنے جگر گوشوں کے ساتھ اس سے بڑھ کر دشمنی کا مظاہرہ کیا ہوگا؟
قرآن مجید علی الاعلان کہہ رہا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أَلَيْسَ ۚ بِأَشَدَّ حَرًّا ۚ (۶: ۶۶)
”اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔“

اس کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

روى ابن عمر رضى الله تعالى عنه قال حين نزلت يا رسول الله ! نفق انفسنا فكيف لنا باهلينا فقال عليه الصلوة والسلام تنهون عما نهاكم الله عنه وتأمرهن بما أمركم الله به فيكون ذلك وقاية بينهن وبين النار۔

واخرج ابن المنذر والحاكم وصححه وجماعة عن علي رضى الله تعالى عنه انه قال في الآية علموا انفسكم واهليكم الخير وادبوهم۔

والمراد بالاهل على ما قيل ما يشمل الزوجة والولد والعبد والامة واستدل بها على انه يجب على الرجل تعلم ما يجب من الفرائض وتعليمه لهؤلاء۔

وادخل بعضهم الاولاد في الانفس لان الولد بعض من ابيه۔

وفي الحديث رحم الله رجلا قال يا اهلا صلوٰتكم صيامكم زكاتكم

مسکینکم یتیمکم حیرانکم لعل اللہ یجمعکم معاً فی الجنة۔

وقیل ان اشد الناس عذاباً یوم القیمة من جھل اھلہ (روح المعانی ص ۱۳۷)
”جب یہ آیت اُتری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنی جانوں کا تو دوزخ سے بچاؤ کرتے ہیں اپنے گھر والوں کو کیسے بچائیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں منع فرمایا ہے ان سے انھیں منع کرو، اور جن کاموں کا تمھیں حکم فرمایا ہے ان کا انھیں حکم کرو، سو یہ چیز ان کے لئے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گی۔

امام ابن المنذر و امام حاکم نے اپنی تصحیح کے ساتھ اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر یوں نقل کی ہے:

”اپنے نفسوں کو اور اپنے گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو اور انھیں دین کے طور طریقے سکھاؤ“

اور آیت میں اہل سے بیوی، اولاد، غلام اور لونڈی مراد ہیں، آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ مسلمان پر تمام فرائض کا سیکھنا اور مذکورہ افراد کو سکھانا واجب ہے۔

اور بعض حضرات نے اولاد کو انفس میں داخل کیا ہے اسلئے کہ اولاد بھی باپ کا جزو ہے۔

اور حدیث میں ہے: اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جو گھر والوں کو بیدار رکھے کہ اے اہل خانہ! اپنی نماز، روزے اور زکوٰۃ کی فکر کرو، اپنے مسکین یتیم اور پڑوسیوں کی خبر گیری کرو، شاید اللہ تعالیٰ تمھیں انکے ساتھ جنت میں جمع کر دے۔
کہا گیا ہے کہ روز قیامت شدید ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے اپنے گھر والوں کو دین سے بے خبر جاہل رکھا۔

مگر یہاں ”جب باڑھ ہی کھیت کو کھانے لگے تو رکھوالی کون کرے“ کے مصداق والدین خود اولاد کو دین سے برگشتہ کر رہے ہیں، ٹی وی اور وی سی آر کے ذریعہ اسے گناہوں کا رسیا

بنار ہے ہیں، یہی اولاد پل بڑھ کر کل والدین کے سر پہ بوجائے انھیں گالیاں بکے ان سے غیر انسانی سلوک کرے تو اچنبھے کی بات نہیں، کہ یہ اسکول و کالج اور ٹی وی، وی سی آر کی تعلیم و تربیت کا منطقی نتیجہ ہے۔ ”جیسی کرنی ویسی بھرنی“ دنیا کا مسلم اصول ہے، آخرت میں بھی یہ اولاد یقیناً والدین کی گریبان گیر ہوگی۔

⑧ جرائم کو ہوا دینا:

ٹی وی صرف تفریح و تماشہ یا طرب و عیش کا ہی ایک آلہ نہیں بلکہ دنیا میں رونما ہونے والے بڑے بڑے جرائم کا ”ٹریننگ سینٹر“ بھی ہے، اخباروں میں اس قسم کی خبریں بارہا شائع ہو چکی ہیں کہ بڑی بڑی وارداتوں میں پکڑے جانے والے نوجوانوں نے سزایاب ہونے کے بعد از خود اعتراف کیا:

”ڈکیتی کا یہ پروگرام ہم نے فلاں ٹی وی ڈرامہ دیکھ کر ترتیب دیا تھا“
جنوبی افریقہ کی ”مجلس علماء“ کی جانب سے شائع شدہ کتاب ”اسلام اینڈ ٹیلیوژن“ میں واقعہ لکھا ہے:

”ٹی وی میں پیش کیا گیا عورت کی آبروریزی کا منظر“ حقیقت بن کر سامنے آگیا جب ایک بد معاش ہو بہو اسی طرح چھری چاقو لیکر ایک عورت کے گھر گھس گیا، اسکی آبروریزی کی اور رقم چھین کر بھاگ گیا، تفتیش کے لئے اس کے گھر پولیس آئی تو پولیس افسر بے ساختہ بول اٹھا:

”ملزم نے یقیناً وہ ٹی وی ڈرامہ دیکھ کر ہی یہ واردات کی ہے جس میں یہ منظر

پیش کیا گیا تھا“

⑨ شعائر دینیہ کی بے حرمتی:

ٹی وی میں ضمنی طور پر کچھ دینی پروگرام مثلاً حج کے مناظر، اذان، تلاوت اور تعظیہ کلام وغیرہ پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ دین کی کوئی خدمت نہیں بلکہ دینی احکام کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے، قرآن مجید نے اسے کفار کا عمل بتا کر مسلمانوں کو ان سے بیزار رہنے کی تاکید فرمائی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ

اَوْتُوا الْكُتُبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ (۵: ۵۷)

”اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انھوں

نے تمہارے دین کو مینسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست
مرتب بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔

اس میں دین کی بے وقعتی تو ہے ہی مزید ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ عوام ٹی وی ایسی
بیچائی کو جائز مباح بلکہ اشاعت دین کا ایک ذریعہ باور کرنے لگے ہیں۔
(۱۰) معاشرے میں مذکورہ بالا تمام گناہوں کی تشہیر و ترویج کا وبال عظیم :

ٹی وی، وی سی آر کے ذریعہ دنیا بھر میں جتنی بیچائی پھیل رہی ہے اس میں انکے تمام پرستار
(تاجر، خریدار، مشتری، بنانے اور مرتب کرنے والے، دیکھنے دکھانے والے) سب برابر کے
شریک و حصہ دار ہیں، کسی نیکی یا بُرائی میں حصہ دار بننے کے لئے اس تک چل کر جانا اور بنفس نفیس
شریک ہونا ضروری نہیں بلکہ گھر بیٹھے اسے سراہنا، دل سے راضی رہنا یا کسی بھی انداز سے اس کی
حوصلہ افزائی کرنا اس میں شرکت کے مترادف ہے، چنانچہ حدیث ہے :

اذا عملت الخطیئة فی الارض فمن شہدھا فکفرھما کان کمن غاب عنھا ومن غاب عنھا
فرضیھا کان کمن شہدھا (ای باشرھا وشارک اھلھا) (سنن ابی داؤد ص ۲۴۹ ج ۲)
”جب زمین میں کہیں گناہ ہوتا ہے تو جو شخص موقع پر موجود ہونے کے باوجود اسے دل
سے ناپسند کرے تو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے جو اس سے غائب ہے۔ اور جو شخص وہاں
سے غائب ہو نیکی باوجود اس پر دل سے راضی ہو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے جو
موقع پر موجود (اور شریک گناہ) ہے۔“

یہ ظاہر و باہر حقیقت محتاج دلیل نہیں کہ اس وقت پورے انسانی معاشرہ میں فحاشی و
عریانی کو فروغ دینے میں جو کردار اکیلا ٹی وی ادا کر رہا ہے وہ دنیا بھر کی زبیاں، بھانڈ، بھڑوسے
میراثی مل کر بھی ادا نہ کر سکتے، ٹی وی نے گھر گھر سنیا ہال کھول دیئے۔ کچھ عرصہ پیشتر جس
گناہ کے ارتکاب کے لئے لوگ اوٹ تلاش کرتے تھے آج ٹی وی کی بدولت وہ گناہ نہ صرف
جائز قرار پایا بلکہ فیشن بن چکا ہے، گناہوں کی اس بہتات نے معاشرہ کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔
اس تمام بگاڑ کا سہرا انہی لوگوں کے سر ہے جو اس ”سرچشمہ فساد“ کی تشہیر و ترویج میں
کسی بھی درجہ میں دخیل ہیں، یہ لوگ فقط اپنی ذات کے ہی نہیں بلکہ پورے معاشرہ کے
بدخواہ اور دشمن ہیں، اور اس قرآنی وعید میں داخل ہیں :

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لہم عذاب الیم فی

الدنیا والآخرۃ واللہ یعلم واستمر لا تعلمون (۲۴: ۱۹)

”جو لوگ چاہتے ہیں کہ بیچیاٹی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

عذرِ گناہ :

ٹی وی کے ان مہیب اور ہولناک نتائج کو دیکھ کر کوئی بھی ذی ہوش انسان اسے اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے یا معاشرہ کے کسی فرد کے لئے مفید قرار نہیں دے سکتا، مگر اس موٹی سی حقیقت کو سمجھنے کے لئے بھی کچھ انسانی حس درکار ہے، افسوس کہ ٹی وی اپنے دلدادوں کے دل و دماغ سے اس ”حس“ کو کھرچ کھرچ کر ایسا صاف کر دیتی ہے کہ انھیں خیر و شر کے درمیان کوئی تمیز نہیں رہتی۔

سوال میں مذکور تقریر جس میں ٹی وی کے فائدے گنائے گئے ہیں انہی ٹی وی گزیدہ لوگوں کی زبانی دہرائی گئی ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ دنیا کی وہ کون سی برائی ہے جسے تمہاری اس منطق کی رُو سے خیر و بھلائی ثابت نہیں کیا جاسکتا؟ کیا آدم خور درندے، سانپ، بچھو، سنکھیا بھی اپنے اندر فائدے کا ایک پہلو نہیں رکھتے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ کوئی احمق سے احمق انسان بھی انھیں ہاتھ لگانے کو تیار نہیں؟ سچ ہے :

”بے دینی کی سب سے پہلی زد عقل پر پڑتی ہے۔“

بعض لوگ ٹی وی کے طرفداروں کی یہ تقریر سن کر کہ ”ٹی وی کی سکرین پر براہ راست پیش ہونے والے مناظر تصویر نہیں بلکہ عکس ہیں“ طول طویل بحث چھیڑ دیتے ہیں۔

ہم اس بحث کو اس لئے بے سود سمجھتے ہیں کہ ٹی وی کا اصل حکم اس پر موقوف نہیں، یہ مناظر تصویر ہوں تو بھی حرام ہیں عکس ہوں تو بھی قطعی حرام۔ اگر بقول انکے یہ عکس ہے تو بھی بے پردہ فاحشہ عورتوں کے عکس دیکھنا کس نے جائز قرار دیا؟ عورتوں کیلئے نیم برہمنہ مردوں کے عکس دیکھنے کی کس نے اجازت دی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ عکس ایک پہلو سے اصل صورت سے بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے ۵

تری تصویر میں اک چیز تجھ سے بھی نرالی ہے، کہ جتنا چاہو چپکالو نہ جھڑکی ہے نہ گالی ہے۔ اگر اسے عکس تسلیم کر کے ہم جائز قرار دیں تو خارجی مفسد کی بنا پر ایک جائز کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے، اور ٹی وی تو ہے ہی ”مجسمہ فساد“ اس کے تمام مفسد سے آنکھیں بند

کر کے اسے جائز کیسے قرار دیا جائے؟

اگر خارجی مفاسد سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے یہ فرض کر لیا جائے کہ براہ راست پیش کئے جانے والے مناظر ”عکس“ ہیں اور پہلے سے فلمائے گئے مناظر ”تصویر“۔ تو ہر ٹی وی بین ہر وقت یہ چھان بین کیسے کریگا کہ اس وقت یہ پروگرام براہ راست نشر ہو رہا ہے یا اس کی فلم دکھائی جا رہی ہے؟ جبکہ عموماً ٹی وی پروگرام فلم ہی کی صورت میں دکھائے جاتے ہیں۔

ویڈیو کیسٹ :

یہ اپنی فتنہ سامانی میں ٹی وی سے بھی دو گام آگے ہے، اس میں تو ہوتی ہی محفوظ تصویر ہے۔ بعض لوگ یہاں بھی وہی تقریر شروع کر دیتے ہیں کہ اس کی تصویر بھی پانی یا آئینہ میں دیکھنے والے عکس جیسی ہے، حالانکہ کوئی عقل کا کورا بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تصویر و عکس دو بالکل متضاد چیزیں ہیں، تصویر کسی چیز کا پائیدار اور محفوظ نقش ہوتا ہے، عکس ناپائیدار اور وقتی نقش ہوتا ہے، اصل کے غائب ہوتے ہی اس کا عکس بھی غائب ہو جاتا ہے۔

ویڈیو کے فیتے میں تصویر محفوظ ہوتی ہے، جب چاہیں جتنی بار چاہیں ٹی وی کی سکرین پر اس کا نظارہ کر لیں، اور یہ تصویر تابع اصل نہیں بلکہ اس سے بالکل لا تعلق اور بے نیاز ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو مرکب گئے، دنیا میں ان کا نام و نشان نہیں، مگر ان کی متحرک تصویریں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں۔ ایسی تصویر کو کوئی پاگل بھی عکس نہیں کہتا۔ صرف اتنی سی بات کو بیکر کہ ویڈیو کے فیتے میں ہمیں تصویر نظر نہیں آتی تصویر کے وجود کا انکار کر دینا کھلا مغالطہ ہے۔

اگر یہ منطق تسلیم کر لی جائے کہ فیتے میں تصویر محفوظ نہیں بلکہ معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ نقوش ٹی وی اسکرین پر جا کر تصویر بنادیتے ہیں تو اس لا حاصل تقریر سے اصل حکم پر کیا اثر پڑا؟ تصویر محفوظ ماننے کی تقدیر پر ٹی وی صرف تصویر نمائی کا ایک آلہ تھا اب تصویر سازی کا آلہ بھی قرار پایا، کہ صرف تصویر دکھاتا ہی نہیں بناتا بھی ہے، اب تو اس کی قباحت دوچند ہو گئی، یک نہ شد دوشد۔

مختصر یہ کہ ٹی وی ویڈیو کیسٹ کی تصویر کے متعلق زائد از زائد یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کی ترقی کے فن تصویر سازی کو ترقی دیکر اس میں مزید جدت پیدا کر دی اور تصویر سازی کا ایک دقیق انوکھا طریقہ ایجاد کر لیا۔

مگر یاد رکھئے تصویر خواہ کسی قسم کی ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید سے خارج نہیں:
اشد الاۃ عند ابائوم القیامت المصورون۔

”روز قیامت تصویر سازوں کو سب سے سخت عذاب ہوگا“

لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... المصور

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر ساز پر لعنت بھیجی“

یہ چند سطور ہم نے ان لوگوں کی تردید میں لکھ دیں جو عکس کی اوٹ لیکر ٹی وی کی لعنت کے لئے جواز کا چوردروازہ کھولنا چاہتے ہیں ورنہ یہ شریع ہی میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ٹی وی کی حرمت و شناعیت اس بحث پر موقوف نہیں۔

ایک سوال :

آخر میں ان لوگوں سے جو عکس عکس کی رٹ لگاتے نہیں تھکتے ایک سوال ہے کہ اگر آپچی اپنی بہو بیٹیاں ٹی وی اسکرین پر اسی طرح نمودار ہوں اور اچھلتی کودتی ساری دنیا کو دعوتِ نظارہ پیش کریں تو خدا لگتی کہئے کیا آپ اپنے تئیں بھی یہ سوچ سوچ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ ”یہ ایک عکس ہی تو ہے“ یا غیرت و حمیت سے زمین میں گر جائیں گے؟
آں کہ بر خود نپسندی بردیگراں پسند۔

”جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے کیسے پسند کرتے ہو؟“

کچھ مغرب زدہ روشن خیال قسم کے لوگ علماء کرام پر طعن کرتے ہیں کہ یہ حضرات قدامت پسند اور تنگ نظر ہیں، انھیں معلوم نہیں کہ آج ٹی وی تمدنِ زندگی کا ایک لازمی جز بن چکا ہے، علم و ادب فلسفہ و سائنس بلکہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک بہترین ذریعہ ہے، مگر علماء چاہتے ہیں کہ ٹی وی سے نیکی کا یہ عنصر ختم کر کے اسے بالکل آزاد و بے ہمار چھوڑ دیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علم و ادب یا دین کی اشاعت سے کوئی مسلمان منع نہیں کرتا، بالخصوص علماء کرام کی تو پوری زندگی ہی علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے وقف ہیں، ان پر یہ تہمت تھوپنا تو حقیقت کا منہ چڑانا ہے، مگر دین میں تحصیل علم کے کچھ آداب و اصول ہیں، ٹی وی تحصیل علم کا آلہ نہیں بلکہ مغذیہ عورتوں، گوتوں، میراثیوں اور ڈھولکیوں کا گہوارہ ہے، گندگی کے اس جوہر میں بیٹھ کر دین کی تبلیغ کرنا دینی خدمت نہیں بلکہ دین کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔

کسی معترض میں انصاف و دیانت کی رفق ہو تو وہی بتائے کہ ٹی وی یوں تو دن رات فلمی ایکٹروں، ایکٹریسوں اور نیم عریاں کھلاڑیوں کے لئے وقف ہے، ان کے جھرمٹ میں ذرا سی دیر کو کسی سرکاری مولوی یا درباری شاعر و نعت خواں کو باریابی کا موقع دیدینا ٹی وی کی تطہیر ہے یا بیت الخلاء کو عبادت گاہ بنانے کی حماقت؟

کوئی ٹی وی کا دلدادہ بتا سکتا ہے کہ ٹی وی کے دینی پروگرام جو سالہا سال سے چل رہے ہیں ان کو دیکھ کر آج تک کتنے کافر مشرف باسلام ہوئے؟ کتنے بے نماز نمازی بن گئے؟ اور خود آپ پر اس کا کتنا اثر ہوا؟

افسوس! دنیا کے ہر فن ہر ہنر کو سیکھنے کے لئے یہ لوگ ماہرین فن کے پاس چل کر جاتے ہیں، ان کی بھاری فیسیں ادا کرتے اور ہر طرح سے ناز برداری کرتے ہیں، مگر دین ہی انکی نظر میں ایک کار لا یعنی ہے جسے گھر بیٹھے تماشا دیکھتے ہوئے حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس سے بڑھ کر دین کی بے وقعتی کیا ہوگی؟

کون نہیں جانتا کہ ٹی وی پر دیگر امور میں دینی امور کی یہ آمیزش بھی صرف ذائقہ بدلنے کے لئے وقتی سی بات ہوتی ہے۔

اگر کسی وقت ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو اور وہ ٹی وی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر اسے موجودہ منکرات سے پاک کر دے، ٹی وی میں عورتوں کا گزرنہ ہو کسی جائز کی تصویر بھی پیش نہ کی جائے، اس کا پورا عملہ صالح مردوں پر مشتمل ہو جو اسے عوامی خواہشات کے تابع رکھنے کی بجائے مفید مقاصد میں استعمال کرے، استعمال کی مخصوص حدود و شرائط وقت کے تحقق سے طے کرالے تو دریں حالات ٹی وی واقعی آلہ خیر بن جائے گا اور علماء کو اس پر کوئی اعتراض نہ رہے گا، مگر بحالات موجودہ یہ قطعاً آلہ شر ہے اور اس کے قلب ماہیت کے دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

علماء کسی نئی ایجاد کے مخالف نہیں، وہ ہر قیمت پر دین کا تقدس برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ عناد و تعنت پر مبنی ایک اعتراض کی نامعقولیت و لغویت ظاہر کرنے کی غرض سے یہ مفروضہ لکھ دیا ہے ورنہ یہ حقیقت واضح ہے کہ ٹی وی کی بطریق مذکور تطہیر کے لئے عرصہ دراز چاہیے، وہ بھی اس شرط سے کہ فی الحال ٹی وی پر فوراً ایسی مکمل پابندی لگائی جائے کہ پوری مملکت سے اس کا وجود ہی ختم کر دیا جائے، ٹی وی کی موجودگی میں اس سے فحاشی و

بے دینی کے ہر لمحہ بڑھنے والے سیلاب و طغیانی پر بندش دگانا ناممکن ہے، ٹی وی کے زہر کو اس سے مسموم معاشرہ کی رگ و پے سے نکالنے کے لئے چند سال کافی نہیں، صدیوں کی ضرورت ہے۔
یہ خیال صحیح نہیں کہ حکومت چاہے تو موجودہ حالات میں بھی پابندیاں عائد کر کے تطہیر کر سکتی ہے۔
اس لئے کہ جب تک حکومت کی اصلاح نہ ہوگی وہ جہنم سے نجات کیوں چاہے گی؟ اور جمہوری طرز حکومت میں حکومت کی اصلاح عوام کی اصلاح پر موقوف ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ موجودہ حالات میں ٹی وی کی تطہیر کے مشورے اور بصورت تطہیر جواز متعلق کے فتوے سب خام خیالی اور خواب ہیں یا محض زبان و قلم کی تفریح کا سامان۔
کرشمہ جہالت :

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم صرف کارآمد پروگرام دیکھتے ہیں، فحش اور دوسرے ناجائز پروگرام نہیں دیکھتے۔

ان کی منطق تلبیس ابلیس و فریب نفس و شیطان ہے، ہم نے ٹی وی کے جو فسادات لکھے ہیں انکے پیش نظر اس آلہ شیطان کو کسی حال میں اور کسی نیت سے بھی دیکھنا جائز نہیں۔ جائز پروگرام دیکھنے کے عدم جواز کی وجہ ہم دوبارہ لکھ دیتے ہیں :

- ۱) تصویر یا عکس، ان دونوں کے فسادات کی تفصیل گزر چکی ہے۔
- ۲) عورت کی تصویر یا عکس، اناؤنسر بہر حال عورت ہوتی ہے۔
- ۳) کھیل اور تیراکی کے مناظر میں ستر کھلا ہوتا ہے۔
- ۴) فحاشی کے اس اڈے میں مناظر جج اور دوسرے دینی پروگرام پیش کرنا اور انکا دیکھنا دین اسلام کی توہین ہے اور بہت سخت گمراہی بلکہ خطرہ ایمان۔
- ۵) ٹی وی دیکھنے والا حد جواز پر قائم نہیں رہ سکتا، یہ نشہ کبھی نہ کبھی حرام میں مبتلی کر کے چھوڑتا ہے اور قاعدہ ہے :

الامر المفضی الی الحرام حرام۔

”جو کام حرام میں ابتلاء کا سبب ہو وہ بھی حرام ہے“

- ۶) نماز میں تاخیر یا ترک جماعت کا سبب ہے۔
- ۷) صحت جسمانیہ، دماغ، اعصاب اور بنیائی کو نقصان پہنچتا ہے۔
- ۸) بالفرض کوئی شخص دیکھنے میں حدود و قیود کی پابندی کر لے تو اس کے عمل سے عوام

مطلقاً جواز پر استدلال کر کے فواحش و معاصی میں بھی مبتلی ہونگے جن کا گناہ اور وبال اس پر بھی پڑیگا جو ان کی بے دینی اور فسق و فجور کا سبب بنا۔

ٹی وی کے احکام :

○ ٹی وی اپنی موجودہ صورت میں ڈھول سازنگی اور بلیڈ باجوں کی طرح لہو و لعب کا ایک آلہ ہے بلکہ مفاسد کے لحاظ سے دیگر آلات معاصی سے بڑھ کر ضرر رساں و تباہ کن ہے، اسلئے اسکا بیچنا، خریدنا، اجارہ پر دینا لینا، ہبہ کرنا، ہبہ میں قبول کرنا، مرمت کرنا، پاس رکھنا، اسکی تصویر دیکھنا، دکھانا، یا ایسے مکان میں بیٹھنا جس میں ٹی وی چل رہا ہو یہ تمام کام حرام ہیں۔

○ جس مسلمان کو اس کبیرہ گناہ سے توبہ کی توفیق ہو وہ اسے توڑ پھوڑ کر ضائع کرے، ہاں اس میں کوئی کل پرزہ اس قسم کا موجود ہو جو کسی دوسرے مباح کام میں آسکتا ہو تو اسکے نکال لینے میں ضایعہ نہیں۔ نیز جس شخص یا کمپنی سے ٹی وی خریدا تھا قیمت خرید یا اس سے کم پر اسے واپس بھی کیا جاسکتا ہے۔

○ کوئی شخص کسی مسلمان کا ٹی وی توڑ دے تو اس پر ضمان نہیں، مگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو توڑنا جائز نہیں۔

○ جو لوگ ٹی وی، وی سی آر اور تصاویر کا کاروبار کرتے ہیں انکی کمائی حرام ہے، لہذا ان سے لین دین ان کی دعوت کھانا، ہدیہ لینا، غرض کسی شکل میں بھی انکے مال سے انتفاع جائز نہیں۔

○ چونکہ ٹی وی آلہ لہو و لعب ہے، اسلئے اس میں حج کے مناظر، اذان تلاوت، حمد و نعت اور دوسرے کسی قسم کے دینی پروگرام نشر کرنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، اس گناہ کو کسی تصویر کر نہیں کفر کا اندیشہ ہے۔

○ جو شخص مذکورۃ الصدرا گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہو وہ فاسق ہے، لہذا اس کی اذان و اقامت مکروہ ہے۔ اسے باختیار خود امام بنانا جائز نہیں، اگر بن گیا تو فرض نماز اسکی اقتدار میں ادا کرنا درست ہے، بشرطیکہ امامت کی دوسری شرطیں اس میں پائی جاتی ہوں۔

تراویح اور وتر اس کی اقتدار میں جائز نہیں۔ اس کی شہادت مردود ہے۔

○ ایسے مخصوص مقامات جہاں دور حاضر میں ٹی وی کا استعمال ناگزیر ہے، جیسے حفاظتی تدابیر، ایٹمی تنصیبات، سائنسی مراکز، ڈاکٹری کی مہارت کے لئے عملی تجربات، ایسے مواقع میں بوقت ضرورت بقدر ضرورت جائز ہے، واللہ ہوالعالم من جمیع الفتوح۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دارالافتار والارشاد

۶ رذی قعدہ ۱۴۱۲ھ ہجری

الکاف

غلبہ شہوت سے اپنی ماں پر جھپٹ پڑا :

ایک شخص نے دارالافتار سے خود اپنے بارے میں یوں استفتا کیا :
”میں اپنی ماں کے ساتھ ایک فحش پروگرام دیکھ رہا تھا، شہوت کی آگ بھڑک
اٹھی آلہ تناسل میں انتشار پیدا ہوا اور جوش شہوت میں بے اختیار ماں
کو پکڑ لیا۔“

وی سی آر کے سامنے بیٹی کے ساتھ بدکاری کا قصہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

ایسے شرمناک اور حیا سوز واقعات قید تحریر میں لاتے ہوئے قلم تھرا رہا ہے مگر دل پر
پتھر کھکھیرا اس مقصد سے اس قسم کے واقعات شائع کئے جا رہے ہیں کہ شاید ان لوگوں کے
لئے تازیانہ عبرت بنیں جو تفریح کے نام سے اس بیبیائی کو فرغ دینے میں مصروف ہیں۔
ان حقائق کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اگر یہ لوگ اپنی روش نہیں بدلتے تو یہ بادر کئے
بغیر چارہ نہیں کہ شاید ان کی لغت میں دین و ایمان، شرم و حیا اور غیرت و حمیت کے
الفاظ مہمل اور بے معنی الفاظ ہیں ع

حمیت نام تھا جس کا گئی مسلم گھرانوں سے

آنکھوں دیکھا عبرتناک عذاب :

رمضان المبارک کی بات ہے کہ افطاری سے کچھ دیر پہلے ماں نے بیٹی سے کہا :

”آؤ میرے ساتھ مل کر افطاری کے لئے تیاری میں میری مدد کرو۔“

بیٹی نے جواب دیا :

”امی! مجھے تو ٹی وی پر پروگرام دیکھنا ہے وہ دیکھ لوں تو پھر کام کروں گی۔“

یہ کہہ کر اوپر چھت پر چلی گئی کمرے میں ٹی وی رکھا تھا اس لڑکی نے ماں کے ڈر سے کہ
کہیں مجھے زبردستی کام کے لئے نہ اٹھا کرے جائے دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا، ادھر ماں بیٹی کو
آوازیں دیتی رہی، بیٹی نے ایک نہ سنی کافی وقت گزر گیا، گھر میں سب مرد بھی آگئے،
افطاری ہو گئی لیکن لڑکی ابھی تک کمرے سے نکلی نہیں، ماں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے
آواز نہ آئی، دل ڈر گیا، اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا، انہوں نے دروازہ توڑا اور اندر

داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی زمین پر اونڈھے منہ پڑی ہے، اس کو دیکھا تو وہ مرچکی تھی اب حالت یہ ہوئی کہ لڑکی زمین کے ساتھ چمچی ہوئی تھی، اٹھانے سے اٹھتی نہیں تھی، سب اس کو اٹھا اٹھا کر تھک گئے، اب حیران کہ کیا کریں، کسی کے ذہن میں اچانک ایک بات آئی، اس نے جو اٹھ کر ٹی وی کو اٹھایا تو لڑکی بھی اٹھی، اب تو یہ ہوا کہ اگر ٹی وی اٹھاتے تو لڑکی اٹھتی ورنہ بالکل کوئی اس کو نہ اٹھا سکتا، آخر انھوں نے لڑکی کے ساتھ ٹی وی کو بھی اٹھایا اور اس کو نیچے لائے اور غسل دیکر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ اٹھایا تو حیران رہ گئے کہ چار پائی توٹس سے مس نہیں ہوتی، بالآخر انھوں نے ٹی وی کو اٹھایا اور قبرستان تک لے گئے، اب انھوں نے لڑکی کو قبر میں دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھا کر گھر لانے لگے، جو نہی انھوں نے ٹی وی کو اٹھایا تو میت قبر سے باہر آ پڑی، انھوں نے پھر اس کو دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھایا تو پھر میت باہر آ پڑی اب تو سب کو بہت پریشانی ہوئی، انھوں نے لڑکی کو ٹی وی سمیت قبر میں دفن کر دیا۔

اب اس کا جو حشر ہوا ہو گا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (رسالہ ختم نبوت جلد ۷ شماره ۱۸)

ٹی وی کے فضائی اثرات :

روزنامہ ”مسلمان“ مدراس نے مورخہ ۵ اگست ۹۲ء کی اشاعت میں لکھا ہے :
 ”رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گھریلو ایکٹرانکس مثلاً ٹی وی سے جو زہریلے مادے
 گیسوں کی شکل میں خارج ہوتے ہیں وہ نیوکلیائی تجربہ گاہ پر بم پھٹنے کے بعد
 پائے جانے والے اثرات سے ۵ گنا زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔“

(رسالہ ختم نبوت جلد ۱۱ شماره ۴۴)

دنیا ہی میں عذابِ عظیم :

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو جب کہ ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا مسلمانوں کی جائیداد کو
 آگ لگائی جا رہی تھی عورتوں کی بے حرمتی کی جا رہی تھی، تو ۳۱ اکتوبر ۹۰ء کو میں استخارہ کی نیت
 سے سو گیا خواب میں ایک بزرگ تشریف لاتے ہیں، میں نے ان سے عرض کیا :

”حضرت مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے ان کے مال و جائیداد کو آگ لگائی جا رہی ہے“

عورتوں کی بے حرمتی کی جا رہی ہے، ہر طرف مسلمان پریشان حال ہیں وہ عمل بتائیے جس

سے مسلمانوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں۔“ اُن بزرگ نے فرمایا :

”کوٹھوں پر سے چھتریاں اُتر وادو“

ٹی وی کا زہر ————— ۲۲

یعنی ٹیلیوژن کے انٹینا اُتر وادو۔ (رسالہ ٹی وی کی تباہ کاریاں)

عذاب قبر :

دو دوست تھے ایک جدہ میں رہتا تھا دوسرا ریاض میں، دونوں میں گہری دوستی تھی، دونوں ہی دیندار و پرہیزگار تھے۔ ریاض والے دوست کے گھر والوں نے بہت ضد کی کہ وہ گھر میں ٹی وی لے آئے، اپنے بچوں اور بیوی کے اصرار پر اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ٹی وی خرید لیا، کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا، جدہ والے دوست نے اس کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا، ہر مرتبہ اس کو عذاب کی حالت میں پایا اور اس نے خواب میں تینوں مرتبہ اس جدہ والے دوست سے کہا :

”خدا کے لئے میرے گھر والوں سے کہو کہ وہ گھر سے ٹی وی نکال دیں، کیونکہ جب سے ان لوگوں نے مجھے دفن کیا ہے مجھ پر اس ٹی وی کی وجہ سے عذاب مسلط ہے، کیونکہ میں نے خرید کر گھر میں رکھا تھا وہ لوگ اس بے حیائی سے مرنے لے رہے ہیں اور میں عذاب میں گرفتار ہوں۔“

جدہ والا دوست جہاز کے ذریعہ ریاض پہنچا اور اس کے گھر والوں کو خواب سنایا اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تین مرتبہ ایسا دیکھا ہے۔ گھر والے سن کر رونے لگے، اسکا بڑا بیٹا اٹھا اور غصہ میں ٹی وی کو اٹھا کر پٹخا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیا۔

جدہ والا دوست جب جدہ واپس پہنچا تو اس نے پھر دوست کو خواب میں دیکھا اس بار وہ اچھی حالت میں تھا، اس کے چہرے پر ایک رونق تھی، اس نے اپنے ہمدرد دوست کو دعا دی کہ اللہ جل جلالہ تجھے بھی مصیبتوں سے نجات دلائے جس طرح تو نے میری پریشانی دور کرائی (حوالہ بالا) ٹی وی کو تباہ کر دو اس سے قبل کہ یہ تمہیں برباد کر دے :

شیخ عبداللہ حمید سابق جسٹس سپریم کورٹ آف سعودیہ عربیہ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے :

”ایک جرمنی کے ماہر اجتماعیات نے مختلف درسگاہوں اور اداروں کے براہ راست بھرپور مطالعہ کے بعد سوسائٹی اور نسلی نسل پرٹی وی کے خطرات کا گہرائی سے جائزہ لے کر کہا کہ ٹی وی اور اس کے نظام کو تباہ کر دو اس سے قبل کہ تمہیں برباد کر دے“ (حوالہ بالا)

ٹیلیوژن بچوں پر تباہ کن اثرات مرتب کرتا ہے :

ٹیلیوژن پر تشدد اور جنس سے متعلق پروگرام بچوں پر تباہ کن اثرات مرتب کرتے ہیں،

یہ بات برطانیہ کے وزیر صحت نے کہی ہے، ان کا کہنا ہے کہ حکومت کو ٹیلی ویژن نشریات پر کنٹرول کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ والدین بھی بچوں پر پابندی لگائیں اور ان کو ایک حد میں رکھیں جس سے آگے بچے قدم نہ اٹھائیں۔ انھوں نے کہا کہ والدین کو ان کی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے اور بچوں کو عزت کرنا اور برے بھلے کی تمیز کرنا سیکھنا چاہیئے۔ (حوالہ بالا بحوالہ روزنامہ نوائے وقت ۵ اپریل ۱۹۹۳ء) ٹی وی سے کینسر:

ڈاکٹر این ویکمور مشہور جرنلسٹ اور عیسائی مشن کی معزز رکن ہیں اپنی کتاب (WHYSUFFER) میں لکھتی ہیں:

”سچائی تو یہ ہے کہ ٹی وی ایک طرح کی ایکس رے مشین ہے، ڈاکٹر جس ایکس رے مشین کا استعمال کرتے ہیں اس میں خطرات سے بچنے کا مناسب انتظام ہوتا ہے، جبکہ ٹی وی میں اب تک ایسا کوئی انتظام نہیں ہے، ایکس رے کی کرنیں بہت ہلک ہوتی ہیں، انسان کے نازک اعضاء و جوارح پر اس کے اثرات کیسے مرتب ہو رہے ہیں؟ اس خیال ہی سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے“

وہ مزید لکھتی ہیں:

”لڑکے اور لڑکیاں ٹی وی سیٹ کے سامنے بیٹھ کر پروگرام دیکھتے ہیں، امریکہ کے بوسٹن نامی شہر میں صرف ایک ہسپتال میں خونی کینسر کے شکار چھ سولہ لڑکیاں زیر علاج ہیں“

ڈاکٹر ”گروڈبے“ لکھتے ہیں:

”سیاہ سفید ٹی وی سیٹ میں ۱۹ کلو والٹ، رنگین ٹی وی میں ۲۵ کلو والٹ تک کی ٹیوب ہوتی ہیں، شروع میں ۱۶، ۱۶ کلو والٹ والی ایکس رے مشین بھی ان کا استعمال کرنے والے ٹیکنیشن کے جسموں میں کینسر کا کیڑا پیدا کر دیتی تھی، اندازہ کیجئے کہ جب ۱۶ کلو والٹ کی ایکس رے مشین بھی کینسر پیدا کر دیتی تھی تو ٹی وی جو ۱۹ اور ۲۵ کلو والٹ کے ہوتے ہیں وہ کیا کچھ تباہی نہ کرتے ہوں گے“

عکسی تصویر کے مشہور ماہر ڈاکٹر ”آئلکروب“ نے شیکاگو امریکہ کے ایک ہسپتال میں جان کنی کے عالم میں نہایت تلخی کے ساتھ یہ تاکید کی:

”گھروں میں ٹی وی کا وجود ایک جان لیوا کینسر کی مانند ہے جو بچوں کے جسموں میں

رفتہ رفتہ سرایت کرتا ہے۔“

شیخ عبداللہ بن حمید سابق چیف جسٹس سعودیہ عربیہ نے اسی ڈاکٹر آئسکر وکے باریس لکھا ہے: ”یہ ڈاکٹر بھی ٹی وی کی شعاؤں سے پیدا شدہ مہلک مرض کینسر کا شکار تھا، اسکی وفات سے پیشتر کینسر کے جراثیم کے استحصال کے لئے چھیا نوے دفعہ اسکا سر فٹری آپریشن کیا گیا مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا، کیونکہ یہ مرض اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا بازو نیز چہرہ کا کافی حصہ کٹ کر گر گیا تھا۔“ (حوالہ بالا)

فالج اور اندھا پن :

اس کے علاوہ ٹی وی سے اور بھی جسمانی نقصانات ہوتے ہیں مثلاً بعض تجربات نے پتہ دیا ہے کہ اس سے فالج ہوتا ہے نیز اس کی شعاعوں سے آنکھوں کی بینائی پر نہایت مضر اثرات پڑتے ہیں۔

ڈاکٹر ”ایچ پی شوین“ کا تجربہ ہے کہ ”ایک حاملہ کتیا پر دو ماہ تک ٹی وی کی شعائیں پڑنے دیں، اس کے بعد کتیا نے چار بچوں کو جنم دیا، یہ چاروں بچے فالج زدہ تھے، ان میں تین تو اندھے بھی تھے۔“

ایک اور شخص نے دو طوطے خریدے طوطے کا پنجرہ ٹی وی سیٹ کے سامنے رکھ دیا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ طوطوں کے پیر بیکار ہو گئے (حوالہ بالا)

بنک پر ڈکیتی :

دہلی میں ایک بنک پر ڈکیتی کا واقعہ ہوا جس میں چوروں کی ایک فوجوان ٹولی گرفتار ہوئی، ان میں سے اکثر فوجوان کسی نہ کسی کالج کے طالب علم تھے، ان کے فوجوان لیڈر (GANG LEADER) نے عدالت میں بیان دیا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے فلم ”بے ایمان“ دیکھ کر یہ حرکت کی لیکن بد قسمتی سے پکڑے گئے (رسالہ سینما بینی اور اسکے مہلک اثرات) ٹی وی اور امراض چشم :

حال ہی میں ماہر امراض چشم ڈاکٹر این این سور نے نئی دہلی کے راجندر پرشاد آپتھک سینٹر میں لکچر دیتے ہوئے بتایا ہے کہ سینما اور ٹیلی ویژن دیکھنے سے آنکھوں کا مرض گلوکوما (GLUCOMA) ہو سکتا ہے (حوالہ بالا بحوالہ رہنمائے دکن یکم اپریل ۱۹۸۲ء)

ٹی وی سے عذاب قبر :

فیصل آباد میں ایک شخص نے بچوں کے لئے ٹی وی خریدا، یہ شخص مرگیا تو اس نے خواب میں اپنے پڑوسی سے کہا :

”ہر روز ٹی وی کے پرزے آگ میں گرم کر کے ان سے مجھے عذاب دیا جا رہا ہے“

خدا کے لئے میرے حال پر رحم کر د، اس ٹی وی کو گھر سے نکالو“

ٹی وی سے عذاب قبر کے قصے اوپر بھی لکھے جا چکے ہیں۔

بیٹیوں سے بدکاری :

وی سی آر دیکھتے ہوئے بیٹی سے بدکاری کا ایک قصہ پہلے لکھا جا چکا ہے، اب

ٹی وی سے تعلیم پا کر دو بیٹیوں سے بدکاری کا مشغلہ مسلسل جاری رکھنے کا قصہ سنئے :

”ابھی چند ماہ پیشتر یہ خبر اخباروں میں شائع ہوئی اور لاکھوں لوگوں کی نظر

سے گزری کہ کراچی میں ایک درندہ صفت انسان اپنی دو جوان بیٹیوں سے

منہ کالا کرتا رہا، پکڑے جانے کے بعد اس نے برملا اعتراف کیا :

”اس نے فلاں فلمی پروگرام دیکھ کر اس گناہ کی جرأت کی“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ :

وَلَا تَغُرَّكُمْ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُورُ

”تمہیں دنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان

ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے“

محسن عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد :

اَكْثَرُ مَا مِنْ ذِكْرِ هَٰذَا مِمَّا لَدَّتِ الْمَوْتُ

”موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو تمام لذتوں کا یکسر خاتمہ کرنے والی ہے“

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانالے دل

یہ خسراں ہے جو باند از بہت آرائی ہے





وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

حلال و حرام سے مخلوط مال کا حکم

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مختلفہ کی یقین و توجیہ

عبارات متعارضہ میں تطبیق و ترجیح

مسئلہ کے ہر پہلو کی تفصیل اور تحریر دلائل میں منفرد تحقیق



حلال و حرام مال سے مخلوط مال کا حکم

اس مسئلہ میں عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، اس لئے اکابر علماء کرام و ارباب فتویٰ کے اقوال و فتاویٰ بھی باہم مختلف ہیں۔

اس رسالہ میں

استیعاب جزئیات و تحریر دلائل کے ساتھ مندرجہ ذیل صورتوں کا حکم لکھا گیا ہے :

- ① خلط متیقن ہو، خواہ حلال غالب ہو یا حرام۔
- ② خلط مشتبہ ہو، حلال غالب ہو۔
- ③ خلط مشتبہ ہو، حرام غالب ہو یا دونوں برابر ہوں۔
- ④ حلال و حرام میں سے کسی کے غلبہ کا علم نہ ہو۔
- ⑤ حلال و حرام میں امتیاز ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ حلال سے ہے یا حرام سے۔
- ⑥ حرام کو مصرف میں لانے کی تدبیر۔



حلال و حرام سے مخلوط مال

سوال : حلال و حرام سے مخلوط مال کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ اُردو فتاویٰ میں اس کے حکم میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، لہذا گزارش ہے کہ مفصل تحریر فرما کر تشفی فرمائیں۔
بندہ کی ایک تحریر برائے اصلاح پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

① مفسوب غیر مخلوط خالص حرام ہے، وتنقل حرمتہ من ذمۃ الی ذمۃ وان تدولت الییدی وتبدلت الاملاک بشروط العلم، والخبث فیہ لعدم الملك، البتۃ جب مالک معلوم نہ ہو تو فقیر کے لئے حلال طیب ہے۔

قال فی الدر:

واما الخبث لعدم الملك كالغصب فيعمل فيها (شامیہ ص ۹۷ ج ۵)

وکذا فی منحة الخالق بها مشل لبحر (ص ۹۸ ج ۶)

وفي الخانیة: وان كان غير مختلط لا يجوز للفقراء ان يأخذوا اذا علموا انه مال الغير،

(خانیة بها مشل الہندیہ منہج ۳)

وفي الخلاصة: لكن من غصب غصبه ان كان لم يخلطه بدراهم اخرى۔

(خلاصہ ص ۲۴۵ ج ۱)

وفي حاشیة الطحاوی علی الدر: ان علم ان العین التي یغلب علی الظن انہم

اخذوها من الغير بالظلم قائمة ویاعوها فی الاسواق فانہا لا ینبغی شراؤها منهم و

ان تداولت الییدی (طحاوی علی الدر ص ۱۹۲ ج ۲)

قلت: لا ینبغی بمعنى لا یجوز كما هو الظاهر۔

وفي الشامیة عن الحموی: وما نقل عن بعض الحنفیة من ان الحرام لا یتعدی

الی ذمتین سألت عنہ الشہاب بن السلبی فقال هو محمول علی ما اذا لم یعلم بذلک اما

لو دای المکاس مثلاً یاخذ من لحد شیئاً من المکس ثم یعطیه لآخر ثم یاخذ من ذلک الآخر

آخر فهو حرام ۱۵ (شامیہ ص ۹۸ ج ۵)

وفي الهندية : وان دفع عين المغصوب من غير خلط لم يجز (ہندیہ ص ۳۴۲ ج ۵)
وغیر ذلک من العبارات الآتیۃ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

② مال مغصوب خط سے قبل خالص حرام تھا لیکن جب اپنے مال میں یا غیر کے مال میں خلط کر دیا (بحیث لا یمکن التمییز) تو خلط اس کا مالک بن گیا اور وہ اس کے لئے خالص حرام نہ رہا، لیکن اس سے انتفاع قبل اختیار الضمان حرام ہے۔

③ مال مخلوط پر خلط کی ملک خبیث شرار فاسد کی طرح ہے۔

④ مال مخلوط کا شرار وغیرہ مکروہ ہے۔

⑤ اس کے باوجود مشتری و موبہوب لئے وہ حلال طیب ہے۔ چونکہ نمبر کے دلائل میں اوپر کے نمبروں کے دلائل بھی آرہے ہیں اس لئے طوالت کے خوف سے الگ نہیں لکھے گئے۔
نمبر ۵ کے دلائل :

① فی الہندیۃ : قیل لہ (ای لابی نصیب) لو ان فقیرا یاخذ جائزۃ السلطان مع علمہ ان السلطان یاخذ ہا غصبا یحل لہ قال ان خلط ذلک بدراہم اخری فانہ لا بأس بہ وان دفع عین المغصوب من غیر خلط لم یجز (ہندیہ ص ۳۴۲ ج ۵)

② قال الفقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ : هذا الجواب خرج علی قیاس قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لان من اصلہ ان الدراہم المغصوبۃ من اناس متی خلط البعض بالبعض فقد ملکها الغاصب ووجب علیہ مثل ما غصب وقال لا یملک تلك الدراہم وہی علی ملک صاحبها فلا یحل لہ الاخذ کذا فی الحاوی للفتاویٰ (ہندیہ ص ۳۴۲ ج ۵)

جب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں لا یحل لہ الاخذ ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یحل لہ الاخذ ہوگا۔

③ وفي الخلاصۃ : من لا تحل لہ الصدقۃ فالافضل ان لا یاخذ جائزۃ السلطان لکن هذا اذا کان یودی من بیت المال فان کان یودی من موروث لہ جاز وان لم یکن من موروث لکن من غصب غصبہ ان کان لم یخلط بدراہم اخری لا یحل وان خلط لا بأس بہ لانه صار ملکا لہ بالخلط عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (خلاصۃ ص ۲۴۵ ج ۱)

④ وفيها ايضاً : وقوله ارفق للناس اذا امواله (لا تخلوا عن الغصب) (حواله بالا)
وفي الدار : لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه (الى) لان الخلط
استهلاك اذا لم يمكن تميزه عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وقوله ارفق للناس اذا
قلما يخلو مال عن غصب (شامية ص ۲۹۰ ج ۲)

یہ قول ارفق جمعی ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے لئے بصورت تملیک حلال ہو۔ التحریر المختار
میں للناس کی شرح للفقراء سے کی ہے یہ صحیح نہیں، ویدل علیہ ما قد مناع عن الخلاصة۔

⑤ وفي الشامية عن المجتبى : مات وكسبه حرام فالميراث حلال ثم رزق وقال
(لا تأخذ بهذه الرواية وهو حرام مطلقاً على الورثة فتنبه اھم ومفادہ الحرمة
وان لم يعلم اربابه وينبغي تقيدہ بما اذا كان عين الحرام ليوافق فانقلناه
اذ لو اختلط بحيث لا يميز يملكه ملكاً خبيثاً لكن لا يحل له التصرف فيه فالمرئود
بدلہ كما حققناه قبيل باب الزكوة (شامية ص ۹۹ ج ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عین حرام نہ ہو اور ملاک بھی معلوم نہ ہو تو ورثہ کے لئے حرام نہیں،
اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عین حرام کا مقابل مخلوط ہے۔

⑥ وفي الخاتمة : واذا مات عامل من عمال السلطان واوصى ان يعطى الخنطة
للفقراء قالوا ان كان ما اخذه من الناس مختلطاً بماله لا بأس به وان كان غير
مختلط لا يجوز للفقراء اذا علموا انه مال الغير فان كان ذلك الغير معلوماً سرده
عليه وان لم يعلم الأخذ انه من ماله او مال الغير فهو حلال حتى يتبين
انه حرام (خاتمة بها مش الهندية ص ۲۰۰ ج ۳)

⑦ وفيها ايضاً : قال الفقيه ابو الليث رحمه الله تعالى : ان كان مختلطاً بماله
على قول ابي يوسف ومحمد رحمه الله تعالى هو على ملك صاحبه (لا يجوز
اخذہ الا ليرده على صاحبه وعلى قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى يملك المال بالخلط
ويكون للأخذ ان يأخذ اذا كان في بقية مال الميت وفاء بمقدار ما يؤدي به حق
الخصماء (حواله بالا)

⑧ وفي الطحاوی علی الدار : سئل عما يبيعه الاتراك في الاسواق وغالب ما لهم
الحرام ويجري بينهم الربا والعقود الفاسدة واجيب بانہ علی ثلاثة اوجه الاول

ان علم ان العین التي يغلب علی الظن انهم اخذوها من الغیر بالظلم قائمة وباعوها فی الاسواق فانه لا ینبغی شراؤها منهم وان تداولته الیدی الثانی ان یرحم ان العین قائمة الا انه اختلط بالغیر حیث لا یمکن التمییز عنه فعلی اصل ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ بالخلط یدخل فی ملکہ الا انه لا ینبغی ان یشترى منه حتی یرضی الخصم بدفع العوض فان اشتراه یدخل فی ملکہ مع الکراهۃ۔

(طحطاوی علی الدرر ص ۱۹۲ ج ۲)

⑨ وفي المرقاة : ان ما اشتبه امره فی التحلیل والتحریم ولا یعرف له اصل متقدم فالورع ان یتركه ویمتنبه ویدخل فی هذا الباب معاملة من فی ماله شبهة او خالطه ربا فالاولی ان یحترز عنها ویتركها ولا یحكم بفسادها ما لم یتیقن ان عینه حرام فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رهن درعه من یهودی بشعیر اخذه لقوت اهلہ مع انهم یربون فی معاملاتهم ویستحلون اثمان الخمر وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال لا تسأل السلاطین فان اعطوك من غیر مسألة فاقبل منهم فانهم یصیبون من الحلال اکثر مما یعطونك۔

(مرقاۃ ص ۳۷ ج ۶)

ونقله فی بذل المجهود بزیادة وصفهم اللہ تعالیٰ بانهم سماعون للكذب کالون للسحت (بذل المجهود ص ۲۳۸ ج ۵)

⑩ وفي الشامیة : (قوله لان الخلط استهلاک) ای بمنزلة ان حق الغیر یتعلق بالذمة لابلایان ط (وبعید ذلك) انه لما خلطها ملکها فصارت مثلها دینا فی ذمتہ (لاعینہا) (شامیة ص ۲۹۰، ۲۹۱ ج ۲)

⑪ وفيها : سئل ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ فیمن اکتسب ماله من امراء السلطان وجمع المال من اخذ الغرامات المحرمات وغیر ذلك هل یحل لمن عرف ذلك ان يأكل من طعامه ؟ قال احب الی ان لا يأكل منه ویسعه حکما ان يأكله ان كان ذلك الطعام لم یکن فی ید المطعم غصبا او رشوة اه

اسے مخلوط پر حمل کرنا ضروری ہے ، اولاً تو خط کشیدہ عبارت سے خط مفہوم ہو رہا ہے ، کوئی بھی حرام خود ایسا نہیں ہوتا جو حرام کو الگ رکھتا ہو اور حلال کو الگ ، لہذا دلالت عرف و

دلائل حال سے اسے خلط پر محمول کیا جائے گا۔

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے ”ملکہ بالخلط“ کے بعد متصل ذکر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی یہ خلط کی صورت ہے۔

ثانیاً اگر اسے اموال متمیزہ پر حمل کیا جائے تو اس پر دو اشکال ہوں گے :

- ① غلبہ کی قید نہیں۔ حرمت کے معاملہ میں اتنی اہم قید چھوڑنا بعید از قیاس ہے۔
- ② دیانت اور حکم کا فرق مخلوط ہی میں جاری ہوتا ہے، اموال متمیزہ میں اگر غلبہ حرام کا ہو تو پورا حرام ہے دیانت و قضا، اور اگر غالب حلال ہے تو دیانت و حکم بھی پورا حلال ہے البتہ اگر اسے اس پر حمل کیا جائے کہ نہ تو خلط متیقن ہے اور نہ ہی غلبہ کا علم ہے تو یہ کسی درجہ میں محمول بن سکتا ہے، اگرچہ خلاف ظاہر ہے۔

⑫ وفيها ايضاً بعد الجواب المذكور : اى ان لم يكن عين الغصب او الرشوة لانه

لم يملكه فهو نفس الحرام فلا يحل له ولا لغيره (شامية ص ۲۹۲ ج ۲)

معلوم ہوا کہ اگر عین غصب نہ ہو بلکہ مخلوط ہو تو غاصب اس کا مالک ہو گیا اور یہ اس کے لئے نفس حرام نہیں۔ بلکہ باصلہ حلال ہے عارض یعنی عدم ادار ضمان کی وجہ سے انتفاع و تصرف حرام ہے اور جب ایک چیز اول کے لئے باصلہ حلال ہو تو دوسرے کی ملک میں جانے سے وہ حلال طیب ہوگی اور حرمت عارضہ ختم ہو جائے گی۔

⑬ قال العلامة الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ : ان المراد ليس هو نفس الحرام لانه ملكه

بالخلط وانما الحرام التصرف فيه قبل اداء بدله - ففي البزازیة قبیل کتاب الزکوٰۃ ما يأخذ من المال ظلماً ويخلطه بماله او بمال مظلوم آخر يصير ملكاً له وينقطع حق الاول فلا يكون اخذه عندنا حراماً محضاً نعم لا يباح الانتفاع به قبل اداء البدل في الصحيح من المذهب (شامية ص ۲۹۲ ج ۲)

بعینہ یہی الفاظ مقبوض بشرار فاسد میں ذکر کئے جاتے ہیں معنیٰ وہاں دوسرے کی ملک میں جانے سے وہ طیب ہو جاتا ہے تو یہاں بھی یہی حکم ہوگا۔

⑭ وفي الشامية عن البزازیة : اخذ مورثة رشوة او ظلماً ان علم ذلك

بعینہ لا يحل له اخذه والاقله اخذه حكماً اما في الديانة فيصدق به بنية (رضاء الخصماء ۱۵ (رد المحتار ص ۹۹ ج ۵)

(۱۵) فی الشامیة: والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل ويتصدق بنية صاحبه وان كان مالا مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئاً بعينه حل له حکماً والاحسن ديانة التنزه عنه (حواله بالا)

(۱۶) وفيها ايضاً: وفي الخانيه: امرأة زوجها في ارض الجوران اكلت من طعامه ولم يكن عين ذلك الطعام غصباً فهي في سعة من اكله وكذا لو اشترى طعاماً او كسوة من مال اصله ليس بطيب فهي في سعة من تناوله والاثم على الزوج اه (حواله بالا)

(۱۷) وفي البدائع: واما صفة الملك الثابت للغاصب في المضمون فلا خلاف بين اصحابنا في ان الملك الثابت له يظهر في حق نفاذ التصرفات حتى لو باعه او وهبه او تصدق به قبل اداء الضمان ينفذ كما تنفذ هذه التصرفات في المشتري شراء فاسداً واختلفوا في انه هل يباح له الانتفاع به بان يأكله بنفسه او يطعمه غيره قبل اداء الضمان فاذا حصل فيه فصل هل يتصدق بالفضل؟ قال ابو حنيفة رضي الله تعالى عنه ومحمد رحمهم الله تعالى لا يحل له الانتفاع حتى يرضى صاحبه وقال ابو يوسف رحمهم الله تعالى يحل له الانتفاع ولا يلزمه النقص وهو قول الحسن وزفر رحمهما الله تعالى وهو القياس وقول ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى استحسن وجه القياس ان المصنوع مضمون لا شك فيه وهو مملوك للغاصب من وقت الغصب على اصل اصحابنا فلا معنى للمنع من الانتفاع وتوقيف الحل على رضا غيبي المالك كما في سائر املاكه ويطيب له الربح لان ربح ما هو مضمون ومملوك وربح ما هو مضمون مملوك يطيب له عندنا - وجه الاستحسان ما روي انه عليه الصلاة والسلام اضافه قوم من الانصار فقدوا اليه شاة مصلية فجعل عليه الصلاة والسلام يمضغه ولا يسيغه فقال عليه الصلاة والسلام ان هذه الشاة لتخير في انها ذبحت بغير حق فقالوا هذه الشاة لجارنا ذبحناها لنرضيه بثمنها فقال عليه الصلاة والسلام اطعموها الاسارى امر عليه الصلاة والسلام بان يطعموها الاسارى ولم ينتفع به ولا اطلق لاصحابه

الانتفاع بها ولو كان حلالاً لطيباً لا طلاق مع خصاصتهم وشدة حاجتهم
الى الاكل (بدائع ص ۳۵۳ ج ۷)

اس میں مضمون کو شرار فاسد کی طرح قرار دیا گیا ہے، نیز روایت مذکورہ سے تصدق پر استدلال واضح دلیل ہے کہ دوسرے کے لئے بصورت تملیک حلال طیب ہے، اگر یہ شاة مصلیہ نفس حرام ہوتی اور اسمیں حرمت متعدی ہوتی تو اساری کے لئے کیسے حلال ہو گئی؟ فقیر کے لئے مال حرام جب حلال ہے کہ اس کا مالک معلوم نہ ہو اور یہاں مالک معلوم تھا۔

ففى العنایة : فقال عليه الصلاة والسلام اطعموها الاسارى قال فحمد الله تعالى يعنى المحبسين فامرہ بالتصدق مع كون المالك معلوماً بيان ان الغاصب قد ملكها لان مال الغير يحفظ عليه عينه اذا امكن و ثمنه بعد البيع اذا تعذر عليه حفظ عينه ولما امر بالتصدق بها دل على انه ملكها وعلى حرمة الانتفاع للغاصب قبل الارضاء (عنایة بھامش نتائج الافكار ص ۳۷۸ ج ۷)

①۸ وفى الهدایة : اطعموها الاسارى افاد الامر بالتصدق زوال ملك المالك وحرمة الانتفاع للغاصب (الى) ونفاذ بيعه وهبته مع الحرمة لقيام الملك كما فى الملك الفاسد (بنایة ص ۸۳۹ ج ۳)

①۹ وفى البنایة : قال محمد بن الحسن فى الآثار اخبرنا ابو حنیفة عن عامر ابن كليب عن ابيه به شمر قال ولو كان هذا اللحم باقياً على ملك مالک الاول لما امر به النبى صلى الله عليه وسلم ان يطعم للاسارى ولكن لما راه خرج عن ملك الاول وصار مضموناً على الذى اخذه امر باطعامه لان من ضمن شيئاً فصار له عن وجه غصب فان الاول ان يتصدق به ولا يأكله ويخرج الدار فطنى (الى) قلت لابی حنیفة رحمه الله تعالى من اين اخذت قولك فى الرجل الذى يعمل فى مال الرجل بغير اذنه انه يتصدق بالذبح قال اخذته من حدیث عامر بن كليب هذا هـ

فان قلت قال البيهقى وهذا لانه كان يخشى عليها الفساد وصاحبها كان غائباً فمرأى من المصلحة ان يطعمها الاسارى شمر يضمن لصاحبها قلت الامام اذا خاف التلف على ملك غائب يبيعه ويحبس ثمنه عليه فلا يجوز ان يتصدق

به (حواله بالا)

(۲۰) وفي المجمع : ملكه ولا يحل انتفاع به اى المصوب المغير قبل اداء الضمان (الى) لكن جاز للغاصب بيعه وهبته لانه ملوك له بجهة محظورة كالمقبوض بالبيع الفاسد (مجمع الانهر ص ۲۶۰ ج ۲)

(۲۱) وفي النوازل : ولكن لا يطيب له ولا ينتفع بها حتى يؤدي استحسانا بقول النبي صلى الله عليه وسلم اطعموها الاسارى وهذا يفيد زوال ملك المالك وحرمة الانتفاع للغاصب ، وفي القياس يحل (الى) كما يجوز تصرفه كالبيع والهبة (فتاوى النوازل ص ۲۱۲)

(۲۲) وفي التبيين : ولنا انه استهلك العين (الى) والمحذور لغيره لا يستنع ان يكون سببا لحكم شرعى الا ترى ان الصلاة في الارض المصوبة تجوز وتكون سببا للحصول الثواب الجزيل فما ظنك بالملك (الى) لان العين تبدلت وتجدد لها اسم آخر فصارت كعين اخرى حصلها بكسبه فيملكها غير انه لا يجوز له الانتفاع به قبل ان يؤدي الضمان كي لا يلزم منه فتح باب الغصب وفي منعه حسم مادته ويدل عليه قوله عليه الصلاة والسلام في الشاة المذبوحة بغير اذن مالکها بعد الطبخ اطعموها الاسارى ولو جاز الانتفاع به اولم يملكه لما قال ذلك والقياس ان يجوز الانتفاع به وهو قول زفر والحسن ورواية عن ابى حنيفة رحمهم الله تعالى لوجود الملك المطلق للتصرف ولهذا ينفذ تصرفه فيه كالتمليك لغيره ووجه الاستحسان ما بيناه ونفاذ تصرفه فيه لوجود الملك وذلك لا يدل على الحل الا ترى ان المشتري شراء فاسدا ينفذ تصرفه فيه مع انه لا يحل له الانتفاع به (تبيين الحقائق ص ۲۲۷ ج ۵)

وكذا في تكملة البحر ص ۱۱ ج ۸

(۲۳) وفي الاشباه : واما مسألة ما اذا اختلط الحلال بالحرام في البلد فانه يجوز الشراء والاخذ الا ان تقوم دلالة على انه من الحرام كذا في الاصل (الاشباه والنظائر ص ۱۳۸ ج ۱)

وفي الحاشية للحموى : (قوله واما مسألة ما اذا اختلط الحلال بالحرام الخ)

فی التمر تاشی فی باب مسائل متفرقة من کتاب الکراهیة ما نصه لرجل مال
 حلال اختلطه مال من الربوا او الرشاء او الغلول او السحت او من مال
 الغصب او السرقة او الخیانة او من مال یتیم فصا رماله کله شبهة لیس لاحد ان
 یشاوره او یبایعه او یتقرض منه او یقبل هدیته او یأکل فی بیتی (حوالہ بالا)
 اس میں مال مخلوط کو مشتبه فرمایا ہے، ایسے مال کا شرار اگرچہ مکروہ ہے معہذا مشتری
 کے لئے وہ حلال ہوگا اس کی تائید نمبر ۹ میں مرقاة وبذل المجهود کی عبارات سے گزر چکی ہے۔
 بعض عبارات کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کہ مال مخلوط میں بھی حرمت متعدی ہوگی جو
 درج ذیل ہیں۔

① قال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ : الحرام ینتقل من ذمۃ الی ذمۃ وہ
 یعلم حرمة شراء المنهوب وطعام الغصب ولو استهلكه بالطبخ۔

(طحطاوی علی الدار ص ۲۷ ج ۳)

جواب : حرمت شرار حرمت مشتری کو لازم نہیں، بیع فاسد میں شرار ناجائز ہے معہذا
 مشتری حلال طیب ہے۔

قال فی الشامیة : طاب (ای مشتری شرار فاسدا) للمشتري وهذا لا ینافی ان
 نفس الشراء مکروه لحصوله للبائع بسبب حرام (شامیة ص ۹۸ ج ۵)
 گزشتہ عبارات کے نمبر ۸ میں علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مخلوط اور غیر مخلوط میں جو فرق
 کیا ہے کہ غیر مخلوط کا شرار ناجائز ہے وان تداولته الایدی اور مخلوط کا شرار مکروہ ہے، یہاں
 وان تداولته الایدی نہیں فرمایا۔

② وفي الدار : الحرام ینتقل فلو دخل بائنا و اخذ مال حربی بلا رضاه و
 اخرجہ الینا ملکہ وصح بیعه لکن لا یطیب له ولا للمشتري منه بخلاف البیع
 الفاسد فانه لا یطیب له لفساد عقده و یطیب للمشتري منه لصحة عقده،
 وفي الشامیة : (قوله ولا للمشتري منه) فیکون بشراءه منه مسیئا لانه ملکہ
 بکسب خبیث وفي شراءه تقریر للخبیث ویؤمن بما یؤمر به البائع من مادة علی
 الحربی لان وجوب الرد علی البائع انما کان لمراعاة ملک الحربی ولاجل عذر
 الامان وهذا المعنی قائم فی ملک المشتري کما فی ملک البائع الذی اخرجہ

بخلاف المشتري شراء فاسدا اذا باعه من غيره بيعا صحيحا فان الثاني لا يؤمر بالرد وان كان البائع مأمورا به لان الموجب للرد قد زال ببيعه لان وجوب الرد بفساد البيع حكمه مقصور على ملك المشتري وقد زال ملكه بالبيع من غيره۔
ثم اعلم انه ذكر في شرح السیر الکبیر فی الباب الثانی والستین بعد المائة انه ان لم يردده يكره للمسلمين شراؤه منه لانه ملك خبيث بمنزلة المشتري فاسدا اذا اراد بيع المشتري بعد القبض يكره شراؤه منه وان نفذ فيه بيعه وعتقه لانه ملك حصل له بسبب حرام شرعا اهـ فهذا مخالف لقوله ويطيب للمشتري وقد يجاب بان ما اخرج من دار الحرب لما وجب على المشتري رده على الحربي لبقاء المعنى الموجب على البائع رده تمكن الخبث فيه فلم يطيب للمشتري ايضا كالبائع بخلاف البيع الفاسد فان رده واجب على البائع قبل البيع لا على المشتري لعدم بقاء المعنى الموجب للرد كما قد مناه فلم يتمكن الخبث فيه فلذا طاب للمشتري وهذا لا ينافي ان نفس الشراء مكروه لحصوله للبائع بسبب حرام ولان فيه اعراضا عن الفسخ الواجب هذا ما ظهر لي۔

(رد المحتار ص ۹۸ ج ۵)

جواب :

یہ غلط کی صورت ہی نہیں، جیسا کہ لفظ ”رد“ اس کی واضح دلیل ہے، لہذا غیر کا حق عین سے متعلق ہے۔ مال مخلوط بمنزلہ مستہلک ہے وہاں مالک کا حق عین سے منقطع ہو کر مغل اور ذمہ میں بدل جاتا ہے۔

اس ایک صورت میں ”لا یطیب“ فرمانا اور مال مخلوط میں جمیع تصرفات غاصب کو شراء فاسد کی طرح نافذ قرار دیجئے ”لا یطیب“ کا استثناء نہ فرمانا مستقل دلیل ہے کہ وہاں حرمت متعدی نہیں ہوتی، لان السکوت فی معرض البیان بیان۔

(۳) وفي الدار: او اختلط المغصوب بملك الغاصب۔

وفي الشامية: (قوله بملك الغاصب) وكذا بمغصوب آخر لما في التارخانية عن الينا بيع غصب من كل واحد منهما الفا فخلطهما لم يسعه ان يشتري بهما شيئا ما كولا فيا كلة ولا يحل له اكل ما اشتري

حتیٰ یؤدی عوضہ (شامیہ ص ۱۹۱ ج ۶)

جواب :

یہاں خود غاصب کے لئے عدم حلت مذکور ہے اور کلام اس میں ہے کہ مال مخلوط دوسرے کی ملک میں جانے سے حلال طیب ہو گا یا نہیں؟ یعنی دراہم مغضوبہ مخلوطہ حبیب بائع کی ملک میں پہنچے تو اس کے لئے وہ حلال ہیں یا نہیں؟ اسی جزئیہ سے حلت ثابت ہو رہی ہے لان السکوت دلیل علیہ، ورنہ یہاں تصریح ضروری تھی کہ دوسرے کے لئے بھی حرام ہیں۔ اگر یہاں سے حلت کے ثبوت میں تأمل ہو تو دلائل سابقہ سے حلت کا حکم لگایا جائے گا، خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چند سطور بعد یہ جزئیہ نقل فرمایا ہے :

وفي جامع الجوامع اشترى الزوج طعاما او كسوة من مال خبيث جازللمراة اكله ولبسها والاثم على الزوج (شامیہ ص ۱۹۱ ج ۶)

یہاں مال خبیث سے مخلوط مراد ہے کیونکہ خالص حرام میں حرمت برابر متعدی رہتی ہے وان تداولته الایدی وتبدلت الاملاك، فتعین ان المراد من الخبيث ما لا يكون عينه حراما۔

ويفسره ما في الشامية عن الخانية : امرأة زوجها في ارض الجوران اكلت من طعامه ولم يكن عين ذلك الطعام غصبا فهي في سعة من اكله الخ۔

(حاشیہ ابن عابدین ص ۹۹ ج ۵)

(۴) وقال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ : وفي رسالة الشرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ المؤلفة في الرد على من نسب الى مذهب ابي حنيفة رحمه الله تعالى ان الحرام لا يتعدى الى ذمتين ما نصه قال نصير رحمه الله تعالى في ايام غارة المسلمين لا يشتري من العساكر شيئا لانه حرام ملك الغير ولا يباع منهم شيء بالdraهم لانهم خلطوا الدراهم باطلاقة عدم الحل بالشراء والبيع بتلك الدراهم ظاهر على قول مشايخنا قبل اداء الضمان (طحطاوی علی الدر ۱۹۲ ج ۴)

جواب :

”لانہ حرام ملک الغیر“ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال مخلوط نہیں لاند ملک الغاصب و ملک المغضوب منہ نزول بالخلط، وحقہ فی الذمۃ لا فی العین۔

اور در اہم مخلوطہ کے ساتھ بیع سے منع فرمایا ہے لیکن اس کا دلیل حرمت ہونا محل تامل ہے
 (۶) مال مخلوط میں غلبہ کی قید نہیں، عبارات سابقہ ملاحظہ ہوں۔

(۷) اگر اموال مخلوطہ نہیں بلکہ متمیزہ ہیں مگر آخذ کو یہ معلوم نہیں کہ متمیز حرام سے دے رہا ہے یا متمیز حلال سے تو اعتبار غالب کا ہوگا۔

فقہ الاشباہ : اذا كان غالب مال الهدى حلالاً فلا بأس بقبول هديته واكل
 ماله ما لم يتبين انه من حرام وان كان غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل الا اذا
 قال انه حلال ورثه او استقرضه (الاشباہ ص ۱۴۷ ج ۱)
 وكذا في الخانية والهندية والبرازية وغيرها من كتب الفقه۔

تنبیہ :

الاشباہ میں مذکورہ مسئلہ کے بعد یہ تحریر ہے :
 واما مسألة ما اذا اختلط الحلال بالحرام في البلد فان يجوز الشراء
 والاخذ الا ان تقوم دلالة على انه من الحرام (الاشباہ ص ۱۴۸ ج ۱)
 اس سے ثابت ہوا کہ اوپر کا جزئیہ خلط سے متعلق نہیں، بلکہ اموال متمیزہ سے متعلق ہے،
 نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خلط میں غلبہ کی قید نہیں، جموی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حاشیہ میں
 مرقاۃ شامی سے صورت خلط ذکر کی ہے اس میں بھی غلبہ کی قید نہیں۔

فائدہ :

علم بالغلبہ کے اسباب میں سے ایک سبب دلالت حال بھی ہے :
 فقہ الاختیار : لا يجوز قبول هدية امرأه الجور الا اذا علم ان اكثر ماله
 حلال لان الغالب في مالهم الحرمة (قوله الا اذا علم) بان كان صاحب تجارة
 او زرع فلا بأس لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام والمعتبر الغالب و
 كذلك اكل طعامهم (الاختیار ص ۱۷۶ ج ۲)
 لیکن اگر سلطان کے حال سے یہ معلوم ہو کہ اس کے مال میں غالب حرام نہیں ہو گا تو
 اخذ و شرا جائز ہوگا۔

وروی عن ابن سیرین ان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان يأخذ
 جواز السلطان اه (مرقاۃ ص ۳ ج ۶)

قلت : لان الغالب في مال السلاطين اذ ذاك حلال -

وقال الامام الغزالي رحمه الله تعالى : ان السلاطين في زماننا هذه اظلمة قلما يأخذون شيئاً على وجهه بحقه فلا تحل معاملتهم ولا معاملته من يتعلق بهم الخ

(مرقاۃ ص ۳۷ ج ۶)

(۸) اگر خطا اور تمیز میں سے کسی کا علم نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ آمدن حلال و حرام دونوں سے مرکب ہے تو ایسے شخص سے شراء وغیرہ جائز ہے لاحتمال کونہ من الحلال والاصل الحل مگر بہتر یہ ہے کہ اجتناب کیا جائے۔

نفی الہندیۃ : قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ اختلف الناس فی اخذ الجائزۃ من السلطان قال بعضهم یجوز ما لم یعلم انه یعطیه من حرام قال فاحمد رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ نأخذ قال لم نعرف شیئاً حراماً بعلینہ وهو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ واصحابہ کذا فی الظہیریۃ (ہندیۃ ص ۳۴۲ ج ۵)

وفیہا ایضاً : ولا ینبغی للناس ان يأكلوا من اطعمۃ الظلمۃ لتقبیح الامر علیہم وزجرہم عما یرتکبون وان کان یحل ، وسئل ابو بکر عن الذی لا یحل لہ اخذ الصدقۃ فالافضل لہ ان یقبل جائزۃ السلطان ویفرقہا علی من یحل لہ او لا یقبل ؟ قال لا یقبل لانہ یشبہ اخذ الصدقۃ (حوالہ بالا)

وفی الخانیۃ : وان کان غیر فحظ لا یجوز للفقراء ان يأخذوا اذا علموا انه مال الغیر فان کان الغیر معلوماً ردہ علیہ وان لم یعلم الاخذ انہ من مالہ او مال الغیر فهو حلال حتی یتبین انه حرام (خانیۃ بمش الہندیۃ ص ۳۴۲ ج ۳)

وفی الخلاصۃ : اذا قدم السلطان شیئاً من المأكولات ان اشتراه یحل وان لم یشترہ لکن الرجل لا یعلم ان فی الطعام شیئاً مغصوباً بعلینہ یمسک کلہ (خلاصۃ ص ۳۵۸ ج ۳) وکذا فی الہندیۃ (ص ۳۴۲ ج ۵)

وفی الشامیۃ : وكان العلامة بخوارزم لا يأكل من طعامهم ویأكل جوازهم فقیل لہ فیہ فقال تقدیر الطعام ینکون اباحۃ والمباح لہ یتلف علی ملک المبیح فیکون اکلا طعام

الظالم والجائزۃ تمليك في تصرف في ملك نفسه (شامية ص ۲۹۲ ج ۲)
 اس جزئیہ کو خلط پر حمل کرنا درست نہیں کیونکہ مخلوط اگرچہ تملیک سے حلال ہو جاتا ہے
 منعہذا اخذ وشرار ناجائز ہے، اسی طرح اسے علم بالغلبہ پر بھی حمل نہیں کیا جاسکتا، اس کا حمل
 صرف اور صرف یہ ہے کہ نہ غلبہ کا علم ہے اور نہ ہی خلط کا، چونکہ ایسے مال سے احتراز کرنا
 چاہیئے اس لئے علامہ کا یہ معمول احتیاط پر مبنی ہے، والا فہو حلال کما قد مناسن الخانیۃ
 علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزئیہ بالا کے بعد یہ فرمایا ہے:

ولعلہ مبني على القول بان الحرام لا يتعدى الى ذمتين

لیکن اسے علامہ خوارزم کے معمول کی بنا پر قرار دینا صحیح نہیں، اگر اس کی بنا پر یہ ہوتی تو
 ”فیكون اكل طعام الظالم“ کی بجائے ”فیكون اكل الحرام“ ہوتا، ”طعام الظالم“
 کا لفظ خود تبارہا ہے کہ یہ از قبیل ورع وتقویٰ ہے، ویدل علیہ ما قد مناعن الہندیۃ
 من قوله ولا ينبغي للناس الخ۔

وفي المراقبة : والاشتماء حاك في النفس وتورد في الصدر وان افتاك الناس
 اى وان قالوا لك انه حق فلا تأخذ بقولهم فانه قد يقع في الغلط واكل الشبهة
 كأن ترى من له مال حلال وحرام فلا تأخذ منه شيئا وان افتاك المفتي مخافة
 ان تأكل الحرام لان الفتوى غير التقوى (مراقبة ص ۴۵ ج ۶)

الجواب باسم ملهم الصواب

اصلاح الكلام في احكام الخلط بين الحلال والحرام :

ص ۳ (۳) مال مخلوط وشرعی فاسد میں بوجہ ذیل فرق ہے :

(۱) شرار فاسد میں عقد صلبا صحیح ہے۔

(۲) بائع کی رضا سے ہے۔

(۳) بائع کو عوض مل چکا ہے، بخلاف خلط المغصوب فی الوجوه الثلاثة۔

علاوہ ازیں کتب فقہ میں تصریح ہے کہ مغصوب مخلوط تبدیل ملک سے حلال نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله وهو حرام مطلقا علی الورثة)

ما تركه ميراثا فانه عين المال الحرام وان ملكه بالقبض والخلط عند الامام

رحمہ اللہ تعالیٰ فانه لا يحل له التصرف فيه قبل اداء ضمانه وكذا وارشته ثم الظاهر

ان حرمتہ علی الورثۃ فی الدیانۃ لا الحکم فلا يجوز لولی القاصر التصدق ویضمنہ
القاصر اذا بلغ تأمل (رد المحتار ص ۳۸۶ ج ۶)

مزید متعدد دلائل آگے تنقید کے ضمن میں آرہے ہیں۔

ص ۵ (۵) یہ نمبر پر متفرع ہے، ولم یثبت ہو بل ثبت خلافہ۔

ص ۱ (۱) (۲) للفقیر لا للغنی۔

ص ۳ (۳) ”لا بأس بہ“ کی تعلیل ”لانہ صادر ملکالہ“ غیر تام ہے، بتسلیم صحت خود
غاصب کے لئے بھی حلت ثابت ہوگی، وہو باطل، لہذا اس کی توجیہ یوں ہوگی کہ اخذ
حلال ہے، لان المعطی یعطی ملکہ، انتفاع حلال نہیں، للخبث۔ بخلاف المشتري
فاسد افانہ، یکرہ شراؤہ لکونہ مانعا من الرد الواجب علی المشتري الاول،
و یجوز الانتفاع لزوال الخبث العارض۔

یا یہ مطلب ہے کہ انتفاع حلال مع الکراہۃ ہے کما للغاصب نفسہ۔

ص ۴ (۴) ارفق ہونے کی یہ وجوہ ہو سکتی ہیں :

(۱) یہ مال اختیار ضمان سے حلال ہو جاتا ہے۔

(۲) حرمة لعدم الملك کی بنسبت خبث لفساد الملك اہون ہے۔

(۳) عبارت شامیہ کو عبارت خلاصہ پر محمول کرنا ضروری نہیں، اسلئے علامہ افعی رحمہ اللہ

تعالیٰ کی توجیہ میں کوئی اشکال نہیں، بالخصوص جبکہ خلاصہ کی تعلیل معلوم ہے۔

ص ۵ (۵) (۶) (۷) حجت و میت میں یہ فرق ہے کہ حق ملاک غاصب پر واجب فی الذمہ ہے

لہذا ملاک کا علم و عدم علم اور مال میں وفار و عدم وفار برابر ہے، بخلاف میت کہ اس کے

ذمہ وجوب نہیں ہو سکتا، حق ملاک اس کے ترکہ میں ہے، اس لئے ترکہ میں وفار کی قید

لگائی گئی،

ایفار کی دو صورتیں ہیں، بصورت علم ملاک ادا ضمان ورنہ تصدق۔

دلیل خامس سے عدم علم ملاک کا استنباط واضح نہیں، نیز اس صورت میں وارث کے

لئے حلت خلاف اصول ہے، اور ”اذ لو اختلط الخ“ سے غاصب کے لئے حرمت اور اسکے

وارث کے لئے حلت کا استخراج غیر معقول ہے، البتہ دلیل سادس و سابع میں معقول ہے،

لکون الموصی لہم فقراء۔

اس عبارت کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ غیر مخلوط حرام لعدم المملک ہے اور وہ بعینہ واجب الرد ہے اور مخلوط میں حرمت لعدم المملک نہیں بلکہ للخبث ہے، اور یہ مال واجب الرد نہیں بلکہ اختیار ضمان سے حلال ہو جائے گا۔

قید ”وفاء“ کی وجہ سے بعض کا خیال ہے کہ غاصب کے لئے مال مخلوط سے اپنے حصہ کی مقدار حلال ہے۔

حتی وسمیت میں وجہ الفرق کی تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ یہ استنباط صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں فی نفسہ بھی یہ خیال صحیح نہیں، اس لئے کہ حق غیر مخلوط کے ہر جزر میں موجود ہونے کی وجہ سے مخلوط کے ہر جزر میں خبث ساری ہے۔

عبارت سادہ و سابعہ کو قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے، کیونکہ نفس حنطہ کے غصب کی نسبت اسکا شرار بمال مغضوب زیادہ ظاہر ہے۔

ص ۵۸ (۸) یدخل فی ملک مع الکراہۃ سے متبادریہ ہے کہ انتفاع مکروہ ہے۔

ص ۶۹ (۹) یہ ایسے اموال سے متعلق ہے جن کا خلط متیقن نہ ہو، ان میں اموال متمیزہ کی طرح غلبہ کا اعتبار ہے، غلبہ کا علم نہ ہو تو جائز ہے تورع اونی ہے۔

قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”فانہم یصلیون من الحلل اکثر مما یعطونہ“ سے غلبہ حلال ثابت نہیں ہوتا، لہذا اس سے احتمال حلت کو ترجیح دیکر حکم جواز کی تقویت مقصود ہے، نفس جواز اس پر موقوف نہیں، جب تک غلبہ حرام کا یقین نہ ہو گنجائش ہے۔ البتہ ”اوخالطہ رباً“ سے اختلاط معلوم ہوتا ہے، مگر سیاق پر نظر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں شبہہ خلط مراد ہے، اگر متیقن خلط مراد لیا جائے تو یہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ اس کی تأیید میں کوئی روایت مذہب نہیں ملی۔

ص ۶۹ (۱۰) اس سے کس پر استدلال ہے؟

ص ۶۹ (۱۱) یہ حالت اشتباہ پر محمول ہے، یعنی جب خلط متیقن نہ ہو، کیونکہ بصورت خلط ملک غاصب سے کھانا تو بالاتفاق حرام ہے۔ ویکن حملہ علی قول الکوخی رحمہ اللہ تعالیٰ لما قد منافی العبارة السادسة والسابعة۔

ص ۶۹ (۱۱) ۱ مال مشتبہ میں غلبہ کی قید ہے ہی نہیں کہ اسکا ترک لازم آئے۔

ص ۶۹ (۱۱) ۲ دیانت و حکم کا فرق مال مخلوط میں نہیں، مال مشتبہ میں ہے۔

ص ۱۲ ۱۳) مال مخلوط کو مشتری فاسد کی طرح قرار دینے پر متفرع ہے، وحررنا بطلانہ -

دلیل نمبر ۳ میں عبارت بزازیہ ”فلا یکون اخذہ عندنا حراماً محضاً“ میں اخذ من الغاصب مراد ہے، کیونکہ اخذ غاصب تو بہر حال حرام محض ہے خواہ وہ بعد میں خلط ہی کرے، اس سے ثابت ہوا کہ اس کے بعد ”لا یمباح الانتفاع بہ الخ“ بھی اخذ من الغاصب کے بارے میں ہے، لہذا یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ مال مخلوط تبدیل ملک سے حلال نہیں ہوتا۔

ص ۱۴) مال مشتبہ سے متعلق ہے، خلط متیقن نہیں۔

ص ۱۵) اس میں امور ذیل توجہ طلب ہیں :

① علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ درختار کی اس عبارت کا حاصل ذکر فرمایا ہے جو یہاں ہے، اور علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود کتاب الخطر والاباحۃ میں اس کے خلاف مطلقاً حرمت کو ترجیح دی ہے۔

② علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر منیۃ المفتی، بزازیہ، ذخیرہ، خانیہ سے چار جزئیات پیش فرمائے ہیں۔

جزئیہ اولیٰ، مال مشتبہ کے بارے میں ہے اس لئے تصدق واجب نہیں۔

بزازیہ کے جزئیہ سے وجوب تصدق ثابت ہوتا ہے۔

ذخیرہ کے جزئیہ میں مال مشتبہ کا حکم ہے۔

خانیہ کے جزئیہ کا جز اول مال مشتبہ کے بارے میں ہے، اور جز ثانی ”لو اشتزی

طعاما الخ“ قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے۔

اس کی تفصیل آئندہ نمبر ۱۴ میں آرہی ہے۔

③ خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الخطر والاباحۃ میں وارث پر حرمت

تحریر فرمائی ہے۔

ونصہ : وان ملکہ بالقبض والمخلط عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ لا یحل

لہ المقرون فیہ قبل ادعاء ضمانہ ولا لوارثہ ثم الظاہر ان حرمتہ علی الورثۃ فی

الدیانۃ لا الحکم فلا یجوز لولی القاصر التصدق ویضمنہ القاصر اذ بلغ تأمل۔

(رد المحتار ص ۳۸ ج ۶)

④ اس بحث کے آخر میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اذ لو اختلط بخیث لا یتمیز یملکہ ملکنا خبیثا لکن لا یحل لہ التصرف فیہ
مالہ یموڈ بدلہ ،

یہ تعلیل غاصب اور اس کے وارث دونوں کو شامل ہے ۔
اس کی مزید تفصیل نمبر ۱۵ میں گزر چکی ہے ۔

ص ۱۶ ⑤ اس میں تبدل ملک نہیں بلکہ اباحت ہے ، جس میں حرمت پر اتفاق ہے ، اس لئے
اسے مال مخلوط پر محمول کرنا صحیح نہیں ، ویسے بھی اس میں خلط پر کوئی قرینہ نہیں ، لہذا یہ مال
مشتبہ کے بارے میں ہے ، اور ”لو اشتری طعاما وکسوة من مال اصلہ لیس بطیب الخ“
قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر محمول ہے ۔

اس تحریر کے بعد خود شامیہ میں بھی اس کی تصریح مل گئی ۔

ونصہا : (قوله وهو حرام علی الورثة) ای سواء علموا اربابہ اولافان
علموا اربابہ ردوہ علیہم والاتصدقوابہ کما قد منانفعا عن الزلیعی ، اقول ولا
یشکل ذلک بما قد منانفعا عن الذخیرۃ والخانیۃ لان الطعام او الکسوة لیس
عین المال الحرام فانه اذا اشتری بہ شیئا یحل اکلہ علی تفضیل تقدم فی
کتاب الغصب (رد المحتار ص ۳۸۶ ج ۶)

ص ۱۷ ⑥ مشتری فاسد اسے تشبیہ من کل الوجوہ مقصور نہیں ، صرف نفاذ تصرفات
میں تشبیہ مقصور ہے ۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : ثم اعلم انه ذکر فی شرح السیر الکبیر
فی الباب الثانی والستین بعد المائة انه ان لم یردہ یکرہ للمساہین شراؤہ منه لانه
ملک خبیث بمنزلۃ المشتري فاسدا اذا اراد بیع المشتري بعد القبض یکرہ شراؤہ منه
وان نفذ بیعہ وعققہ لانه ملک حصل لہ بسبب حرام شرعا ہ فہذا یمخالف لقولہ
ویطیب للمشتري وقد یجاب بان ما اخرجہ من دار الحرب لما وجب علی المشتري
ردہ علی الحری لبقاء المعنی الموجب علی البائع ردہ تمكن الخبیث فیہ فلم یطیب
للمشتري ایضا کالبائع بخلاف البیع الفاسد فان ردہ واجب علی البائع قبل
البیع لا علی المشتري لعدم بقاء المعنی الموجب للرد کما قد مناه فلم یتمکن

الخبث فیہ فلذا اطاب للمشتري وهذا لا ینافی ان نفس الشراء مکروه لحصوله للبائع بسبب حرام ولان فیہ اعراضا عن الفسخ الواجب هذا ما ظهر لی (رد المحتار ص ۹۸ ج ۵)
اس سے ثابت ہوا کہ مال مخلوط من کل الوجوه مشتری فاسد کی طرح نہیں، بلکہ مال حربی کی طرح ہے، جو صرف نفاذ تصرفات میں مشتری فاسد کی طرح ہے، حکم حلت میں اس سے مختلف ہے۔

اسی نمبر میں بدائع سے منقول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس پر نص صحیح ہے کہ مال مخلوط تبدیل ملک کے بعد بھی حرام رہتا ہے، اگر اس کی کوئی گنجائش ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت ذابح کو اپنے لئے تملیک کا حکم فرماتے، کما قال صلی اللہ علیہ وسلم
للحم تصدق علیہ بریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا :
لہا صدقة ولنا ہدیۃ۔

اس وقت طعام کی سخت ضرورت بھی تھی اور تحلیل بھی بہت سہل تھی اس کے باوجود ایسا نہیں کیا گیا۔

علاوہ ازیں اطعام اساری میں بھی تملیک متیقن نہیں بلکہ احتمال ایاتہ غالب ہے۔ صورت تحلیل اختیار نہ فرمانے کی یہ توجیہ صحیح نہیں کہ یہ طعام عین حرام تھا، عین حرام نہ ہونے پر تین دلائل ہیں :

- ① بوجہ ذبح وطبخ غاصب پر مضمون اور اس کی ملک ہو گیا تھا۔
 - ② خلط تو ابل کی وجہ سے مال مخلوط ہو گیا۔
 - ③ اگر عین حرام ہوتا تو فقرار کے لئے بھی حلال نہ ہوتا۔
- آپ کے خیال کے مطابق یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اگرچہ تناول حلال تھا مگر اخذ مکروه تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ہدیہ قبول نہ فرمایا۔ یہ جواب اس لئے صحیح نہیں کہ یہ شرار فاسد کی طرح ہونے پر متفرع ہے جسکا ابطال اوپر متعدد بار کیا جا چکا ہے۔

- ص ۹ ①۸ شرار فاسد سے تشبیہ من کل الوجوه نہیں، کما حررنا صرارا۔
- ص ۹ ①۹ حکم تصدق سے ثابت ہوا کہ بصورت ہدیہ و بیع وغیرہ تبدیل ملک سبب حلت نہیں۔
- ص ۱ ②۰ بحکم شرار فاسد صرف نفاذ تصرفات میں ہے، و تقدّم مرارا۔

ص ۳۱) وجہ استدلال ؟

ص ۳۲) حکم شراء فاسد من وجہ ہے، کما تقدم مرارا۔

ص ۳۳) منع قبول ہدیہ سے حرمت اکل معلوم ہوتی ہے، اس میں نمبر ۹ کا حوالہ دیا ہے، اس کا جواب وہیں نمبر ۹ میں لکھ دیا ہے۔

ص ۱) یہ نص صریح ہے کہ مال مخلوط تبدیل ملک سے حلال نہیں ہوتا، اس کے جواب میں شرار فاسد پر قیاس باطل ہے۔

ص ۲) مال مخلوط مال حربی کی طرح ہے مشتری فاسد کی طرح نہیں، مال مخلوط مشتری فاسد میں وجوہ فرق اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔

اسی نمبر ۲ کے آخر میں شرح السیر الکبیر کی جو عبارت ہے اس میں مال حربی کو بمنزلۃ مشتری فاسد کہا ہے، حالانکہ یہ تشبیہ بالاتفاق صرف نفاذ تصرفات میں ہے، حلت میں نہیں، فکذا المال للمخلوط، مال مخلوط کو مشتری فاسد سے جہاں بھی تشبیہ دی گئی ہے وہاں وجہ شبہ صرف نفاذ تصرفات بیان کی گئی ہے، حلت کا ذکر کہیں بھی نہیں، اس سے وجہ شبہ میں حصر ثابت ہوتا ہے لان مفهوم الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حجۃ۔

ص ۱۲) ۳) جزئیہ تمارخانیہ سے استدلال تام نہیں، اور جزئیہ جامع الجوامع و خانیہ کا جواب لکھا جا چکا ہے کہ یہ قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے۔

ص ۱۳) ۴) یہ حرمت بیع و شرار پر صریح دلیل ہے، شرار فاسد پر قیاس کر کے حلت مشتری کا خیال باطل ہے، کما حورنا۔

ص ۱۴) ۵) اما مسألة ما اذا اختلط الحلال والحرام في البلد الخ،

یہ مال مخلوط بالیقین سے متعلق نہیں بلکہ مال مشتبہ سے متعلق ہے، یہاں اختلاط سے مراد یہ ہے کہ بازار میں حلال و حرام دونوں قسم کا مال ہے مگر مشتری کو متعین طور پر کسی چیز کے بارے میں حلت یا حرمت کا علم نہیں۔

جس مال کے مخلوط ہونے کا یقین ہو اس کا شرار اور مشتری کے لئے اس سے انتفاع حرام ہے، کما حورنا۔

ص ۱۵) ۸) عن الخلاصة : ان اشتراه يحل،

مبنی علی قول الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

صلا ۲۲ قولک : مخلوط اگرچہ تملیک سے حلال ہو جاتا ہے -

قلت : حلال نہیں ہوتا -

خلاصہ :

① خط متیقن ہو تو مخلوط غاصب و اخذ من الغاصب دونوں کے لئے قبل اختیار

الضمان حرام ہے، خواہ حلال غالب ہو یا مغلوب -

② اموال متمیزہ میں غلبہ کا اعتبار ہے جب یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کس میں سے ہے -

③ خط مشتبہ ہو تو بھی اموال متمیزہ کی طرح غلبہ کا اعتبار ہے -

④ صورت ثانیہ و ثالثہ میں غلبہ کا علم نہ ہو سکے تو اجتناب اولیٰ ہے -

⑤ صور جواز میں جہاں بھی ”اشتری“ آیا ہے وہ قول کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے

جس کا مطلب یہ ہے کہ مشتری حرام نہیں، اداء الثمن من الحرام کا گناہ ہوگا -

⑥ کتاب الآثار وغیرہ کی سب روایات اشتباہ پر محمول ہیں -

⑦ جواز کی دوسری سب روایات قول مرجوح پر مبنی ہیں -

میں اس تحریر کے وقت عبارت بھا کے سوا دوسری عبارات کی تحقیق کے لئے ان کے

مواضع کا مراجعہ اور ان کے سیاق و سباق کا ملاحظہ نہیں کر سکا -

ثم بعد الفراغ من هذا التخییر رأیت فی الہندیۃ ما یخالفہ الان یحمل علی المرجوح، ونصھا :

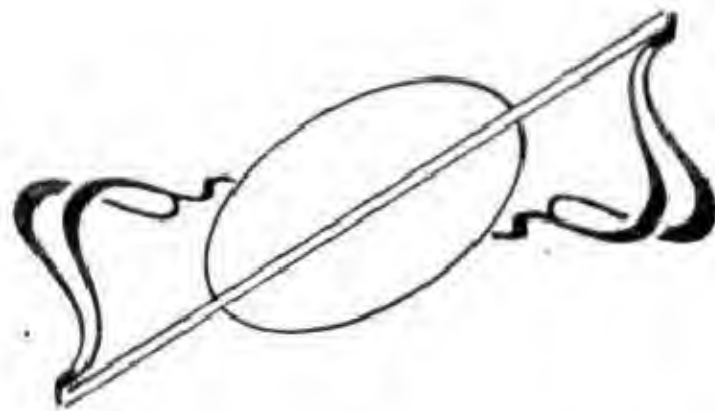
عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ غصب عشرۃ دنانیر فالقی فیہا دینارا ثم اعطی منہ

رجلا دینارا اجاز ثم دینارا لخر لا کذا فی التنازع خانۃ ناقلۃ عن جامع الجوامع -

(عالمگیریۃ ص ۱۴۱ ج ۵)

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ شعبان ۱۴۰۸ھ



وفاؤی و وفایا
باید عاقلان
باید و باید
و باید و باید





وَقَالُوا نَفِيعٌ إِلَّا لِّلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

ڈاکٹری تعلیم کے لئے

انسانی ڈھانچے

ڈاکٹری مشق کے لئے انسان کی نقشہ پر عملہ جراحی
کرنے اور چیر پھاڑ کر بے حرمتی کرنا جائز نہیں ،

ڈاکٹری تعلیم

کے لئے

انسانی ڈھانچے

اس دورِ ترقی میں علاج اور علمِ العلاج کو اتنی
اہمیت دیدی گئی ہے کہ اس پر مذہب اور حرمت
انسان کو بھیٹ چڑھا دینا بہت معمولی سی بات
شریعت میں علاج اور علمِ العلاج کی اتنی
اہمیت نہیں کہ اس کے لئے انسانی نعش کو تختہ مشق
بنایا جائے اور اس کو چیر پھاڑ کر اس کی بے حرمتی
کی جائے۔

بالخصوص جبکہ یہ ضرورت مصنوعی ڈھانچوں کے بسہوت
پوری ہوکتی ہے جسکی تفصیل اس سالہ کے آخر میں ہے،

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچوں کا استعمال جائز نہیں

سوال: نظام الفتاویٰ ص ۲۵۶ میں کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے پر مشق کے جواز کا فتویٰ شائع ہوا ہے اسکی نوٹوں کا پی ارسال ہے۔ اس بارے میں اپنی تحقیق بالتفصیل تحریر فرمائیں، بیٹواتوجروا مسلم نعش پر عمل جراحی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہسپتال وغیرہ سے لاوارث مسلم نعش پر عمل جراحی کے لئے میڈیکل کالج میں بھیجی جاتی ہے، اب اس کے متعلق سوال یہ ہے:

① مسلم نعش پر شرعاً کسی حالت میں عمل جراحی جائز ہے یا نہیں؟

② اور اگر کسی خاص صورت میں جائز بھی ہو تو میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے مسلم نعش پر عمل

الجواب

جراحی جائز ہوگا؟

① مسلم نعش پر عمل جراحی بعض حالات میں شرعاً جائز ہے۔ مثلاً کوئی عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ اور متحرک ہو تو تمام فتاویٰ میں یہ تصریح ہے کہ اس کے پیٹ کو بائیں جانب سے چیر کر بچہ کو نکال لیا جائے۔ درمختار میں ہے:

”حامل مائت وولدھا حی یضطرب شق بطنھا من الایسر ویخرج ولدھا“

(بر حاشیہ رد المحتار ص ۶۶ ج ۱)

نیز ایسی صورت میں بھی عمل جراحی جائز ہے جبکہ مرنے والی کے پیٹ میں کوئی چیز متحرک معلوم ہو اور لوگوں کی رائے یہ ہو کہ یہ متحرک بچہ ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

وفي التجنیس من علامة النوازل امرأة حامل مائت واضطرب فی بطنھا شیء و

كان رأیهم ان ولدھا حی شق بطنھا (ص ۱۰۲ ج ۲ قبیل باب الشہید)

مطلب یہ ہے کہ ہر دو صورت میں بچہ زندہ ہونے کا یقین ہو یا بچہ کے زندہ ہونے کا ظن ہو، مردہ نعش کو چاک کرنا جائز ہے۔ نیز ایسی صورت میں بھی مردہ نعش پر عمل جراحی کرنا جائز ہے کہ کوئی شخص کسی کا روپیہ نگل جائے اور مرجائے۔ درمختار میں ہے:

لو بلع مال غیرہ ومات هل یشق قولان والاولی نعم

(قوله الاولی نعم) لانہ وان كان حرمة الادھی اعلیٰ من صیانة المال لکنہ

ازال احترامہ بتعدایہ کما فی الفتح ومفادہ انہ لو سقط فی جوف بلا تعدی لا یشق

اتفاقاً (رد المحتار ص ۶۶۲ ج ۵)

وفي البیڑی عن تلخیص الکبریٰ لوبلغ عشرة دراهم ومات یسحق وافاد البیڑی

عدم الخلاف فی الدراهم والد ثانیر (رد المحتار ص ۱۳۳)

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ نعش پر بحالت ضرورت عمل جراحی جائز ہے۔

(۲) میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے نعش پر عمل جراحی کرنا شرعاً جائز ہوگا اسلئے

کہ آئین اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ دو ضرروں میں سے ایک ضرر اگر دوسرے ضرر سے اعظم ہو تو اشد ضرر کا اخف ضرر کے ذریعہ ازالہ کیا جائے گا جس کی ایک مثال مردہ عورت کے پیٹ کا بچہ نکالنے کے لئے چیرا جانا ہے۔

الاشباه والنظائر میں ہے :

لو كان لحدهما اعظم ضرراً عن الاخر فان الاشد يزال بالاخف

(ص ۱۲۲ ج ۱ تحت القاعدة الخامسة)

اس کے بعد اس کی مثالوں میں بہت سی مثالوں کے ساتھ مذکورہ بالا مثال کو ان الفاظ میں

ذکر کیا ہے :

”ومنها جواز شق بطن المیتة لخراج الولد اذا كانت ترجی حیاته وقد امر به

ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ فعاش الولد كما فی الملتقط، (الاشباه والنظائر ص ۱۲۲، مع الحموی)

میڈیکل کالج میں چند مردوں کی نعش پر عمل جراحی کے باعث چونکہ سیکڑوں زندہ مرلیوں

کی جان بچتی ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچہ کی جان بچانے کے لئے ایک نعش پر عمل جراحی

بلا اختلاف جائز ہو اور سیکڑوں جانیں بچانے کے لئے چند نعشوں پر عمل جراحی جائز نہ ہو، لهذا

ما عندی فان اصبحت فمن الله وان اخطأت فمئی ومن الشيطان۔

علماء کرام کے لئے قابل غور بات یہی ہے کہ عدم تعلیم سیکڑوں جانوں کی ہلاکت کا موجب

ہوگا یا نہیں؟ اور اگر موجب ہوگا تو یہ ضرر بمقابلہ چند نعشوں کے اعظم اور اشد ضرر ہے یا نہیں؟

میرا خیال ہے کہ بمقابلہ چند نعشوں کے سیکڑوں جانوں کی ہلاکت اعظم اور اشد ضرر ہے لہذا

الاشباه کی تصریح کی بنا پر آئین اسلام کی رو سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ میڈیکل کالج

میں نعش پر جو عمل جراحی کیا جاتا ہے وہ شرعاً حد جواز کے اندر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب،

منت اللہ رحمانی خانقاہ رحمانی مونیگر

الجواب صحیح

علم جراحی مسلمانوں کے لئے حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے، اور ادھر یہ قاعدہ بھی ہے،
الضرر یزال اور الضرورات تبیح المحظورات۔

پس ضرورت اور مجبوریوں کی وجہ سے یہ عمل جراحی جائز ہے، چنانچہ مجیب لبیب نے توضیح
کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۲۹ھ

الجواب صحیح والمجیب فیحیح

خط کشیدہ عبارت تو بہت ہی مضبوط دلیل ہے اور آیت کریمہ:

ولکم فی القصاص حیلۃ یا اولی الاباب ۵

اور آیت قتال کے اشارے بھی اس طرف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر نظام الدین دارالعلوم دیوبند

الجواب باسم ملہم الصواب

نظام الفتاویٰ کا جواب صحیح نہیں، تعلیمی ضرورت کو اخراج ولد پر قیاس کرنا بوجہ ذیل

باطل ہے :

① شق بطن ولادت کا ایک متبادل طریق ہے جو اس زمانہ میں عام ہے اس میں

انسان کی بے حرمتی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

② اخراج ولد کے لئے شق بطن امر عارضی ہے، اس کے بعد میت کو احرام کے ساتھ

دفن کر دیا جاتا ہے اور میڈیکل کالج میں ہمیشہ کے لئے تختہ مشق بنایا جاتا ہے۔

③ اخراج ولد میں جان بچانے کا عمل ہو رہا ہے اور کالج میں جان بچانے کے طریقوں

کی تعلیم ہوتی ہے فی الحال جانیں بچانے کا عمل نہیں ہو رہا۔

جان بچانے کے عمل اور اس کی تعلیم میں فرق ہے، مثلاً جان بچانے کے لئے حملہ آور کو

قتل کرنا جائز ہے مگر جان بچانے کا طریقہ سیکھنے کی غرض سے جائز نہیں۔

④ اسباب کی دو قسمیں ہیں :

ایک یہ کہ اس پر مسبب و ثمرہ کا ترتب عادیہ متیقن ہے اور ترکیب اسباب سے ہلاکت کا

ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے ————— ۵

یقین ہے، جیسے کسی کو آگ یا سیلاب یا کنویں وغیرہ سے نکالنا یا کسی درندہ کی گرفت سے بچانا۔
ان صورتوں میں جان بچانے کے اسباب اختیار کرنا فرض ہے اور ان کا ترک حرام ہے، اخراج
ولد بھی اسی قسم کا سبب ہے۔

اسباب کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس پر نتیجہ کا ترتب ضروری نہیں اور ان کے ترک سے موت
محقق نہیں۔

ایسے اسباب کا اختیار کرنا لازم نہیں اور ان کے ترک پر کوئی گناہ نہیں، علاج الامراض اسی
قسم میں داخل ہے، سیکڑوں واقعات کا مشاہدہ ہے کہ علاج سے مرض مزید بڑھ گیا یا مریض
ہلاک ہو گیا اور کئی مریض بدون علاج ہی تندرست ہو گئے، اسی لئے اس پر اتفاق ہے کہ علاج
کرنا فرض نہیں ہے، اگر کوئی ترک علاج کے نتیجہ میں مرجائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اگر علاج
کرنا فرض ہوتا تو جہاں مرض کا صرف ایک ہی اسپیشلسٹ ہو اس کے لئے علاج کی اجرت لینا حرام ہوتا،
پھر مسئلہ زیر بحث میں تو علاج بھی نہیں، علاج کی تعلیم ہے وشتان بینہما کما قدمنا۔

⑤ بچہ کے جان بچانے کے لئے میت کے شق بطن کی صورت متعین ہے، دوسری کوئی
صورت ممکن نہیں، اس کے برعکس تعلیم کے لئے دوسری کئی صورتیں سہولت اختیار کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

① اسکریننگ مشین کے ذریعہ زندہ انسان کے اندرونی اعضاء کا تفصیلی معائنہ کیا جاسکتا ہے۔

② حیوانی ڈھانچوں سے کام لیا جاسکتا ہے، بالخصوص ڈارون کے نظریہ سے معلوم ہوتا ہے

کہ بندر اور انسان کے اعضاء میں یکسانیت ہے۔

③ پلاسٹک کے انسانی ڈھانچے مع اندرونی اعضاء کے بیرونی ممالک میں بن رہے ہیں،

ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے، اور مجسمہ رکھنے کے گناہ سے بچنے کی یہ تدبیر ہو سکتی ہے کہ ڈھانچے
کے اعضاء علیحدہ کر کے رکھے جائیں، بوقت ضرورت بقدر ضرورت ایک عضو کو دوسرے سے
ملا لیا جاسکتا ہے۔

روزنامہ ”مشرق“ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء مطابق ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ میں یہ خبر شائع ہوئی ہے

”برطانوی فرموں میں مصنوعی مسالے سے تیار کیا ہوا انسانی ڈھانچا بنالیا گیا ہے، اس

ڈھانچے کو برطانوی فرموں نے ”سام“ کا نام دیا ہے، ڈھانچا اب بھی کئی تعلیمی ادارے

منگواتے ہیں، لیکن دینا ہو تو یہی مصنوعی ”سام“ استعمال ہوتا ہے، پورے انسانی

مصنوعی قد کا ”سام“ ۵ فٹ ۷ انچ کا ہوتا ہے اور اس کی قیمت ۳۸ پونڈ ۹ شلنگ ہے

جسم کے اندرونی اعضاء بھی ”سرے کی سائنٹیفک پلاسٹکس لمیٹڈ“ تیار کرتی ہے۔
مصنوعی دل کی قیمت ۱۳ پونڈ ۳ شلنگ۔

مصنوعی دماغ کی قیمت ۱۱ پونڈ ۱۰ شلنگ مقرر ہے۔

یہ کمپنی کان بھی تیار کرتی ہے جن کی قیمت ۱۰ پونڈ ہے، اس مصنوعی کان کے پردوں میں
آواز ٹھکانے کے بعد اسی طرح لہریں نمودار ہوتی ہیں جس طرح اصلی کان میں ہوتی ہیں،
انسان کے سانس لینے کا نظام بھی طلبہ کے استفادہ کے لئے مصنوعی بنایا جاتا ہے جس
کی قیمت ۱۲ پونڈ ۵ شلنگ ہے، اس مصنوعی سانس لینے والے انسان پر جان بچانے
کے طریقے کی مشق آسانی سے کی جاسکتی ہے، کیونکہ اس کے مصنوعی پیپھڑے اسی طرح
کام کرتے ہیں جس طرح انسانی پیپھڑے کرتے ہیں۔“

مجیب نے دوسرا قیاس اخراج مال کے لئے جواز شق بطن پر کیا ہے، حالانکہ اس کا بطلان
خود جزئیہ مذکورہ میں تعلیل جواز :

”لأنه وإن كان حرمة الأدمی اعلی من صیانة المال لکنه ازاله احترامه بتعدیة
سے ظاہر ہے۔

اشباہ کے کلیہ سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ حفظ احترام کے مقابلہ میں حفظ جان اگرچہ مقدم ہے
مگر یہاں احترام کے مقابلہ میں حفظ جان کا عمل نہیں، بلکہ اس کے طریقہ کی تعلیم ہے، خود علاج
ہی سببیت کی قسم ثانی ہے، اور یہاں تو علاج بھی نہیں ہو رہا۔ بلکہ علاج کی تعلیم دی جا رہی ہے، اس
پر حرمت انسان کو بھینٹ چڑھانا جائز نہیں۔

اگر مجیب کے نظریہ کے مطابق صورت زیر بحث میں حفظ احترام و حفظ جان کا تقابل
تسلیم کر لیا جائے تو کالجوں میں لاوارث ڈھانچوں کی کمی کی صورت میں وارثوں پر فرض ہوگا کہ اپنے
رشتہ داروں کی لاشیں دفن کرنے کی بجائے کالجوں میں پہنچائیں، بصورت انکار حکومت پر فرض
ہوگا کہ رشتہ داروں سے لاشیں جبراً پھینک کر کالجوں میں مہیا کرے، اور اگر بوقت ضرورت کوئی
لاش دستیاب نہ ہو تو قبرستان سے مردے اکھاڑ کر کالج کی ضرورت پوری کرے۔

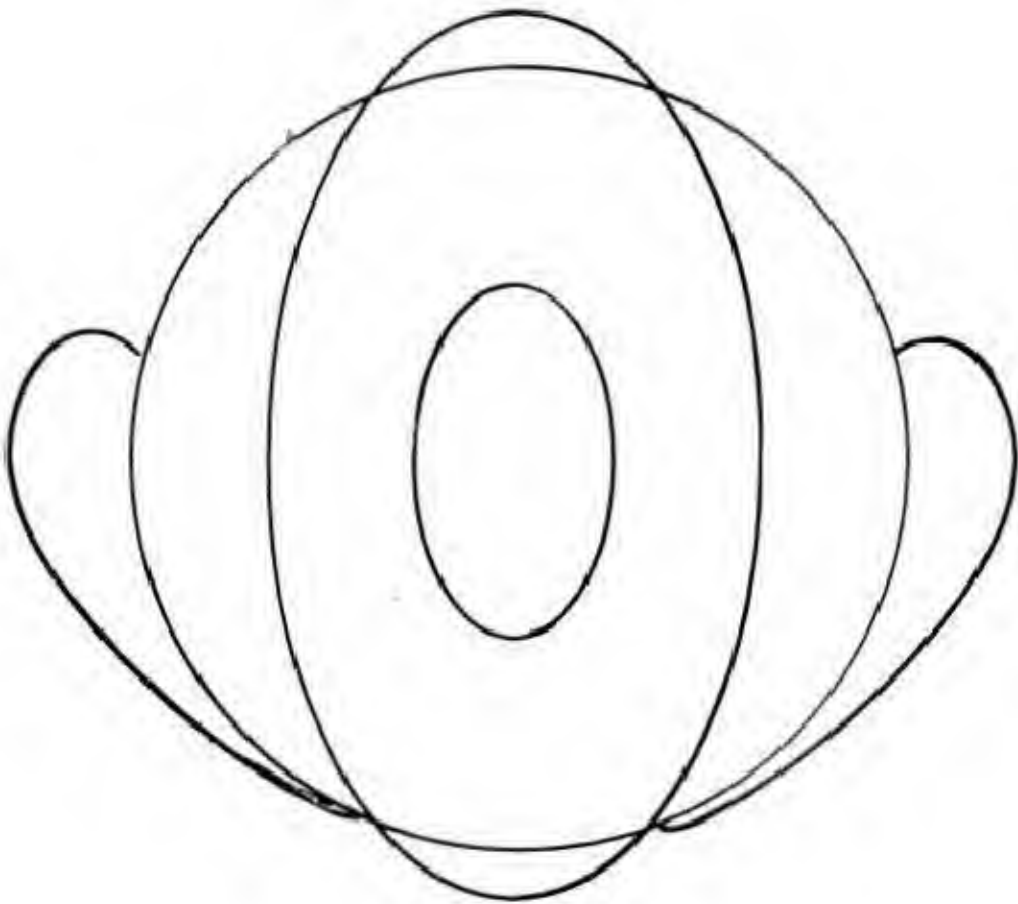
تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ کالج میں لاوارث لاشوں کی بہت کمی ہے، لہذا اب بزرگ مجیب
جان بچانے کا فرض ادا کرنے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وارثوں سے جبراً مردے وصول
کئے جائیں۔

یہ ظلم صرف لاوارث لاشوں کے ساتھ مخصوص کیوں ہے جبکہ درحقیقت کوئی لاش بھی لاوارث نہیں۔ اس لئے کہ کسی کے نسبى وارث نہ ہوں تو اس کا کفن و دفن حکومت یا عامۃ المسلمین پر فرض ہے اور یہی اس کے ولی ہیں۔

حکومت کا کوئی فرد اپنے رشتہ دار کی لاش دینے کو تیار نہیں تو دوسری لاش جس کی شرعی ولایت اور دفن کا فریضہ حکومت کے ذمہ ہے اسکی بے حرمتی کی اجازت کیوں دیتی ہے؟ کالجوں میں زیر تعلیم طلبہ کی بنسبت لاشوں کی غیر معمولی کمی کے ثبوت سے یہ ثبات ہو گیا کہ لاش کے بغیر بھی ڈاکٹری کی تعلیم مکمل ہو سکتی ہے۔

تعلیمی اداروں میں انسانی لاشوں کی بڑھتی ہوئی مانگ اور لاشوں کی منڈی میں غیر معمولی تیزی دیکھ کر انسانی درندے اور جرائم پیشہ لوگ انسانوں کو قتل کر کے انکی لاشیں منڈی میں فروخت کرنے کا کاروبار شروع کر دیں گے، ان کے لئے یہ بہت ہی نفع بخش تجارت ہوگی۔ کوئی اور شکار ہاتھ نہ لگا تو انہی اداروں کا عملہ، طلبہ، اساتذہ اور سربراہ کام لائے جاسکتے ہیں، ایسی ترقی کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔ وهو العاصم ولا ملجأ ولا منجأ الا الیہ،

۲۶ شعبان ۱۴۰۲ ہجری



اللہ مالک السموات والارض یخلق ما یشاء ۝ یمیت من یشاء ۝ انا انشا وھب لمن یشاء الذنوب ۝
 اویز وھبھم ذکرنا وانا انشا ویمیل من یشاء ۝ عقیما ۝ انت علیہم قاری ۝

ضبط تولید



اسقاط حمل

○ قوت تولید ختم کرنا۔

○ مانع حمل تدابیر اختیار کرنا۔

○ حمل ٹھہر جانے کے بعد ساقط کرنا۔

صِبْطُ اقْوَالِیْہِ

و

اِسْقَاطِ حَمَلِ

آیاتِ قرآنیہ

احادیثِ نبویہ

نصوصِ فقہاء

عملِ سلم

ضبط تولید و اسقاط حمل

سوال: ضبط تولید اور اسقاط حمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب باسم منہم والصواب

- ضبط تولید اور اسقاط حمل دونوں کی مجموعی طور پر چار صورتیں بنتی ہیں:
- ① قطع نسل، یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی وجہ سے دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جائے۔
 - ② منع حمل، یعنی ایسی صورت اختیار کرنا کہ قوت تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار نہ پائے۔
 - ③ حمل ٹھہر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے اس کو ساقط کرنا۔
 - ④ چار ماہ گزرنے کے بعد حمل گرانا۔

احکام:

پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں اور خواہ اس کے دوائی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں۔

دوسری صورت کے حکم میں یہ تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر یہ صورت اختیار کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور درج ذیل اعذار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔

- ① عورت اتنی کمزور ہے کہ بار حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔
- ② عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام میں ہے جہاں اس کا مستقل قیام و قرار کا ارادہ نہیں، اور سفر کسی ایسے ذریعہ سے ہے کہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہوں۔
- ③ زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہ ہونے کی وجہ سے عیسیٰ دگی کا قصد ہے۔
- ④ پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے۔
- ⑤ یہ خطرہ ہو کہ فساد زمان کی وجہ سے بچہ بد اخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب ہوگا۔

اگر کوئی ایسی غرض کے تحت حمل روکے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے تو اس کا عمل بالکل ناجائز ہوگا، مثلاً کثرتِ اولاد سے تنگیِ رزق کا خیال ہو، یا یہ دہم ہو کہ بچی پیدا ہوگئی تو عار ہوگی۔
تیسری صورت بلا عذر ناجائز اور حرام ہے، البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے مثلاً:
① حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہو گیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن یا متعذر ہو۔

② کوئی دیندار، حاذق طبیب عورت کا معاینہ کر کے یہ کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا تو عورت کی جان یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔
چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

تنبیہ:

ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل کی ناجائز صورتوں میں عدمِ جواز کے علاوہ دینی و دنیوی لحاظ سے مفاسد کثیرہ پائے جاتے ہیں، مثلاً:

① زنا اور امراضِ خبیثہ کی کثرت، عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے خوف کے علاوہ دو چیزیں غلامی علیٰ معیار پر قائم رکھتی ہیں اور زنا کی برائی سے بچائے رکھتی ہیں۔ ایک فطری حیا و دوسری یہ خوف کہ حرامی بچہ کی پیدائش اس کو معاشرہ میں ذلیل و رسوا کر دے گی۔

ان میں سے پہلے مانع کو توجہ دید مغربی تہذیب نے بڑی حد تک دور کر دیا۔ بازاروں، دستروں، کالجوں، یونیورسٹیوں، مختلف تقریبات اور محفلوں میں بے پردہ عورتوں کی مردوں کے ساتھ بے محابا شرکت کے بعد حیا کہاں باقی رہ سکتی ہے۔

ضبطِ تولید کے رواجِ عام نے دوسرے مانع یعنی حرامی اولاد کی پیدائش کے خوف کو باقی نہ رکھا، عورتوں اور مردوں کو زنا کی عام رخصت مل گئی ہے۔

اور کثرتِ زنا کی وجہ سے طرح طرح کے امراضِ خبیثہ کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔

② طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں خاندانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور فسادات کا ہونا، عورت اور مرد کے درمیان ازدواجی تعلق کو مضبوط کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے، جب اولاد نہ ہوگی تو زوجین کے لئے ایک دوسرے کو چھوڑ دینا بہت آسان ہوگا۔

③ بعض اخلاقی خصائص کا فقدان، والدین میں بعض اخلاقی خصائص صرف تربیتِ اولاد ہی سے پیدا ہوتے ہیں، ضبطِ تولید کے باعث دونوں ان خصائص سے محروم رہتے ہیں۔

جس طرح والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں اسی طرح بچے بھی والدین کی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ بچوں کی تربیت سے والدین میں محبت، ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، عاقبت اندیشی، صبر و تحمل اور ضبط نفس کی مشق ہوتی ہے، سادہ معاشرہ و قناعت اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ضبط تولید سے ان تمام اخلاقی فوائد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۴) بچوں کے اخلاق کا نقصان، بچوں کی تربیت صرف ماں باپ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ خود بھی ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں، ان کا آپس میں رہنا ان کے اندر محبت، ایثار، تعاون اور دوسرے عظیم اوصاف پیدا کرتا ہے، وہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کر کے اپنے اندر سے بہت سے اخلاقی عیوب دور کر لیتے ہیں۔

جس بچے کو چھوٹے اور بڑے بھائی بہنوں کے ساتھ رہنے سہنے، کھیلنے کودنے اور معاملات کرنے کا موقع نہیں ملتا وہ بہت سے اعلیٰ اخلاقی خصائص سے محروم رہ جاتا ہے۔ جو لوگ ضبط تولید پر عمل کر کے اپنی اولاد کو صرف ایک ہی بچے تک محدود کر لیتے ہیں یا دو بچوں کے درمیان اتنا وقفہ کرتے ہیں کہ ان میں عمر کا بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے وہ دراصل اپنی اولاد کو بہتر اخلاقی تربیت سے محروم کر دیتے ہیں۔

(۵) صحت کی خرابی، ضبط تولید کی وجہ سے زوجین کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے، مرد کی نسبت عورت کی صحت پر زیادہ اثر پڑتا ہے، ضبط تولید کی خاطر جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں بالخصوص جو گولیاں اور دوائیں استعمال کی جاتی ہیں وہ عورت کی صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہیں، عمر گزرنے سے ان کے مضر اثرات آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں۔ مثلاً اعصابی نظام میں برہمی، بد مزاجی اور چڑچڑاپن، حافظہ کی خرابی، جنون، سرطان اگر کبھی حمل ہو جائے تو وضع حمل کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

یہ چند نقصان بطور نمونہ لکھ دیئے ہیں جو صاحب بصیرت و دانش کے لئے کافی ہیں۔

قال الله تبارک و تعالیٰ :

وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها (۶-۱۱)

ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم (۶-۱۵۲)

ولا تقتلوا اولادکم خشية املاق نحن نرزقکم وایاکم ان قتالھم کان خطاً

کبیرا (۱۷-۳۱)

وامر اهلك بالصلوة واصطبر علیھا لانسئلك رزقا نحن نرزقك (۲۰-۱۳۲)

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول رد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ التبتل ولو اذن له لاختصینا (صحیح بخاری ص ۵۹ ج ۲)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت یا رسول اللہ انی رجل شائب وانا اخاف علی نفسی العنت ولا اجد ما تزوج به النساء فسکت عنی ثم قلت مثل ذلك فسکت عنی ثم قلت مثل ذلك فسکت عنی ثم قلت مثل ذلك فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابی ہریرۃ جف القلم بما انت لاق فاخصر علی ذلك اوذر (ایضاً)

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذا الحديث: ان الاختصاص فی الأدمی حرام مطلقاً (عمدة القاری ص ۲۰ ج ۲۰)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اخبرہ قال اصبنا سبايا فکنا نعزل ثم سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقال لنا وانکم لتفعلون وانکم لتفعلون وانکم لتفعلون ما من نسمة کائنة الی یوم القیمة الاہی کائنة

قال العلامة النووی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذا الحديث: ثم هذه الاحادیث مع غیرها یجمع بینہما بأن ما ورد فی النہی محمول علی کراهة التزید وما ورد فی الاذن فی ذلك محمول علی انہ لیس بمحرم و لیس معناه نفی الکراهة۔

(صحیح مسلم ص ۲۶۳ ج ۱)

عن جدامة بنت وهب اخت عکاشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اناس وهو یقول لقد هممت ان انہی عن الغيلة فنظرت فی الروم وفارس فاذا هم یخیلون اولادہم فلا یضر اولادہم ذلك شیئاً ثم سألوه عن العزل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلك الواد الخفی زاد عبید اللہ فی حدیثہ عن المقرئ واذا الموودة سئلت۔

قال العلامة النووی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذا الحديث: الواد والموودة بالهمز والواو فن البنت وہی حیة وكانت العرب تفعلہ خشية الاملاق وربما فعلوه خوف العار والموودة البنت المدفونة حیة ویقال وأدت المرأة ولداً واداً قیل

سميت موؤدة لأنها تنقل بالتراب وقد سبق في باب العزل وجه تسمية هذا وأداه وهو مشابهة الواد في تفويت الحياة (صحيح مسلم ص ٢٦٦ ج ١)
قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (ويعزل عن الحرة) وكذا المكاتبه تهر (بأذنها) لكن في الخانية أنه يباح في زماننا لفساده قال الكمال فليعتبر عذرا مسقطا لأذنها، وقالوا يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج وقال العلامة ابن عابد بن رحمه الله تعالى: (قوله لكن في الخانية) عبارتها على ما في البحر وذكر في الكتاب أنه لا يباح بغير أذنها وقالوا في زماننا يباح لسوء الزمان اهـ -

(قوله قال الكمال) عبارته وفي الفتاوى أن خاف من الولد السوء في الحرة يسعه العزل بغير رضاها لفساد الزمان فليعتبر مثله من الأعذار مسقطا لأذنها اهـ فقد علم مما في الخانية أن منقول المذهب عدم الاباحة وأن هذا تقييد من مشايخ المذهب لتغير بعض الأحكام بتغير الزمان وأقره في الفتح وبه جزم القهستاني أيضا حيث قال وهذا إذ لم يخف على الولد السوء لفساد الزمان والافيجوز بلا أذنها اهـ لكن قول الفتح فليعتبر مثله الخ يحتمل أن يريد بالمثل ذلك العذر كقولهم مثلك لا يبخل ويحتمل أنه أراد الحاق مثل هذا العذر به كأن يكون في سفر بعيد أو في دار الحرب فخاف على الولد أو كانت الزوجة سيئة الخلق ويريد فراقها فخاف أن تحبل وكذا ما يأتي في إسقاط الحمل عن أبي وهبان فافهم -
(قوله وقالوا الخ) قال في النهر بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم

يباح ما لم يتخلق منه شيء ولن يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح والأفهم غلط لأن التخليق يتحقق بالشاهدة قبل هذه المدة كذا في الفتح وإطلاقهم يفيد عدم توقف جواز إسقاطها قبل المدة المذكورة على إذن الزوج وفي كراهة الخانية ولا أقول بالحل إذا المحرم لو كسر بيض الصيد ضمنه لأنه اصل الصيد فلما كان يؤخذ بالجزاء فلا أقل من أن يلحقها ثم هنا إذا سقطت من غير عذرها قال ابن وهبان ومن الأعذار أن ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لأبي الصبي ما يستأجر به

الظفر ويخاف هلاكه ونقل عن الذخيرة لو ارادت الالتقاء قبل مضي زمن
ينفخ فيه الروح هل يباح لها ذلك ام لاختلفوا فيه وكان الفقيه على بن موسى
يقول انه يكرهه فان الماء بعد ما وقع في الرحم ماله الحياة فيكون له حكم الحياة كما في
بيضة صيد الحرم ونحوه في الظهيرية قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة
على حالة العذرا وانها لا تأثم اثم القتل اه وبما في الذخيرة تبين انهم لو ارادوا
بالتخليق الانفخ الروح وان قاضيهان مسبوق بما مر من التفقه والله تعالى
الموفق اه كلام النهر ح (تنبيه) اخذ في النهر من هذا وما قدمه الشارح عن
الخامية والكمال انه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في
البحر من انه ينبغي ان يكون حراما بغير اذن الزوج قياسا على عزله بغير اذنها
قلت لكن في البرازية لم يمنع امرأته عن العزل اه نعم النظر الى فساد الزمان يفيد
الجواز من الجانبين فما في البحر مبني على ما هو اصل المذهب وما في النهر على
ما قاله المشايخ والله الموفق (رد المحتار ص ۳۸ ج ۲)

قال في الهندية: رجل عزل عن امرأته بغير اذنها لما يخاف من الولد
السوء في هذا الزمان فظاهر جواب الكتاب ان لا يسعه وذكر هنا يسعه
لسوء هذا الزمان كذا في الكبرى - وله منع امرأته من العزل كذا في الوجيز
للكردري، وان اسقطت بعد ما استبان خلقه وجبت الغرة كذا في
فتاوى قاضيهان، العلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقه كالشعر
والظفر ونحوهما لا يجوز وان كان غير مستبين الخلق يجوز وما في
زمانتا يجوز على كل حال وعليه الفتوى كذا في جواهر الاخلاط - وفي
اليتمية سألت على بن احمد عن اسقاط الولد قبل ان يصور فقال اما في
الحررة فلا يجوز قول واحد ا واما في الامة فقد اختلفوا فيه والصحيح هو
المنع كذا في التارخانية، ولا يجوز للمرضعة دفع لبنها للتداوى ان اضر بالصبي
كذا في القنية، امرأة مرضعة ظهر بها حبيل وانقطع لبنها وتخاف على
ولدها الهلاك وليس لابي هذا الولد سعة حتى يستأجر الظربا ح لها
ان تعالج في استنزال الدم مادام نطفة او مضغة او علقة لم يخلق له

عضو وخلقہ لا یتبین الا بعد مائۃ وعشرين يوما اربعون نطفۃ
واربعون علقۃ واربعون مضغۃ کذا فی خزائن المفتین وھکذا فی فتاوی
قاضیخان والله اعلم (عالمگیریۃ ص ۲۵۶ ج ۵)

والله سبحانه وتعالى اعلم

۱۰ محرم ۱۴۱۵ھ





وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ
وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ
وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ
وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ

قَوْمٌ يُخَضِّبُونَ بِالسَّوَادِ الْخِرَازِمِيَّ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ
(لا یرجون رائحة الجنة، رواه النسائي وابوداؤد)



طریق السّداد لمحلّ الخُضْبِ بالسّواد



ایک استفتا میں ایک قلمی رسالہ بھیجا گیا تھا، جس میں نصوص
حدیث و فقہ میں تحریف کر کے خضاب بالسّواد کو جائز ثابت
کرنے کی کوشش کی گئی تھی، —————

اس رسالہ میں

اس کا جواب ہے، قاعدہ تو یہ ہے کہ جواب کے ساتھ
اصل رسالہ پورا یا اسکا خلاصہ لکھا جاتا مگر عدیم الفرستی
کی وجہ سے وہ رسالہ نقل کئے بغیر واپس بھیج دیا گیا تھا۔

خضاب بالسواد متعلق ايك سآله كا جواب

قال : ان ابا حنيفة رحمه الله تعالى الخ (ص١)

وقال الامام ابو يوسف رحمه الله تعالى الخ (ص١)

وقال الامام محمد رحمه الله تعالى الخ (ص١)

قال في البحر الرائق لابن نجيم الخ (ص١)

ومذهبنا ان الصبغ الخ (ص١)

وقال في الشاميه قوله جاز الخ (ص١)

عن ابى ذر رضى الله تعالى الخ (ص١)

عن ابن عباس رضى الله تعالى عنه الخ (ص١)

يس مراد خضاب بمجموع حنا وكم باشد (ص١)

اقول : جواب هذه العبارات باسرها بان المراد منها غير السواد الخ

من غير التفات الى تحقيق معنى الكم يانه يكون سوادا خالصا او لا - والى ان الواو

لجميع ام بمعنى او - وان الجمع بين الحناء والكم يورث سوادا خالصا او لا -

والدليل على ما ادعيت من سبغة اوجه -

① رفع التعارض بين الادلة فالممنوع منه ما يكون سوادا خالصا والمجاز غير ذلك

للتحل معانى الاشارة ولا تقتضاد -

② نقل المفتى على ص ٨ عن فتح البارى فكان اكثرهم يخضب بالصفرة منهم

ابن عمر واليه سيرة واخرون رضى الله تعالى عنهم وروى مالك رحمه الله تعالى

عن على رضى الله تعالى عنه وخضب بعضهم بالحناء والكم وبعضهم بالزعفران و

خضب جماعة بالسواد -

فعلام من هذه المقابلة صراحة بان المراد من الحناء والكم غير السواد -

③ اختضب لاجل التزين للنساء والجوارى جاز فى الاصح ويكره بالسواد (المختار)

④ اما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلك من الغزاة ليكون اهيىب فى عين

العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشايخ ومن فعل ذلك ليزين نفسه للنساء

وليحجب نفسه اليهن فذلك مكروه وعليه عامة المشايخ الى ان قال (وعن الامام

رحمه الله تعالى ان الخضاب حسن لكن بالجناء والکتم والوسمة (عالمگیریة)

(۵) روى الامام البخارى رحمه الله تعالى فى باب هجرة النبى صلى الله عليه وسلم اصحابه الى المدينة قدم النبى صلى الله عليه وسلم وكان اسن اصحابه ابو بكر فغلبها بالحناء والکتم حتى قنألونها (بخارى ج ۱ ص ۵۵۸)

فعلم ان الجمع بين الحناء والکتم لا يستلزم السواد كما زعم المفتى -

(۶) فى الموطا للامام محمد رحمه الله تعالى قال محمد رحمه الله تعالى لا نرى بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة بأساً وان ترك ابيض فلا بأس بذلك كل ذلك حسن اه وفى التعليق الممجد على الموطا (قوله بالوسمة) والخضاب به صرفاً لا يكون سواداً خالصاً بل ما شلا الى الخضرة وكذا اذا خلط بالحناء وخضب به نعم لو خضب الشعرا ولا بالحناء صرفاً ثم بالوسمة عليه يحصل السواد الخالص فيكون ممنوعاً كما سيأتى ذكره (وبعد اسطر على قوله لا نرى) واما الخضاب بالسواد الخالص فغير جائز لما اخرج ابو داود والنسائى وابن حبان والحاكم وقال صحيح الاسناد عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما مرفوعاً يكون قوم يخضبون فى آخر الزمان بالسواد كحوال الحمام لا يربجون رائحة الجنة وجنح ابن الجوزى فى العلق المتناهية الى تضعيفه مستنداً بما روى ابن سعد والحسين بن على رضى الله تعالى عنهما كانا يخضبان بالسواد وليس بمجيد فلعله لم يبلغهما الحديث والكلام فى بعض رواة ليس بمجيد يخرج به عن حيز الاحتجاج ومن ثم عد ابن حجر المكى فى الزواج الخضب بالسواد من الكبائر ويؤيد ما اخرج الطبرانى عن ابى الدرداء رضى الله تعالى عنه مرفوعاً من خضب بالسواد سود الله وجهه يوم القيامة وعند احمد رحمه الله تعالى غيروا الشيب ولا تقربوا السواد واما ما فى سنن ابن ماجه مرفوعاً ان ما اختضبتكم به هذا السواد ارجب لفسائكم واهيب لكم فى صد وراعد انكم فى سنة ضعفاء فلا يعارض الروايات الصحيحة و اخذ منه بعض الفقهاء جوازاً فى الجهاد اه -

(۷) روى الامام البخارى رحمه الله تعالى فى مناقب الحسن والحسين رضى الله تعالى عنهما عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه وكان (الحسين رضى الله تعالى عنه) مخضوباً بالوسمة - قال المحدث السهال نفورى رحمه الله تعالى فى الحاشية ظاهرة وان

كان معارضا لقوله عليه السلام جنبوه السواد لكن المعنى كان مخضوبا بالوسمة الخاصة والخضب بها واحد ها لا يسود الشعر فاندفع التعارض بينهما لان المنهى عنه هو السواد البحت او كون السواد غالباً لا بالعكس ومنشأ الشريعة بنهيها ان لا يلتبس الشيب بالشيب والشيخ بالشاب على ان الحسين (رضي الله تعالى عنه) كان غاريا شهيداً فالخضب بالسواد جائز في الجهاد (صحيح البخاري ج ١ ص ٥٣٠)

فاذات عبارة التعليق الممجد وحاشية صحيح البخاري امورا -

① ما يروى من فعل الحسين رضي الله تعالى عنه فليس في رواية البخاري التصريح بالسواد -

② فالرواية المصروفة بالسواد ان ثبتت فهي مؤولة بالشبه بالسواد - عزاه الى اللمعات في حاشية ابى داود باب الخضب (ص ٢٢٦ ج ٢)

③ لم يبلغ الحسين رضي الله تعالى عنه حديث النهي عن السواد -

④ كان الحسين رضي الله تعالى عنه غاريا -

تلك سبع شدا على ان المراد من الحناء والكتم الذي ابيح استعماله غير السواد -

قال : والممنوع من الخضب هو ما يكون لونه كخواصل الحمام الخ (ص ٢٢)

اقول : ان المراد من الحديث هو السواد الخالص لا لون الحواصل بعينه لانه لا وجه لكونه منهي عنه ووجه النهي عن السواد الخالص معقول -

قال : لان الوعيد صادق على قوم يظهر في آخر الزمان (ص ٥)

اقول : في زماننا الذي هو آخر الزمان يخضبون بالسواد الخالص فعلم ان

مراده صلى الله عليه وسلم هو السواد لا لون الحواصل بعينه -

اقوال الصحابة رضي الله تعالى عنهم (ص ٦)

اقول : لا يقتدى باقوالهم في مقابلة الاحاديث الصحيحة كما لا تقتدى باقوال

جماعة من الصحابة رضي الله تعالى عنهم التي تقول بوجوب قراءة الفاتحة خلف

الامام والحال اننا قائلون بتحريمها على ان ذهبنا شرذمة قليلة الى الاباحة

فذهب الى التحريم جم غفير - وهذا بعد تسليم صحة نقل المفتي فاني لما تتبع

الكتب المنقول عنها -

قال : على اولوا الالباب (ص ۱۰)

اقول : الصحيح على اولى الالباب -

قال : قد ورد في الحديث الخ (ص ۱۰)

اقول : قال ابو المحجج كل ما تفر به ابن ملجة فهو ضعيف لا يراد طائفة

من الاحاديث الموضوعه ولذا اخرج الشاھ ولى الله رحمہ الله تعالى من فهرس

الصحيح - والحديث ضعيف جداً لان دفاعاً السدوسى ضعيف (تقريب) و

والضافى اسنادہ عبد الحميد الصيفى وهولين الحديث (النجح)

قال : على النهى فلما صدر النهى الخ (ص ۱۱)

اقول : فيا للعجب لعلم المفتى والادب بان وضع لفظ النهى موضع الاباحه

فلعلها مترادفات عنده -

قال : لا يدل على الكراهة التحريمية الخ (ص ۱۳)

اقول : ان المتبادر من الكراهة هي التحريمية الا عند القرائن الدالة على

التنزيه فالمستثنى منه الكراهة التحريمية والمستثنى عدم الكراهة التحريمية ولذا يذكر

حد الكراهة التحريمية في تعريف مطلق الكراهة كما قال في الهداية تكلموا في معنى

المكروه والمروى عن محمد رحمه الله تعالى نصاب كل مكروه حرام الا انه لما لم يجد فيه

نصاً قاطعاً لم يطلق عليه اسم الحرام وعن ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله تعالى انه

الى الحرام اقرب - وفي الشامية احدها كره تحريمى وهو لم يحمل عند طلائع الكراهة الخ

على ان الاحاديث الصحيحة وعبارات الفقه مصرحة بالمنع والتحريم بدون ذكر

لفظ الكراهة كما ورد في الحديث الصحيح عن جابر رضى الله تعالى عنه قال جئت بابى قحطه

يوم الفتح الى النبى صلى الله عليه وسلم وكان رأسه ثغامة فقال رسول الله صلى الله

عليه وسلم اذهبوا به الى بعض نسائه فلتغيره وجنبوه السواد (رواه ابن ماجه) و

هذا الحديث صحيح (رواه مسلم) ومذهب الجمهور المنع (النجح) واخر ابن عابدين

عبارات التحريم ليدل على اختياره اياه كما قال في الشامية في بحث التشويبه

تحت (قوله وابو يوسف خصم) اخر ذكر وجه ابى يوسف رحمه الله تعالى لاقادة

اختياره الخ (رد المحتار) - فالظاهر ان المفتى جار عن الحق الباهر تعسفا وما

سلك في الاستدلال مسلك الديانة فاورد الضعاف وحرف الكلم عن مواضعها
واورد قطع العبارات الناقصة على طريقة ان تذكر قوله تعالى لا تقربوا الصلوة
وتترك وانتم سكارى -

والحاصل ان العبارات الدالة على التحريم من الفقه والحديث كثيرة يتعسر
احصائها والاغماض عنها تعسف وتجاهل على اننا ان سلمنا التعارض فالترجيح
للمحرم - والحق انه لا معارضة بين الحديث الضعيف السابق عن حد لا اعتبار
والصحيح - وبين قول شذوذة قليلة ومذهب الجمهور من المحققين -

قال : اول الخ (ص ۱۵)

اقول : قد اشتهر في الافاق اطلاق اسم المصنف على المصنف فكيف
جهل عنه المفتي الاديب فمن هذا القبيل الجاهل وعبد الرسول وعبد الغفور و
الملا عبد الرحمن والملا جمال في النحو - والزواهد الثلاثة في المنطق واشهر
لواء الهدى في الليل والدجى باسم مصنفه غلام يحيى ويطابق لفظ ابن عابد
على رحا المختار في بلاد العرب وفي بلادنا يقال له الشامي كما ارتكبه المفتي ايضا على
ص ۲ و ص ۲۳ ، فالعجب انه كيف يعترض بما يرتكب وكذا اكرشاء وذو سيوس
واكر بطليموس في الرياض وكذا عميد الحكيم وغيرها من اسماء الكتب مما لا تحصى
وكتب الحديث كلها محروقة باسماء مصنفاتها -

قال : والثاني الخ (ص ۱۴)

اقول : فاني منقلب ينقلب المفتي الفاضل الاديب في عبارات الفقهاء
التي فيها اضافة الكراهة الى التحريم كما قال في الفتح ثمان هذا احد المكروه كراهة
تحريم واما كراهة المكروه كراهة تنزيه فالى الحل اقرب -

فقط والله الهادي الى سبيل الرشاد

۲۳ رمضان سنة ۱۲۷۲ هجرى

ضمیمہ

از حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

سیاہ خضاب لگانے والا جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد اذا ذنب ذنباً کانت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب منها صقل قلبہ وان زاد زادت فذلک قول اللہ تعالیٰ : کلابل ران علیٰ قلوبہم ما کاسوا یکسبون (احمد، ترمذی، نسائی)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : جب بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل پر باریک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر توبہ کرے تو (سیاہی دھل جاتی ہے اور) دل صاف و شفاف ہو جاتا ہے لیکن توبہ کی بجائے اگر گناہوں میں اور آگے بڑھتا رہے تو یہ دھبہ بھی بڑھتا جاتا ہے (حتیٰ کہ پورے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے) اور یہ وہی رنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا : کلابل ران....“

اس ارشاد نبوت کے تناظر میں ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں جن معاصی کا ہر طرف دور دورہ ہے ان میں ایک بڑی تعداد ان گناہوں کی ہے جنہیں شیوع عام کی بنا پر نہ صرف گناہوں کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے بلکہ وہ فیشن اور ترقی کا نشان قرار پا گئے ہیں۔

ذرا سوچئے کتنے مسلمان ہیں جو تصویر سازی، ساز و موسیقی، سنیما بینی، ڈاڑھی منڈانے کٹانے کی لعنت، بے پردگی، نسوانی قیادت، غیر شرعی لباس اور اغیار کے طور طریقوں کو گناہ باور کرتے ہیں؟

خضاب بالسواد یعنی سیاہ خضاب کے ذریعہ بڑھاپے کو چھپانا ان گناہوں میں سرفہرست ہے اور اس پہلو سے سنگین ترکہ عام معاصی میں مبتلا لوگوں کی اکثریت تو آخرت بیزار بے دین قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے، لیکن اس گناہ کا شکار صرف بے دین

ہی نہیں دیندار بلکہ بارش بزرگ اور پیرانِ پار سا بھی ہیں۔ جو مسلمان شعارِ اسلام اور نشانِ مردمی کو ہی بیخ و بن سے اکھاڑ چکے انھیں خضاب مہندی سے کیا واسطہ؟ وہ تو مردانہ صورت سے ہی خار کھائے بیٹھے ہیں۔

سیاہ خضاب پر وعیدیں :

سیاہ خضاب کا استعمال خواہ ڈاڑھی میں ہو یا سر میں حرام ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں سفید بالوں کے تبدیلی کے لئے حنار (مہندی) اور کتم (وسمہ) استعمال کرنے کی ترغیب اور خالص سیاہ رنگ استعمال کرنے پر بہت شدید وعیدیں آئی ہیں۔ احادیث ملاحظہ ہوں :

① عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسن ما غیّر بہ هذا الشیب الحناء والکتم (سنن اربعة)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : بہترین رنگ جن سے سفید بالوں کی سفیدی تبدیل کی جائے مہندی اور وسمہ ہیں۔“

② عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بهذا السواد کحواصل الحمام لا یریحون راحة الجنة (ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن حبان)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے، یہ جنت سے اتنے دُور رکھے جائیں گے کہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے۔“

③ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اتی بابی قحافة رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم فتح مکة ورأسه ولحيته كالشمامة بیاضاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروا هذا بشیء واجتنبوا السواد (مسلم، ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن ماجہ)

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال شامہ گھاس کی طرح سفید تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کی سفیدی کسی چیز سے تبدیل کر دو لیکن سیاہ رنگ سے اجتناب برتو۔“

وضوح مطلب کے لئے یہ ارشادات کافی دوانی ہیں، تاہم چند مزید روایات پیش کی

جاتی ہیں جو سند کے لحاظ سے گو اس درجہ قوی نہیں مگر تائید و تقویت کی غرض سے پیش کی جا رہی ہیں :

(۱) عن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ مرسلًا انّ اللہ لا ينظر الى من يختضب بالسواد يوم القيامة (کنز العمال ص ۶۷ ج ۶)

”سیاہ خضاب کرنے والے کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (نظر رحمت سے) نہ دیکھیں گے“

(۲) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعًا من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ يوم القيامة - رواہ الطبرانی وابن ابی عاصم (کنز العمال ص ۶۷ ج ۶، جمع الوسائل ص ۱۲ ج ۱، اوجز المسالك ص ۳۳ ج ۶)

”جو سیاہ خضاب کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسکا چہرہ سیاہ کر دیں گے“

(۳) من مثل بالشعر ليس له عند الله خلق (طبرانی)

قال في النهاية مثله الشعر حلقه من الخلد و دوقيل نشفه او تغير به سواد - (ص ۲۹۲ ج ۴)

”جس نے بالوں کو بگاڑا اللہ تعالیٰ کے ہاں (رحمت سے)، اسکا کوئی حصّہ نہیں، نہایہ ابن اثیر میں ہے کہ بگاڑنے سے مراد ہے رخساروں سے بال مونڈنا اور بعض علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد سفید بالوں کا اکھاڑنا یا انھیں سیاہ رنگ سے تبدیل کرنا ہے“

(۴) عن انس رضي الله تعالى عنه اّول من اختضب بالحناء والكتم ابراهيم خليل الرحمن واول من اختضب بالسواد فرعون (فردوس دیلمی، السراج الممنیر، کنز العمال، اوجز المسالك، کشف الخفاء للجراحی)

”سب سے پہلے ہندی اور رومہ سے خضاب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اور سب سے پہلے سیاہ خضاب فرعون نے“

اجماع مذاہب اربعہ :

سیاہ خضاب کی حرمت پر مذاہب اربعہ کا اجماع ہے، بطور مثال ہر مذہب سے ایک عبارت پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے -

حنفیہ :

علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

یستحب للرجل خضاب شعرة ولحیته (القولہ) ویکره بالسواد -

”مرد کے لئے سر اور ڈاڑھی پر خضاب کرنا مستحب ہے مگر سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ تحریمی ہے“

اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں :

(قولہ ویکره بالسواد) ای لغير الحرب قال فی الذخیرۃ : اما الخضاب بالسواد

للغزو لیکون اھیب للعدو وفھو محمود بالاتفاق وان یرتین نفسہ للنساء فمکروہ وعلیہ عامۃ المشایخ (رد المحتار ص ۲۲ ج ۶)

”جہاد کے سوا کسی بھی مقصد کے لئے سیاہ خضاب کا استعمال مکروہ ہے، ذخیرہ

میں لکھا ہے کہ دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض سے جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب

کا استعمال بالاتفاق محمود و مستحسن ہے، شوہر کا بیوی کی خاطر خضاب لگانا

مکروہ ہے عام مشائخ کا یہی مذہب ہے“

مزید فتاویٰ عالمگیریہ ص ۳۵۹ ج ۵، اس کے حاشیہ پر قاضی خان ص ۴۱ ج ۳، ہزاریہ ص ۴۴ ج ۴،

الجوہرۃ النیرۃ ص ۳۶ ج ۲ اور دیگر فتاویٰ پر بھی یہ مسئلہ اسی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

تنبیہ :

کتب فقہ میں جہاں لفظ ”مکروہ“ مطلق ہوتا ہے اس سے ”مکروہ تحریمی“ مراد ہوتا ہے

جو حرام ہی کی ایک قسم ہے گناہ اور عذاب میں حرام کے برابر ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔

مالکیہ :

کتب مالکیہ میں سرسری تلاش سے کوئی تصریح نہیں ملی، البتہ شارح موطا حضرت

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں :

وفی المحلی : یکرہ عند مالک صبغ الشعر بالسواد من غیر تحریم۔

(اوجز المسالك ص ۲۵ ج ۱۵)

”محلی میں ہے : امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالوں کو سیاہ رنگ کرنا

مکروہ ہے حرام نہیں“

یہ وضاحت اور پرکیز چکی ہے کہ اس سے مکروہ تحریمی مراد ہے جس کا گناہ اور عذاب حرام سے کم نہیں۔

معروف اہل حدیث عالم علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کے تحت لکھتے ہیں :

والحدیث یدل علی مشروعیۃ تغیر الشیب وانہ غیر مختص باللحیۃ وعلی کراہۃ الخضاب بالسواد قال بذلك جماعة من العلماء قال النووي : والصحيح بل لا يصبغ انہ حرام یعنی الخضاب بالسواد ومقتضى صرح به صاحب الحاوی انتہی (نیل الاوطار ص ۱۳۱ ج ۱)

”حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ سفید بالوں کو تبدیل کرنا مشروع ہے اور یہ کہ یہ حکم ڈاڑھی کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ نیز یہ حدیث سیاہ خضاب کی کراہت پر دال ہے علماء کی ایک جماعت نے یہ قول بیان کیا ہے، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیح بلکہ سیدھی بات یہ ہے کہ سیاہ رنگ کا خضاب حرام ہے اور صاحب حاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصریح کی ہے“

شافعیہ :

امام محی الدین ابوزکریا شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ومذہبنا استحباب خضاب الشیب للرجل والمرأة بصفرة او حمرة ويجرم خضابه بالسواد علی الاصح وقيل بکراهة تنزیہ والمختار التحريم لقوله صلی اللہ علیہ وسلم واجتنبوا السواد (شرح مسلم ص ۱۹۹ ج ۲)

”ہمارا (علماء شوافع کا) مذہب یہ ہے کہ مرد و عورت کو سفید بالوں پر زرد یا سُرخ رنگ کا خضاب کرنا مستحب ہے اور صحیح ترین قول کے مطابق سیاہ رنگ کا خضاب حرام ہے، اور ایک ضعیف قول کراہت تنزیہیہ کا بھی ہے مگر قول مختار حرمت کا ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : واجتنبوا السواد“

حنابلہ :

امام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وتكره الخضاب بالسواد قيل لابی عبد الله : تكراه الخضاب بالسواد ؟ قال اى والله ، قال : وجاء ابو بكر بابيه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ورأسه

ولحیثہ کالتخامة بیاضاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: غیروہما وجنبوہ السواد (المعنی ص ۶۹ ج ۱)

”سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا آپ سیاہ رنگ کے خضاب کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اللہ کی قسم! حضرت ابو بکر رضی تعالیٰ عنہ اپنے والد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے در آنحالیکہ انکا سراور ان کی ڈاڑھی ثغامہ گھاس کی طرح سفید تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے سراور ڈاڑھی کی سفیدی تبدیل کر دو مگر سیاہ رنگ سے دُور رکھو۔“

فتاویٰ اکابر:

اب ہم اس سلسلہ میں متاخرین اکابر کے فتاویٰ قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں:

① علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خضاب کردن برنگ سیاہ خالص ممنوع و گناہ کبیرہ است، ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ در زوایر این را در کبار شمار کرده است، ازین وجہ کہ در حدیث وارد است یكون فی آخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یجدون راحة الجنة سواہ ابوداؤد و النسائی (الی قولہ) وطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کردہ است من خضب بالسواد سود اللہ وجہہ یوم القیامة (الی قولہ) وملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ در شرح شمائل ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ می نویسد ذهب اکثر العلماء الی کراهة الخضاب بالسواد وجہہ النووی الی انها کراهة تحریر وان من العلماء من رخص فیہ للجهاد ولم یرخص فیہ لغيرہ۔ انتہی (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہا مش خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۵ ج ۲)

”خالص سیاہ رنگ کا خضاب ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زوایر میں اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے:

”آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی مانند سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے، وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے“ (ابوداؤد و نسائی)

اور امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے:

”جس نے سیاہ خضاب کیا اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ قیامت کے روز سیاہ کریں گے۔“

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح شامل میں فرماتے ہیں :

”اکثر علماء نے سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیا ہے“

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان اس طرف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔

بعض علماء نے صرف جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب کی اجازت دی ہے اور

اس کے سوا کسی دوسرے مقصد کے لئے اجازت نہیں دی“

(۲) فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ رقمطراز ہیں :

بالوں کو خضاب کرنا کسی چیز سے سوائے سیاہ کے سب قسم درست ہے (فتاویٰ رشیدیہ

مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور ص ۴۸۲)

سیاہ خضاب مرد کو درست نہیں ہے کسی وجہ سے بھی (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۸۹)

(۳) حضرت حکیم الامتہ تھانوی قدس سرہ کا فتویٰ :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ مردوں کو

سراور ڈاڑھی میں سیاہ خضاب لگانا از روئے شرع شریف جائز ہے یا مکروہ یا حرام؟

الجواب : حرام، کیونکہ کلیاً و جزئاً و عیداً فی ہے، کما روی مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالی تحافۃ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ یوم فتح مکہ ورأسہ ولحیۃ کالتغامة بیاضاً فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غیر و اھذا بشیء واجتنبوا السواد۔

والامر للوجوب وترك الواجب یوجب الوعید (امداد الفتاویٰ ص ۲۱۸ ج ۴)

نیز حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ نے اس کے عدم جواز پر ایک مستقل رسالہ بنام ”القول

السداد فی الخضاب بالسواد“ تحریر فرمایا، ملاحظہ ہو (امداد الفتاویٰ ص ۲۱۸ ج ۴)

(۴) حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں :

وفی الحدیث الذی الشدید عن الخضاب الاسود الذی لا یتمیز بہ بین الشیخ

والشباب (الی قولہ) والوسمة اذا لم تکن اسود اشد السواد ویتمیز بین الشیخ والشباب

فجائزۃ کافی موطاً محمد (رحمہ اللہ تعالیٰ) (العرفۃ الشذی علی التوفدی ص ۱۸۱ ج ۱)

”اور حدیث میں ایسے سیاہ خضاب کی سخت ممانعت ہے جس کے استعمال سے

بوڑھے اور جوان میں امتیاز نہ ہو سکے، وسمہ جبکہ بہت گہرا سیاہ نہ ہو اور اس

سے بوڑھے جوان کے مابین امتیاز ہو سکے تو اس کا استعمال جائز ہے جیسا کہ موطا
محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے۔“

⑤ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں :
وفي الحديث قهديد شديد في خضاب الشعر بالسواد وهو مكروه كراهة تحريم
(بذل المجہود ص ۸۷ ج ۶)

”اس حدیث میں سیاہ خضاب پر سخت وعید ہے اور اس کا استعمال مکروہ تحریمی ہے۔“

⑥ مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کا فتویٰ :

سوال : جو شخص خضاب لگا دے اور سیاہ بال رکھے اسکے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

الجواب : مکروہ ہے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۸ ج ۳)

⑦ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ :

سیاہ رنگ کے خضاب کو مجاہدین کے لئے محمود اور مستحسن فرمایا ہے مگر زینت کے قصد سے

خالص سیاہ رنگ کے خضاب کو مکروہ بتایا ہے (کفایۃ المفتی ص ۱۷ ج ۹)

⑧ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے اوجز المسالک ص ۲۲ ج ۶

پر خضاب بالسواد کی کراہت مفصل دلائل کے ساتھ تحریر فرمائی ہے ، فلیراجع ۔

⑨ سیّدی و مرشدی قبلہ حضرت مفتی د شید احمد صاحب لدھیانوی دام مجدہم کا فتویٰ :

سوال : جو حافظ صاحب ڈاڑھی کو خضاب لگاتے ہوں کیا وہ تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں ؟

بیّنوا وجروا

الجواب : ہاں مدہم و اصولی : سیاہ خضاب لگانے والا فاسق ہے لہذا ایسے امام کی اقتداء

میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ، صلح امام نہ ملے تو تراویح تنہا پڑھ لیں (احسن الفتاویٰ ص ۲۹ ج ۳)

⑩ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاہپوری زاد مجدہم کا فتویٰ :

سوال : سر کے بال جوانی میں سفید ہو جائیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے ؟ بیّنوا وجروا

الجواب : سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے احادیث میں اس پر وعید آئی ہے

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹ ج ۶)

ابے ہم مجوزین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں :

مجوزین کے دلائل :

① سیاہ خضاب کو جائز سمجھنے والوں کے دلائل میں سرفہرست سنن ابن ماجہ کی یہ روایت ہے :

ان احسن ما اختصبتن به لهذا السواد ارجب لنساءکم فیکم واهبکم لکم فی صدورعدوکم -
جواب :

یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے اس کے بالمقابل خضاب بالسواد کی حرمت پر جو احادیث پیش کی گئی ہیں وہ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، نسائی وغیرہم کی روایات ہیں جو روایت و درایت ہر پہلو سے قوی و راجح ہیں۔

محشی ابن ماجہ حضرت شیخ عبد الغنی مجد دی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ان احسن ما اختصبتن به لهذا السواد هذا مخالف لروایة جابر السابقة وهو صحيح اخرجہ مسلم (الى قوله) وهذا الحديث ضعيف لان دفاع السند وسعی ضعيف كما في التقريب وعبد الحميد بن صيفي لين الحديث ومذهب الجمهور المنع -

(حاشیہ سنن ابن ماجہ ص ۲۵۸)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں :

فقہ سننہ ضعیف فلا يعارض الروایات الصحيحة (التعليق للمجد ص ۳۹۲)

② بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے کہ وہ سیاہ خضاب استعمال فرماتے تھے۔

جواب :

حرمت و مانعت کی احادیث قوی ہیں جو اصول حدیث کی رو سے فعلی روایات پر ترجیح رکھتی ہیں۔

فانہ یہ قوی احادیث مرفوع ہیں اور فعلی روایات موقوف۔

پھر سند کے لحاظ سے بھی روایات نہی قوی ہیں اور روایات اباحت بالکل ضعیف یا

موقوف۔

پس ہر پہلو سے نہی و حرمت کی روایات قوی و راجح ہیں۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خضاب بالسواد منقول ہے ممکن ہے ان حضرات

تک یہ روایات نہی نہ پہنچی ہوں، اس لئے انہیں معذور کر دانا جائز ہے گا۔

یا ان حضرات نے سیاہ خضاب ضرورت جہاد سے کیا ہوا اور یہ بات قرن قیاس بھی ہے

کہ یہ حضرات ہمہ وقت دشمن سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔

نیز یہ احتمال بھی ہے کہ سیاہ خضاب سے مراد صرف سیاہی مائل ہو جس سے شیخ و شاب کا امتیاز دشوار نہ ہو، سیاہی مائل کو بھی عموماً سیاہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

(التعلیق المجدد ص ۳۹۲، امداد الفتاویٰ ص ۲۰۹)

③ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے سیاہ خضاب کو صرف مکروہ لکھا ہے، اور مکروہ کا ارتکاب کوئی ایسا جرم نہیں کہ اس پر ایسی نکیر کی جائے۔

جواب :

احادیث میں اس کی صاف صاف مانعت آئی ہے اور اس کے مرتکب پر شدید وعید آئی ہے کما اسلفنا، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی حرام گناہ کبیرہ یا اسی قسم کے کلمات استعمال فرمائے ہیں، البتہ بعض حضرات نے فقط مکروہ لکھا ہے جس سے مراد مکروہ تحریمی ہے، قال فی البحر :

والمکروہ فی هذا الباب نوعان احدهما : ما یکرہ تحریمًا وهو الماحض عند اطلاقہم بما فی زکوۃ الفتح (والمختار ص ۶۳ ج ۱)

اور مکروہ تحریمی کا درجہ حرام یا اس سے قریب قریب ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے :
تکلموا فی معنی المکروہ والمروی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نصاب ان کل مکروہ حرام
الاتہ لما لم یجد فیہ نصاباً طاعاً لم یطابق علیہ لفظ الحرام وعن ابی حنیفۃ والبیہقی
رحمہما اللہ تعالیٰ انہ الی الحرام اقرب (ہدایہ ص ۲۵۲ ج ۲)

”مکروہ کی حقیقت میں فقہاء نے کلام فرمایا ہے، حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے، لیکن چونکہ اس کی حرمت پر انھیں نص قطعی دستیاب نہ ہوئی اس لئے اس پر حرام کا اطلاق نہ فرمایا۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ مکروہ حرام سے قریب تر ہے۔“

عوام مکروہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور اسے معمولی سا جرم تصور کرتے ہیں، حالانکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حرام و ناجائز کام پر بھی عموماً مکروہ کا اطلاق کر دیتے ہیں اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو، امام مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ویکرہ اکل الضبع والضب والسلحفاة والزنبور والحشرات کلھا (ہدایہ ص ۲۴۴ ج ۲)

”بجو، گوہ، کچھوے، بھڑ اور تمام کیڑے مکوڑوں کا کھانا مکروہ ہے۔“
 کیا کوئی سلیم نطیع مسلمان بھڑ، سانپ، بچھو اور کیڑے مکوڑوں کو صرف مکروہ
 سمجھ کر کھانے کا سوچ سکتا ہے؟

مختصر یہ کہ لفظ مکروہ کی آڑ میں کسی حرام کا ارتکاب اور اس پر مسلسل اصرار کسی
 علمی دلیل سے ناشی نہیں بلکہ اصطلاحات علمیہ سے بے خبری کا ثبوت پیش کرنا ہے اور
 اپنے جرم کی سنگینی میں دوچند اضافہ۔

(۴) حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو ان بیوی کی دلجوئی کے لئے سیاہ
 خضاب کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ اور شامیہ وغیرہ میں ان سے منسوب
 یہ قول لکھا ہے :

كما يعجبني ان تتزين لي بعجبها ان اتزين لها۔

جواب :

اس کے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :
 ”بعض لوگ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کو پیش کیا کرتے ہیں
 سو بشرط ثبوت اس روایت کے اور ان کے رجوع نہ کرنے کے جواب
 یہ ہے کہ رسم المفتی میں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ میں
 اگر اختلاف ہو تو جس کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ہونگے اس قول پر فتویٰ
 ہوگا، خصوصاً جبکہ وہ قول دلیل صریح صحیح سے مؤید بھی ہو۔

اس لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنا خلاف اصول مقررہ
 مذہب حنفی ہے اور بوجہ موجود ہونے دلیل صحیح صریح کے خلاف دیانت بھی ہے“
 (اصلاح الرسوم ص ۲۴)

خلاصہ یہ کہ اولاً تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کا ثبوت یقینی نہیں، پھر
 احتمال رجوع بھی قوی ہے، ان دونوں سے صرف نظر کر لیا جائے تو یہ ایک غیر مفتی بہ اور
 مرجوح قول ہے، چنانچہ عالمگیریہ اور شامیہ ہی میں مذکور الصدر قول کے ساتھ ہی
 یہ لکھا ہے :

ومن فعل ذلك ليزين نفسه للنساء وليحجب نفسه اليهن فذلك مكروه

وعلیہ عامۃ المشایخ (عالمگیریہ ص ۳۵۹ ج ۵، شامیہ ص ۲۲ ج ۶)

راجح و مستند مسائل کو نظر انداز کر کے متروک اقوال کے سپارے اپنا مقصد نکالنا اتباع شریعت نہیں اتباع ہوی ہے، کتب فقہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے منسوب کتنے ہی اقوال ہیں جو مرجوح و غیر مفتی بہ ہیں، مجوزین خضاب کو ان اقوال میں سے کسی قول پر عمل کرنے کا شاید عمر بھر خیال بھی دل میں نہ گزرا ہو، آخر اس ایک قول پر ہی اس درجہ اصرار کیوں ہے؟ کسی جو یائے حق مسلمان کے لئے ایک ہی راہ متعین ہے جسے جمہور علماء نے راجح و منقح قرار دیا، ورنہ ہر شخص اگر کتابوں سے اپنے من پسند اقوال چھانٹ چھٹ کر عمل شروع کر دے تو دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔

خلاصہ یہ کہ صریح احادیث اور جمہور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات کی روشنی میں سیاہ خضاب کا استعمال ناجائز ہے اور اس پر اصرار سنگین گناہ۔ حدیث کی رو سے مومن کے سر اور ڈاڑھی کا ہر سفید بال نور ہے :

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تنتفوا الشيب ما من مسلم لي شيب شيبة في الاسلام قال عن سفياث الا كانت له نورا يوم القيامة وقال في حديث يحيى الا كتب له بها حسنة وخط عنه بها خطيئة (سانن ابی داؤد ص ۱۲۳ ج ۲)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : سفید بالوں کو مت اکھاڑو حالت اسلام میں جس شخص کے بال سفید ہوں اس کے لئے قیامت کے روز نور ہونگے اور ہر سفید بال کے بدلے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک خطا معاف کی جائے گی۔“

اس ارشاد نبوت کو سامنے رکھ کر یہ لوگ خود فیصلہ کریں کہ نور کے بدلے ظلمت اختیار کر کے وہ کیا کھور رہے ہیں اور کیا پارہے ہیں؟ بڑھاپا کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتا،

روی ابو القاسم القشيري رحمه الله تعالى في الرسالة قال حكى ابو عبد الله الحسين بن عبد الله بن سعيد قال كان القاضي يحيى بن اكرم صديقي قال وكان يودني واودع فحات فكنيت اشتي ان الاله في المنام فاقول له ما فعل الله بك؟ فرأيت ليلة في المنام فقلت ما فعل الله بك؟ فقال غفر لي الا انه وبخني ثم قال لي يا يحيى خلطت على نفسك في دار الدنيا فقلت يا رب اتكلمت على حديث حدثني به ابو معاوية الصديقي عن الامام عن ابی صالح

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک قلت انی لا یجئنی ان اعذب شیبۃ بالنارف قال قد عفوت عنک یا یحییٰ وصدق نبی الا انک خلطت علی نفسك فی دار الدنیا (شذرات الذهب ص ۲ ج ۲)

”امام ابو قاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ میں روایت کی کہ ابو عبد اللہ حسین ابن عبد اللہ بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ قاضی یحییٰ بن اکثم میرے دوست تھے وہ مجھ سے محبت کرتے تھے میں ان سے محبت کرتا تھا، جب انکی وفات ہوئی تو میری خواہش رہی کہ انھیں خواب میں دیکھوں اور دریافت کروں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ آخر ایک رات انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ بولے اللہ تعالیٰ نے میری بخشش فرمادی مگر (اتنا ضرور ہوا کہ انکی بارگاہ سے) مجھے ڈانٹ پڑی اور فرمایا: ”یحییٰ! تو نے دنیا میں کچھ کوتاہیاں کی ہیں“

تو میں نے عرض کیا میرے پروردگار! (میری غفلت کی وجہ یہ ہوئی کہ) میں نے ایک حدیث پر بھروسہ کیا جو مجھے ابو معاویہ نے اعمش سے اعمش نے ابو صالح سے ابو صالح نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”مجھے سفید بالوں (بوترھے مسلمان) کو جہنم کا عذاب دیتے شرم آتی ہے“ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”یحییٰ! میں نے تمھیں معاف کر دیا اور میرے نبی نے سچ فرمایا مگر تو نے دنیا میں کچھ کوتاہیاں کی ہیں۔“

۵ رحمت حق بہانمی جوید رحمت حق بہانہ می جوید

سفید بال گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و مغفرت بہم پہنچانے کا ایک غیبی سامان ہے مگر نادان بندہ بالوں کی سفیدی چھپا کر درپردہ اس عطیہ خداوندی سے اعراض و روگردانی کر رہا ہے کیا کہنے اس حرام نصیبی کے ۵

مضی زمنی والشیب حل عمفرقی وابعدا شیء ان یرد شباب

اذا مرعمر المرء لیس برجع وان حل شیب لم یفد خضاب

مسائل متفرقہ :

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں سفید بالوں کو تبدیل کرنیکی ترغیب

تحریر فرمائی، مہندی اور رسم استعمال کرنے کی فضیلت ارشاد فرمائی، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت سے بھی خضاب ثابت ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خضاب استعمال فرمایا یا نہیں؟

اس بارے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں، اس لئے بعد کے علماء کی آراء بھی اس میں مختلف ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ استعمال نہیں فرمایا، حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے، فمنعہ الا کثرون لحديث انس رضي الله تعالى عنه وهو مذہب مالک رضي الله تعالى عنه شرح مسلم ص ۲۵۹ ج ۲)

علماء احناف کی رائے بھی یہی ہے، کما صرح بہ فی الشامیۃ ص ۲۲۲ ج ۶
لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ قول فیصل یہ فرماتے ہیں :

والمختار انہ صلی اللہ علیہ وسلم صبغ فی وقت وترکہ فی معظم الاوقات فاخبر کلہما رأی وهو صادق وهذا التأویل کامل متعین (شرح مسلم ص ۲۵۹ ج ۲)
”قول مختار یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات (مہندی اور رسم کا) خضاب فرمایا اور اکثر اوقات نہیں فرمایا، اس لئے ہر صحابی نے جو حالت مشاہدہ کی وہ بیان کر دی اور وہ اپنے قول میں سچا ہے، تطبیق کی گویا یہی صورت متعین ہے۔“

② سر اور ڈاڑھی میں سُرخ خضاب مستحب اور مسلمانوں کا خاص شعار ہے، ہاں مردوں کے لئے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا جائز نہیں کہ ہمیں عورتوں سے مشابہت ہے۔ (عالمگیریہ ص ۳۵۹ ج ۵، رد المحتار ص ۲۲۲ ج ۶)

③ بلا ضرورت چھوٹے لڑکوں کے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا بھی جائز نہیں۔ (عالمگیریہ ص ۳۵۹ ج ۵، خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۳ ج ۴)

④ عورتوں کے لئے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا مستحب ہے (مرقاۃ ص ۳۰۴ ج ۸)

⑤ مجاہد اگر دشمن پر رعب ڈالنے کے لئے سیاہ خضاب کرے تو جائز بلکہ مستحسن ہے۔ (رد المحتار ص ۲۲۴ ج ۶ وغیرہ)

(۶) سیاہ خضاب تیار کرنا اور فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ ایک محل اس کے جواز کا بھی موجود ہے یعنی دشمن پر بیعت بٹھانے کے لئے۔ لہذا بنانا اور بیچنا خلاف اولیٰ ہے۔ مگر ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں جس کے متعلق یقین ہو کہ ناجائز طور پر استعمال کرے گا، کمافیٰ ساد المحتار وغیرہ۔

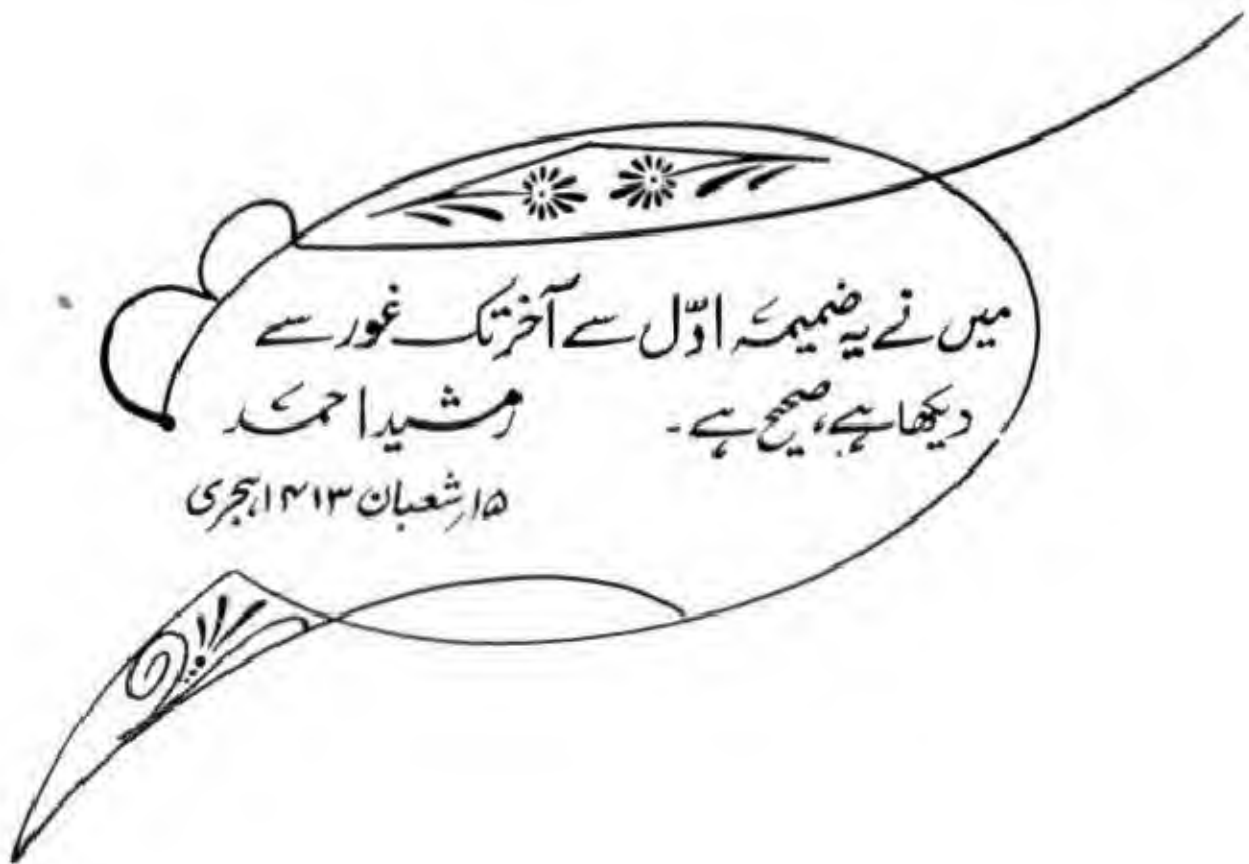
(۷) اگر کسی نے ناپاک مہندی کا خضاب لگایا پھر تین بار دھو کر صاف کر دی تو پاک ہو جائے گی گو کہ اس کا رنگ باقی رہ جائے (رد المحتار ص ۳۲۹ ج ۱)

(۸) سر پا ڈاڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑنا جائز نہیں، لما قالہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تلتفوا الشیب فانہ نور المسلم الحدیث (رواہ الاربعۃ)

محمد ابراہیم

نائب مفتی دارالافتاء والارشاد

۲۴ رجب ۱۴۱۳ھ



رواه النسائي وابوداود

عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم
ان من اهل الجنة من يمشي في الجنة
في ثياب من الجنة



وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ
يَعِزُّ عَلَيْهِ وَيُخَذُّ هَاهُنَا وَهَاهُنَا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ (٦: ٣١)

اصحاب الغراء للو قايۃ عن عذاب الغناء

گانے بجانے کی صرمت کا ثبوت
قرآن، حدیث اور اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے



افاضلہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم حنا صدیق آبادی مدظلہ

المصائبیچ الغراء للوقایة عن عذاب الغناء

گانے بجانے پر

اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت
زلزلہ ، خسف ، مسخ

(۱۰۲)

طرح طرح کے عذابوں کی وعیدیں

— آیات قرآنیہ

— احادیث مبارکہ

— ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ

گانا باجائنا حرام ہے اور ہر برائی کی جرط

سوال : ہمارے کالج میں اسلامیات کے پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ موسیقی کے آلات کے ساتھ اچھے گیت، گانے اور قوالیاں سننا شرعاً جائز ہے، اسے ناجائز اور حرام بتلانا مولویوں کی باتیں ہیں، دلیل یہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجایا گیا، بچیاں گھاتی رہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا، موسیقی کے جدید آلات بھی دف کی ترقی یافتہ شکل ہیں، موسیقی سننے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ روح کی غذا ہے اور صوفیہ کرام سماع کا مستقل شغل رکھتے تھے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے اور پروفیسر صاحب کے دلائل کا بھی جائزہ لیجئے، بیٹنوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اتم کا مقام ہے کہ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے راگ باجوں کا مٹانا اپنی بعثت کا مقصد بتایا اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نہاد امتی آج اس گناہ پر دل و جان سے فدا ہیں، بلکہ اس بیچینی کو شد جواز مہیا کرنے کے لئے سر دھڑکی بازی لگا رہے ہیں، ان ظلمت جدیدہ کے متوالوں کو یہ موٹی سی حقیقت کون سمجھائے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت چودہ سو سال سے مکمل ہے اس کا ہر مسئلہ اٹل لازوال اور قیامت تک کے لئے محفوظ ہے، تمہاری موافقت یا مخالفت سے کسی مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جو چیز شرعاً حلال ہے وہ تاقیامت حلال رہے گی اور جو چیز از روئے شرع حرام ہے وہ بھی رہتی دنیا تک حرام ہی رہے گی گو کہ دنیا بھر کے دوٹ اس کے خلاف پڑ جائیں۔

شریعت مطہرہ میں موسیقی کی حرمت کا مسئلہ بھی ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جس پر دلیل پیش کرنے کی چنداں حاجت نہیں، اس قسم کے قطعی حرام کو مباح و جائز قرار دینے کی جسارت بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی سر پہرایہ کہنے لگے کہ شریعت کی رو سے زنا، شراب نوشی، سود گاری اور رشوت جائز ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کی یادہ گوئی کسی درجہ میں بھی لائق اعتنا نہیں، نہ ہی

اس قابل ہے کہ آجکی ترمید میں وقت ضائع کیا جائے، مگر کیا کیا جائے؟ اس دور ہوا پرستی میں علم و تحقیق کے عنوان سے جو خس و خاشاک بھی پیش کیا جائے اسے مبادیات دین سے نا آشنا جدید طبقے میں ”جدید تحقیق“ کے عنوان سے جلد پزیرائی حاصل ہو جاتی ہے، اس طرح ہر کفر و الحاد اس بدست معاشرہ میں باسانی کھپ جاتا ہے۔

اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ۵

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں
ان تمہیدی سطور کے بعد ہم موسیقی کی حرمت کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

دلائل حرمت

آیات قرآنیہ :

① وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا

هَٰذَا وَادًّا لَّهٖ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (۳۱: ۶)

”اور بعض آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اسکی ہنسی اڑا دے، ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

عن ابی الصہباء البکری انہ سمع عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وهو یسأل عن
ہذہ الآیۃ (ومن الناس من یشتری لہو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ) فقال لعبد اللہ بن
مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ الغناء واللہ الذی لا الہ الا هو یرددہا ثلاث مرّات۔

و کذا قال ابن عباس وجابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعکرمۃ وسعید بن جبیر وعجاہد فکحول
وعمر بن شعیب وعلی بن بذیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

وقال المحسن البصری رحمہ اللہ تعالیٰ نزلت ہذہ الآیۃ (ومن الناس من یشتری لہو الحدیث
لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم) فی الغناء والمزامیر۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۷ ج ۳)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار قسم اٹھا کر فرمایا کہ لہو الحدیث سے مراد

گانا بجانا ہے۔

حضرت ابن عباس وجابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد،
مکحول، عمرو بن شعیب اور علی بن ہذیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔
اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ آیت گانے اور راگ باجوں کے متعلق اتری ہے۔
یہی تفسیر قرطبی ص ۱۴ ج ۱۲، بغوی ص ۲۸ ج ۲، خازن ص ۲۶ ج ۳، مدارک بھامش
خازن ص ۲۶ ج ۳، مظہری ص ۲۲ ج ۷ وغیرہ میں مفصل مذکور ہے۔

(۲) واستغفر لمن استطعت منهم بصوتك الآية (۱۷: ۶۴)

”اور پھسلانے ان میں سے جس کو تو پھسلا سکے اپنی آواز سے“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

وقوله تعالى (واستغفر لمن استطعت منهم بصوتك) قيل هو الغناء قال مجاهد رحمه الله تعالى
باللهو والغناء اي استخفهم بذلك وقال ابن عباس رضي الله تعالى عنه ما في قوله (واستغفر
من استطعت منهم بصوتك) الخ كل داع دعا الى معصية الله عز وجل وقالة قتادة رحمه الله
تعالى واختاره ابن جرير رحمه الله تعالى - (تفسير ابن کثیر ص ۵ ج ۳)

”اس آیت میں شیطانی آواز سے گانا بجانا مراد ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ (اے ابلیس!) تو انہیں کھیل تماشوں اور گانے
بجانے کے ساتھ مغلوب کر۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں
اس آیت میں ہر وہ آواز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دے،
یہی قول حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اسی کو ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ
نے اختیار فرمایا ہے“

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کے ذیل میں فرماتے ہیں :

ومن المعلوم ان الغناء من اعظم الدواعي الى المعصية ولهذا فسر صوت الشيطان به
(اغاثۃ اللفہان ص ۲۵ ج ۱)

”اور سب کو معلوم ہے کہ معصیت کی طرف دعوت دینے والوں میں گانا بجانا سب سے
بڑھ کر ہے اسی وجہ سے شیطان کی آواز“ کی تفسیر اسی کے ساتھ کی گئی“

(۳) فمن هذا الحديث تعجبون وتضحكون ولا تبكون وانتم سامدون (۵۳: ۵۹)

”سو کیا تم لوگ اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور

تم تکبر کرتے ہو۔“

لفظ ”سامدون“ کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال الغناء ہی یمانیۃ اسمہا لنا عن لسان
وکان قال عکرمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۶ ج ۲)

”ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : اس کے معنی ہیں ”گانا“ اور یہی

قول عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔“

تفسیر ابن جریر ص ۲۳ ج ۲، قرطبی ص ۱۲۳ ج ۱، روح المعانی ص ۷۲ ج ۲ وغیرہ میں
بھی یہی مذکور ہے۔

(۴) والذین لا یشہدون الزور و اذا مروا باللغو مروا کراما (۲۵ : ۷۳)

”اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے، اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس کوہو گئے
گزر رہے تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔“

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الزور الغناء (احکام القرآن ص ۳۴۲ ج ۳)

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زور کے معنی ہیں گانا بجانا۔“

علامہ حسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

وقال محمد بن الحنفیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لا یشہدون الزور واللغو والغناء۔

(معالم التنزیل ص ۲۵۱ ج ۲)

”حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بیہودہ باتوں اور گانے بجانے

کی مجلس میں شامل نہیں ہوتے۔“

امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ مختلف اقوال کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

فاولی الاقوال بالصواب فی تأویلہ ان یقال الذین لا یشہدون الزور شیئا من

الباطل لا شرکا ولا غناء ولا کذبا ولا غیرہ وكل ما لزمہ اسم الزور۔

(تفسیر ابن جریر ص ۲۹ ج ۱۹)

”سب سے صحیح قول یہ ہے کہ یوں کہا جائے : وہ (رحمن کے بندے) کسی قسم کے باطل

میں شریک نہیں ہوتے نہ شرک میں اور نہ گانے بجانے میں اور نہ جھوٹ میں

اور نہ اس کے علاوہ کسی ایسے عمل میں جس پر ”زور“ کا اطلاق ہو۔“

احادیث مبارکہ:

① لیکون من امتی اقوام یستحلون الحر والحریب والخمر والمعاذف۔

(صحیح بخاری)

”میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور راگ باجوں کو حلال قرار دیں گے۔“

② لیشر بن ناس من امتی الخمر یسہونها بغیر اسمہا یعزف علی رؤسہم

بالمعاذف والمغنیات یحسفن الله بھم الارض ویجعل منهم القردة والخنازیر۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان)

”میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے مگر اس کا نام بدل کر، انکی مجلسیں راگ باجوں اور گانے والی عورتوں سے گرم ہونگی، اللہ انھیں زمین میں دھنسا دیگا اور ان میں سے بعض کو بندر و خنزیر بنا دیگا۔“

③ عن نافع رحمہ اللہ تعالیٰ ان ابن عمر رضی اللہ عنہما سمع صوت زمارۃ راع فوضع

اصبعیه فی اذنیہ وعدل راحلۃ عن الطريق وهو یقول یا نافع! یا نافع! اسمع! اسمع! فاقول نعم!

فمضی حتی قلت لا! فرفع یدہ وعدل راحلۃ الی الطريق وقال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سمع زمارۃ راع فضع مثل هذا (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

”نافع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راہ چلتے

ایک گڈریے کی بانسری کی آواز سنائی دی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور راستے

سے ایک طرف ہٹ کر چلنے لگے اور مجھ سے بار بار پوچھتے: ”کیا بانسری کی آواز

تمھیں سنائی دے رہی ہے؟ میں جواب دیتا جی ہاں! اسی طرح انگلیاں کانوں

میں دیے چلتے رہے، حتیٰ کہ میں نے کہا: ”اب آواز نہیں آرہی“ تب انگلیاں

کانوں سے ہٹائیں اور راستے چلنے لگے، پھر فرمایا، ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ بھی بعینہ یہی واقعہ پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کانوں میں

انگلیاں دے لیں اور یہی عمل فرمایا۔“

سوچنے کا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شیطان کی آواز کو لمحہ بھر سننا

گوارا نہ فرمایا آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بیوا اس پر اس درجہ فریفتہ ہیں کہ انھیں لمحہ بھر اس کی جدائی گوارا نہیں، اور چوبیس گھنٹے انکی محفلوں کی گرم بازاری اسی لعنت پر موقوف ہے اور اس کی وبار اتنی کثرت سے ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی کوچہ و بازار سے کانوں میں انگلیاں دئیے بغیر گزر نہیں سکتا۔

(۴) فی هذه الامة خسفة ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمين يا رسول الله! ومثي ذلك؟ قال اذا ظهرت القيان والمعازف وشربت الخمر (جامع ترمذی)
”اس امت پر یہ آفتیں آئیں گی: زمین میں دھنسا، شکلوں کا مسخ ہونا، اور پتھروں کی بارش۔ ایک صحابی نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور راگ باجوں کا دور دورہ ہوگا اور سر عام شراب نوشی ہوگی“

(۵) ان الله عزة وجل بعثني هدى ورحمة للمؤمنين واهم في بمحق المزامير والاوراق والصليب وامر الجاهلية (احمد، ابوداؤد الطيالسي)
”مجھے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے ہدایت و رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور باجے، شرکیہ تعویذ گنڈے، صلیب اور زمانہ جاہلیت کے غلط کاموں کے مٹانے کا حکم فرمایا ہے“

(۶) الکوبة حرام والدان حرام والمزامير حرام (مسدد، بیہقی، بزار)
”طبہ، سارنگی حرام ہیں، اور شراب کے برتن حرام ہیں، اور باجے بانسری حرام ہیں“
شراب کے برتنوں کی حرمت کا حکم ابتداء میں تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۷) الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل،

(ابوداؤد، بیہقی، ابن ابی النبیاء)

”گانا بجانا دل میں نفاق اُگاتا ہے جیسا کہ پانی بزرے کو اُگاتا ہے“

(۸) وظهرت القينات والمعازف وشربت الخمر ولعن آخر هذه الامة اولها فارلقبوا عند ذلك ریحاحراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقد فاوايات تتابع كنظام بالقطع سلک (جامع ترمذی)
”جب گانے والی عورتوں اور راگ باجوں کا ظہور ہوا اور شرابیں کثرت سے پی جائیں

اور اس اُمت کے آخری لوگ پہلے زمانہ کے لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے لگیں تو ایسے وقت ان عذابوں کا انتظار کرو، سُرخ آنکھیاں، زلزلے، زمین میں دھنسنا، شکلوں کا بگڑنا، پتھروں کی بارش، اور ایسی نشانیاں جو پے درپے اس طرح آئیں جیسے پرانا بوسیدہ ہار جس کی لڑنی ٹوٹ جائے اور دانے ایک ایک کر کے بکھر جائیں۔“

⑨ اذا فعلت امتی خمس عشرة خصلة حلت بها البلاء وفيها واتخذت القيان والمعارف (جامع ترمذی)

”جب میری اُمت یہ پندرہ کام بکثرت کرنے لگے تو ان پر مصیبت اُترے گی منجملہ ان کے ایک یہ کہ گانے والی عورتیں اور باجے بانسریاں عام ہو جائیں۔“
⑩ صوتان ملعونان في الدنيا والآخرة مزمار عند نعمة ورنه عند مصيبة۔ (البزار، بیہقی، ابن مردویہ)

”دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں، ایک گانے کے ساتھ راگ باجوں کی آواز، دوسری مصیبت کے وقت چھینے چلانے کی آواز۔“
⑪ نھیت عن صوتین احمقین فاجرین صوت عند نعمة لهو ولعب ومزامیر الشیطان وصوت عند مصیبة لطم وجوه وشق جیوب۔

(مسند الصحاح ج ۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹ ج ۳ وغیرہا)
”میں دو حماقت اور فسق و فجور سے بھری آوازوں سے روکتا ہوں، ایک لہو و لعب اور شیطانی باجوں کے ساتھ گانے کی آواز، دوسری مصیبت کے وقت چہرے پیٹنے اور گریبانوں کو چاک کر کے نوحہ کی آواز۔“
⑫ الجرس مزامیر الشیطان (صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)
”گھنٹی شیطان کے باجے ہیں۔“

⑬ یسخر قوم من هذه الامة في آخر الزمان قردة وخنزیر قالوا یا رسول اللہ الیس یشهدون ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله قال بلی ویصومون ویحجون ویصلون قیل فما بالهم؟ قال اتخذوا المعارف والقینات (مسند ابن ابی الدنیا)
”آخر زمانہ میں اس امت کے کچھ لوگ بندروں خنزیروں کی صورت میں مسخ

کئے جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ اس بات کی گواہی نہ دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ روزے رکھیں گے، حج کریں گے اور نماز پڑھیں گے، عرض کیا گیا پھر کس سبب سے یہ عذاب ہوگا؟ فرمایا: راگ باجوں اور گانے والی لونڈیوں کا شغل اختیار کرنے کے سبب۔“

اختصار کے پیش نظر ہم انہی چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی کتاب ”کشف الغنار عن وصف الغنار“ مندرج احکام القرآن ص ۲۳ ج ۳ اس موضوع پر جامع ترین کتاب ہے جس میں مزید کئی روایات ہیں، مولانا عبد المعز صاحب نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے بنام ”اسلام اور موسیقی“ اس میں اور بھی بہت زیادہ روایات جمع کر دی ہیں۔

اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

گانے بجانے کی صرحت پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع منعقد ہے، اور ان کے مذاہب کی مستند کتب سے اس پر بیسیوں عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم صرف ایک ایک عبارت پر اکتفا کرتے ہیں :

① امام زین الدین ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

(قوله او يغني للناس) لانه يجمع الناس على ارتكاب كبيرة كذا في الهداية وظاهر ان الغناء كبيرة وان لم يكن للناس بل لاسماع نفسه، فعلا للوحشة، وهو قول شيخ الاسلام رحمه الله تعالى فانه قال بعموم المنع -

وفي المعراج الملاهي نوعان محرم وهو آلات المطربة من غير الغناء كالمن مار - سواء كان من عود او قصب كالشبابية او غيره كالعود والطنبور والمادري ابوامانة رضي الله عنه انه عليه الصلوة والسلام قال ان الله بعثني رحمة للعالمين وامرني بمحق المعازف والمزامير ولانه مطرب مصد عن ذكر الله تعالى والنوع الثاني مباح وهو الدق في النكاح - (البحر الرائق ص ۸۵ ج ۴)

”لوگوں کے سامنے گانے والے کی شہادت قبول نہیں اس لئے کہ وہ لوگوں کو ایک

کبیرہ گناہ کے ارتکاب پر جمع کر رہا ہے، ہدایہ میں یونہی ہے، اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ گانا ایک کبیرہ گناہ ہے گو کہ لوگوں کے لئے نہ گایا جائے بلکہ وحشت و تنہائی دور کرنے کے لئے صرف اپنے لئے گایا جائے، اور یہی شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ انھوں نے گانے کو مطلقاً منع لکھا ہے۔

اور معراج الدرایۃ میں ہے کہ کھیل تماشے و قسم کے ہیں، ایک تو حرام ہے، اور وہ ہے گائے بغیر صرف ہیجان و مستی پیدا کرنے والے آلات کی آواز جیسے بانسری خواہ لکڑی کی ہو یا نرکل کی جیسے شباہ، یا بانسری کے سوا کوئی اور آلہ ہو جیسے عود و طنبور۔

حرمت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے باجے تماشے اور بانسریاں مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔

حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مستی آور اور ذکر الہی سے مانع ہے۔ اور تفریح کی دوسری قسم جائز ہے اور وہ ہے نکاح کے موقع پر دن بجانا۔ اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) علامہ محمد بن محمد خطاب مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

قال فی التوضیح الغناء ان کان بغیر آلة فهو مکروه۔

واما الغناء بالآلة فان كانت ذات اوتار كالعود والطنبور فممنوع وكذلك المزمار والظاهر عند بعض العلماء ان ذلك يلحق بالمحرمات وان كان محمد اطلق في سماع العود انه مکروه، وقد يريد بذلك التحريم۔ ونص محمد بن الحکیم علی ان سماع العود ترذبه الشهادة قال وان کان ذلك مکروها علی کل حال وقد يريد بالکراهة التحريم كما قد منا (مواهب الجلیل ص ۱۵۳ ج ۶)

”توضیح میں ہے کہ گانا اگر بغیر آلات موسیقی کے ہو تو وہ مکروہ ہے، یہاں مکروہ سے مراد حرام ہے۔

اور آلات کے ساتھ گانا اگر ایسے آلہ کے ساتھ ہے جو تاروں والا ہے جیسے عود اور طنبور تو یہ گانا ممنوع ہے اور اسی طرح بانسری بھی ممنوع ہے۔

محمد بن حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ عود سننے والے کی گواہی رد کی جائیگی، اس کا سننا ہر حال میں مکروہ ہے، یہاں مکروہ سے حرام مراد ہے جیسے گزر چکا۔

③ امام ابو حامد غزالی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ حرمت غناء کے متعلق حضرت امام ابو حنیفہ سفیان ثوری، مالک بن انس و دیگر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

وقال الشافعی رحمہ اللہ فی کتاب آداب القضاء : ان الغناء لہو مکروہ یشبہ الباطل ومن استکثر منه فہو سفیہ تردّ شہادۃ۔

قال الشافعی رضی اللہ عنہ صاحب الجاریۃ اذا جمع الناس لسماعہا فہو سفیہ تردّ شہادۃ۔

وحکی عن الشافعی رحمہ اللہ انہ کان یکرہ الطقطقة بالقضیب ویقول وضعتہ الزنادقة لیشتغلوا بہ عن القرآن (احیاء علوم الدین ص ۲۶۹ ج ۲)

”امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب آداب القضاء میں لکھتے ہیں کہ گانا بجانا ایک مکروہ اور باطل مشغلہ ہے، جو اس میں زیادہ انہماک رکھے وہ احمق ہے، اس کی گواہی رد کر دی جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گانے والی لونڈی کا مالک اگر گانا سننے کے لئے لوگوں کو جمع کرے تو وہ بھی احمق اور مردود الشہادۃ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ چھڑی بجانے سے جو ٹمک ٹمک کی آواز پیدا ہو وہ بھی مکروہ و ناپسندیدہ ہے، یہ فتنہ زدق لوگوں کی ایجاد ہے تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو قرآن مجید سے غافل کر دیں۔“

④ علامہ علی بن سلمان مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

قال فی الرعاۃ یکرہ سماع الغناء والنوح بلا الہ لہو ویحرم معہا وقیل بدوئھا

من رجل وامرأة (الانصاف ص ۵۵ ج ۱۲)

”الرعاۃ میں ہے کہ گانا اور نوح آلات موسیقی کے بغیر مکروہ ہے، اور ان آلات کے ساتھ حرام ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان آلات کے بغیر بھی حرام ہی ہے“

خواہ مرد کی آواز ہو یا عورت کی ”
آگے لکھتے ہیں :

قال فی الفروع بکرمه غناء وقال جماعة یحرم وقال فی الترغیب اختاره الاکثر
(حوالہ بالا)

”فروع میں لکھا ہے کہ گانا مکروہ ہے اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ
حرام ہے، اور ترغیب میں لکھا ہے کہ اکثر حضرات نے اس قول حرمت کو
اختیار کیا ہے“

نتیجہ میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ مکروہ بھی حکم حرام ہی ہے۔

عذر گناہ :

موسیقی کے جواز پر عموماً دو دلائل پیش کئے جاتے ہیں :

① شادی کے موقع پر دف بجانا حدیث سے ثابت ہے اور موسیقی بھی دف ہی کی
ترقی یافتہ شکل ہے۔

جواب : احادیث میں جس دف کا ذکر ہے وہ صرف نکاح کے موقع پر کچھ دیر کے
لئے بجایا جاتا تھا، شادی کے علاوہ بلا ضرورت دف بجانے والوں کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ دروں کی سزا دیتے تھے۔

ان الفاروق رضی اللہ عنہ اذا سمع صوت الدف بعث ینظر فان کان فیہ لولیمۃ
سکت وان کان فی غیرہ عمل بالدرة (فتح القدیر ص ۳۶ ج ۶، البحر الرائق ص ۸۸ ج ۷)
پھر دف پیٹنے والی عموماً، بچیاں ہوتی تھیں مردوں کا دف پیٹنا کہیں ثابت نہیں۔
پھر یہ دف بھی اہل عرب کی عادت کے مطابق بالکل سادگی سے پیٹا جاتا تھا نہ اس میں
جھانجھ ہوتی تھی نہ رقص و سرود یا طرب و مستی کا کوئی اور نشان، فی زمانہ ایسے دف کا وجود
کہیں نظر نہیں آتا۔

معہذا مذکورہ بالا شرائط کی رعایت سے دف پیٹنے کی گنجائش بھی حضرت امام شافعی
رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، احناف میں سے اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اسے بھی ناجائز قرار
دیتے ہیں۔

قال التوربشتی رحمہ اللہ تعالیٰ انہ حرام علی قول اکثر المشائخ وما ورد من ضرب

الدفع فی العرس کنایۃ عن الاعلان (امداد الفتاویٰ ص ۲۸۳ ج ۲)

”امام تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دف اکثر مشایخ کے قول کے مطابق حرام ہے

اور شادی کے موقع پر جو دف بجا نا ثابت ہے اس سے اعلان و تشہیر مراد ہے“

امداد الفتاویٰ میں تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بحوالہ شرح نقایہ، نصاب الاحتساب و

بستان العارفین منقول ہے آخری دو کتابیں موجود نہیں، شرح نقایہ میں سرسری تلاش سے

دستیاب نہیں ہوا، بہر حال نصوص محرمہ کے پیش نظریہ توجہ نہ کرنا لازم ہے، اور یہ کوئی تاویل بعید

نہیں عام محاورات کے مطابق ہے۔

اعلان و تشہیر کے لئے یہ کنایہ عرف عام میں بہت مشہور اور زبان زد ہے، مثلاً :

”ببانگ دہل کہہ رہے ہیں“

”ڈھول بجا رہے ہیں“

”ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں“

”نقارہ پیٹ رہے ہیں“

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ یہ اختلاف سادہ دف کے متعلق ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں :

المراد به الدفع الذی کان فی زمن المتقدمین وامامنا علیہ الجلالہ فینبغی ان

یکون مکروہاً بالاتفاق (مرقاۃ المفاتیح ص ۲۱ ج ۶)

”اس سے مراد وہ دف ہے جو متقدمین کے دور میں استعمال ہوتا تھا، جہاں جہ دار دف

بالاتفاق مکروہ ہے“

مکروہ کا اطلاق حرام پر کیا گیا، جیسے اوپر گزرا۔

(۲) بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ ساز بجا کر سماع کرتے تھے۔

جواب : اول تو مسائل شرعیہ میں کسی صوفی کے قول و عمل سے استناد خلاف اصول ہے،

اس موقع پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جو خود بہت بڑے صوفی اور عارف ہیں ان کا یہ

ارشاد یاد رکھنے کے قابل ہے :

عمل صوفیہ در حل و حرمت سندیست، ہمیں بس است کہ ما ایشان را معذور داریم و ملا

نہ کنیم، و ما ایشان را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم، اینجا قول ابی حنیفہ و امام ابی یوسف

وامام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی وابو حسن نوری رحمہما اللہ تعالیٰ -
(مکتوبات صفحہ ۳۳۵ دفتر اول)

”حلت و حرمت میں صوفیہ کا عمل حجت نہیں، بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم انھیں معذور گردانیں اور ان پر ملامت نہ کریں، اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں، یہاں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی وابو الحسن نوری رحمہما اللہ تعالیٰ کا عمل۔“

دوسرے ان صوفیہ کا سماع مخصوص احوال میں بطور دوا، و علاج ہوتا تھا اور اس میں وہ حضرات بہت سی شرائط ملحوظ رکھتے تھے جن کی تفصیل یہ ہے:

قال الخیر الرملی رحمہ اللہ تعالیٰ:

ومن اباحہ من المشایخ الصوفیۃ فلمن تخلی عن الهوی وتخلی بالتقوی واحتاج الی
ذلک احتیاج المریض الی الدوا واولہ شرائط:

احدھا: ان لا یكون فیہم امرء۔

والثانی: ان لا یكون جمیعہم الا من جنسہم لیس فیہم فاسق ولا اہل الدنیا
ولا امرأۃ۔

والثالث: ان تكون نیتہ القوال الاخلاص لا اخذ الاجر والطعام۔

والرابع: وان لا یجتمعوا لاجل طعام او فتوح۔

والخامس: لا یقومون الا مغلوبین۔

والسادس: لا یشہرون وجداً الا صادقین (الفتاویٰ الخیریۃ ص ۱۷۹ ج ۲)

”اور مشایخ صوفیہ میں سے جس نے سماع کو جائز کہا ہے تو ان شرطوں سے کہ صاحب سماع خواہش نفس سے پاک اور زیور تقویٰ سے مزین ہو، اور سماع کے لئے اسے ایسی احتیاج و مجبوری ہو جیسے مریض کو دوا کے لئے ہوتی ہے، اور اس کے جواز کے لئے کئی شرائط ہیں:

پہلی شرط: سماع کرنے والوں میں کوئی بے ریش نہ ہو۔

دوسری شرط: سب عارفین کاملین ہوں، ان میں کوئی فاسق و فاجر طالب دنیا اور عورت نہ ہو۔

بتیسری شرط : قوال کی نیت اخلاص پر مبنی ہو مزدوری، معاوضہ اور کھانا نہ نظر ہو۔
 چوتھی شرط : مجمع کھانے یا دیگر دنیوی اغراض کے لئے اکٹھا نہ ہوا ہو۔
 پانچویں شرط : اس دوران قیام نہ کریں الا یہ کہ مغلوب اور بے خود
 ہو جائیں۔

چھٹی شرط : وجد وستی کا اظہار نہ کریں الا یہ کہ سچے ہوں، ریا و تصنع نہ ہو۔
 پھر ان شرائط کی پابندی کے ساتھ بھی سماع صرف کامل درجہ کے منتہی عارفین کرتے تھے۔
 مبتدی سالک کو سختی سے منع فرماتے تھے۔

امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر سماع سے توبہ کی کہ اب ان
 شرطوں کی پابندی اٹھتی جا رہی ہے۔

قال للشيخ السهروردي رحمه الله تعالى :

وقبل ان الجنيد ترك السماع فقبل له كنت تستمع ؟ فقال مع من ؟ قبل له
 تسمع لنفسك ؟ فقال مع من ؟ لانهم كانوا يسمعون الا من اهل مع اهل فلما
 فقد الاخوان ترك فما اختاروا السماع حيث اختاروه الا بشروط وقيود واداب
 (عوارف المعارف ص ۱۱۴)

”حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ نے سماع چھوڑ دیا تھا، آپ سے دریافت کیا گیا: آپ سنتے
 تھے؟ فرمایا: کس کے ساتھ؟ عرض کیا گیا: آپ تنہائی میں سنتے ہیں؟ فرمایا: کس سے؟
 یہ حضرات قیود و شروط سے سنتے تھے جب وہ مفقود ہو گئیں تو سماع چھوڑ دیا۔“
 حضرت مفتی اعظم قدس سرہ رقمطراز ہیں :

ان هذه الشرائط لا تكاد توجد في زماننا فلا رخصة في السماع في عصرنا اصلا
 كيعرف؟ وقد تاب سيد الطائفة جنيد قدس سره عن السماع لعدم استجماع الشرائط في عصره -
 (احكام القرآن ص ۲۳ ج ۳)

”یہ شرائط ہمارے زمانہ میں قطعاً نہیں پائی جاتیں، لہذا اس دور میں سماع کی قطعاً
 اجازت نہیں، اور اجازت ہو بھی کیونکر؟ جبکہ سید الطائفہ حضرت جنید قدس سرہ
 نے بایں سبب سماع سے توبہ کی تھی کہ انکے زمانہ میں تمام شرائط کی پابندی نہ رہی۔“
 کوئی انصاف سے کہے کہ آج کل کی قوالی کو صوفیہ کے سماع سے کوئی دُور کی نسبت بھی؟

صوفیہ کا مقصد وحید اصلاح قلب تھا جبکہ یہاں حظ نفس اور لذت کو شہی کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں۔

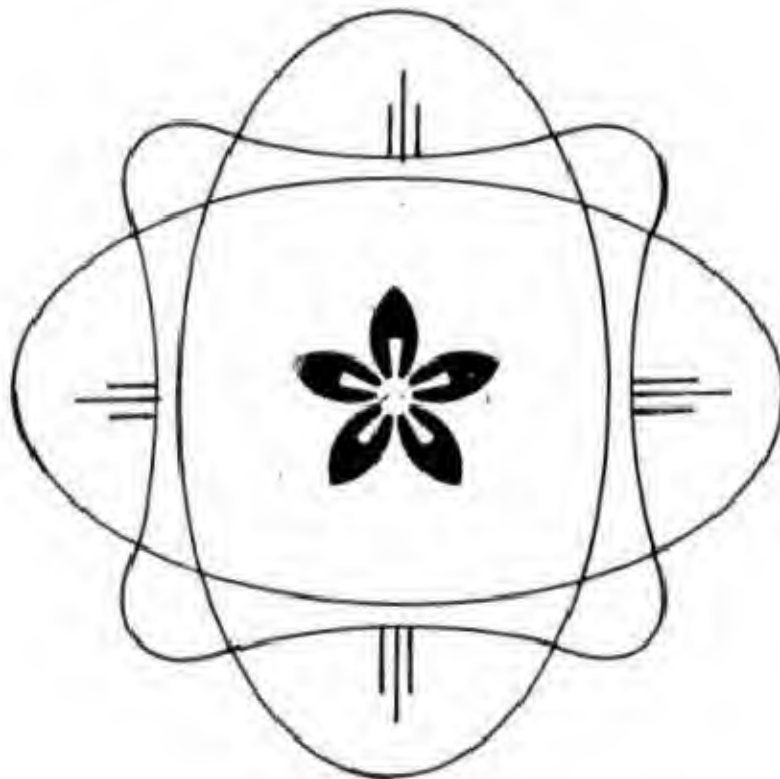
باقی یہ دلیل کہ موسیقی روح کی غذا ہے لا جواب ہے۔ واقعی! جو خبیث روحین قرآن و حدیث کی شیریں آواز سے چین نہ پاتی ہوں، اور ذکر اللہ کی شراب صافی سے بھی اُنھیں حظ نہ ملتا ہو تو انکی غذا غنا، و مزامیر اور موسیقی ہی ہو سکتی ہے، نصیب اپنا اپنا۔

خلاصہ :

راگ باجوں، ساز و موسیقی اور مروج قسم کی قوالیوں کا سننا شریعت کی رو سے حرام ہے، ان منکرات کو جائز کہنا الحاد و بے دینی کے سوا کچھ نہیں، انھیں جائز ثابت کرنے کی نامبارک کوششیں درحقیقت وہی الحاد ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے کہ اس اُمت کے کچھ لوگ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کریں گے مگر جائز و حلال سمجھ کر۔ واللہ العاصم من جمیع الفتن وهو الہادی الی سبیل الرشاد۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دارالافتاء والارشاد
۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ ہجری



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَعَلَىٰ آثَانِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

لِيُصَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ

هَذَا وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَدَاةَ الْمُجْرِمِينَ ○
(٦١٣)



قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
وَمَا مِنْ نَفْسٍ تَكُونُ بَيْنَكُمْ لِمَصَافِحَةٍ إِلَّا هِيَ
وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانُوا إِذَا تَلَّاهُمْ تَصَافَحُوا وَإِذَا قَدَّموا مِنْ سَفَرٍ تَعَانَقُوا (أَوْسَطُ طَبَقٍ)

مُصَافِحَةٌ وَمُعَانَقَةٌ

① دو ہاتھوں سے مصافحہ مستحب ہے۔

② بوقت وداع بھی مصافحہ مستحب ہے۔

③ مُعَانَقَةُ میں سینہ ملا کر

④ مُعَانَقَةُ کا حکم۔

⑤ پاکستان ابوبندستان میں مُعَانَقَةُ کے مرقہ طبع کے مفائد۔

مُصَلِّحَةٌ و مُعَالِفَةٌ

- أَحَادِيثُ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -
- تَعَامُلُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ -
- اقْوَالُ الْمُحَدِّثِينَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى -
- تَعَامُلُ الْمُحَدِّثِينَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى -
- اقْوَالُ الْأَثَمَةِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى -
- نصوص الفقهاء رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى -
- روايات مختلفة واقوال متباينة من صور ترجيح وتوفيق -
- تعامل الأمة الغراء والملة البيضاء -



مصافحہ و معانقہ کے چار مسائل

① دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مستحب ہے؛

سوال : مصافحہ کا صحیح طریقہ شریعت اسلامیہ میں کیا ہے ؟ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ پر ایک صاحب نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ طریقہ کسی حدیث سے ثابت نہیں، دلیل شرعی درکار ہے۔ معترض صاحب کی تحریر ارسال ہے۔ بیٹو! توجروا

الجواب باسمہم الصواب

مصافحہ میں دونوں ہاتھ ملانا مستحب ہے۔

روایات الحدیث:

قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم التّشہد وکفی بین

کفیه (صحیح بخاری ص ۹۲ ج ۲، صحیح مسلم ص ۱۷۲ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۷۵ ج ۱)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو باب المصافحہ میں ذکر کر کے ثبوت مصافحہ پر استدلال کیا ہے، اس میں مصافحہ بالیدین کا ذکر ہے، اس لئے یہ مطلق مصافحہ کے ثبوت کے ساتھ ساتھ دو ہاتھوں سے مصافحہ کے ثبوت کی بھی دلیل ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”باب الاخذ بالیدین“ میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر، عینی، کرمانی اور قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے باب المصافحہ اور باب الاخذ بالیدین میں اس روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال پر کوئی اشکال نہیں فرمایا، یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی یہ استدلال صحیح ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفین کا ذکر صراحتاً ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفین کا ذکر دلالتاً، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک حاصل کرنے کے لئے اپنے جسم کا زیادہ سے زیادہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدمبارک سے ملانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے پیش نظر یہ ناممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرما رہے ہوں اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہاتھ سے۔ ایسے جانباز عشاق سے ایسی شرمناک گستاخی کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا

اس حدیث میں مصافحۃ التعلیم کا ذکر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے مصافحۃ مطلقہ ثابت کیا ہے جو مصافحۃ الملاقاة کو بھی شامل ہے، اور اسی مقصد کے لئے امام نے حماد بن زید و عبد اللہ ابن المبارک کے مصافحۃ الملاقاة کا ذکر کیا ہے۔

امام کا مصافحۃ التعلیم سے مصافحۃ الملاقاة پر استدلال بالکل واضح ہے، اس لئے کہ جس طرح تعلیم موقع مودت و محبت ہے اسی طرح ملاقات بھی۔ مدعیان فرقہ کا دعویٰ بالکل بلا دلیل ہے، ان کے پاس نہ کوئی روایت دلیل ہے نہ روایت۔

(۲) اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ تعلیقاً: وصافح حماد بن زید ابن المبارک

بیدیہ (صحيح بخاری ص ۹۲ ج ۲)

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: وصلہ غنجاہ فی تاریخ بخاری من طریق اسحاق بن احمد ابن خلف قال سمعت محمد بن اسماعیل البخاری يقول سمع ابی من مالک ورأی حماد بن زید یصافح ابن المبارک بکلتا یدیه، وذكر البخاری فی التاریخ فی ترجمۃ ابیہ غوہ وقال فی ترجمۃ عبد اللہ بن سلمۃ المرادی حدثنی اصحابنا یحییٰ وغیرہ عن ابی اسماعیل بن ابراہیم قال رأیت حماد ابن زید وجاءہ ابن المبارک بمکۃ فصافحہ بکلتا یدیه (فتح الباری ص ۲ ج ۱۱)

حماد بن زید اور عبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالیٰ اپنے زمانے کے جہاں الحدیث اور کبار ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔

قال عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ: الائمة اربعة مالک وسفیان الثوری وحماد بن زید وابن المبارک (تذکرۃ الحفاظ ص ۲ ج ۱)

(۳) قال عروۃ قالت عاشتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فمن اقرب هذا الشرط من المؤمنات قال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بايعتك کلاما ولا والله ما مست یدہ ید امرأۃ قط فی المبايعۃ ما یمایعہن الا بقولہ قد بايعتك۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله قال لہا) ای للمبايعۃ منہن قد بايعتك کلاما وهو منصوب بنزع الخافض وهو من قول عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والتقدیر کان یمایع بالكلام ولا یمایع بالید کالمبايعۃ مع الرجال بالمصافحۃ بالیدین (معدۃ القاری ص ۲۳ ج ۱۹)

وقال القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ای بالكلام لا بالید کما کان یمایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین (ارشاد الساری ص ۳۸ ج ۷)

اس حدیث میں اگرچہ مصافحۃ المبایعۃ کا بیان ہے مگر اس سے مصافحۃ المداقۃ کا بھی یہی طریق ثابت ہوتا ہے، لما قدمنا تحت الحدیث الاول -

دلائل مانعین کا تجزیہ :

اس سلسلہ میں تحریرِ مرسل میں مندرجہ دلائل کے مآخذ کے مراجعہ کی ضرورت نہیں، اس لئے محسوس کی عبارات بعینہا پیش کی جاتی ہیں :

دلیل اول :

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے :

فياخذ بیده ویصافحه ؟ قال نعم (سنن ترمذی ص ۱۹ ج ۲)

دلیل ثانی :

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا ودع رجلا اخذ بیده (ابوداؤد ص ۲۵۱ ج ۳)

دلیل ثالث :

قاموس وغیرہ کتب لغت میں ہے :

ان المصافحة هو الاخذ باليد وبأعضائها وضع صمغ الكف في صمغ الكف -

وفي شرح المشكوة : ان المصافحة هي الاقضاء بصفحة اليد الى صفحة اليد -

جوابات اولہ ثلاثہ مذکورہ :

① انسان کے جسم میں جو اعضاء دو دو ہیں ان میں صیغہ مفرد بطور جنس بولا جاتا ہے، مراد دونوں اعضاء ہوتے ہیں، مثلاً :

ولا تجعل يدك مغلولة الى عنقك -

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده -

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

ان نصوص میں يد بصیغہ مفرد ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس سے صرف ایک ہاتھ اور وہ بھی

دایاں مراد نہیں، بلکہ جنس مراد ہے جو دونوں ہاتھوں کو شامل ہے -

اسی لئے عام اصطلاح میں بیعت کو ”ہاتھ میں ہاتھ دینا“ کہا جاتا ہے، حالانکہ بیعت دونوں ہاتھوں

سے ہوتی ہے - کما صریح حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا -

② اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ يد سے يد واحد ہی مراد ہے تو یہ یدین کے عدم ثبوت کو مستلزم نہیں -

دلیل رابع :

روی ابن عبد البر فی التمهید بسند صحیح عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ترون یدی هذه صاغت بھار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (تحفة الاحوذی ص ۲۸۵ ج ۶)

جواب :

اس سے استدلال بوجہ ذیل تام نہیں :

① اس میں دوسرے ہاتھ کی نفی نہیں ۔

② جب دو شخص دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کا ایک ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتا ہے، ممکن ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہاتھ دکھایا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا اور اس ہاتھ کی یہی خصوصیت بتانا مقصود ہو۔

③ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی حالت میں بھی درحقیقت مصافحہ ایک ہی ہاتھ سے ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کے ایک ہی ہاتھ کی پھیلی دوسرے کی پھیلی سے ملتی ہے اور مصافحہ کے معنی ہیں ”پھیلی کو پھیلی کے ساتھ ملانا“

④ ثبوت ”ید“ عدم ثبوت ”یدین“ کو مستلزم نہیں ۔

دلیل خامس :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

تمام النخبة الاخذ بالید والمصافحة بالیمنی رواہ الحاکم فی الکنی . (فتاویٰ نذیریہ ص ۲۲۳ ج ۳)

جواب :

اس سے استدلال بھی بوجہ ذیل صحیح نہیں :

① یہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی دلیل ہے، اس لئے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی صورت میں ہی جانبین کے دائیں ہاتھ کی پھیلی دوسرے کے دائیں ہاتھ کی پھیلی سے ملتی ہے اور بائیں ہاتھ سے دوسرے کے دائیں ہاتھ کو پکڑا جاتا ہے، بائیں ہاتھ کی پھیلی دوسرے کے ہاتھ کی پھیلی سے نہیں ملتی ۔

والاصل فی العطف المغایرة ۔

② عدم ثبوت ”یدین“ کو مستلزم نہیں ۔

بعض شبہات کے جوابات :

شبہ اولی :

حافظ عسقلانی اور حافظ قسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدم

ثبوت مصافحہ عند الملاقاة کی تصریح کی ہے، حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن ثمر افرادها بترجمة تلي هذه لجواز وقوع الاخذ باليد من غير حصول المصافحة (فتح الباری ص ۴ ج ۱۱)

نیز حاشیہ صحیح بخاری ص ۹۳ ج ۲ میں عسقلانی وقسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

ولما كان الاخذ باليد يجوز ان يقع من غير مصافحة افراده بهذا الباب۔

جواب:

حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبارت یوں ہے:

وجہ ادخال هذا الحديث في المصافحة ان الاخذ باليد يستلزم التقاء صفحة اليد بصفحة اليد غالباً ومن ثمر افرادها بترجمة تلي هذه لجواز وقوع الاخذ باليد من غير حصول المصافحة (فتح الباری ص ۴ ج ۱۱)

اس پوری عبارت اور اس کے محل وقوع کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوا کہ اس موقع پر محرر سے تین لغزشیں ہوئی ہیں یادداشت کی ہیں:

① یہ عبارت حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے مگر محرر نے اس کا جوڑ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لگا دیا ہے۔

② عبارت کا پہلا حصہ حذف کر دیا ہے۔

③ اصل عبارت میں ”لجواز وقوع الاخذ باليد“ ہے جس کو محرر نے ”باليدین“ کر دیا ہے۔ چونکہ حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہ تو ذکر ”کف“ ہے اور نہ ذکر ”مصافحہ“ صرف ”اخذ باليد“ مذکور ہے، اس لئے اس کی ”باب المصافحہ“ سے مناسبت ظاہر نہیں، لہذا حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وجہ مناسبت یوں بیان فرما رہے ہیں کہ ”اخذ باليد“ غالباً مصافحہ کو مستلزم ہے۔

سو حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ تو حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال کو صحیح قرار دے رہے ہیں اور اس سے مصافحہ کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

آگے یہ بحث رہ جاتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”باب المصافحہ“ کے بعد ”باب الاخذ باليد“ کیوں رکھا؟ سو حافظ عسقلانی وقسطلانی رحمہما اللہ تعالیٰ اس کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اخذ باليد بدون المصافحہ کا بھی احتمال ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے باب میں حماد بن زید و عبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالیٰ کے عمل اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ثابت کرنا

چاہتے ہیں کہ اخذ بالید میں اصل او غلب یہی ہے کہ وہ مصافحہ ہی کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ اسی باب میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال ابن بطلال رحمہ اللہ تعالیٰ بالید هو مبالغۃ المصافحۃ وذلك مستحب عند العلماء (فتح الباری ص ۱۱ ج ۱۱)

اگر حسب زعم محرر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ”باب الاخذ بالید“ سے اخذ بالید بدون المصافحہ کا بیان مقصود ہوتا تو وہ اس باب کے تحت دلائل مصافحہ کیوں لاتے؟

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ”باب الاخذ بالیدین“ ہے اس کے پیش نظر اس سے طریق مصافحہ کا بیان مقصود ہے کہ دو ہاتھوں سے ہونا چاہیے اور پہلے باب سے نفس مصافحہ کا اثبات مقصود ہے۔
شبیہ ثانیہ:

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جس مصافحہ کا ذکر ہے وہ مصافحہ متوارثہ عند الملاقاة نہیں تھا بلکہ ایک طریقہ تعلیمیہ تھا۔

جواب:

اس کی تفصیل اثبات المصافحہ بالیدین کی دلیل اول کے تحت گزر چکی ہے۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ:

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی مذکورہ روایات حدیث کے مطابق مصافحہ میں دونوں ہاتھ ملانے کو سنت قرار دیا ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: وفي القنیۃ السنۃ فی المصافحۃ بکلّ ید یدہ وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وتمام الخ) ونضہ وہی الصاق صفحۃ الکف بالکف واقبال الوجه بالوجه فاخذ الاصابع لیس بمصافحۃ خلافا للروافض والسنۃ ان تكون بکلّ ید یدہ وبغیر حائل من ثوب او غیرہ وعند اللقاء بعد السلام الخ

(رد المحتار ص ۲۴ ج ۵)

الحاصل:

ایک ہاتھ سے مصافحہ جائز اور دو ہاتھوں سے مستحب ہے۔

دلائل الاستحباب :

- ① احادیث یدین ناقابل تاویل ہیں اور روایات یدمحملة التأویلات ۔
 - ② حماد بن زید و عبد اللہ بن المبارک رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے حبیل القدرائۃ کا عمل ۔
 - ③ ان کے عمل پر حاضرین و سامعین میں سے کسی کا نکیر نہ کرنا، بلکہ مشہورائۃ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس سے استدلال کرنا ۔
 - ④ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ۔
 - ⑤ چار مسلم جبال الحدیث حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ بدر الدین عینی، علامہ کرمانی اور حافظ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی تائید و تقریر ۔
 - ⑥ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ۔
 - ⑦ ادب کا مدار عرف پر ہے اور صالحین کے عرف میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کو خلاف ادب سمجھا جاتا ہے، کسی بڑے کو کوئی چیز پکڑتے وقت ادباً دونوں ہاتھ استعمال کئے جاتے ہیں تو مصافحہ میں دونوں ہاتھوں کو بڑھانا بطریق اولیٰ مقتضائے ادب ہوگا ۔
 - ⑧ علماء و صلحاء امت کا تعامل و توارث ۔
 - ⑨ ایک ہاتھ سے مصافحہ کفار و فجار کا شعار ہے ۔
 - ⑩ محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
- ۱۰۔ ارشوال ۹۵ھ ۔

② ثبوت مصافحہ بوقت وداع :

سوال : ایک شخص کہتا ہے کہ رخصت ہوتے وقت صرف سلام مسنون ہے، مصافحہ ثابت نہیں، حالانکہ یہ تمام اکابر علماء کا معمول ہے، اس بارے میں تشفی فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بوقت وداع مصافحہ متعدد احادیث کے علاوہ درایۃً بھی ثابت ہے ۔

- ① عن ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تمام التعیۃ الاخذ بالید و هذا حدیث غریب ولا نعرفہ الا من حدیث یحییٰ بن سلیم عن سفیان و سألت محمد بن اسمعیل عن هذا الحدیث فلم یعدہ محفوظا (جامع الترمذی ص ۱۲ ج ۲)

اس حدیث ضعیف کو محض تائیداً نقل کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث ثانی کے تحت مندرجہ وجوہ سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔

(۲) اخرج الامام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ: عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وتمام تحیاتکم بینکم المصافحۃ۔ (مسند احمد ص ۲۶ ج ۵)

وکذا اخرجہ الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ ایضاً وقال: ہذا اسناد لیس بالقوی قال محمد علی بن یزید ضعیف (جامع الترمذی ص ۲ ج ۲)

وقال العلامة احمد البناء المعروف بالساعاتی رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا الی الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال اسنادہ لیس بالقوی ونقل عن البخاری ان عبید اللہ بن زحر وکذا القاسم ثقتان لکن علی بن یزید ضعیف اھ وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث الترمذی سندہ لین اھ وقال الحافظ السيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لہ شواہد تعضدہ (منہا) عن ابی رھم السمعی عند الطبرانی (ومنہا) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند البیہقی (ومنہا) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عند ابن السنی وغیر ذلک، واللہ اعلم (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ص ۱۶۳ ج ۱۹) یہ حدیث بوجوہ ذیل قابل قبول ہے۔

(۱) ضعف حدیث فضائل میں مضر نہیں۔

(۲) معضد بالشواہد ہے۔

(۳) دوسری احادیث قولیہ وفعلیہ اور حکم درایہ سے مؤید ہے۔

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلاً اخذ بیدہ فلا یدعھا حتی یکون الرجل هو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول استودع اللہ دینک وامانتک وآخر عملک وفي رواية وخواتیم عملک رواہ الترمذی وابوداود وابن ماجہ وفي روايتھما یدکر وآخر عملک (مشکوۃ ص ۲۱۲ ج ۱)

(۴) عن قرعۃ قال کنت عند عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فارادت الانصراف فقال: کما انت حتی اودعک کما ودعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ بیدی فصافحتی ثم قال استودع اللہ دینک وامانتک وخواتیم عملک۔

(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی حدیث نمبر ۵۱)

تأویلات المانعین:

تأویل اول: تحیہ سلام قدوم کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہ خیال بوجہ ذیل باطل ہے:

① بلا دلیل اور خلاف ظاہر ہے۔ لفظ تحیہ مطلق ہے جو سلام قدوم و وداع دونوں کو شامل ہے۔

② قولہ تعالیٰ ”واذا حییتہم بتحیۃ فحیوا باحسن منها“ کے تحت حضرات مفسرین

رحمہم اللہ تعالیٰ سلام و وداع بھی تحریر فرماتے ہیں، اس بھی ثابت ہوا کہ سلام و وداع بھی تحیہ میں داخل ہے۔

③ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا انتقی

احدکم الی مجلس فلیسلم فان بدالہ ان یجلس فلیجلس ثم اذا قام فلیسلم فلیست الاولی

باحق من الآخرۃ (جامع الترمذی ص ۲ ج ۲)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام قدوم کو سلام و وداع پر کوئی فضیلت نہیں، اس لئے اتمام

بالمصافحہ میں بھی دونوں مساوی ہیں۔

تأویل ثانی: اخذ بلا قصد مصافحہ ہوتا تھا۔

یہ خیال بھی بوجہ ذیل باطل ہے:

① بلا دلیل اور خلاف ظاہر ہے۔

② مصافحہ کی حقیقت ہی اخذ ہے۔

وقد مر فی الحدیث الاول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من تمام التحیۃ الاخذ بالید۔

ولذا احتج بہ البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب المصافحۃ۔

وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: قال ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ: الاخذ بالید هو مبالغۃ

المصافحۃ وذلك مستحب عند العلماء (فتح الباری ص ۳ ج ۱)

وقال لافریقۃ: المصافحۃ الاخذ بالید والتصافح مثله (لسان العرب)

وكذا قال الجوہری (الصحاح)

④ الفاظ حدیث ہویدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو واضح دلیل ہے کہ عمل اخذ جانبین

سے ہوتا تھا۔

حکم درایہ:

مصافحہ کی مشروعیت اظہار محبت کے لئے ہے اور اظہار محبت کا موقع جیسے اول لقاء ہے ایسے

ہی وقت وداع بھی ہے چنانچہ سلام وداع بھی اسی لئے ہے اور اسی لئے پوری دنیا میں اس کا دستور ہے۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۱۹ شعبان ۱۴۰۲ھ

معانقہ میں سینہ ملانا :

سوال : عرب آپس میں ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے گردن ملاتے ہیں، لفظ معانقہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں جو سینہ ملانے کا دستور ہے کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ بینوا تو جروا۔
الجواب باسم ماہم الصواب

معانقہ کے معنی تو وہی ہیں، ”گردن سے گردن ملانا“ البتہ دور روایات ضعیفہ میں ”التزام“ کا ذکر ہے۔
قال المحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ : اخرج احمد وابوداود ورحمہما اللہ تعالیٰ من طریق رجل من عنزة لم یسم انہ قال قلت لابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ هل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصافحکم ان القیتموہ قال ما لقیته قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اہلی فلما جدت اخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وهو علی سریرہ فالتزمتنی فکانت اجود واجود ورجال ثقات الا ہذا الرجل المبہم (فتح الباری ص ۵۱ ج ۱)

واخرج الامام ابوداود رحمہ اللہ تعالیٰ عن الشعبی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فالتزمہ وقبل ما بین عینیہ۔
قال العلامة السہارنפורی رحمہ اللہ تعالیٰ : قال المندری ہذا مرسل واجلح قدم الکلام علیہ (بذل الجہود ص ۳۲ ج ۶)

سرسری تلاش سے بذل الجہود میں ”اجلح“ پر کلام نہیں مل سکا، اس عبارت سے یہ بات محقق ہو گئی کہ یہ متکلم فیہ ہیں۔

ان روایات سے استدلال میں بوجہ ذیل کلام ہے۔

① روایت اولیٰ کی سند میں ایک راوی مبہم ہے اور روایت ثانیہ مکمل ہے، علاوہ ازیں اس کی سند میں ”اجلح“ متکلم فیہ ہیں۔

② التزام بمعنی اعتناق بھی ہو سکتا ہے، ای الصاق العنق بالعنق وهذا هو الموافق لروایات المعانقہ۔

③ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کما نقل المحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

عن الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فی المعانقۃ -

جب اعتناق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی تو التزام کو بطریق اولیٰ خصوصیت قرار دیا جائے گا۔

④ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل صرف اصاغر کے ساتھ اظہار محبت کے لئے مختص تھا۔

⑤ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ حدیث و فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

⑥ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل خاص سے ظاہر ہے کہ یہاں ”التزام“ سے الصاق بالعنق

مراد ہے یا زیادہ سے زیادہ الصاق بالصدر، الصاق بالبطن مراد نہیں۔

پاکستان اور ہندوستان کے عوام میں معانقہ کا مروجہ طریقہ کہ سینہ کے علاوہ پیٹ بھی ملا دیتے ہیں اس کا بطریق خصوصیت نبویہ بھی کوئی ثبوت نہیں، علاوہ ازیں اس میں اور بھی کئی مفسدیں، لہذا یہ رسم قبیح واجب ترک ہے۔ واللہ سیجانبہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

④ معانقہ کا حکم :

سوال : بوقت ملاقات معانقہ کی مروج رسم کا شرعاً کوئی ثبوت ہے ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسئو ملہم الصواب

معانقہ کے معنی ہیں : گردن سے گردن ملانا۔ عرب میں متواتر بھی یہی ہے کہ پورا جسم الگ رکھ کر صرف گردن سے گردن ملتے ہیں۔

کتب لغت میں اس کے معنی میں ضم والتزام بھی مرقوم ہے جو مختص بالعنق بھی ہو سکتا ہے، البتہ منجد میں ضم الی الصدر کی تصریح ہے۔

قال الافریقی : عانقہ معانقۃ عناقاً : التزمہ فادنی عنقہ الی عنقہ (لسان العرب)

وقال لجوہری : المعانقۃ والعناق وقد عانقہ اذا جعل یدیه علی عنقہ وضمہ

الی نفسہ (الصحاح)

وقال الفیومی : عانقت المرأۃ عناقاً وهو الضم والالتزام (المصباح المنیر)

وفی المنجد : عانقہ معانقۃ اذا جعل یدیه علی عنقہ وضمہ الی صدرہ (المنجد)

اگر ضم الی الصدر تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان عبارات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقاء کبیرین سے متعلق نہیں، بلکہ اصاغر یا ازواج سے اظہار محبت کے بارے میں ہیں اگرچہ علت فرط محبت میں اشتراک کی وجہ سے

کبھی کبھار مواقع مخصوصہ میں معانقہ اکبیرین بھی جائز ہے، کما سیحی۔

اس پر چند قرآن ہیں:

① ان میں جانب واحد کے عمل کا ذکر ہے جبکہ لقاء اکبیرین میں عمل جانبین سے ہوتا ہے۔

② اپنے دونوں ہاتھ کسی کی گردن میں ڈال کر اپنی طرف کھینچنا۔

ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اصاغر و ازواج کے ساتھ فرط محبت میں ہوتا ہے۔

③ فیومی کی عبارت ”عانقت المرأة“ تو اس بارے میں نص صریح ہے۔

روایات حدیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

① عن ابی ہریرۃ الدوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفة

النہار لا یکلمنی ولا اکلہ حتی اتی سوق بنی قینقاع فجلس بفناء بیت فاطمة فقال اثم کع اثم

لکع ؟ فحبستہ شیئا فظننت انھا تلبسہ سخابا وتغسلہ فجاء یشد حتی عانقہ وقبلہ وقال اللهم

احب واحب من یحبہ (صحیح بخاری ص ۲۸۵ ج ۱)

② عن یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان حسنا وحسینا رضی اللہ تعالیٰ عنہما استبقیا

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضمہما الیہ رواہ احمد (مشکوۃ ص ۴۳)

③ عن الشعبي ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فالتزمہ وقبل ما بین عینیہ (سنن ابی داود ص ۲۵۳ ج ۲)

④ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قدم زید بن حارثۃ المدینۃ ورسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی ففرع الباب فقام الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عربا یمز ثوبہ واللہ ما رأیتہ عربا من قبلہ

ولا بعدہ فاعتنقہ وقبلہ هذا حدیث حسن غریب لا نعرفہ من حدیث الزہری الا من هذا الوجه (جامع الترمذی ص ۲۱۱ ج ۲)

⑤ عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزة انه قال قلت لابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

هل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصافحکم اذ القیتموہ قال مالقیته قط الا صافحنی

ولبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اہلی فلما جدت اخبرت انه ارسل الی فاتیتہ وهو علی سریرہ

فالتزمتنی فکانت تلک اجود واجود (سنن ابی داود ص ۲۵۲ ج ۲)

اخرجہ الامام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ایضاً (فتح الباری ص ۵۱ ج ۱۱)

⑥ اخرج ابن سعد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل نعیم بن عبد اللہ الضحام

واعتنقہ لما قدم المدینۃ مهاجرا (اعلاء السنن ص ۲۲ ج ۱۷)

(۷) عن اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجل من الانصار قال بینما هو یحدث القوم وكان فیہ مزاح بینا یضحکهم قطعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خاصرۃ بعود فقال اصبر فی فقال اصطبر قال ان علیک قمیصا ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحتضنہ وجعل یقبل کشحہ قال انما اردت هذا یرسل اللہ (ابوداؤد ص ۲۱۸ ج ۲)

(۸) اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی الادب المفرد فی باب المعانقۃ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ بلغہ حدیث عن رجل من الصحابة قال فابتعت بعیرا فشردت الیہ رحلی شہرا حتی قدمت الشام فاذا عبد اللہ بن انیس فبعثت الیہ فخرج فاعتنقنی واعتنقتہ (فتح الباری ص ۴۹ ج ۱۱)

(۹) اخرج الطبرانی فی الاوسط من حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ كانوا اذا اتلاقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا (فتح الباری ص ۱۱ ج ۱۱)
روایت ثامنہ و تاسعہ سے سفر سے آنے کی صورت میں عموم معلوم ہوتا ہے، وسیع البیعت عنہ۔
ترمذی کی روایت ذیل میں مطلقا ممانعت ہے:

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل یرسل اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ ایخنی لہ قال لا قال افیلترزمہ و یقبلہ قال لا قال فیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم، هذا حدیث حسن (جامع الترمذی ص ۱۰۲ ج ۲)

وجوہ التریج:

روایات منع میں ترجیح کی وجوہ ذیل پائی جاتی ہیں:

- (۱) یہ روایات قولیہ ہے اور روایات اباحہ فعلیہ۔
- (۲) یہ قاعدہ کلیہ ہے اور روایات اباحہ جزئیات محتملہ تخصیص۔
- (۳) حظ کو اباحہ پر ترجیح ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ معانقہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ثابت ہے جو روایات اباحہ کے تأخر اور روایات منع کے نسخ کی دلیل ہے، لہذا اباحت راجحہ ہے، ونضہ:
فہؤلاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد كانوا یتعانقون فذلک ان ماروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اباحۃ المعانقۃ متأخر عما روی عنہ من النہی عن ذلک فبذلک ناخذ وهو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ (شرح معانی الآثار ص ۲۲ ج ۲)

وجہ التوفیق :

روایات اباحہ سفر سے واپسی یا اس قسم کے دوسرے مواقع مسرت و فرط محبت کے ساتھ مختصہ ہیں اور روایات منع قیود مذکورہ سے قطع نظر معانقہ کی تعمیم پر۔

ولا شک ان التوفیق احسن وارجح من الترجیح ۔

حضرت مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجہ توفیق یوں بیان فرمائی کہ معانقہ بوقت یحجان محبت مباح ہے اور تحیۃ اللقاء کے طور پر ممنوع، ونصہ :

وهذا (ای حدیث الممانعة) يدل بسياقه على ان التقبيل والمعانقة الذين كرههما ابو حنيفة رحمه الله تعالى هما اللذان يكونان على وجه التحية عند اللقاء لا مطلقا (الی قوله) وقد يكونان لهي جان المحبة والشوق والاستحسان عند اللقاء وغيره من غير شائبة الشهوة وهما مباحان باتفاق ائمتنا الثلاثة رحمهم الله تعالى لثبوتها عن النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه رضي الله تعالى عنهم، ولعدم مانع شرعي عنه، هذا هو التحقيق وقد التبس الامر على مشايخنا (اعلاء السنن ص ۴۱ ج ۱)

شیخ عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس توجیہ میں چند وجوہ سے اشکال ہے :

① معانقہ کا تحیہ سے بالکلیہ اخراج بوقت لقاء تمام التحیہ کے لئے سنیۃ المصافحہ قبل المعانقہ کو مستلزم ہے، حالانکہ روایات معانقہ میں مصافحہ کا کوئی ذکر نہیں

② احادیث مذکورہ میں تحیۃ اللقاء کے موقع پر معانقہ سے یہی ظاہر ہے کہ یہ تمام التحیہ میں داخل ہے۔

③ مصافحہ کو اظہار مسرت و مودت کی وجہ سے تمام التحیہ قرار دیا گیا ہے اور یہ علت معانقہ میں زیادہ پائی جاتی ہے تو وہ بطریق اولیٰ تمام التحیہ قرار پائے گا۔

وجوہ ثلاثہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تمام التحیہ عند اللقاء علی سبیل البدل احد الشیئین ہے، عام حالات میں مصافحہ اور مواقع مخصوصہ میں معانقہ ۔

حاصل یہ کہ اصل تحیۃ اللقاء تو صرف سلام سے اداء ہو جاتا ہے اور تمام التحیہ سلام کے بعد مزید اظہار مسرت و مودت سے جس کے دو طریقے علی سبیل البدل شروع ہیں، عام حالات میں مصافحہ اور کسی محرک خصوصی کے وقت معانقہ، اظہار محبت کے ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کو تمام التحیہ بھی بنایا جاسکتا ہے اور موقع تحیہ سے الگ مستقل بھی، تحیہ میں دونوں کو جمع کرنے کا واضح ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے خلاف

سنت معلوم ہوتا ہے، البتہ مستقلاً یعنی غیر تحجیہ کے موقع پر جمع کرنے میں کوئی اشکال نہیں، اس کے لئے ثبوت کی حاجت نہیں، والفرق ان الاول من الموارد الشرعیۃ دون الثانی۔

مزید ایک بحث سامنے آتی ہے کہ معانقہ میں تیامن افضل ہے یا تیسرے؟

اس بارے میں کوئی صراحت نظر سے نہیں گزری، عام اصول کے مطابق تو تیامن کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، مگر معانقہ کا منشا چونکہ سببان المحبۃ ہے جس کا محل قلب ہے اور صورت تیسرے میں جانبین کے قلوب باہم زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس لئے تیسرا راجح ہے اور اسی لئے تیسرے کا عام معمول ہے۔

اقوال الائمة رحمہم اللہ تعالیٰ:

طرفین و امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سے کراہت و تبذیر منقول ہے۔

قال العلامة العینی رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا الی الجامع الصغیر: محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان قال: اکرہ ان یقبل الرجل من الرجل فمہ اویدہ او شیئامنہ واکرہ المعانقۃ ولا أری بالمصافحۃ بأساً (البنایۃ ص ۲۱۴ ج ۱۱)

وقال الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: فذهب قوم الی هذا فکروا المعانقۃ منہم ابو حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ (شرح معانی الآثار ص ۳۰۲ ج ۲)

وکذا نقل عنہ الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ (ہدایۃ ص ۲۶ ج ۴)

وقال العلامة السہارنفوی رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا الی اللمعات: وعند ابی حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ یکرہ ان یقبل الرجل ید الرجل او فمہ او شیئامنہ او یعانقہ لورود النہی عنہ فی حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بذل المجہود ص ۳۲۵ ج ۶)

وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ: قال ابن عبد البر روی ابن وہب عن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ان ذکرہ المصافحۃ والمعانقۃ وذهب الی هذا سحنون وجماعۃ وقد جاء عن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جواز المصافحۃ وهو الذی یدل علیہ صنیعہ فی الموطأ وعلی جوازہ جماعۃ العلماء سلفاً وخلفاً واللہ اعلم (فتح الباری ص ۴ ج ۱۱)

وقال ایضاً: قال ابن بطال اختلف الناس فی المعانقۃ فکرمہا مالک الخ۔

(فتح الباری ضہج ۱۱)

وقال ایضاً: استأذن سفیان بن عیینۃ علی مالک رحمہما اللہ تعالیٰ فاذن لہ فقال السلام علیکم فردوا علیہ ثم قال السلام خاص و عام السلام علیک یا ابا عبد اللہ

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقال وعلیک السلام یا ابا محمد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم قال لولا انہا بدعة لعانقتک قال قد عانق من خیر منک قال جعفر قال نعم قال ذاک خاص قال ماعمر یحمننا (حوالہ بالا)

فتح الباری سے امام مالک اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے مابین جو مکالمہ اوپر نقل کیا گیا ہے اس کے آخر میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے سکوت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قول تخصیص اور کراہت و تبذیر تعمیم سے رجوع فرمایا تھا۔

مشایخ احناف نے اباحہ کو ترجیح دی ہے اور قول طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں، سب سے بہتر توجیہ وہی ہے جو اوپر وجہ التوفیق کے تحت لکھی گئی ہے کہ مواقع مخصوصہ کی رعایت کے بغیر عام عادت بنالینا مکروہ ہے، اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اباحہ کے قائل نہیں، اس توجیہ کے تحت طرفین و ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

روایات و عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ معانقہ خواہ صرف ضم عنق سے ہو یا ضم صدر سے بھی بہر حال مختصہ بالمواقع المخصوصہ ہے۔

پاکستان اور ہندوستان میں مروجہ معانقہ کہ سینہ، شکم اور پورا جسم باہم پیوست کر کے خوب بھینچتے ہیں بلاشبہ بالاتفاق بدعت اور واجب ترک ہے عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مندرجہ ذیل مفاسد بھی ہیں:

① اس طریقہ مخترعہ کو سنت سمجھا جاتا ہے اور غیر سنت کو سنت سمجھنا بدعت ہے۔

② مختلف الاحوال اشخاص کی بو اور پسینوں سے تلوث جو موجب تآذی ہونے کے علاوہ مورت امراض بھی ہے، اسی لئے اس کو عرب کے علاوہ دنیا کے دوسرے بیشتر ممالک میں بھی نہایت مستہجن اور بہت قبیح سمجھا جاتا ہے۔

③ ایسے امر مستہجن و رسم قبیح کو سنت سمجھنا سنت کی توہین و تحقیر ہے۔

④ خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے، بے دین اور گمراہ لوگ سنت کے نام پر شہوت لانی کرتے ہیں اور دوسرے کبار کے لئے اس کو وسیلہ بناتے ہیں۔

⑤ کسی کو قتل کرنے کی بہت آسان تدبیر ہے، حال ہی میں ایک حادثہ ہو چکا ہے کہ دوستانہ انداز میں ایک شخص نے دوسرے کو سینے سے لگا کر ایسا بھینچا کہ اس کے دل پر شدید دباؤ پڑنے سے اس کی موت واقع ہو گئی۔

سخت ایذا رسانی تو بہت معمولی بات ہے، ایک شخص نے دوسرے کو اتنے زور سے دبا یا کہ وہ مرنے

سے تو بچ گیا، مگر کئی روز تک سانس لینے میں بہت تکلیف رہی۔
 ایک شخص نے دوسرے کو ایسا دیا یا کہ اس کی پسلی ٹوٹ گئی۔
 پھر حماقت پر حماقت یہ کہ اس ظلم عظیم کو حق محبت سمجھا جانے لگا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
 یوم عرفہ ۱۴۱۶ھ



لَمَنْ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللَّهِ الْمُصَوِّرُونَ (بخاری)
”سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا“

النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ

عن

عَذَابُ صُورَةِ الْحَيَاةِ

جاندار کی تصویر بنانے اور رکھنے پر لعنت

اور

سخت عذاب کی وعیدیں

دفاعتہ

حضرت فقیہ العصر و امت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ

عن

عَذَابُ صُورَةِ الْحَيَوَانِ

جس گھر میں تصویر ہو اس میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے۔

سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔

تصویر سازی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کا شرک ہے۔

مختلف قسم کی تصویروں کے احکام کی تفصیل۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔

ائمہ اربعہ اور فقہار اُمت رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع۔

تصویر کے شرعی احکام

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین متین دریں مسئلہ کہ بندہ ایک اسکول میں ملازم ہے۔ آئیں یہ دستور ہے کہ اختتام سال پر جماعت ہفتہ کے لڑکے جماعت ہشتم والے لڑکوں کی اور جماعت نہم والے دہم والوں کی الوداعی دعوت کرتے ہیں۔ اس مجلس میں اہتمام سے کیمرے لائے جاتے ہیں اور تمام شرکار مجلس کی تصویریں اُتاری جاتی ہیں۔ میں نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آئے۔ میں اپنی حد تک بچاؤ کے لئے رومال سے منہ چھپا لیتا ہوں، کیا اس طریقے سے میرے لئے مجلس میں شریک ہونا جائز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ عوام اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ تصویر کی حرمت پر مفصل روشنی ڈالئے، بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ معصیت کی مجلس ہے جس میں شرکت قطعاً جائز نہیں، بلکہ دوران مجلس اس قسم کی حرکت شروع ہو تب بھی روکنے کی قدرت نہ رکھنے والے ہر شخص پر اٹھ جانا واجب ہے، الا یہ کہ ایسی مجلس میں کسی سے کوئی حق متعلق ہو کہ جماعۃ الصلوٰۃ واستیفاء الدین۔ چنانچہ قرآن مجید کی واضح ہدایت ہے :

وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم ایتۃ اللہ یکفر بها ویستکفروا بها فلا

تفعدوا معہم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلہم، (الایۃ ۲-۱۴۰)

”اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الہیہ کے ساتھ

استنہار اور کفر ہوتا ہو اسنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی

اور بات شروع نہ کر دیں کہ اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔“

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

وفی ہذہ الایۃ دلالة علی وجوب انکار المنکر علی فاعلہ وات من انکارہ اظہار

الکراہۃ اذا لم یکنہ ازالۃ وترك محالۃ فاعلہ والقیام عنہ حتیٰ ینتہی ویصدیر

اللی حال غیرھا (احکام القرآن ص ۲۸۹ ج ۲)

”یہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے اس پر رد و نکیر واجب ہے، اگر گناہ کا ازالہ ممکن نہ ہو تو یہ بھی نکیر ہی کی صورت ہے کہ گناہ پر نفرت و کراہت کا اظہار کیا جائے اور مرتکب گناہ کی ہمنشین چھوڑ دی جائے اور اس کے پاس سے اٹھ جایا جائے حتیٰ کہ وہ گناہ کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے“ اس سے انکار نہیں کہ تصویر کی لعنت اس زمانہ میں و بارعام کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ایوان اسمبلی سے لے کر کچی جھونپڑیوں تک ملک کے درو دیوار تصویروں سے اٹے ہوئے ہیں مگر یہ فلسفہ بھی تو خود کشی کے مترادف ہے کہ کوئی مرض جب و بانی صورت اختیار کر کے پوری آبادی کو لپیٹ میں لے لے تو مناسب تدبیر اختیار کرنے کی بجائے اسے مرض کہنا ہی چھوڑ دیا جائے۔

بہر حال کوئی گناہ کتنا ہی عام ہو جائے اس سے حکم شریعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لسان نبوت سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اپنی جگہ انمٹ حقیقت اور رہتی دنیا تک کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

اگر آج کا فارمی مسلمان ہادیٰ کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات کے خلاف عملاً بغاوت پر اُتر آیا ہے تو یہ اس کی اپنی شقاوت و سیاہ بختی ہے نہ کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نقص۔

تصویر سازی شریعت کی رو سے ایک کبیرہ گناہ ہے، اس کے ہولناک نتائج کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں، معذب اقوام کا عبرتناک انجام قرآن مجید نے مفصل بیان کیا ہے، ان میں کفر و شرک کی گمراہی تصویر کے راستہ ہی سے درآئی تھی، چنانچہ صحیحین کی حدیث ہے :

اولئک اذا مات فیہم الرجل الصالح بنو اعلیٰ قبرہ مسجدًا ثم صوروا فیہ
تلك الصور اولئک شرار خلق اللہ (متفق علیہ)

”ان اہل کتاب میں جب کوئی نیک آدمی دنیا سے رخصت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے پھر اس میں یہ تصویریں رکھتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ ہیں“

شامح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

وكان غالب كفر الاثم من جهة الصور (فتح الباری ص ۸)

”اکثر امتوں میں کفر و شرک کی بیماری تصویروں کے راستہ سے آئی“

اس دور میں بھی جبکہ بے پردگی، فحاشی اور عریانی کا سیلاب تمام بند توڑ چکا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فتنہ تصویر کا شاخسانہ ہے اور یہ پورا سیلاب ٹی وی، وی سی آر اور فحش اخبارات کے دہانہ سے اُبل رہا ہے۔

دلائل حرمت :

تصویر کی حرمت پر احادیث بہت کثرت سے آئی ہیں جو معنوی طور پر حد تو اتر تک پہنچ جاتی ہیں، صرف صحیح بخاری میں اس پر دس ابواب مذکور ہیں۔ ہم اختصار کے پیش نظر صرف صحیح بخاری کے ان ابواب سے ہی ایک ایک حدیث نقل کرتے ہیں :

① عن ابی طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخلوا المملیكة بیتانیہ کلب ولا تصاویر (بخاری ص ۸۸ ج ۲ باب التصاویر)

”جس گھر میں کتیا یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے“

② قال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون (ایضاً باب عذاب المصورین یوم القیمة)

”قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت ترین عذاب تصویر سازوں کو ہوگا“

③ قال ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ومن اظلم من ذہب یخلق کخافق فلیخلقوا حبة ولیخلقوا ذرة الحدیث۔

(ایضاً باب نقص الصور)

”اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو عمل خالقیت میں میرا مقابلہ کرنے لگا، یہ لوگ ایک

دانہ یا ایک ذرہ تو پیدا کر کے دکھائیں“

④ قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا : قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سفر وقد سترت بقرا ملی علی سھوة لی فیہ تماثیل، فلما راہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہتک وقال اشد الناس عذاباً یوم القیمة الذین یضاهون بخلق اللہ۔

(ایضاً باب ما وطئ من التصاویر)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے، میں نے طاق پر تصویر دار پردہ لٹکایا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو پھاڑ دیا اور فرمایا روز قیامت سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو صفت خالقیت میں اللہ تعالیٰ کی نقل اتارتے ہیں۔“

⑤ عن عائشة رضي الله تعالى عنها انها اشترت نمرقة فيها تصاویر فقام النبي صلى الله عليه وسلم بالباب فلم يدخل فقلت اتوب الى الله مما اذنبت - قال ما هذه النمرقة؟ قلت لتجلس عليها وتوسد لها، فقال ان اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم احيوا ما خلقتم وان الملكة لا تدخل بيتا فيه الصور (ص ۸۸ ج ۲ باب من كره القعود على الصور)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے تصویر دار تکلیہ خریدا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر رک گئے، اندر تشریف نہ لائے، میں نے عرض کیا: مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ میں اپنے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تکلیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: اس مقصد سے لیا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکلیہ لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت ان تصویر سازوں کو عذاب ہو گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر دکھاؤ، اور بلاشبہ فرشتے ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔“

⑥ كان قرام لعائشة رضي الله تعالى عنها سترت به جانب بيتها فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم اميطي عني فانما لايزال تصاویر تعرض لي في صلاتي (ايضا باب كراهية الصلوة في التصاویر)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر پر تصویر دار پردہ لٹکایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے ہٹا دو اس کی تصویریں بار بار میری نماز میں مغل ہوتی ہیں۔“ (اس حدیث پر اشکال کے جوابات ص ۱۶ پر ہیں)

⑦ عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال وعد النبي صلى الله عليه وسلم جبريل فرأته عليه حتى اشتد على النبي صلى الله عليه وسلم فخرج النبي صلى الله عليه وسلم

فلقیہ فشکا الیہ ما وجد فقال له انما لاندخل بیتانیہ صورۃ ولا کلب -

(ایضا باب لا تدخل المملکۃ بیتانیہ صورۃ)

”حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وعدہ کیا مگر وقت پر نہ آئے، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولتکدہ سے باہر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنے رنج و زحمت انتظار کا شکوی فرمایا، اس پر جبریل علیہ السلام نے فرمایا جس گھر میں کتیا تصویر ہو ہم اس میں داخل نہیں ہوتے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ پر اس وقت یہ دونوں چیزیں موجود تھیں جن کے وجود کا آپ کو علم نہ تھا، جبریل علیہ السلام نے بتایا تو آپ نے ان کو ہٹوا دیا۔

⑧ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہا اشترتہ نمرقۃ فیہا قصاویہ فلما راہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی الباب فلم یدخل فصرفت فی وجہہ الکواہیۃ وقالت یا رسول اللہ اتوب الی اللہ والی رسولہ ما اذا اذنبت، قال ما بال ہذا النمرقۃ قالت اشتریتہا لتقعد علیہا وتوسدہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب ہذا الصور یعدون یوم القیمۃ ویقال لہم احيوا ما خلقتہم وقال ان البیت الذی فیہ الصور لا تدخلہ المملکۃ (ایضا باب من لم یدخل بیتانیہ صورۃ)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: انھوں نے ایک تصویر دار تکیہ خریدا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر رُک گئے، اندر تشریف نہ لائے، میں نے چہرہ انور پر ناراضی کے آثار دیکھے تو عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تصویر دار تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس لئے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں والوں کو روز قیامت عذاب ہوگا اور کہا جائے گا اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر دکھاؤ، اور فرمایا جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“

⑨ عن وہب السوائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن اکل

الرئوس و موکلہ والواشمۃ والمستوشمۃ والمصثور (ایضاً باب من لعن المصثور)
 ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، جسم گودنے والی
 پر، گدوانے والی پر اور تصویر ساز پر لعنت فرمائی“

(۱۰) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت محمداً صلی اللہ علیہ وسلم یقول من
 صور صورة فی الدنیا کلف یوم القیمۃ ان ینفخ فیہا الروح ولیس ینافخ (ایضاً باب من
 صور صورة فی الدنیا)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دنیا میں تصویر بنائی اسے روز قیامت
 مجبور کیا جائے گا کہ اس میں روح پھونکے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے گا۔“
 نہ روح پھونک سکے گا نہ ہی عذاب میں تخفیف ہوگی۔

یہ وعیدیں ہر قسم کی تصویر سے متعلق ہیں خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، کپڑے کاغذ پر بنائی
 جائے یا درود لیواری پر، سکتے پر نقش کی جائے یا نوٹوں پر چھاپی جائے، بہر کیف یہ مذکورہ بالا
 وعیدوں کا مصداق اور حرام ہے۔ اس بارہ میں اکابر علماء اُمت کی تصریحات آگے آرہی ہیں۔
 پھر ان وعیدوں کا مصداق فقط تصویر ساز ہی نہیں بلکہ امام ابن الحاج رحمۃ اللہ تعالیٰ
 کی تصریح کے مطابق اس کی تحسین و تصویب کرنے والا، اس کا ہمنشین، اس کے اس فعل پر
 دل سے راضی ہونے والا، اس فعل کو دیکھ کر قدرت کے باوجود نکیر نہ کرنے والا سب
 شریک گناہ ہیں (المدخل ص ۲۴ ج ۱)

البتہ بے جان اشیاء کی تصاویر ان وعیدوں سے مستثنیٰ ہیں، ان کے بنانے میں کوئی مضائقہ
 نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ موجود ہے :
 ان ابیت الا ان تصنع فعلیک بهذا الشجر کل شیء لیس فیہ روح۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۶، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۲)

”اگر بنانا ہی ہے تو درخت اور دوسری بے جان اشیاء کی تصویریں بناؤ۔“

اجماع اُمت :

جان دار کی تصویر سازی باجماع اُمت حرام ہے، اس مسئلہ میں اکابر اُمت کی عبارات
 اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا استقصار ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے، ہم بطور نمونہ ہر فقہی
 مکتب فکر کی ایک ایک عبارت نقل کئے دیتے ہیں :

① شارح صحیح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وفي التوضيح قال اصحابنا وغيرهم تصوير صورة الحيوان حرام اشد التحريم وهو من الكبائر وسواء صنعه لما يمتنع او لغيره فحرام بكل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله - وسواء كان في ثوب او بساط او دينار او درهم او فلس او اناء او حائط او اما ما ليس فيه صورة حيوان كالشجر ونحوه فليس بحرام - وسواء في هذا كله ما له ظل وما لا ظل له وبمعناه قال جماعة العلماء مالك والثوري والبخاري وغيرهم رحمهم الله تعالى (عمدة القاري ص ۲۲)

”توضیح میں ہے کہ ہمارے فقہاء (حنفیہ) اور دوسرے حضرات نے بھی فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور کبائر میں سے ہے، خواہ پامال اور ذلیل کر کے کیلئے بنائی جائے یا کسی اور مقصد سے، بہر کیف حرام ہے، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مقابلہ ہے۔ اور خواہ تصویر کپڑے پر ہو یا بچھونے، دینار، درهم، پیسے، برتن یا دیوار پر۔ ہاں! جس میں جاندار کی تصویر نہ ہو جیسے درخت وغیرہ تو یہ حرام نہیں۔ اور اس حکم حرمت میں سایہ دار (جسم دار مورت) اور بے سایہ (بے جسم صرف نقش) تصویر برابر ہیں۔ اور یہی کچھ فرمایا جماعت علماء امام مالک - ثوری اور ابو حنیفہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے“

احناف کی دیگر کتب میں بھی یہی مسلک مفصل مذکور ہے، ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ص ۱۱۶،

ہندیہ ص ۳۵۹ ج ۵، رد المحتار ص ۶۲ ج ۱، المتانہ ص ۲۲ وغیرہ۔

② شیخ الاسلام محی الدین نووی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

قال اصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر لانه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الاحاديث - وسواء صنعه بما يمتنع او بغيره فصنعه حرام بكل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله تعالى - وسواء ما كان في ثوب او بساط او درهم او دينار او فلس او اناء او حائط او غيرها - واما تصوير صورة الشجر ورجال الايل وغير ذلك مما ليس فيه صورة حيوان فليس بحرام (وبعد سطرین) ولا فرق في هذا كله بين ما له ظل وما لا ظل له هذا انما يخص مذهبنا في المسألة وبمعناه قال جماهير العلماء من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم والتابعین

ومن بعدہم رحمہم اللہ تعالیٰ وهو مذهب الثوری ومالك وابی حنیفة وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔
وقال بعض السلف انما ینہی عما کان له ظل ولا بأس بالصورتی لیس لہا ظلّ
وهذا مذهب باطل، فان الستر الذی انکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصورتہ فیہ لا شک
احد انہ مذموم و لیس لصورتہ ظلّ مع باقی الاحادیث المطلقة فی کلّ صورتہ،

(شرح النووی علی صحیح مسلم ص ۱۹۹ ج ۲)

”ہمارے علماء (شافعیہ) اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت
حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس لئے کہ اس پر سخت وعید آئی ہے جو
احادیث میں مذکور ہے۔ خواہ تصویر پامال و ذلیل کرنے کے لئے بنائی گئی ہو یا کسی
دوسرے مقصد کے لئے، اس کا بنانا بہر حال حرام ہے کہ اسمیں اللہ تعالیٰ کی صفت
تخلیق کا مقابلہ ہے۔ اور خواہ کپڑے پر بنائی جائے یا بچھونے، درہم، دینار، پیسے
برتن، دیوار یا کسی اور چیز پر۔ البتہ درخت اور دوسری بے جان چیزوں کی تصویر
بنانا جائز ہے۔

ان تمام احکام میں سایہ دار (مورت) اور بے سایہ (صرف نقش) تصویر
کے مابین کوئی فرق نہیں (دونوں قسمیں یکساں طور پر حرام ہیں) یہ اس مسئلہ میں
ہمارے مذہب کا خلاصہ ہے۔ اور یہی قول ہے جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم،
تابعین اور مابعد کے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اور یہی مذہب ہے امام سفیان ثوری،
مالک اور ابو حنیفہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا۔

اسلاف میں سے بعض کا قول ہے کہ سایہ دار (ذی جسم) تصویر سے منع کیا
جائے گا۔ اور ان تصویروں میں کوئی حرج نہیں جو بے سایہ ہیں۔

لیکن یہ مذہب باطل ہے اس لئے کہ جس پردہ کی تصویر پر حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے نکیر فرمائی بے شک و شبہ وہ تصویر مذموم تھی، حالانکہ اس تصویر
کا کوئی سایہ نہ تھا۔ دوسری احادیث اس پر مستزاد ہیں جو ہر تصویر کے متعلق مطلق ہیں۔
حضرات شوافع کی دوسری کتابوں میں بھی تصویر کی حرمت مصرح ہے۔ ملاحظہ ہو:

خاتمة المحتاج الی شرح المنہاج ص ۶۹ ج ۶ تکملة المجموع شرح المہذب ص ۴۳ حواشی

تحفة المحتاج ص ۴۲ ج ۷ وغیرہا۔

(۳) علامہ مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

یحرم تصویر ما فیہ روح ولا یحرم تصویر الشجر ونحوہ والتمثال مما لا یشابہ ما فیہ روح علی الصحیح من المذہب (الاتصاف ص ۴۷ ج ۱)

”جاندار چیز کی تصویر بنانا حرام ہے۔ درخت اور دوسری ایسی اشیاء کی تصویر بنانا جو جاندار کے مشابہ نہ ہو صحیح مذہب کے مطابق حرام نہیں۔“
یہی تفصیل ان کتب میں بھی ہے :

المغنی لابن قدامة ص ۲۸۲ ج ۲، الاقتناع ص ۲۳ ج ۳، کشاف القناع ص ۵ ج ۵۔

(۴) فقہ مالکی کی عام کتابوں میں تصویر کے متعلق تفصیل مذکور ہے کہ سایہ دار تصویر ناجائز اور بے سایہ جائز ہے چنانچہ در دیر علی مختصر الخلیل میں ہے :

والحاصل ان تصاویر الحیوانات تحرم اجماعاً ان كانت كاملة لها ظلة مما يطول استمراره، بخلاف ناقص عضواً لا يعيش به لو كان حیواناً، وبخلاف ما لا ظلة له كنقش فی ورق او جدار وفيما لا يطول استمراره خلافه والصحيح حرمة۔

(الشرح الصغير على الدرر يهتد به ج ۲)

”خلاصہ یہ کہ جانداروں کی تصاویر بالاجماع حرام ہیں بشرطیکہ مکمل ہوں سایہ دار ہوں اور دیر پا ہوں، بخلاف ایسی تصویر کے جن میں ایسے عضو کی کمی ہو جس کے بغیر جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، اور بخلاف بے سایہ تصویر کے، جیسے کاغذ یا دیوار پر بنے ہوئے نقش (کہ یہ دونوں قسمیں جائز ہیں) اور جو تصویر دیر پا نہ ہو اس میں اختلاف ہے، صحیح قول کے مطابق یہ بھی حرام ہے۔“

شرح منہج الجلیل ص ۱۶۶ ج ۲ اور الخرش ص ۳۲ ج ۳ وغیرہا میں بھی یہی مذکور ہے۔

صاحب مذہب حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارہ میں دونوں قول منقول ہیں، ایک تو سایہ دار اور بے سایہ تصویر میں تفصیل کا، کہ اول ناجائز اور ثانی جائز ہے، اور دوسرا قول علی الاطلاق حرمت کا، ملاحظہ ہو : التمهيد لابن عبد البر ص ۳ ج ۱۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بے سایہ تصویر کے جواز کا قول مذہب جمہور کے خلاف اور دلائل کے لحاظ سے ضعیف ہے، صحیح بخاری کی مذکورہ احادیث پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس کا ضعف ظاہر ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے مذہب

باطل قرار دیا اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اسکی نسبت نہیں کی، کما ہر انفا۔
مذہب مالکیہ کے بعض اکابر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے
جمہور کا مذہب اختیار فرمایا ہے، چنانچہ قاضی ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذہب جمہور کو
اصح اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے اعدل المذاہب قرار دیا ہے۔ امام عبد البر مالکی
رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے راجح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو :

عارضۃ الاحوذی ص ۲۵۳ ج ۷، زرقانی علی الموطأ ص ۳۶۷ ج ۴۔

(۵) معروف غیر مقلد عالم علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی نیل الاوطار ج ۲ میں
ص ۱۱۳ سے ص ۱۱۴ تک حرمت تصاویر کی احادیث مفصل طور پر نقل کی ہیں اور ص ۱۱۴ پر علامہ نووی
رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا پوری عبارت نقل کی ہے، صحیح بخاری و مسلم کی دو حدیثیں نقل
کر کے ان کی شرح میں لکھتے ہیں :

الحديثان يدلان على ان التصوير من اشد المحرمات للتوعد عليه بالتعذيب
في النار وبأن كل مصور من اهل النار، وورد عن المصوّرين في احاديث اخر
وذلك لا يكون الا على محرم متبالغ في القبح -

وانما كان التصوير من اشد المحرمات الموجبة لما ذكر لان فيه مضاهاة لفعل
الخالق جلّ جلاله، ولهذا سمي الشارع فعلهم خلقاً وسميهم خالقين، وظاهر قوله
”كل مصور“ وقوله ”بكل صورة مصورها“ انه لا فرق بين المطبوع في الشيب وبين
ماله جرم مستقل ويؤيد ذلك ما في حديث عائشة رضي الله تعالى عنها المتقدم
من التعميم الخ (نيل الاوطار ص ۱۱۴ ج ۲)

”دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تصویر سخت ترین محرمات میں سے ہے،
اس لئے کہ اس پر عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور یہ کہ ہر تصویر ساز اہل جہنم سے ہے،
نیز اس سبب سے کہ دوسری احادیث میں تصویر سازوں پر لعنت آئی ہے،
اور یہ شدید وعیدیں صرف ایسے گناہ پر ہی ہو سکتی ہیں جو قباحت و شناعیت میں
انتہا درجہ کا گناہ ہو۔ تصویر کا گناہ سخت ترین حرام اور مذکورہ بالا وعیدوں کا
مصدق اس لئے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فعل تخلیق کا مقابلہ ہے، اسی لئے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عمل تصویر سازی کو ”خلق“ اور انھیں ”خالقین“

کے نام سے موسوم فرمایا، اور احادیث کے الفاظ ”کلّ مصوّر“ اور ”بکلّ صورة“ صورہا“ کے ظاہر الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے پر نقش شدہ تصویر اور مستقل جسم والی تصویر میں کوئی فرق نہیں اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو دونوں قسم کی تصویروں کے لئے عام ہے۔

فوائد متفرقہ :

- حدیث ۷ میں تصریح ہے کہ فرشتے تصویر والے مکان میں داخل نہیں ہوتے، جمہور علماء کے نزدیک اس سے مراد خاص ملائکہ رحمت و برکت ہیں، کراما کاتبین یا وہ فرشتے جو جنتا شیاطین اور ناگہانی مصائب سے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔
- حدیث ۷ میں تصویر سازوں کے لئے اشدّ العذاب (سب لوگوں سے سخت عذاب) کی وعید آئی ہے،

اس پر کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ اشدّ العذاب کی وعید تو قرآن و حدیث میں اور بھی کئی قسم کے مجرموں کو سنائی گئی ہے، یہ نصوص متعارض معلوم ہوتی ہیں۔

جواب :

جن جن لوگوں کے لئے اشدّ العذاب کی وعید آئی ہے وہ تمام لوگ بیک وقت اس میں شریک ہونگے، کسی ایک فریق کا اسمیں داخل ہونا دوسرے فریق کے خسار ج ہونے کو مستلزم نہیں۔

○ حدیث ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویر دار پردہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں موجود تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہ فرمائی بلکہ اسکی موجودگی میں نماز بھی ادا فرماتے رہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں :

وكان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي اليه

بظاہر یہ روایت حدیث ۷ اور ۷ سے متعارض ہے جن میں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر دار پردہ کا وجود ایک لمحہ کو بھی گوارا نہ فرمایا بلکہ نظر پڑتے ہی فوراً ہٹانے کا حکم فرمایا۔

جواب :

① پہلی دونوں روایتیں جانداروں کی تصاویر سے متعلق ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فوراً ہٹانے کا حکم فرمایا، اور روایت ۷۱ میں مذکورہ تصاویر جانداروں کی نہ تھیں بلکہ بے جان اشیاء درختوں پھولوں وغیرہ کے نقوش تھے۔ چونکہ یہ چیزیں جائز ہونے کے باوجود نماز سے توجہ ہٹانے کا سبب بن جاتی ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ احتیاط و تقویٰ انھیں ہٹانے کا حکم فرمایا، لہذا اجمع البدن العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی عمدۃ القاری ص ۷۷ ج ۲۲۔

(۲) ممکن ہے یہ حدیث زمانہ حرمت سے پہلے کی ہو (فتح الباری ص ۳۲۸ ج ۱۰)

(۱) اس حدیث سے حرمت کی بجائے حلت ثابت ہو رہی ہے اسی لئے جوابات کی ضرورت پڑی، لہذا اسے دلائل حرمت میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ (رشید احمد)

دلائل جواز کا تجزیہ :

جو لوگ تصویر کو جائز قرار دیتے ہیں انکی طرف سے درج ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقد وردت سنن (۱۳-۳۴)

”بناتے اس کے لئے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئیں“

اس آیت میں صراحت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے تصویریں بنواتے تھے، معلوم ہوا کہ تصویر سازی جائز ہے، ورنہ ایک حلیل القدر نبی یہ کام کیوں کرواتے؟

(۲) نہی کی تمام احادیث کا مصداق جسم دار تصاویر (مجسمے، مورتیں) ہیں، کپڑے کاغذ وغیرہ پر نقش شدہ تصویر اس بحث سے خارج ہے، چنانچہ صحیح بخاری ہی میں جہاں تصویر پر اتنی وعیدیں مذکور ہیں وہاں اس نقشی تصویر کو الا رقمًا فی ثوب (مگر جو کپڑے پر نقش ہو) کے الفاظ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: ص ۸۸ ج ۲ باب من کساه القعود علی الصور۔

(۳) ان تمام احادیث کی اصل علت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب سے بت پرستی کے آثار و نشان مٹانا تھے جو نئے نئے شرک سے اسلام میں آئے تھے، لہذا جب عقیدہ توحید ان حضرات کے رگ و پے میں رچ بس گیا اور بتوں سے انھیں طبعی نفرت پیدا ہو گئی تو اس نوع کی تمام احادیث از خود منسوخ ہو گئیں، جیسے ابتداء اسلام میں خاص خاص مقاصد کے پیش نظر کتوں کو مارنے کا حکم صادر کیا گیا، شراب کے مخصوص برتن توڑنے کا حکم فرمایا گیا اور قبروں پر جانے کی ممانعت کی گئی، مگر رفتہ رفتہ جب یہ

مقاصد حاصل ہو گئے تو یہ تینوں حکم منسوخ قرار پائے۔
 علی الترتیب ہم ان تینوں دلائل کا جواب ذکر کرتے ہیں :

① یہ درست ہے کہ تمثال بمعنی تصویر ہی ہے مگر اس دعوے کی کیا دلیل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خاص جاندار اشیاہی کی تصویریں بنواتے تھے؟ جب درخت پھل پھول پہاڑ سمندر اور تمام قدرتی مناظر کی عکاسی بھی تمثال کے تحت داخل بلکہ اس کا مدلول حقیقی ہے تو کیوں کھینچ تان کر جاندارہی کی تصاویر کے ساتھ اسے مخصوص ٹھہرایا جائے؟ یہ استدلال اس لحاظ سے بھی دور از کار ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دیگر انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی طرح تورات کے پیروکار تھے، اور تورات میں جاندار اشیاہی کی تصویر سازی سے سختی سے منع کیا گیا ہے، ہزار تحریفات کے باوجود یہ ممانعت آج بھی تورات کے اوراق میں محفوظ ہے، ملاحظہ ہو: خروج ۲۰: ۱۱، استثناء ۴: ۱۶ تا ۱۸۔

اگر مان لیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جاندار اشیاہی کی تصویریں بنواتے تھے تب بھی یہ انہی کی شریعت کا مخصوص حکم ہو گا جس کا اتباع اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کسی فرد کے لئے قطعاً جائز نہیں، اس لئے کہ اصول فقہ کا یہ معروف و مسلم قاعدہ ہے کہ شرائع سابقہ کے صرف وہی احکام اس امت کے لئے واجب الاتباع ہیں جنہیں قرآن و حدیث نے برقرار رکھا ہے اور ان کے مخالف کوئی دوسرا حکم صادر نہیں فرمایا، یہاں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے صاف طور پر تصویر کی حرمت و ممانعت ثابت ہے تو یہ کیونکر روا ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اس صاف و صریح حکم سے روگردانی اختیار کر کے سلیمان علیہ السلام کی شریعت سے ایک منسوخ حکم لیا جائے؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح اعلان ہے :

وَالَّذِي نَفْسِي مَحْمُودٌ بِيَدِهِ لَا يُؤِيدُ الْكُفْرَ مُوسَىٰ فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَّتُمْ
 عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَتْ حَيَا وَادْرَكَ نَبُوتِي لَا تَبْعَنِي (مشکوٰۃ بحوالہ دارمی)
 ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ تمہارے سامنے ظاہر ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرنے لگو تو راہ راست سے ہٹک جاؤ گے، اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میرا اتباع کرتے“

(۲) گزشتہ صفحات میں ہم صحیح بخاری کی دس احادیث نقل کر آئے ہیں۔ یہ تمام احادیث مطلق ہیں، ان میں سے کسی ایک حدیث کے کسی ایک لفظ سے بھی اشارہ تک نہیں ملتا کہ جسم دا تصاویر ناجائز اور بے جسم جائز ہیں، بلکہ حدیث ۴، ۵، ۶، ۷ اور ۸ تو ہیں ہی انہی تصاویر سے متعلق جو کپڑے پر نقش تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سختی سے نیکر فرمائی اور بنانے والوں کے لئے وعید ارشاد فرمائی۔

نیز کتب احادیث و سیر میں تصریح ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اسمیں بتوں کے علاوہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی آویزاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصویریں مٹا دیں اور مشرکین کے متعلق فرمایا:

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ (صحیح بخاری ص ۲۱۲ ج ۲ وغیرہ)
”اللہ انھیں عارت کرے“

باقی رہے ”الاما كان رقماً في ثوب“ کے الفاظ، تو رقم کے معنی لغت کی کسی کتاب میں بھی ”جاندار کی تصویر“ نہیں لکھا، اس کے اصل معنی نقش و نگار کے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کئے روزہ پر نقش پردہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

مَالَنَا وَلِلدُّنْيَا وَمَالَنَا وَلِلرَّقْمِ الْحَدِيثِ (جمع الفوائد ص ۸۲ ج ۱ بحوالہ بخاری والبی داؤد)
”ہمیں دنیا سے کیا واسطہ؟ ہمیں نقش و نگار سے کیا غرض؟“

حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَجَوَابُنَا وَجَوَابُ الْجَمْعِ هُوَ أَنَّ هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى رَقْمٍ عَلَى صُورَةِ الشَّجَرِ وَغَيْرِهِ مِمَّا

لَيْسَ بِحَيَوَانٍ (نووی علی مسلم ص ۱۲ ج ۲)

”ہمارا اور جمہور علماء کا جواب یہ ہے کہ یہ (الاما كان رقماً في ثوب) درخت اور

دوسری بے جان اشیاء کے نقوش کے بارے میں ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ قَبْلَ الْهَيْئَةِ (فتح الباری ص ۳۲۸ ج ۱۰)

”یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ تصاویر کی حرمت سے پہلے کا ہو۔“

علامہ بدرالدین العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وقال الطحاوی یحتمل قوله الارقماء فی شوب انه اراد رقمًا یوطأ ویمتھن کالبسط

والوسائد انتہی (عمدة القاری ص ۲۲)

”امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ الارقماء فی

شوب سے مراد ایسی تصویر ہو جو پامال اور ذلیل ہو جیسے بچھونے اور تکیے“

غرض : شراح حدیث میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ تصویر کی کوئی قسم ان وعیدوں

سے خارج ہے ۔

(۳) یہ استدلال بھی مغالطہ دہی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا، جن تین اشیاء کی مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں ممانعت کے بعد ان کی اجازت بھی صراحتہً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، چنانچہ کتوں کے متعلق حدیث ہے :

عن ابن مغفل قال امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتل الكلاب ثم قال

ما بالهم وبال الكلاب، الحدیث (صحیح مسلم ص ۲ ج ۲)

”حضرت ابن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا، پھر ارشاد فرمایا : لوگوں کو کتوں

کی کیا پٹری ہے؟

اب ان کا قتل کرنا چھوڑ دیں ۔

اور زیارت قبور اور شراب کے برتنوں کے متعلق ارشاد گرامی ہے :

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزروها ونهيتكم عن لحوم الاضاحی فوق

ثلاث فامسكوا ما بدا لكم ونهيتكم عن النبيذ الا فی سقاء فاشربوا فی الاسقیة

كلها ولا تشربوا مسكوا (صحیح مسلم ص ۳۱۲ ج ۱)

”میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا لیکن اب یہ منسوخ ہے، ان کی

زیارت کر سکتے ہو، اور تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنے سے منع

کیا تھا لیکن اب یہ حکم بھی منسوخ ہے، جتنا عرصہ چاہو رکھ سکتے ہو، اور تمہیں

مشکیزے کے سوا کسی برتن میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، لیکن اب ہر برتن

میں بنا سکتے ہو، اور نشہ آور چیز نہ پیو“

اس کے برعکس تصویر کے جواز کی کوئی روایت نہیں ملتی، اگر ہو تو مجوزین پیش کریں،
وہ دونہ خطر القتاد - ہاں! اس کے شواہد ضرور ملتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر
وقت تک تصویر پر نکیر فرماتے رہے، صحیح بخاری ہی کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت لما اشتكى النبي صلى الله عليه وسلم ذكر بعض
نساء كنيسة رأتهن بارض الحبشة يقال لهما مارية وكانت ام سلمة وام حبيبة رضي الله
تعالى عنهما اتتا ارض الحبشة فذاكرتا من حسنهما وتصاروا فيهما فرفع رأسه فقال
اوليك اذا مات منهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً شق صوراً فيه تلك
الصور واوليك شرار الخلق عند الله (صحیح بخاری ص ۷۹ ج ۱)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
مرض الوفات میں بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے سرزمین حبشہ
میں بنے ہوئے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا، حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہما حبشہ گئی تھیں، انھوں نے گرجا کے حسن و جمال اور اسمیں موجود چند
تصویروں کا ذکر کیا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اوپر اٹھایا
اور ارشاد فرمایا: (یہ اہل کتاب کا دستور رہا ہے کہ) جب ان میں کوئی مرد صالح
انتقال کر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے پھر اسمیں یہ تصویریں رکھ دیتے (آخر کا
اپنی تصویروں سے بتوں اور بتوں سے شرک کا دروازہ کھل گیا) اللہ تعالیٰ کے
نزدیک یہ بدترین خلائق ہیں۔“

نیز صحیح بخاری کی مذکورہ بالا احادیث میں سے حدیث ۷۷ میں جس سفر سے آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کی واپسی کا ذکر ہے یہ سفر بھی حیات طیبہ کے آخری سالوں کا سفر تھا اس لئے کہ ایک
روایت کے مطابق یہ سفر خیبر اور دوسری روایت کے مطابق سفر تبوک تھا، غزوہ خیبر ۶۲۷ھ
میں اور غزوہ تبوک ۶۲۹ھ میں پیش آیا، کما صرح بہ اصحاب السیار۔

اور صحیح بخاری کی مذکورہ بالا احادیث میں بھی کہیں اسکا کوئی اشارہ نہیں کہ یہ مانعت
بت پرستی کی علت سے تھی، بفرض محال اگر یہی علت قرار دی جائے تب بھی آگے یہ دعویٰ ترا
دعویٰ ہی ہے کہ دنیا سے بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا ہے لہذا تصویر سازی کی کھلی چھٹی ہے۔
آج کی متمدن دنیا میں بھی ملکوں کے ملک بت پرستی کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں، اور

کئی مشرک قومیں خاص طور سے اپنے بائیان مذاہب کو الوہیت کے اختیارات تفویض کرتی اور ان کی تصویریں پوجتی ہیں، عیاں را چہ بیاں؟

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مفروضہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بت پرستی دُنیا سے مٹ چکی ہے تب بھی اس دعوے کی کیا دلیل ہے کہ مانعت کی علت صرف بت پرستی ہی میں منحصر تھی؟ مذکورہ بالا احادیث پر مکرر ایک نظر ڈال لی جائے جن میں حرمت تصویر کا ایک اہم سبب اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مقابلہ بھی بیان کیا گیا ہے، نیز ایک وجہ ملائکہ رحمت کی آمد میں رکاوٹ بیان کی گئی ہے۔

الغرض: اس قسم کے مفروضوں سے شریعت کے کسی قطعی مسئلہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا، نہ ہی اس قسم کا اجتہاد سلف میں سے کسی کو سوجھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر کوئی شارح نہیں ہو سکتا، یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی رمز شناس اور ہر قول و فعل کے عینی شاہد ہیں، ان حضرات نے بھی تصویر سے متعلق تمام احادیث سے یہی مفہوم اخذ کیا کہ یہ ارشادات ہر قسم کی تصاویر سے متعلق ہیں اور ہمیشہ کے لئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصاریٰ کی دعوت یہ فرما کر رد فرمادی کہ تمہارے ہاں تصویریں ہوتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوالہیاج اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ شہر میں تمام تصاویر مٹا دیں اور فرمایا مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہم پر بھیجا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مکان میں تصویر دیکھ کر دروازہ سے لوٹ آئے۔

یہ واقعات صحیح بخاری و مسلم میں مفصل مذکور ہیں۔

مسند احمد اور سنن کبریٰ البیہقی وغیرہ میں اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات مفصل مذکور ہیں جنہیں ہم اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کرتے۔

مذاہب اربعہ کی تصرحات بھی ہم اوپر مفصل ذکر کر آئے ہیں۔

ان کے علاوہ بھی کچھ دلائل پیش کئے جاتے ہیں، مثلاً:

① ان وعیدوں کا مصداق صرف مشرکانہ نوعیت کی تصاویر ہیں جو پرستش کی غرض

سے بنائی گئی ہوں۔

اس دلیل کا ضعف اور بے داپن محتاج دلیل نہیں، کتب احادیث میں کم و بیش چالیس احادیث ملتی ہیں جن میں تصویر سازی پر شدید وعیدیں وارد ہیں، اس تمام ذخیرۂ احادیث میں کہیں اشارہ تک نہیں ملتا کہ حرمت کا حکم صرف مشرکانہ تصاویر کے ساتھ مخصوص ہے۔ صحیح بخاری کی جن روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تصویر دار پردہ رکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اظہار ناراضی کا ذکر ہے کیا ان میں بھی اس کا احتمال تھا کہ معاذ اللہ! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پرستش کی غرض سے یہ تصویریں رکھی تھیں؟ حاشا! وکلا!

پھر جب احادیث میں حرمت کی دوسری وجوہ بھی صراحتاً مذکور ہیں مثلاً مضامینہ بخلق اللہ و منع دخول ملائکہ، تو ان کو نظر انداز کر کے حکم حرمت کو صرف ایک سبب میں منحصر کرنے کی کیا ٹیک باقی رہتی ہے؟

(۲) کیمرے کی تصویر درحقیقت تصویر ہی نہیں کہ اسے حرام کہا جائے، یہ تو ایک عکس

اور سایہ ہے۔

(۳) مزید ایک انوکھی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ کیمرے میں فوٹو گرافر کسی بھی جاندار کی ظاہری صورت بناتا ہے، اس کے اعضاء و جوارح کی تخلیق و تکوین نہیں کرتا کہ اسے مضامینہ بخلق اللہ اور دوسری وعیدوں کا مصداق ٹھہرایا جائے۔

ان دلائل کی سطحیت اور کھوکھلا پن بھی بالکل ظاہر ہے، ہم انکے جواب میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے، تاہم تصویر اور عکس میں واضح فرق اپنے رسالہ ”ٹی وی کا زہر“ میں واضح کر چکے ہیں، جسے شوق ہو دیکھ لے۔

سیاسی علماء کا کردار :

انتہائی قلاق سے لکھنا پڑتا ہے کہ تصویر کی لعنت عوام سے تجاوز کر کے خواص بلکہ علماء تک پھیل گئی ہے جس کا یہ افسوسناک نتیجہ سامنے آ رہا ہے کہ بہت سے لوگ ان حضرات کے اس طرز عمل کو دیکھ کر اس قطعی حرام کو حلال باور کرنے لگے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب بھی عوام کو اس گناہ پر ٹوکا جاتا ہے تو وہ جھٹ سے کہہ دیتے ہیں :

”آپ لوگ دیکھتے نہیں؟ اب تو بڑے بڑے علماء بھی تصویر کھینچواتے ہیں“

ان کا یہ کہنا کچھ جھوٹ بھی نہیں بلکہ آئے دن اخبارات میں ان حضرات کی تصویریں نمایاں ہوتی ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ واقعہً لوگ تصویر کو جائز سمجھنے لگے ہیں یا صرف ٹوکنے والوں سے گلو خلاصی کے لئے اس عذر رنگ کا سہارا لیتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بعض علماء کے اس افسوسناک طرز عمل نے جہلاء کو جبری بنادیا بلکہ بے دین اور دریدہ دہن لوگوں کو زبان دیدی۔ بہانہ ساز لوگ خود سوچ کر فیصلہ کر لیں کہ ایک طرف صحیح بخاری کی احادیث، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تنبیہات اور لعنت و اشدّ عذاباً جیسی سخت وعیدیں، پھر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرز عمل اور پوری امت کا اجماعی موقف ہے، دوسری جانب معدودے چند سیاسی علماء کا عمل (نہ کہ فتویٰ) کیا کل روز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور آپ یہ کہہ کر چھڑکارا حاصل کر لیں گے :

”ان علماء کی یہ بد عملی دیکھ کر شریعت کے ایک قطعی حکم کو ہم نے پس پشت ڈال دیا تھا“

خود تو منصف باش.....

علماء اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہیں، ہم انکی بیجا و کالت نہیں کرنا چاہتے، البتہ ایک خطرناک اور گمراہ کن مغالطہ کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ جب کبھی علماء باعمل کی جانب سے ان پر قدغن لگتی ہے تو عموماً اس حلقہ کی طرف سے یہ جواب پیش کیا جاتا ہے :

”دینی مصلحت سے ہم یہ گناہ کرتے ہیں، اس لئے کہ اس دور فساد میں یہ ممکن

ہی نہیں کہ اس قسم کے گناہوں سے بچتے ہوئے عوامی سطح پر کوئی سی دینی

خدمت انجام دی جاسکے“

گویا اپنے دین و ایمان کا یہ نقصان دینی نفع کی خاطر گوارا کیا جاتا ہے، اگر اتنی لچک بھی

نہ اختیار کی جائے تو عوام سے رابطہ رکھنا ممکن نہیں۔

یہ ساری منطق بجا، مگر یہ فرمائیے کہ آج کے مسلم معاشرہ میں (گو مسلم نام کی حد

تک ہی سہی) رکاوٹیں اس معاشرہ سے کہیں زیادہ ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے تنہا توحید کی آواز اٹھائی تھی؟ ان وقتی مشکلات کو اس دورِ خونچکاں سے کوئی دور

کی نسبت بھی نہیں، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آزمائشوں کی یلغار

میں بھی ذرہ برابر لچک نہ اختیار فرمائی، مخالفین کی طرف سے مصالحت کی پیشکش یہ فرما کر ٹھکرا دی:
 ”واللہ لو وضعوا الشمس فی یمنی والقمر فی یساری علی ان اترك هذا الامر
 حتی یتظہرہ اللہ او اہلک فیہ ما ترکنتہ“ (البداۃ ص ۳ ج ۳)

دشمنان اسلام جو مسلمانوں سے عدد و عدد میں سو گنا بڑھ کر تھے ان کی سب سے
 بڑی تمنائ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقصد سے دست بردار نہ ہوں صرف ذرا سی لچک
 اختیار کر لیں تو ہم مخالفت ترک کر دیں گے۔

ودوا لوتدھن فیدھنوں۔

مگر قرآن نے یہ دو ٹوک فیصلہ سن کر انکی یہ دیرینہ آرزو خاک میں ملا دی :

ولا تقطع کلّ حلاف ھمین

یہ واشگاف الفاظ میں اعلان ہے کہ حق و باطل کے مابین سمجھوتہ کسی صورت ممکن نہیں
 ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا یہ بے داغ اور چمکتا پہلو ہے مگر دوسری جانب
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا بلکہ نائبین کا یہ شرمناک طرز عمل کہ موہوم سی منفعت کی خاطر
 اپنے دین کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔
 بسیں تفاوت از کجا است تا بکجا

آج کل یہ اعتراض بھی زبان زد عوام و خواص ہے :

”طویل جدوجہد اور قربانیوں کے باوجود دینی جماعتیں کامیابی سے کیوں ہمکنار
 نہیں ہوتیں؟ ملک میں اسلامی نظام کیوں نافذ نہیں ہوتا؟“

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اسلام نافذ کرنے سے پہلے خود معیاری مسلمان بننا ضروری ہے۔

ادخلوا فی السلام کافۃ

اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی نصرت یا کامیابی کی اُمیدیں باندھنا خوش خیالی کے سوا کچھ نہیں،
 ان علماء کرام سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ معرکہ احد و حنین میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی
 ذرا سی لغزش (جسے لغزش کہتے بھی ڈر لگتا ہے) سے اللہ تعالیٰ کی آئی ہوئی مدد واپس ہو گئی،
 اس کے باوجود کہ ان کا اخلاص، ان کی جاں نثاری اور جذبہ جہاد کسی شک و شبہ سے بالا
 تھے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کی رگ و پے میں پیوست تھی، سب
 سے بڑھ کر یہ کہ ان معرکوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے، مگر بایں ہمہ

آسمانوں سے آئی ہوئی مدد ہٹ گئی، گو یا اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک کے لئے اپنا یہ اٹل قانون جتلا رہے تھے کہ اس کی ناراضی کے ساتھ (گو کہ وہ وقتی ہو اور معاف بھی ہو جائے) کبھی اسکی نصرت نہیں آ سکتی۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر یہ حضرات فیصلہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کیسے آ سکتی ہے؟ جبکہ عین اس موقع پر جہاں نفاذ اسلام کے نعرے لگ رہے ہوتے ہیں، تصویر سازی کی لعنتیں برس رہی ہوتی ہیں، یوں بیک وقت آب و آتش کو جمع کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے، اگر کسی عالم دین یا مقتدا کا عمل خلاف شرع ہو تو وہ اپنے کئے کا ذمہ دار ہے، حکم شریعت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

خلاصہ احکام:

○ کسی بھی جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، خواہ تصویر کسی بھی قسم کی ہو، بڑی ہو یا چھوٹی، کپڑے کاغذ پر بنائی جائے یا درود یوار پر، قلم سے بنائی جائے یا کیمرے سے۔ اسی طرح تصویر کا پر میں چھاپنا، مشین یا سانچے میں ڈھالنا بھی ناجائز ہے۔

○ تصویر ساز، فوٹو گرافر اور ان کے عمل میں کسی پہلو سے شرکت کرنے والے اشخاص فاسق ہیں، انکی اذان، اقامت، امامت ناجائز ہے، شہادت مردود ہے۔

○ تصویر کی خرید و فروخت حرام ہے، اس ذریعہ سے کمایا ہوا پیسہ حرام اور ناقابل انتفاع ہے۔

○ یہ جب ہے کہ تصویر کی خرید و فروخت ہی مقصود ہو، اگر مقصود کوئی اور چیز ہے مثلاً کپڑا، کاغذ وغیرہ اور تصویر اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے تو ایسی چیز کی تجارت جائز ہے مگر خریدار پر لازم ہے کہ چیز خریدتے ہی اس سے تصویر تلف کر دے۔

○ تصویر بنانے کی طرح اس کا بالقصد دیکھنا، دوسروں کو دکھانا اور پاس رکھنا بھی جائز نہیں۔ سنیما، ٹی وی، وی سی آر کی فحش تصاویر دیکھنا دکھانا حرام بالائے حرام کا ارتکاب ہے۔

○ یہی حکم اخبار، رسائل اور اسکول کالج کی مطبوعہ کتب میں موجود تصاویر کا ہے، ان کے جائز مضامین کا پڑھنا جائز مگر تصاویر پر عمدہ نظر ڈالنا ناجائز ہے۔

○ مصوّر گریوں، مصوّر کھلونوں اور مصوّر مٹھائیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا اور کھانا جائز نہیں۔ بغیر خریدے بھی کھانا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں تعاون علی المعصیۃ ہے۔

○ پاسپورٹ، شناختی کارڈ، ٹوٹ، سکتے اور تصویر ڈارٹکٹ ضرورت کی اشیاء ہیں، ان کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ شوقیہ ٹکٹیں جمع کرتے ہیں انکے لئے تصویر دار ٹکٹ رکھنا جائز نہیں۔

○ تجارتی اداروں کے تصویر دار نشان (مارکہ) یا طلبہ کے شناختی کارڈ کی تصویر کسی شرعی ضرورت پر مبنی نہیں، اس لئے ناجائز ہیں۔

○ ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جس میں جاندار کی تصویر ہو یا ایسی تصویر والی جگہ نماز پڑھنا جائز نہیں، اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعدادہ ہوگی، ہاں! اگر تصویر کا سر کٹا ہوا ہو یا چہرہ مٹا ہوا ہو یا تصویر بہت چھوٹی ہو جو کھڑے ہوئی حالت میں واضح طور پر نظر نہ آئے تو نماز میں کراہت نہ ہوگی۔ اسی طرح بڑی تصویر اگر چھپی ہوئی ہے (مثلاً کرتے کے نیچے بنیان میں ہے) تب بھی نماز ہو جائے گی، مگر بلا ضرورت ایسا کپڑا استعمال کرنا گناہ ہے۔

○ جس مکان میں کسی جاندار کی تصویر ہو اس میں داخل ہونا جائز نہیں، ہاں! ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں، مثلاً قرض کی وصولی یا معاش و معاد سے وابستہ کوئی اور ضرورت۔

○ اگر تصویر ڈبے میں بند ہو یا کسی غلاف پھیلی وغیرہ میں مستور ہو تو یہ دخول ملائکہ رحمت میں رکاوٹ نہ ہوگی۔ ہاں! اس کے بھی بنانے، بیچنے، خریدنے اور بلا غدر رکھنے کا گناہ بدستور ہوگا۔

○ تصویر کسی شخص کے مکان یا دوکان وغیرہ میں موجود ہے، اور دوسرا مسلمان اس کے تلف کرنے پر قادر ہے تو تلف کر دینا اس پر واجب ہے، شرعاً اس پر کسی قسم کا ضمان بھی واجب نہیں، ہاں! جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں ایسا قدم نہ اٹھایا جائے۔

○ بعض حضرات ایسی جگہ جہاں تصویر لی جا رہی ہوں شریک ہو جاتے ہیں اور تصویر سے بچنے کے لئے منہ پر کپڑا رکھ لیتے ہیں۔ گناہ سے بچنے کے لئے اتنا کافی نہیں، بلکہ ایسی مجلس سے اٹھ جانا واجب ہے خواہ یہ دینی اجتماع ہی ہو، بالخصوص یہ شخص مقتدا ہو تو

اس کا بیٹھنا اور بھی سخت اور دہرا گناہ ہے، ایک اپنی برائی کا اور دوسرا عوام کو گناہوں پر جری کرنے کا۔

○ بعض لوگ بزرگوں کی تصویریں اہتمام سے بجا کر اپنے گھروں میں رکھتے ہیں، ان تصویروں کے احکام بھی بعینہ وہی ہیں جو عام تصویروں کے بیان کئے گئے کہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا سب حرام ہے، اور انھیں متبرک سمجھنے میں تو کفر کا اندیشہ ہے، شرک اور تمسک ہی کا دروازہ اسی قسم کی تصویروں سے کھلتا ہے۔

○ یہ تمام احکام جاندار کی تصویر کے تھے، بے جان اشیاء کی تصویر یا جاندار کی ایسی تصویر جس کا سر کٹا ہوا ہو یا چہرہ کے سوا الگ الگ اعضاء کی تصویر بنانا، بیچنا، خریدنا سب جائز ہے۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دار الافتاء والارشاد
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ ہجری



ضمیمہ

از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دہلوی علیہ السلام

تصاویر کی اقسام مختلفہ کے احکام :

سوال : سنہری زیور پر بعض اوقات کسی حیوان کی تصویر بنی ہوتی ہے، کیا ایسا

زیور پہننا جائز ہے ؟ نیز ایسا زیور پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں ؟

یہ وضاحت بھی فرمائیں کہ حیوان کی کیسی تصاویر جائز ہیں اور کیسی ناجائز ؟ نیز کس قسم کی تصویر کی موجودگی میں نماز مکروہ ہے ؟ بینوا بالتفصیل اجرکم اللہ العظیم .

الجواب باسم ملہم الصواب

قال الشيخ ابوالسعود رحمه الله تعالى : واعلم ان ظاهر التقييد بلبسه يفيد ان بيع ثوب فيه تصاوير لا يكره وقيل يكره اى تحريما بدليل ما قيل من رد شهادته اذ المكروه تنزيها لا يوجب رد الشهادة وحيث كان بيعه موجبا رد شهادته فناسجه بالاولى ووجه الاولوية ثبوت الخلاف فى كراهة بيعه بخلاف النسيج لكونه تصويرا (فتح المعين ص ۲۲۵ ج ۱)

وقال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى فى مكروهات الصلوة : وليس ثوب فيه تماثيل ذى روح وان يكون فوق رأسه او بين يديه او بحذاء يمينه او يساره او محل سجوده تماثيل ولو فى وسادة منصوبة لا مفروشة واختلف فيما اذا كان التمثال خلفه والاظهر الكراهة ولا يكره لو كانت تحت قدميه او محل جلوسه لانها مهانة او فى يده ، عبارة الشمنى بدنه لانها مستورة بثيابه او على خاتمه بنقش غير مستبين قال فى البحر ومفاده كراهة المستبين لا المستتر بلبس او صرة او ثوب اخر واقره المصنف او كانت صغيرة لا تتبين تفاصيل اعضائها للناظر قائما وهى على الارض ذكره الحلبى او مقطوعة الرأس او الوجه او ممحوة عضو لا تعيش بدونه او لغير ذى روح لا يكره لانها لا تعبد وخبر جبريل مخصوص بغير المهانة كما بسطه ابن الكمال واختلف المحدثون فى امتناع ملائكة الرحمة بما على النقيدين فنفاه عياض واشتبه النووى (رد المحتار ص ۴۳ ج ۱)

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله (ولیس ثوب فیہ تماثل)
قال فی البحر فی الخلاصۃ وتکرہ التصاویر علی الثوب صلی فیہ اولاً انتہی
وهذه الکراہۃ تحریمیۃ وظاہر کلام النووی فی شرح مسلم الإجماع علی تحریم
تصویر الحيوان وقال وسواء صنعہ لما یمتہن او لغيرہ فصنعتہ حرام بكل حال
لان فیہ مضاہاة لخلق اللہ تعالیٰ وسواء کان فی ثوب او بساط او درہم وانا
وحائط وغيرہا انتہی فینبغی ان یکون حراماً لا مکروہاً ان ثبت الإجماع او
قطعیۃ الدلیل بتواترہ اھ کلام البحر ملخصاً وظاہر قوله فینبغی الاعتراض
علی الخلاصۃ فی تسمیتہ مکروہاً قلت لکن مراد الخلاصۃ اللبس المصرح بہ
فی المتون بدلیل قوله فی الخلاصۃ بعد ما مر اما اذا کان فی یدہ وهو یصلی لایکرہ
وکلام النووی فی فعل التصوير ولا یلزم من حرمتہ حرمة الصلاة فیہ بدلیل ان
التصویر یحرم ولو كانت الصورة صغيرة کالتی علی الدرہم او كانت فی الید او
مستترۃ او مہانۃ مع ان الصلاة بذلک لا تحرم بل ولا تکرہ لان علة حرمة
التصویر المضاہاة لخلق اللہ تعالیٰ وهی موجودة فی کل ما ذکر وعلة کراہۃ الصلاة
بہا التشبہ وهی مفقودة فیما ذکر کما یأتی فاغتتم هذا التحریر (رد المحتار ج ۱ ص ۴۵)
وقال: (قوله وخبر جبریل الخ) هو قوله للنبی صلی اللہ علیہ وسلم "انا
لا ندخل بیتا فیہ کلب ولا صورة" رواہ مسلم. وهذا الشارۃ الی الجواب عما
یقال: ان كانت علة الکراہۃ فیما مر کون المحل الذی تقع فیہ الصلاة لا تدخلہ
الملائکۃ لان شر البقاع بقعة لا تدخلہا الملائکۃ ینبغی ان تکرہ ولو كانت الصورة
مہانۃ لان قوله ولا صورة تکرۃ فی سیاق النفی فتحم، وان كانت العلة التشبہ بعبادہا
فلا تکرہ الا اذا كانت امامہ او فوق رأسہ والجواب ان العلة هی الامر الاول واما
الثانی فیفید اشدیۃ الکراہۃ غیر ان عموم النص المذكور من خصوص بغیر المہانۃ
لما روی ابن حبان والنسائی "استأذن جبریل علیہ السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فقال ادخل، فقال: کیف ادخل وفي بیتک ستر فیہ تصاویر؟ فان کنت لا بد فاعل
فاقطع رؤوسہا واقطعہا وسائد او اجعلہا بسطاً" نعم یرد علی هذا ما اذا كانت
علی بساط فی موضع السجود، فقد مر انه یکرہ مع انها لا تمنع دخول الملائکۃ ولیس

فیہا تشبہ لان عبدة الاصنام لا یسجدون علیہا ، بل ینصبونہا ویوجهون الیہا
الا ان یقال فیہا صورة التشبہ بعبادتها حال القيام والركوع وتعظیم لہا ان سجد
علیہا اھ ملخصاً من الحلیۃ والبحر .

اقول : الذی یشہر من کلامہم ان العلة اما التعظیم او التشبہ كما قد مناه
والتعظیم اعم کما لو كانت عن یصینہ او یسارہ او موضع سجودہ فانه لا تشبہ فیہا
بل فیہا تعظیم وما کان فیہ تعظیم وتشبہ فهو اشد کراہۃ ولہذا اتفاقت رتبتهما
کما مر وخبر جبریل علیہ السلام معلول بالتعظیم بدلیل الحدیث الاخر وغیرہ
فعدم دخول الملائکۃ انما هو حیث كانت الصورة معظمة وتعلیل کراہۃ الصلاة
بالتعظیم اولی من التعلیل بعدم الدخول لان التعظیم قد یشترک عارضا لان الصورة
اذا كانت علی بساط مفروش تكون مہانة لا تمنع من الدخول ومع ہذا الوصلی علی
ذلک البساط وسجد علیہا تکرہ لان فعلہ ذلک تعظیم لہا والظاهر ان الملائکۃ
لا تمتنع من الدخول بذلک الفعل العارض واما ما فی الفتح عن شرح عتاب من
انہا لو كانت خلفہ او تحت رجلیہ لا تکرہ الصلاة ولكن تکرہ کراہۃ جعل الصورة
فی البیت للحدیث فظاهرہ الامتناع عن الدخول ولو مہانة وکراہۃ جعلہا فی بساط
مفروش وهو خلاف الحدیث المنصوص کما مر (رد المحتار ص ۶۳۹ ج ۱)

الاحکام المستفادة من النصوص المذكورة :

ایسا زیور بنانا، بیچنا، خریدنا، اپنے پاس رکھنا اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں ایسی
نماز کا اعادہ واجب ہے ۔

اگر تصویر کپڑوں وغیرہ میں پوشیدہ ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر اس کے پاس
کھڑے ہو کر دیکھنے سے اعضاء کی تفصیل نظر نہ آتی ہوں تو اس سے متعلق مندرجہ ذیل مسائل ہیں:
اتنی چھوٹی تصویر بنانا :

چھوٹی سے چھوٹی تصویر بنانا بھی بالاجماع حرام ہے لدخوله فی العلة المنصوصة یضاهون
خلق الله ۔

ایسی تصاویر کی خرید و فروخت :

اس میں کچھ اختلاف ہے مگر بدلائل ذیل عدم جواز راجح ہے :

- ① دلائل حرمت قویہ ہیں۔
- ② بوقت تعارض تساوی دلائل کی صورت میں بھی ترجیح حرمت مسلم ہے۔
- ③ اس کی اباحت سے اس کی صنعت کو تقویت ملتی ہے جو بالاجماع حرام ہے، لہذا یہ تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔
- ④ عوام کی ضلالت و ارتکاب کبائر کا ذریعہ ہے، اس لئے کہ وہ صغیرہ و کبیرہ اور پوشیدہ و ظاہر جیسی قیود و تفصیل سے قطع نظر نفس عمل کو دیکھ کر مطلقاً جواز پر استدلال کریں گے۔
- ⑤ صورت صغیرہ کی تعریف مذکور میں اختلاف انظار و آراء کی وجہ سے عوام کو بہانہ سازی کے مواقع ملیں گے۔

وجہ اختلاف انظار و آراء

- ① دیکھنے والوں کے قد میں اختلاف۔
- ② ان کی نظروں میں اختلاف۔
- ③ روشنی میں اختلاف۔

ایسی تصاویر رکھنا :

یہ بھی جائز نہیں، لما قدمنا من الدلائل الخمسة ایسی تصاویر اٹھا کر یا پاس رکھ کر نماز پڑھنا : عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں نماز بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ اس میں کراہت کی کوئی علت نہیں پائی جاتی، مگر اس میں کچھ کلام ہے کما سیأتی۔

علل کراہت :

- ① امتناع ملائکہ۔
- ② تعظیم غیر اللہ۔
- ③ تشبہ بعبادۃ الاصنام۔

پھر بعض حضرات نے علت اولیٰ کا مدار بھی علت ثانیہ ہی کو قرار دے دیا ہے۔ بندہ کے خیال میں علل مذکورہ نہ ہونے کی صورت میں بھی کراہت الصلوٰۃ کی یہ علت موجود ہے کہ اس مقام میں ایسی معصیت کی چیز ہے جس کے صانع پر لعنت ہے، چنانچہ بعض نصوص فقہ میں علت امتناع ملائکہ کی تشریح میں مذکور ہے کہ یہ بقعہ شرب البقاع ہے اس لئے اس میں نماز مکروہ ہے۔

اس کا مقتضی یہ ہے کہ صورتہ صغیرہ یا پوشیدہ کی موجودگی میں بھی نماز مکروہ اور واجب اللہ عادہ ہو، اس لئے کہ اولاً تو ایسے بقعہ میں قول عدم امتناع ملائکہ مختلف فیہ ہونے کے علاوہ فی نفسہ بھی محل تأمل ہے۔ ثانیاً اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ بقعہ اگرچہ عدم امتناع ملائکہ کی وجہ سے شر البقاع نہیں مگر اس میں وجود منکر کی وجہ سے بقعہ خبیثہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں،
وہو یکنفی للثبوت الکراہۃ۔ فلیتأمل۔

بساط یا موضع جلوس میں تصویر :

اس میں بھی یہ قباح ہیں :

- ① تصاویر کی صنعت کو ترقی ملتی ہے جو بالاجماع حرام ہے۔
- ② عوام کی ضلالت و ارتکاب کبائر کا ذریعہ ہے کہ وہ اس سے مطلقاً اباحت پر استدلال کریں گے۔ عوام مہانہ و غیر مہانہ میں کوئی فرق نہیں جانتے۔
- ③ امتناع ملائکہ۔

اس صورت میں اگرچہ امتناع ملائکہ مختلف فیہ ہے مگر وجہ مذکورہ کے پیش نظر امتناع رائج معلوم ہوتا ہے۔

ان سے بھی بڑی وجہ امتناع یہ کہ عمل ملعون کے معمول کا ابقار بلکہ اقتتار ہے، لوگ اس کو بنیت ایانہ نہیں رکھتے بلکہ بنظر اشتیاق رکھتے ہیں۔

قباح مذکورہ اس صورت میں بھی نماز کی کراہت و وجوب اعادہ کے مقتضی ہیں۔

وهذا لا یخالف ما رجحه الفقهاء رحمہم اللہ تعالیٰ لان الاحکام تتغیر

بتغیر الزمان، فتفکر ولعل الحق لا یعدوہ فتشکر

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

رشید احمد

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم احقوا الشورى واعفوا الداءى (متفق عليه)

نیل الساریج بخلق الشوری

تین فتاویٰ کا مجموعہ

① لبوں کا دونوں طرف بڑھانا مکروہ ہے۔

② زائد بالوں کی صفائی کی حد۔

③ حکم خلق الشاریج۔

☆ ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
☆ نصوص فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ۔
☆ عقل سلیم و طبع مستقیم۔

نیل المسارِب بمَلَق الشَّوَارِب

— اس رسالہ میں —

قصوں، حدیث و عبارتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ

سے ثابت کیا گیا ہے —

(۱)

لبوں کا مونڈنا سنت ہے

دونوں جانب بڑھانا مکروہ ہے

(۲)

بدن کے دوسرے جن باتوں کی

صفائی ضروری ہے ان کی صفائی

کی مدت بتائی گئی ہے —

احکام شوارب

مونچیں دونوں طرف بڑھانا مکروہ ہے؛

سوال: مونچیں دونوں طرف بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجرو
الجواب باسم صلاہم الصواب

مکروہ ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: واما طرفا الشارب وهما السبالان فقیل
ہما منہ وقیل من اللحیۃ وعلیہ فقیل لا بأس بترکھما وقیل یکرہ لہما فیہ من التشبیہ بالاعاجم واهل
الکتاب وھذا الولی بالصواب وتمامہ فی حاشیۃ نوح (رد المحتار ص ۲۴ ج ۲)
وقال فی حاشیۃ علی البحر تحت (قوله وهو المبالغۃ فی القطع) وقیل کرہ ابقاء السبال
لما فیہ من التشبیہ بالاعاجم بل بالمجوس واهل الکتاب وھذا الولی بالصواب لما رواہ ابن حبان
فی صحیحہ من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
المجوس فقال انہم یوفرون سبالہم ویخلقون لحامہم فخالقوہم فکان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
یجزئ کما تجز الشاة والبعیر (منحۃ الخالق بہامش البحر الرائق ص ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

زائد بالوں کی صفائی کی حد:

سوال: قطع شوارب، تعلیم اظفار، نتف ابوطولق عانہ کی حد کیا ہے؟ کتنے دنوں کے بعد صفائی واجب ہے؟ بینواتوجرو
الجواب باسم صلاہم الصواب

باتفاق امام وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ شوارب کا حلق یا قص کا حلق سنت ہے، شوارب و اظفار

نیل المارب ————— ۲

بڑھانے کے بارے میں ظاہر حدیث سے چالیس روز تک رخصت معلوم ہوتی ہے، یہ تحدید کتب فقہ میں بھی مذکور ہے۔

مگر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے علت حکم کے پیش نظر ضابطہ نظافت تحریر فرمایا ہے، جس کے تحت اختلاف اشخاص و احوال سے حکم وجوب بھی مختلف ہوگا۔

ضابطہ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ذکر اربعین کا یہ مطلب نہیں کہ دواعی موجبہ کے باوجود رخصت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعذار مرخصہ کے باوجود مدت مذکورہ کے بعد کوئی رخصت نہیں۔

قص شوارب کا حکم دیگر امور ثلاثہ کی بنسبت وجوہ ذیل کی بناء پر زیادہ مؤکد ہے:

① اکل و شرب میں نظافت نہ ہونے سے امراض میں ابتلاء کا خطرہ۔

② ناک کی رطوبت سے تلوث موجب تاذی و مورث امراض ہے۔

③ خارجی گرد و غبار کے اجتماع سے ناک اور منہ کے قریب تعفن جو موجب تاذی و مورث امراض

ہے۔

④ تشویہ الوجه۔

⑤ ایذاء الزوجة و تنفیہا۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (مرفوعاً) قصوا شواربکم فان بنی اسرائیل لم یفعلوا ذلك فزنت نساؤہم، رواہ الدیلمی۔ ونقل عنہ الامام عبدالرؤف المناوی فی کنوز الحقائق والشیخ علی المتقی فی کنز العمال۔

ان دواعی مذکورہ کے تحت بالائی لب کا کنارہ کھلا رکھنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے، البتہ کسی عذر کی وجہ سے اربعین تک رخصت ہے، مگر اس مدت میں نظافت کا اہتمام رکھنا لازم ہے۔ کتب فقہ میں بالائی لب کا کنارہ کھلا رکھنے کی سنیت تحریر ہے، اس کے ساتھ قول وجوب کی وجوہ تطبیق دو ہیں:

① سنت لعینہ واجب لغیرہ۔

② اداء واجب کی دو صورتیں ہیں، حلق و قص، حلق کی سنیت میں بعض نے اختلاف کیا ہے اور اداء واجب بطریق قص کی سنیت متفق علیہا ہے۔

سنیت حلق سے انکار امام و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب منصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے بالکل غیر معتبر ہے، صحیح یہی ہے کہ حلق بھی سنت ہے بلکہ سنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔

نص علیہ الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

قص شوارب کے بعد دواعی موجبہ کا وجود تقسیم اظفار میں ہے، اس کے بعد بقیہ دو میں ۔
معتدل حالات میں دواعی مذکورہ کے تحت امور اربعہ میں مناسب وقفہ حسب ذیل ہے:
قص شوارب ہفتہ میں دو بار، تقسیم اظفار ہفتہ میں ایک بار اور بقیہ دو ہفتہ میں ایک بار بہتر
ورنہ دو ہفتہ بعد ۔

قال العلامة النووی رحمہ اللہ تعالیٰ : « واما وقت حلقه فالمختار انه يضبط بالحاجة وطوله فاذا طال حلق وكذلك في قص الشارب ونتف الابط وتقليم الاظفار واما حديث انفس المذكور في الكتاب وقت لنا في قص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة ان لا نترك اكثر من اربعين ليلة فمعناه لا نترك تركا تجاوز به اربعين لانهم وقت لهم الترك اربعين والله اعلم (شرح النووی علی صحیح مسلم ص ۱۲۸ ج ۱)

وقال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ : المعنى في مشروعية ذلك مخالفة المجوس والامن من التشویش على الاكل وبقاء زهومة الماکول فيه (وبعد اسطر) وقد ابدى ابن العربي لتخفيف شعر الشارب معنى لطيفا فقال ان الماء النازل من الانف يتلبد به الشعر لما فيه من اللزوجة ويعسر تنقيته عند غسله وهو بازاء حاسة شريفة وهي الشم فشرع تخفيفه لئيم الجمال والمنفعة به (فتح الباری ص ۲۹۴ ج ۱۰)

وقال ايضا: قال ابن دقيق العيد لا اعلم احدا قال بوجوب قص الشارب من حيث هو هو واحترز بذلك عن وجوبه بعارض حيث يتعين كما تقدمت الاشارة اليه من كلام ابن العربي ۔
(فتح الباری ص ۲۹۵ ج ۱۰)

ترک قص میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ تشوہ الوجہ، کراہتہ المنظر، ایذا، زوجہ، اس کی تنفیر اور اس سے پیدا ہونے والی بدکاریوں کی قباحت و عذاب مزید ہے، کما قد منا من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نساء بنی اسرائیل ۔

وقال العلامة العثماني رحمہ اللہ تعالیٰ : قال القرطبي رحمہ اللہ تعالیٰ فی المفہم ذکر الاربعين تحديد لاكثر المدة ولا يمنع تفقد ذلك من الجمعة الى الجمعة والضابطة في ذلك الاحتياج اهـ وقال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح المہذب ينبغي ان يختلف ذلك باختلاف الاحوال والاشخاص والضابطة الحاجة في جميع الخصال المذكورة (فتح الملمہ ص ۴۲ ج ۱)

وقال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ : والمعنی ان لا نترك تركاً يتجاوز اربعین لانہ وقت لهم الترك اربعین لان المختار ان يضبط الحلق والتقليم والقص بالطول فاذا طال حلق وقص وقلم ذكره النووی (مرقاۃ ص ۲۵۲ ج ۸) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ

حکم حلق الشارب :

سوال : استرے یا بلیڈ سے مونڈنا جائز ہے یا مکروہ ؟

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ الباب "باب حلق الشارب" قائم فرمایا ہے، پھر بحث میں بھی احفاء بمقابلہ قص لائے ہیں، نیز وجہ النظر میں بھی افضلیت حلق محرم پر قیاس فرمایا ہے۔ ونصہ : قصہ حسن واحفاءہ احسن وافضل وهذا مذهب ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔ وقال فی آخر البحث : ان قص الشارب من الفطرة وهو مما لا بد منه وان ما بعد ذلك من الاحفاء هو افضل وفيه من اصابة الخیر ما ليس فی القص (شرح معانی الآثار ص ۲۹ ج ۲)۔ بینوا وجوا

الجواب باسم ملکم الصواب

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ بالاتفاق اعلم بمذہب ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، آپ کی تحریر کے مطابق باتفاق ائمتنا الثلاثة رحمہم اللہ تعالیٰ حلق شوارب مسنون ہے، ترجمۃ الباب "حلق الشارب" کے تحت احادیث احفاء لانے سے مقصد یہ ہے کہ ان احادیث میں احفاء بمعنی حلق ہے، چنانچہ فتح الباری کی ایک روایت میں صراحۃً لفظ حلق مذکور ہے، وسیحی، نصہ۔

حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں حلق سے احفاء یعنی استیصال کا حلق مراد ہے، جس کو بنفسہ اظہار بمبالغہ حلق سے تعبیر کیا ہے۔

ولا یخفی ان هذا التحمل تمحل وتأویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ وتقدر بہ المحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ، ثم نقل هو نفسه فی البناية سنينة الحلق عن المختار والمحیط وسیحی، نصہ۔ یہ تأویل بوجہ ذیل ناقابل قبول ہے۔

صنیع مصنفین میں اصل مقصود ترجمۃ الباب ہوتا ہے، اس کے اثبات کے لئے اس کے تحت احادیث لائی جاتی ہیں، ترجمۃ الباب میں مصنف اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے پھر اس کے تحت مندرجہ

احادیث سے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث احفاء سے سنیت حلق ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس حلق سے احفاء مراد لینا اصول تصنیف کے خلاف ہے اور قلب موضوع۔

حلق کا استیصال کا لخلق سے ابغ فی المعنی والیسر فی العمل ہونا ظاہر ہے، اس لئے حلق پر احفاء بمعنی الاستیصال بالقص کا لخلق کو ترجیح دینا خلاف معقول ہے۔

قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وورد الخبر بلفظ الحلق وهي رواية النسائي عن محمد بن عبد الله بن يزيد عن سفيان بن عيينة بسند هذا الباب ورواه جمهور اصحاب ابن عيينة بلفظ القص وكذا سائر الروايات عن شيخ الزهري ووقع عند النسائي من طريق سعيد المقبري عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه بلفظ تقصير الشارب نعم وقع الامر بما يشعر بأن رواية الحلق محفوظ كحديث العلاء بن عبد الرحمن عن ابيه عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه عند مسلم بلفظ جزوا الشارب وحديث ابن عمر رضي الله تعالى عنهما المذكور في الباب الذي يليه بلفظ احفوا الشارب وفي الباب الذي بلفظ انهلوا الشارب فكل هذه الالفاظ تدل على ان المطلوب المبالغة في الازالة لان الجز وهو بالجيم والزاي الثقيلة قص الشعر والصوف الى ان يبلغ الجلد والاحفاء بالمهمله والفاء الاستقصاء ومنه احفوه بالمسألة قال ابو عبيد الحصري معناه الزقوا الجزيا بالبشرة وقال الخطابي هو بمعنى الاستقصاء والنهك بالنون والكاف المبالغة في الازالة ومنه ما تقدم في الكلام على الختان قوله صلى الله عليه وسلم للخافضة «اشمي ولا تهنكي» اي لا تبالغي في ختان المرأة وجرى على ذلك اهل اللغة وقال ابن بطال: النهك التأثير في الشيء وهو غير الاستئصال (فتح الباری ص ۲۱۵ ج ۱)

وقال: قال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: الحلق هو مذهب ابي حنيفة وابي يوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ اھ (فتح الباری ص ۲۱۶ ج ۱)

وقال: وقد رجع الطحاوی الحلق على القص بتفضيلة صلى الله عليه وسلم الحلق على التقصير في النسك (حوالہ بالا)

وقال الحافظ العيني رحمہ اللہ تعالیٰ: قوله يخفى من الاحفاء بالحاء المهملة والفاء يقال احفى شعره اذا استأصله حتى يصير كالحلق وتكون احفاء الشارب افضل من قصه عبر الطحاوی بقوله باب حلق الشارب (عمدة القاری ص ۲۳ ج ۳)

وقال: وقال الكاکی وذكر الطحاوی رحمه الله تعالى فی شرح الآثار ان حلقه سنة ونسب ذلك الى العلماء الثلاثة انتهى۔ قلت لم يذكر الطحاوی كذلك وانما قال بعد رواياته الاحاديث المذكورة والتوفيق بينها ان الاحفاء افضل من القص نعم قال باب خلق الشارب وانما اراد بذلك الاحفاء حتى يصير كالخلق وفي المختار حلقه سنة وقصه حسن وفي المحيط الخلق احسن من القص وهو قول ابی حنیفة وصاحبيه رحمهم الله تعالى (بنایة ص ۲۵ ج ۴) وقال عبد الله بن محمود رحمه الله تعالى فی مقنة المختار: والسنة تقليم الاظفار وتنف الابط وحلق العانة والشارب وقصه احسن۔

نقل فی شرحه عن الامام الطحاوی رحمه الله تعالى: والخلق سنة وهو احسن من القص وهو قول اصحابنا رحمهم الله تعالى، قال عليه الصلوة والسلام: احفوا الشوارب اعفوا الدحی، والاحفاء الاستئصال (الاختیار لتعلیل المختار ص ۱۳ ج ۴)

مثن میں قصہ احسن کتابت کی غلطی ہے، صحیح لفظ "حسن" ہے، اس پر دو دلائل ہیں:

عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مختار سے منقولہ عبارت مذکورہ میں وقصہ حسن ہے۔

مصنف نے شرح میں خود امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے خلق کا احسن ہونا نقل کیا ہے۔

عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلق کے احسن من القص ہونے کے بارے میں مختار اور محیط کا حوالہ دیا ہے عبارت مختار کی تحقیق اوپر گزر چکی، محیط سے بظاہر محیط سرخی مراد ہے، اس لئے کہ حاشیہ طحاوی علی الدر میں اس کی تصریح ہے، وسیحی ء نصہ۔ ممکن ہے کہ محیط برہانی میں بھی اسی طرح ہو، عنقریب اس کی طباعت متوقع ہے۔ فلیراجع بعد۔

وقال العلامة الحصفی رحمه الله تعالى: وكره تركه وراء الاربعين مجتبی وفيه خلق الشارب

بدعة وقيل سنة۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالى: (قوله وقيل سنة) ومشی علیہ فی الملتقی

وعبارة المجتبی بعد ما رمز للطحاوی حلقه سنة وسبہ الی ابی حنیفة وصاحبيه رحمهم الله تعالى

والقص منه حتی یوازی الحرف الاعلی من الشفة العلیا سنة بالاجماع (رد المختار ص ۲۳ ج ۵)

وقال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالى: (قوله خلق الشارب بدعة) وقع فی بعض

التعبیر بالقص وفي بعضها التعبير بالخلق ففي الهندية ذكر الطحاوی فی شرح الآثار ان قص

الشارب حسن وتفسیره ان یؤخذ منه حتی ینقص من الاطار وهو الطرف الاعلی من الشفة

العلیاء قال والحلق سنة وهو احسن من القص هذا قوله وصاحبيه رحمهم الله تعالى کذا فی محیط
السرخی اه وعبارة المجتبى وحلق الشارب بدعة والسنة فی القص صح حلقه سنة نسبة الى ابی
حنيفة وصاحبيه رحمهم الله تعالى والقص منه حتى یوازی الحرف الاعلى من الشفة العلیا سنة
بالاجماع (طحطاوی علی الدرر ص ۲۳ ج ۴) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۸ جمادی الاولی ۱۳۰۱ھ



(مغفور عليه)

أَسْأَلُكَ بِكَافَّةِ مَا فِي كِتَابِكَ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



کتاب احیاء الموات

قدرتی قنات کا حریم نہیں:

سوال: در ولایت ما وادیہائے ہستند کہ آب دارند و بعضی از آنها چشمہ معین دارد و بعضی ندارد در زیر آن آب آبادی میکنند و ہمین آب را بذریعہ قنات بردہ آب می دہند، بعد مدتے چند نفر بالاتر از آبادی اول آبادی می کنند و آب را می گیرند و این آب جاری ست، گاہ در مواقع قحط خشک می شود و شخصی اول مانع می گردد، خلاصہ این کہ درین صورت صاحب آبادی اول می تواند آن را منع کردن یا نہ؟ و این آب حریم دارد یا حکم آب اودیہ عظام دارد؟ و آبادی قدیم و جدید فرق دارند یا نہ درین مورد و منع؟ اگر ہست در وقت ضرورت است یا ہر وقت؟ و آب اگر بالا گرفتہ شود آب زیر خشک می ماند، چہ حکم است؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

این چنین وادی را حریمی نیست، لہذا شخص اول را حق منع نمی رسد۔

واللہ سبحانہ و تعالی اعلم۔

مرربیع الاول ۱۳۹۱ھ

کنوئیں کا حریم:

سوال: مشین والے کنوئیں کا حریم کتنا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارض مباحہ میں اراضی کی صلابت و رخادت کے لحاظ سے حریم کی مقدار مختلف ہوگی، اہل تجربہ اتنا حریم مقرر کریں گے کہ کنوئیں کا پانی دوسری طرف نہ جانے پائے، ارض متوسطہ میں چاروں طرف چالیس ہاتھ ہے۔

ارض مملوکہ میں حریم کی کوئی مقدار متعین نہیں، مالک جہاں چاہے کنواں کھود

سکتا ہے۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: وحريم بئر الناضم وهي التي
يتزح الماء منها بالبعير كبئر العطن وهي التي يتزح الماء منها باليد والعطن
مناخ الابل حول البئر اربعون ذراعا من كل جانب وقالا ان للناضم
فستون وفي الشرنبلالية عن شرح المجمع لو عمق البئر فوق اربعين
يزاد عليها اهـ۔

لكن نسبه القهستاني لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ ثم قال ويفتق بقول
الامام رحمہ اللہ تعالیٰ وعزاه للتممة ثم قال: وقيل التقدير في بئر و
عين بما ذكر في اراضيهم لصلايتها وفي اراضيها سرخاوة فيزاد لثلا
ينتقل الماء الى الثاني وعزاه للمهداية وعزاه البرجندی للكافي
فليحفظ۔

وعبارة القهستاني: وفيه رضى الى انه لو حفر في ملك الغير لا يستحق
الحريم فلو حفر في ملكه فله من الحريم ما شاء۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله فوق
الاربعين) وفي التارخانية عن الينابيع ولا حاجة الى الزيادة ومن
احتاج الى اكثر من ذلك يزيد عليه وكان الاعتبار للحاجة لا للتقدير
ولا يكون في المسألة خلاف في المعنى اهـ ونقل العلامة قاسم في تصحيحه
عن مختارات النوازل ان الصحيح اعتبار قدر الحاجة في البئر من كل
جانب (رد المحتار ۲۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ رمضان ۱۲۹۴ھ

ارض مملوكة میں حریم کی کوئی مقدار متعین نہیں:

سوال: ایک آدمی نے ارض موات میں کاریز کھودا ہے اور اس کاریز سے کچھ دور
دوسرے آدمی نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا تو کیا از روئے شرع کاریز والے کو یہ
حق ہے کہ کنویں والے کو یہ کہے کہ یہ کنواں بند کرو، اس کے کھودنے سے کاریز
کا پانی کم ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں یہاں کے علماء کا بہت اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر

کنواں کاریز سے دس ذراع دوسرے تو کاریز والے کو کنواں بند کرنے کے مطالبہ کا حق نہیں، بعض علماء بشر بالوعدہ پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ قرب و بعد کا اعتبار نہیں ہے بلکہ پانی کھینچنے کو دیکھا جائے گا، اگر پانی نہیں کھینچتا تو کاریز سے ایک ذراع کے فاصلے پر بھی کھودا تو کوئی حرج نہیں اور کنواں کاریز کا پانی کھینچتا ہے تو کنواں جتنا بھی دور ہو، بند کرنا لازم ہوگا۔ قول اول صاحب شرح وقایہ نے لیا ہے مگر البحر الرائق میں اس پر رد کیا ہے، قول ثانی قاضی خان اور شامی وغیرہ نے لیا ہے۔ اب اگر قرب و بعد کو نہ دیکھا جائے بلکہ پانی کھینچنے کو دیکھا جائے تو کنویں کا کاریز سے پانی کھینچنے کا علم کس طرح ہوگا، براہ کرم پانی کھینچنے کا طریقہ کتابوں کے حوالہ سے تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

اور اگر بعینہ ہی صورت ایک کاریز اور ایک کنویں کی بجائے ایک کنویں اور دوسرے کنویں کے درمیان پیدا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ کیا پانی کھینچنے میں ارض موات و مملوکہ میں کوئی فرق ہے؟ بینوا توجرو۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حریم وغیرہ کے مسائل ارض موات کے بارے میں ہیں اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودنا بہر صورت جائز ہے، خواہ اس سے دوسرے کی کاریز یا کنویں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۳۰ ذی القعدة ۱۳۹۸ھ

چشمہ کا حریم:

سوال: ایک وادی میں دو چشمے ہیں اور دونوں کے درمیان کم از کم دس ذراع کا فاصلہ ہے، آیا یہ دس ذراع صرف ایک چشمے کے لئے ہوں گے یا دونوں کے لئے؟
بینوا توجرو۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ چشمے قدرتی ہیں تو ان کا کوئی حریم نہیں اور اگر لوگوں نے خود کھودے ہیں تو جو چشمہ پہلے نکالا گیا ہو اس کا حریم جو انتہا اربعہ میں پانچ سو ذراع ہوگا اور دوسرے کا جواب ثلاثہ میں پانچ سو ذراع، پہلے چشمے کی طرف اس کا حریم نہیں۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: وحریم العین خمس مائتا

ذراع من کل جانب کما فی الحدیث (رد المحتار ص ۲۷ ج ۵)

وقال ایضاً: وللخافر الثانی الحریم من الجوانب الثلاثة دون جانب
الاولی لسبق الملک الاول فیہ (رد المحتار ص ۲۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ جمادی الاولی ۹۹ھ

پتھر رکھنا مثبت احیاء نہیں:

سوال: بنجر زمین میں حکومت کی طرف سے اذن عام ہے، چنانچہ ایک شخص نے
ایک قطعہ ارض صاف کر کے چاروں طرف بطور علامت پتھر رکھ دیئے، پھر اس
یقین پر دو تین سال چھوڑ دیتا ہے کہ یہ ہماری ملک ہے۔ جب چاہوں گا مکان بنالوں گا۔
کیا یہ شخص اس کا مالک بن گیا یا نہیں؟ دوسروں کو تصرف سے منع کر سکتا ہے یا نہیں؟
بیدنوا توجسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سرف پتھر رکھنے سے مالک نہیں ہوتا، مکان بنائے یا زراعت کرے تو مالک ہوگا۔
البتہ پتھر رکھنے کی وجہ سے تین سال تک اس کا حق دوسروں سے مقدم ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ومن حجر الارض ای
منع غیرہ منها بوضع علامۃ من حجر او غیرہ ثم اھملھا ثلاث سنین
دفعۃ الی غیرہ وقبلھا ہوا حق بھا وان لم یملکھا لانا انما یملکھا بالاحیاء
والتعبیر لا بحجر والتجید (رد المحتار ص ۲۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۵ ربیع الثانی ۹۸ھ

چٹائی کی جھونپڑی مثبت ملک نہیں:

سوال: اگر ایک شخص منزل نقلی مثلاً حصیر دار مانند چٹائی وغیرہ درست کردہ
در جنب منزل دیگر شخص دو سو سال قیام کردہ بعداً منتقل شد، در دیگر قریہ رفت،
علامات این منزل نقلی کہ حصیر وغیرہ باشند ختم شدہ اند، بعد از چار یا پنج سال دو
مرتبہ آمد، دعوی کرد کہ این زمین مال بندہ است کہ یک دقت درین جا قیام کردہ بودم،
آیا این شخص حق ادعاء دارد یا کہ نہ؟ مالک زمین می شود ہر وقت کہ دل آن خواہد تصرف
می کند دیگران را از تصرف بازمی دارد، بشخص مذکور این حق حاصل است؟

یا کہ خیر؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ثبوت ملک کے لئے بناء یا زراعت کرنا ضروری ہے۔ چٹائی وغیرہ کا گھرنے سے ملک ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۵ ربیع الثانی ۹۸ھ

مختلف حکام کی طرف سے اذن اجیار کا حکم:

سوال: اگر غیر آباد زمین کو تین اشخاص نے علیحدہ علیحدہ آباد کیا، ایک کو تحصیل دار نے آباد کرنے کی اجازت دی، دوسرے کو نائب تحصیلدار نے اور تیسرے کو پٹواری نے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ان میں سے کس کی اجازت معتبر ہوگی، کس کو نائب سلطان تصور کر کے اس کی اجازت سے جواز اجیاء کا قول کیا جائے، کیونکہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ اجیاء موات کے لئے اہم یا نائب اہم کی اجازت ضروری ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر تینوں نے مل کر ایک ہی قطعہ ارض کو آباد کیا تو وہ تینوں اس کے مالک ہوں گے بشرطیکہ پٹواری کو قانوناً اجیاء موات کی اجازت دینے کا اختیار ہو، اور اگر تینوں نے مختلف اوقات میں آباد کیا ہے، مل کر نہیں کیا تو جس نے پہلے آباد کیا مالک ہوگا اور اگر تینوں نے الگ الگ قطعہ ارض کو آباد کیا تو ہر ایک اپنے حصے کا مالک ہوگا۔ بشرطیکہ پٹواری کو اس اجازت کا اختیار ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵ رجب ۹۸ھ

ارض موات کی تعریف:

سوال: ارض موات کسے کہتے ہیں؟ جامع تعریف تحریر فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارض موات وہ ہے جو شہر سے باہر ہو اور کسی کی ملک نہ ہو اور کسی کا مخصوص حق بھی نہ ہو، مرافق بلد سے نہ ہو۔

قال ملک العلماء الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: فالارض الموات هي ارض خارجہ البلد لم تکن ملکاً لاحد ولا حقاً له خاصاً فلا یكون داخل البلد

موات اصلاً (وبعد اسطر) وهل يشترط ان يكون بعيداً من العمران وشرطه الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ قانہ قال وما قرب من العامر فليس بموات وكذا روى عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ان ارض الموات بقعة لو وقف علی ادناها من العامر رجل فنادى با علی صوته لم يسمع من العامر وفي ظاهر الرواية ليس بشرط حتى ان بحر امن البلدة جزر ماؤه او اجتمع عظیمه لم تكن ملكاً لاحد تكون ارض موات فی ظاهر الرواية وعلى قیاس روایة ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقول الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ لا تكون والصحيح جواب ظاهر الرواية لان الموات اسم لما لا ينتفع به فاذا لم يكن ملكاً لاحد ولا حقاً خاصاً لم يكن منتفعاً به كان بعيداً عن البلدة او قريباً منها (بدائع ص ۹۳ ج ۶)

وقال فی الهندیة: فالارض الموات هي ارض خارج البلد لم تكن ملكاً لاحد ولا حقاً له خاصاً فلا يكون داخل البلد موات اصلاً وكذا ما كان خارج البلدة من مرافقها محتطباً لاهلها ومرعى لبعير لا يكون مواتاً حتى لا يملك الامام اقطاعها وكن لك ارض المملو والقار ونحوهما مما لا يستغنى عنها المسلمون ارض موات حتى لا يجوز للامام ان يقطعها لاحد (عالمگیریہ ص ۳۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ شوال ۹۸ھ

مباح الاصل زمین میں تعمیر کرنا:

سوال: ہمارے گھروں کے آگے پیچھے کافی زمین خالی ہوتی ہے، جس کے گھر کے آگے پیچھے ہوتی ہے وہی اس میں تعمیر وغیرہ کرتا ہے، عرف بھی یہی ہے کہ اس میں اسی کا حق ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس زمین میں سب قریہ والوں کا حق ہے یا اسی شخص کا جس کے گھر کے ارد گرد وہ زمین ہے؟

آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ حکومت کی اجازت سے تعمیر کی جاسکتی ہے۔ گزارش یہ ہے کہ یہ حکم تو ارض موات کا ہے اور ارض موات غالباً وہ ہوتی ہے جو شہر سے باہر ہو جبکہ یہ زمین تو وسط قریہ میں مکانوں کے ارد گرد ہے، یا قریہ کے قریب اطراف میں ہے تو یہ زمین ارض موات کے حکم میں کیسے ہوگی؟ براہ کرم مدلل باحوالہ جواب

عنایت فرمائیں۔ بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ زمین اگرچہ موات نہیں مگر اس میں تصرف خلاف قانون ہونے کی وجہ سے حکومت کی اجازت پر موقوف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۴ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

ذمی کا اجارہ مثبت ملک ہے :

سوال : اگر ذمی حکومت کی اجازت سے بنجر زمین آباد کر دے تو مالک بن جائے گا یا نہیں ؟ بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مالک بن جائے گا۔

قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ تعالیٰ : اذا احيى مسلم ارضاً ارضاً غیر منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولا ذمی (الی قوله) ملكها ان اذن له الامام في ذلك وقال لا يملكها بلا اذن، وهذا هو مسلماً فلو ذمیاً شرط الاذن اتفاقاً (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ رمضان ۱۴۰۳ھ

سرکاری بنجر زمین کا اجارہ مثبت ملک نہیں :

سوال : ایک مسلمان یا ذمی کو حکومت پاکستان نے ۱۹۶۸ء میں ایک بنجر قطعہ ارض اس شرط پر دیا کہ وہ پانی وغیرہ کا انتظام خود کر کے اسے آباد کرے گا، دس سال تک اراضی کو کاشت کرتا رہے گا اور اس مدت میں مقرر لگان بھی حکومت کو ادا کرتا رہے گا، دس سال کے بعد حکومت کو واپس کر دے گا۔ شخص مذکور نے زر کثیر خرچ کر کے ٹیوب ویل لگائے اور زمین کو آباد کیا۔ کیا یہ شخص ارض موات کو آباد کرنے کی وجہ سے اس کا مالک قرار پائے گا یا نہیں ؟ نیز دس سال کے بعد اراضی واپس کرنے کی شرط شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ کیا شرعاً حکومت کو یہ حق ہے کہ اس سے آباد شدہ اراضی یا اس کا کچھ حصہ واپس لے۔

بینوا توجسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ اجارہ کی صورت ہے لہذا آباد کنندہ زمین کا مالک نہ ہوگا، مگر غیر آباد زمین کو آباد کرنے کی شرط سے ٹھیکہ پر دینا اجارہ فاسد ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ حکومت صرف کاشت کردہ زمین کے اجر مثل اور اجر مقررین سے اقل لے سکتی ہے۔

قال المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد (الی قولہ) وكشروط طعام عبد وعلف دابة ومرومة الدار الخ (ردالمحتار ص ۵ ج ۵) وقال: وارضنا بشروط ان يثنيها اي يحرثها او يكرى انهارها العظام او يسرقها لبقاء اثر هذه الافعال لرب الارض فلو لم تبق لم تفسد۔

ونقل ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ عن المنعم تحت (قوله بشرط ان يثنيها) فان كان اثره يبقى بعد انتهاء العقد يفسد لان فيه منفعة لرب الارض والا فلا اه (ردالمحتار ص ۵ ج ۵)

وقال المحصن: واعلم ان الاجر لا يلزم بالعقد فلا يجب تسليمه به (الی قولہ) او الاستيفاء للمنفعة او تمكنه منه (الی قولہ) فيجب الاجر لدار قبضت ولم تسكن لوجود تمكنه من الانتفاع وهذا اذا كانت الاجارة صحيحة اما في الفاسدة فلا يجب الاجر الا بحقيقة الانتفاع الخ (ردالمحتار ص ۵ ج ۵)

وقال ايضا: وتفسد بجهالة المسمى كل ما او بعضه كتسمية ثوب او دابة او مائة درهم على ان يرميها المستأجر لصياد ورة المرومة من الاجرة فيصير الاجر مجهولا وتفسد بعدم التسمية (الی قولہ) فان فسدت بالاخيرين بجهالة المسمى وعدم التسمية وجب اجر المثل (الی قولہ) لا بالتمكين بل باستيفاء المنفعة حقيقة كما مر بالغاما بلغ لعدم ما يرجع اليه (الی ان قال) والا تفسد بهما بل بالشروط او الشيوع مع العلم بالمسمى لم يزد اجر المثل على المسمى لو ضاها به وينقص عنه لفساد التسمية الخ (ردالمحتار ص ۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ رمضان ۱۲۰۰ھ

فصل فی الشرب

چشمہ میں سب لوگ شریک ہیں:

سوال: ایک قدرتی چشمہ ہے جس سے تمام لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ اب گاؤں کے ایک شخص نے چشمہ کے پاس ٹنکی بنائی ہے جس میں اس چشمہ کا پانی جمع ہوتا ہے، وہ اس سے صرف اپنی زمین سیراب کرتا ہے، دوسرے تمام لوگ محروم رہتے ہیں، اس کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

یہ قدرتی چشمہ باپ دادا سے مشترک چلا آ رہا ہے اس میں کسی کا کوئی خاص حق نہیں سمجھا جاتا۔ سب لوگ بلا تخصیص استفادہ کرتے چلے آئے ہیں اب اس شخص نے دوسروں کی رضا کے بغیر اس چشمہ کی پورے پانی پر قبضہ کر لیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قدرتی چشمہ میں سب لوگوں کا حق ہے، اپنے فائدہ کے لئے ٹنکی بنا کر دوسروں کو محروم کرنا جائز نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المسلمون شرکاء فی ثلاث

فی الماء والکلا والنار۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله فی کل ماء لم یحرز) اعلم ان المیاہ اسبعة انواع الاول ماء البحار وکل احد فیہا حق الشفة و سقی الاراضی فلا یمنع من الانتفاع علی ای وجه شاء والثانی ماء الاددیة العظام کسیحون وللناس فیہ حق الشفة مطلقا حق سقی الاراضی ان لم یضرب العامة (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ صفر ۹۶ھ

پائپ لائن میں پانی آنے سے ملک ثابت ہو جاتی ہے:

سوال: ایک شخص نے قدرتی چشمہ سے پائپ لائن کھینچ کر پانی حاصل کیا، اسی سے مسجد کو بھی پانی دیتا رہا، پھر کچھ نمازیوں سے اختلاف ہو گیا تو اس نے مسجد کا پانی بند

کر دیا اور کہا کہ یہ فسادِ لوگ میرے بعد میرے بچوں کو تنگ کریں گے کیا یہ جائز ہے ؟
بینوا تو جسوا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی پائپ لائن میں پانی آنے سے وہ شخص اس کا مالک ہو گیا، لہذا اسے پانی بند
کرنے کا اختیار ہے مگر مسجد سے پانی روکنا مردت کے خلاف ہے۔ البتہ براہ راست چشمہ
سے پانی لینے کا ہر شخص کو حق ہے، اس سے روکنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
۴ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

چراگاہ میں سب کا حق ہے :

متفرقات المحظورات الاباحۃ میں گزر چکا ہے۔

بیع الشرب :

سوال : بوقت ضرورت شدیدہ بیع الشرب جائز ہے یا نہیں ؟ نیز شرب کو اجارہ پر دینا،
ہبہ کرنا، عاریت پر دینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جسروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان سب معاملات میں ظاہر الروایۃ عدم جواز کی ہے، بعض مشایخ جواز کے قائل ہیں،
بوقت ضرورت شدیدہ ان کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : وکذا بیع الشرب وظاہر الروایۃ

فسادہ الاتباعا خانیۃ وشرح وہبانیۃ وستمحققہ فی احیاء الموات۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله وکذا بیع الشرب) ای

فانہ یجوز تبعا للارض بالاجماع ووحدة فی روایۃ وهو اختیار مشایخ بلخ

لانہ نصیب من الماء درر ومحل الاتفاق ما اذا کان شرب تلك الارض فلو شرب

غیرہا ففيہ اختلاف المشایخ کما فی الفتح والنہر۔

(قوله وستمحققہ فی احیاء الموات) حیث قال هو المصنف هناك ولا

بیاع الشرب ولا یوہب ولا یؤجر ولا یتصدق بہ لانہ لیس بمال مقوم

فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتویٰ ثم نقل عن شرح الوہبانیۃ ان بعضهم

جوز بیعه ثم قال وینفذ المحکم بصحة بیعها ه ط (رد المحتار ج ۴)
والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ

حصہ شرب دوسری زمین کی طرف منتقل کرنا:

سوال: چہ میفرمایند علماء دین مبین در مسئلہ ذیل قناتی کہ بین دہ الی پانزدہ نفر است کہ سہمیہ ہر کس شخص است حتی کہ بر سر ساعات تقسیم است و از ازل تا آخر کہ کار کردہ شدہ است ہر کس کہ صاحب نصف ساعتہ بودہ است پوری نصف ساعتہ دادہ است کسی کہ صاحب ساعتہ بودہ است پور دو ساعتہ دادہ است، حالاکے کہ صاحب دو ساعتہ است زمین کم دارد و آب زیادہ و این شخص زمین دیگر دارد کہ آبش ازین قناتہ نیست و آن زمین ہم از دیگر جا آب ندارد، آیا این شخص میتواند کہ آب زیادہ را بر ہمین زمین صرف کند یا نہ؟ و آن شرکاء مانع اند کہ آب زائد را نمی گزاریم کہ شما بآن زمین ببرید، پس آیا این حق منع دارند یا نہ؟ در قادی قاضیخان در باب شرب بامش عالمگیریہ ج ۲ می نویسد:

ولو كان له سدس الماء من نهر بين قوم او عشر الماء او اقل اداكثر
فاخذ نصيبه من ذلك النهر كان له ان يسوق نصيبه الى حيث شاء من
الارضين لان ذلك ليس بشرب لاحد معين انتهى۔

و در ہدایہ ج ۴ کتاب الشرب و در دیگر کتب نوشتہ است:

وليس لاحد من الشركاء في النهر ان يسوق شربه الى ارض اس
اخرى ليس لها شرب في ذلك لانه اذا تقدم العهد يستدل به على انه
حقه انتهى۔

و در فکر احقر بظاہر از عبارت قاضیخان فہمیدہ می شود کہ شرکاء حق منع ندارند
و از عبارت دیگر کتب معلوم می شود کہ حق منع دارند، پس آیا توضیح این چہ گونه
است؟ و آیا محمل این عبارات یکی است یا فرق می کنند، عبارت ہدایہ دیگر محمل
دارد و عبارت قاضیخان دیگر محمل؟

ببینوا توجہ را۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہاں جواز عدم جواز کا مدار شرکاء کا حالی یا مالی ضرر ہے، جس پر وہ راضی نہ ہوں۔ اگر تقسیم آب میں زمین کو کسی درجہ میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہو جبکہ عرف عام بھی یہی ہے تو خارجی زمین کو پانی لے جانا جائز نہیں ولو کان الماء مقسماً بالایام، کیونکہ اگر خارجی زمین نہر سے بہت نشیب میں ہو تو زیادہ پانی کھینچنے کی وجہ سے شرکاء کا ضرر متیقن ہے۔

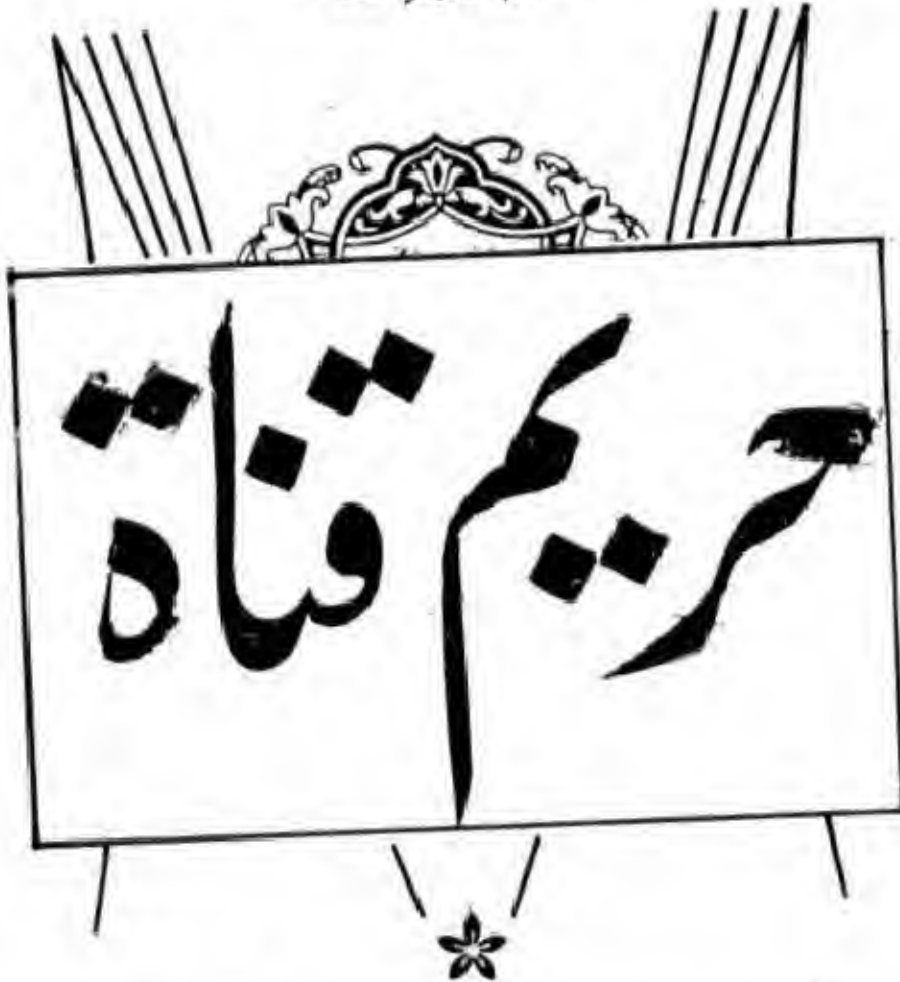
علامہ ازیں تقادم عہد کی صورت میں دعوائے شرکت کا احتمال بھی ہے، لکن فی الہدایۃ۔ اگر ہی صورت حال کسی داخلی زمین کی ہو تو اذن شرکاء کی وجہ سے کوئی اشکال نہیں، اور غیر شریک کے دعوائے شرکت کا بھی کوئی احتمال نہیں۔

اور اگر تقسیم کے وقت زمین کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہو تو ہر شریک اپنے حصہ متعینہ کو جہاں چاہے صرف کر سکتا ہے، جزئیہ خانیہ کا یہی محمل ہے، فانہم رضوا بالضم المذکور۔ پاکستان کے سرکاری وغیر سرکاری عرف میں شق ثانی کا کوئی وجود نہیں، بہر حال نہی پانی میں زمینوں کو ملحوظ بلکہ مخصوص کیا جاتا ہے، البتہ غیر سرکاری عرف میں کوئی شریک اپنا حصہ احیاناً خارجی زمین میں لے جائے اور شرکاء کو ضرر نہ ہو تو اس کا تحمل کر لیا جاتا ہے سرکاری قانون میں یہ بہر حال جرم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۹ شعبان ۱۴۱۲ھ



وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَسِيرُ حَسْبِي ۝



حریم قنات کے مقام و مقدار کی تحقیق
 حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی
 عبارات مختلفہ میں تطبیق

صریح فناء

صریح فناء کا مقام

صریح فناء کی مقدار

جواب اول

جواب ثانی

جواب ثالث

جواب ثالث کی تفصیل

التحقیق الزمیر



حریم قنات کی ابتداء

سوال: قنات کے حریم کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ آیا جہاں سے پانی اُبتا ہے یا جہاں سے پانی چل پڑتا ہے؟

اس بارہ میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلفہ میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہے؟ مفصل جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں، شکراً۔

اس استفتاء کے بارہ میں دارالعلوم کراچی کی طرف تین بار مراجعہ کیا گیا لیکن تشفی نہیں ہوئی، لہذا تینوں جوابات حضور اقدس کی خدمت عالیہ میں پیش ہیں، ان پر غور فرما کر فیصلہ فرمائیں، بڑی عنایت ہوگی۔

جواب اول:

الجواب ومنہ الصادق والصلوای

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق قنات کے تین حصے معلوم ہوتے ہیں۔

- ① قنات کا وہ بالائی مقام جس میں پانی ہوتا ہے۔
- ② قنات کا وہ زیرین مقام جس میں سے پانی گزرتا ہے۔
- ③ قنات کا وہ مقام جہاں پانی نکل کر سطح زمین پر آ جاتا ہے۔

پہلے حصے کے بارے میں عالمگیریہ ص ۳۸۸ ج ۵ کی عبارت یہ ہے:

قال محمد فی الكتاب القنات بمنزلة البئر فلها من الحرم ما للبئر۔

یعنی قنات بمنزلہ کنویں کے ہے لہذا قنات کا حریم وہی ہوگا جو کنویں کا ہوتا ہے،

یعنی چابسلہ شرعی گزر۔

اور دوسرے حصے کے متعلق عالمگیریہ کی عبارت یہ ہے:

اما فی الموضع الذی لا یقع الماء علی الارض القنات بمنزلة النهر الا انه

یجرى تحت الارض۔

یعنی وہ مقام جہاں پانی زمین کے اندر ہو کر گزرتا ہے وہ بمنزلہ نہر ہے اور

اس کا حریم نہر کے حریم کی طرح ہے۔

اور تیسرے حصے کے متعلق عالمگیریہ کی عبارت یہ ہے:

القناة فی الموضع الذی یشہر الماء منه علی وجه الارض بمنزلة العین
الفوّاة فیكون لها من الحرم حینئذ مثل ما للعین خمساً ذراعاً بالاجماع۔
یعنی قناتہ کا وہ حصہ جہاں سے پانی نکل کر سطح زمین پر آتا ہے وہ چشمہ کے حکم میں ہے
اور چشمہ کا حرم پانچتوہ شرعی گز کی مقدار کا ہوتا ہے۔

ومثله فی الخانیة علی ہا مشی الہندیة ص ۲۲۰ ج ۳ والبحر ص ۳۴۱ ج ۸۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں قناتہ کے بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا

کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب مذکور پر مستفتی کے اشکالات :

جواب استفتاء موضوع قناتہ آمد و رسید و لے تا حال در نظر احقر مسئلہ تشنہ بلب
وقابل تحقیق وتوضیح مزیدست۔ در صورتیکہ جناب عالی حریم قناتہ را از جای بیرون آمدن
آب از کاریز اثبات کردہ اید و از منبع و بنگاہش قرار ندادہ اید چند اشکال وارد می گردد
کہ حل آنها بر ذمہ شما لازمست۔

اول اینکه مسئلہ قناتہ باتفاق ائمہ جمہم اللہ تعالیٰ منصوص شرعی نیست قیاسیست۔

کما قال فی البناية شرح الهداية وقال فی الشاملة القناة لها حریم

مفوض الی رأى الامام ۴ لانه (لنفس فی الشرح ص ۳۰۳ ج ۲)

پس وقتیکہ این مسئلہ قیاسی شد از دو حال خالی نمی گردد یا برچاہ قیاس کردہ شود

یا برچشمہ کہ منصوص نہ۔

اگر برچاہ قیاس کردہ شود علت مشترکہ کہ شرط قیاسست بین این دو مسئلہ دیدہ

نمی شود؛ چرا کہ چاہ یکجا حفر عمیق کردہ می شود و آبش ایستادہ است و قطره قطره می آید

مثل فوارہ حرکت نمی کند و روان نمی شود و جوی ندارد، بخلاف قناتہ کہ اگر زیر بریدہ شود

یا سردریدہ شود در ہر دو حال آب جاری دارد مثل فوارہ از منبع حرکت میکند نہ از جای

بیرون رفتن بہ مزارع، و جوی وغیرہ تشریفات دارد،

البتہ اگر آنرا بچشمہ قیاس کنیم چنانچہ مشایخ کردہ اند علت مشترکہ دیدہ می شود ولی

درین صورت مقتضای قیاس مشایخ باید این بشود کہ حریم قناتہ از منبع و بنگاہ قرار گیرد

نہ از جای بیرون رفتن بہ مزارع، چرا کہ باتفاق ائمہ جمہم اللہ تعالیٰ حریم چشمہ از بنگاہ است

نه از حوض و انتهای جوی آل و اگر چنین کرده نشود قیاسی مع الفارق میگردد و کما فی الصورة الاولى -

دوم اگر ما قنایه را بسه حصه تقسیم کنیم در حصه اول این اشکال می آید که آب چاه بسته و ایستاده و مثل فواره نیست بخلاف آب قنایه -

و در حصه سوم این اشکال می آید که آنجا آب در حقیقت از زیر زمین بیرون نمی آید بلکه از زیر سرپوش قنایه بیرون می آید و مثل فواره هم در اینجا موصوف نمی گردد، بخلاف آب چشمه که از زمین حقیقت بیرون می آید و مثل فواره هست، علت اینوقت هم مفقود میگردد -

سوم حریم باید یک حد معین باشد اگر حریم قنایه جای بیرون آمدن آب از سرپوش قرار گیرد معین نمی گردد، چرا که وقت کم شدن آب چون قنایه زیاده حفر کرده می شود کاربرد آن سرپوش کرده پائین تر میرود بیک قرار نمی ماند پس باید در هر سال جائی دیگر حریم داده شود - چهارم قنایه چون کندیده می شود مبادی از دهنش که جای بیرون آمدن آب است به مزارع شروع می شود و غایتش رفته به منبع میرسد و تمام میگردد و بین این مسیر سی چاهها که برای کشادن جوی قنایه میباشند و اند کرده می شوند و قول امام محمد رحمه الله تعالی محمول بهمین چاهها هست که به منبع نرسیده اند که هر یکی از اینها حکم چاه دارد و چون بغایت و منبع رسید مشایخ رحمهم الله تعالی بر قول امام محمد رحمه الله تعالی زاید کردند که در آنوقت حکم چشمه دارد و ظاهراً هست که در پائین و مبادی نیست بلکه در غایت است و منبع - و امام بزرگ رحمه الله تعالی هم همین طور فرموده است چنانچه در عبارت قاضی خاں تصریح است :

واما عند ابی حنیفه رحمه الله تعالی اذا فعل ذلك باذن الامام يستحق الحريم للموضع الذي يقع الماء فيه على وجه الارض (الى ان قال) والقنایه الى ان يقع الماء على وجه الارض بمنزلة النهر الا ان في القنایه يجري الماء تحت الارض فاذا وقع الماء على وجه الارض يصير ذلك الموضع بمنزلة العين لان قل العين يخرج الماء من الارض ويسيل على وجه الارض (فتلك بحاشیه هندیه بیرونی) پنجم القافی که فقها رحمهم الله تعالی درین مورد استمال فرموده اند اینند -
یظهر على وجه الارض -

يقع الماء على وجه الارض -

يقع الماء فيه على وجه الارض -

يسنح على وجه الارض -

تسح على وجه الارض -

این وجه الارض در نظر احقر همان ارض است که در منبع و بنگاه آب است نه این ارض که جای بیرون شدن آب به مزایع است - به این قرائن -

قناة مجرای آب را می گویند که زیر سرپوش است و آن مختلف فیهاست بین امام و محمد یا صاحبین رحمهم الله تعالی که امام آنرا بمنزله نهر قرار داده و حریم نداده است مگر مثل نهر و امام محمد یا صاحبین آنرا یعنی دهن چاههای آنرا بمنزله چاه قرار دادند، و اگر نه در جائیکه آب از منبع بیرون می آید نزد امام بمنزله عین است (کما فی البحر ص ۲۲۸ و فتح القدیر و هداية ص ۱۲۸) و نیز در هندیة - القناة فی الموضع الذی یظهر الماء منه على وجه الارض بمنزلة العين الفوارة -

و این موضع مراد همان بنگاه و منبع است بطاهر آنه غیر -

و نیز از دلیل قاضیخان بالا روشن است که فرمودند :

لان فی العين یخرج الماء من الارض ویسبل على وجه الارض -

پس معلوم شد که حریم قناة هم آنجا است که آب از زیر زمین بر سر زمین می آید نه آنجا که از سرپوش بیرون می رود -

و نیز از عبارت کتاب الخراج واضح است :

قال ابو یوسف رحمه الله واجعل للقناة من الحریم ما لم یسنح على وجه

الارض مثل ما جعل للابار فاذا ظهر الماء وسنح على وجه الارض جعلت حریمه

كحریم النهر بنایة (ص ۳۰۳ ج ۷)

یعنی تا وقتی که آب قناة در منبعش ایستاده است و جریان نمیکند حکم آنرا مثل حریم

چاه میکنم و چون آبش بمیل قناة روان میگردد تا آخرش حکم آنرا مثل جو میگویم، معلوم شد

که مسئله مختلف فیها بین امام و صاحبین همین میل است و جوی قناة تا آخر -

ششم، خلاصه علی که از نصوص در مورد حریم معلوم می شود دو چیز است یکی دفع مضرت -

دوم جلب منفعت -

علت اولیٰ در مالک و آب مشترک است، دوم فقط برای مالک محدود است۔ یعنی از نصوص معلوم است کہ علت حریم اینست کہ از حافراول ضرر نقص یا فناى آب دور کرده شود و از منع تصرف از حریم ہم جلوگیری کرده شود۔ حالانکہ ہرست کہ اگر حریم از جای بیرون شدن آب از سرپوش قناتہ قرار داده شود و پنجد گز بدور بر آن ملک او قرار گیرے فقط باو نفع ملکى رسد و دفع ضرر از آب کہ اصل علت است دور نہی شود، چرا کہ اینجا اگر کسی دور یا نزدیک اگر قناتی حفر کند چونکہ منبع آب خیلی دورست بیچ اثری ندارد۔

و اگر حریم از منبع قرار داده شود ضرر از آب قناتہ و صاحب قناتہ ہر دو دور می گردد و انتفاع ملک دریں حدود ہم بمالک می ماند، بوسیله آب قناتہ یا شد یا بوسیله دلویا مکنہ از دہن چاہہا قناتہ می تواند کہ در حدود پنجد گز ملکاً استفادہ کند، و دفع الضرر اہم از جلب منفعت است، پس مقتضای ایں علل و قواعد ہم ہمین است کہ حریم از منبع و بنگاہ باشندہ از جای بیرون آمدن آب از سرپوش قناتہ -

خلاصہ : لطفاً ایں اشکالات را بتدبر تام نظر فرمودہ از جواباتانی مستفید فرمائید و از دیگر مفتیہای آنجا نیز دریں مورد مشورہ گیرند۔

جواب ثانی :

(جواب ومنہ الصدق والصواب)

منبع اور بنگاہ کے متعلق آپ نے جو یہ کہا ہے کہ
”اس کو کنویں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔“

ٹھیک ہے اس لئے کہ عالمگیریہ کی عبارت :

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب القناتہ بمنزلۃ البئر فلہا من الحریم

ما للبئر

قناتہ کے اس زیرین حصہ سے متعلق ہے جس میں سے پانی گزرتا ہے منبع کے متعلق نہیں جیسا کہ صاحب درمختار نے اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف بھی نقل کیا ہے، ظاہر ہے کہ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف قناتہ کے اس زیرین مقام کے متعلق ہے جس میں سے پانی گزرتا ہے۔ کما فی اللامختار

حریم قناتہ

(وللقناة) ہی مجری الماء تحت الارض (حریم بقدر ما یصلحہ) لالقاء الطین ونحوہ وعن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کالبیر۔

وفي الشامية تحت (قوله وعن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کالبیر) قال الاتقانی قال المشایخ الذی فی الاصل ای من ان القناة کالبیر قولہما وعندہما لاحریم لہ لانہما بمنزلۃ النہر ما لم یظہر ما وھا علی وجه الارض ولا حریم للنہر عندہ فان ظہر کالعین الفوارق حریمہا خمس مئة ذراع (ص ۳۰۹ ج ۵)

پس دارالعلوم کے سابقہ فتویٰ میں قنات کے متعلق جو لکھا گیا ہے کہ اسکا حریم کنویں کے حریم کے برابر ہے اس سے رجوع کیا جاتا ہے، البتہ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ ”تیسرے حصے کو (یعنی جہاں سے پانی سطح زمین پر ظاہر ہو جاتا ہے) چشمہ پر قیاس کرنے کی صورت میں علت مشترکہ نہیں پائی جاتی ہے“

یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ چشمہ میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔

① خروج الماء من الارض،

② سيلان الماء على وجه الارض،

جیسا کہ قاضی خان کی عبارت سے ظاہر ہے:

والقناة الى ان يقع الماء على وجه الارض بمنزلة النهر الا ان في القناة يجرى الماء تحت الارض فاذا وقع على وجه الارض يصير ذلك الموضع بمنزلة العين لان في العين يخرج الماء من الارض ويسيل على وجه الارض،

(الخانية على الهندية ص ۳ ج ۳)

تیسرے حصے کو چشمہ پر قیاس کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں زمین ہی کے اندر سے پانی نکل پڑے بذریعہ قنات یہاں نہ آیا ہو اس لئے کہ اس صورت میں وہ تو عین چشمہ ہو گیا پھر تو اس کو چشمہ پر قیاس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چشمہ کا حریم باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ منبع سے شمار کیا جاتا ہے حوض سے شمار نہیں کیا جاتا اور یقینی ہے کما قال فی الہدایۃ :

وان كانت عيناً فحریمها خمس مئة ذراع لما روينا وهو قوله عليه السلام

حریم العين خمس مئة ذراع (الى ان قال) والتقدير خمس مئة بالتوقيف (ص ۳۸ ج ۴)

مگر یہاں بحث چشمہ کی نہیں، بلکہ قنات کے تیسرے حصہ سے متعلق ہے اس تیسرے حصہ کو چشمہ پر قیاس کیا گیا ہے، حریم قنات تیسرے حصہ سے قرار دینے کی صورت میں اگر حریم ہر سال بدلتا رہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ جس طرح چشمہ اگر ایک جگہ سے بند ہو کر دوسری جگہ سے نکل پڑے تو باتفاق ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ دوسری جگہ سے چشمہ کا حریم شمار کیا جاتا ہے۔ وہ الفاظ جن کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے لئے استعمال کرتے ہیں جیسے:

یظهر علی وجه الارض۔

يقع الماء علی وجه الارض۔

يقع الماء فیہ علی وجه الارض۔

یسنح علی وجه الارض۔

سنح علی وجه الارض۔

ان سے مراد وہ مقام ہے جہاں جا کر پانی سطح ارض پر ظاہر ہو جاتا ہے یعنی قنات کا تیسرا حصہ اور آخری حصہ۔ منبع اور بنگاہ مراد نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ کی عبارتیں اس پر صراحت دلاتی ہیں، کما فی الخانیۃ:

والقناة الی ان يقع الماء علی وجه الارض بمنزلة النهر الا ان فی لقناة
يجری الماء تحت الارض فاذا وقع علی وجه الارض یصیر ذلک الموضع بمنزلة
العین (الخانیۃ علی الہندیۃ ص ۲۱۹ ج ۳)

قاضیخان کی عبارت میں تیسرے حصے سے پہلے والے حصے پر نہر کا اطلاق کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ ”وقع الماء علی وجه الارض“ سے پہلا حصہ (یعنی قنات کا وہ بالائی مقام جس پر پانی ہوتا ہے) مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس سے پہلے کوئی نہر نہیں ہوتی۔

صاحب ”غایۃ الاوطار“ نے درختار کی عبارت ”ولو ظهر الماء فکالعين“ کا جو ترجمہ کیا ہے یعنی ”کاریز کا پانی اوپر کی زمین پھٹ کر ظاہر ہو گیا تو اس کا حکم چشمہ کے مانند ہے یعنی پانچو گز اس کا حریم ہوگا“ (ص ۲۵۴ ج ۴)

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ”ظہور الماء علی وجه الارض“ سے تیسرا حصہ مراد ہے منبع اور بنگاہ مراد نہیں،

صاحب ”عین الہدایہ“ نے ہدایہ کی عبارت:

”قالوا عند ظهور الماء هو بمنزلة عين فواره“ کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے: ”مشائخ نے فرمایا کہ جب اس کا پانی زمین پر ظاہر ہو تو وہ بمنزلہ جوش مارنے والے چشمہ کے ہے۔“ یعنی پانچو گز حریم مقرر کیا جائے گا (ص ۳۷۳ ج ۴)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ظہور الماء علی وجه الارض سے وہ مقام مراد ہے جہاں پر پانی سطح ارض پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و اكمل۔

جواب ثانی پر مستفتی کا اشکال :

جواب دوم قناتہ کے موضوع میں موصول ہوا کچھ تشفی حاصل ہوئی تاہم ایک اشکال حل طلب ہے وہ یہ کہ آپ حضرات نے قناتہ کے حریم کو جس جگہ سے کہ پانی سطح زمین پر نکل پڑے کر دیا اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات کو اس پر چسپاں کر دیا۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ قناتہ کو منبع اور بنگاہ سے بھی ایک اور حریم دیتے ہیں یا نہیں؟ اگر دیتے ہیں تو کتنا دیتے ہیں جتنا کنویں کا ہوتا ہے یا جتنا چشمہ کا؟ اور اگر نہیں دیتے ہیں تو آپ کی اس عبارت کے کیا معنی ہونگے :

”اس صورت میں وہ تو عین چشمہ ہو گیا تو اس کو چشمہ پر قیاس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا“

اور نصوص جو حریم چشمہ اور کنویں کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں کس وجہ سے اسی بنگاہ کو ان سے اور انکے مصداق عام سے نکالا جائے گا؟ باوجودیکہ علت استحقاق حریم باتفاق فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حاجت ہے دو طریق سے :

ایک دفع حاجت صاحب چشمہ اور کنویں سے
دوسری دفع ضرر صاحب حریم کے پانی سے۔

اس دوسری حاجت کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اصل علت قرار دیا ہے اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ تمام استفادات صاحب چشمہ یا کنواں پانی کے وجود پر موقوف ہیں، اگر پانی نہ ہو وہ کیسے استفادہ کر سکتا ہے۔

اور یہ بھی بالکل مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس جگہ کے ارد گرد جہاں پانی سطح زمین پر نکل پڑتا ہے پانچو گز سے کمتر بلکہ بیس تیس گز کے اندر اندر اگر دوسرا کنواں یا چشمہ کھودے پہلی قناتہ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، یہ تو بالکل مشاہدہ ہے، میں

خود بھی دو قناتوں کے اندر دارائی شرکت و صاحب حال و صاحب البیت ہوں۔ اور صاحب زمین کو بھی کوئی ضرر عائد نہیں ہوگا، کیونکہ پانی جب قنات سے سطح زمین پر نکل پڑتا ہے اکثر و اغلب پانچ سو گز کے اندر اندر زمین کے نشیب فراز کی وجہ سے قابل استفادہ نہ رہے گا، بلکہ اکثر و اغلب جو قناتیں ہمارے ملک میں ہیں ایک ہزار گز یا کم از کم سات سو گز سے اوپر قابل استفادہ ہوتی ہیں تو پانچ سو کا حریم دینے سے صاحب زمین کی حاجت کو یا دفع ضرر کو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا، اور نص اور قیاس کا کیا نتیجہ نکلا؟

البتہ یہ بالکل مشاہدہ و ثابت ہے کہ اگر بنگاہ قنات کے ارد گرد کہ فوارہ وار زمین سے اُبل رہا ہے اگر دوسرا شخص پانچ سو گز کے اندر یا کمتر کوئی دوسری قنات یا کنواں کھودے یا مکینہ لگائے تو قنات اول کے پانی کو ضرر پہنچتا ہے، بلکہ بسا اوقات وہ قنات بالکل خشک ہو کر ناقابل استفادہ ہو جاتی ہے اور صاحب اول کے تمام استفادات اور سرمایہ معلق و بیکار ہو جاتا ہے بلکہ آجکل آلات جدیدہ اور مشینوں کے دور میں سات سو گز یا ہزار گز کے فاصلہ پر ایک مکینہ نصب کی جاتی ہے تو قنات اول خشک ہو جاتی ہے لہذا احقر کی نظر میں قنات کو دونوں جگہ سے حریم دینا لازم ہوگا، ورنہ پھر لازم ہے کہ بنگاہ سے دیا جائے تاکہ جامع عین و قنات قیاس میں موافق ہو جائیں و اصل علت کہ حاجت و دفع ضرر ما رہے بحال رہے و مصداق عامہ نص و صبح بحال رہے۔ اب آپ حضرات کی تحقیق کا انتظار ہے۔

جواب ثالث :

(الجواب حاملاً ومصلیاً)

قنات کے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں ان کے مآخذ میں دیکھنے اور غور کرنے کے بعد جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قنات کے بالائی مقام (جہاں سے پانی نکلنا شروع ہوتا ہے جس کو استفتاء میں منبع اور بنگاہ سے تعبیر کیا گیا ہے) کے متعلق ہدایہ کے حاشیہ میں شارح المواقف سے نقل کیا گیا ہے کہ قنات کے بالائی مقام سے جب تک میل یعنی نہر نہیں نکالی جاتی اس وقت تک وہ کنواں ہوتا ہے، جب اس سے نہر نکال لی جاتی ہے تو وہ خود بالائی مقام نہر میں شامل

ہو جاتا ہے، لہذا قناتہ کا بالائی مقام اور قناتہ کا وہ زمین حصہ جہاں سے پانی گزرتا ہے ان دونوں کا حریم شرعاً مقدار اور متعین نہیں، زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے جتنی مقدار حریم کی ضرورت پڑے گی اتنا ہی اس کا حریم ہوگا۔

چنانچہ قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے قناتہ (کاریز) اور مخرج مار یعنی منبع کے لئے بقدر ما یصلح کو اس کا حریم قرار دیا ہے۔

نیز فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ کی اکثر کتابوں میں قناتہ کے دو ہی حصوں کے حریم کا ذکر صراحتاً ملتا ہے :

① قناتہ کا وہ حصہ جہاں سے پانی سطح ارض پر ظاہر ہو جاتا ہے، جس کا حریم فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ نے چشمہ کے حریم کے برابر قرار دیا۔

② قناتہ کا وہ حصہ جس میں پانی برسر زمین ظاہر نہ ہوا ہو۔ اس کا حریم فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ نے نہر کے حریم کی طرح قرار دیا، یعنی زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے جتنی مقدار کی ضرورت پڑے گی اتنا ہی اس کا حریم ہوگا۔
فی حاشیۃ الہدایۃ :

(قوله والقناة) قال شارح المواقف ان لم يجعل مسيل فلهو البير وان جعل فلهو القناة ونسبته الى الابار كنسبة العيون السيالة الى الراكدۃ
(ص ۲۸۲ ج ۴)

وفي الخاتمة على هامش الہندیۃ :

ولو حفر رجل قناة بغير اذن الامام في مفازة وساق الماء حتى اتي به

ارضاً فاحياها فانه يجعل لقناته ولمخرج فانه حرماً بقدر ما یصلح (ص ۲۲۰ ج ۳)

فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ نے قناتہ کے تیسرے حصے کا حریم چشمہ کے حریم کے برابر جو قرار دیا وہ صرف اس مقصد کے لئے نہیں کہ اگر کوئی آدمی اسکے حریم کے اندر دوسری قناتہ کھودے تو اسکے پانی کا نقصان نہ ہو بلکہ جس مقصد مثلاً کاشت کاری وغیرہ کے لئے قناتہ کھودی گئی ہے اس کا بھی اعتبار کر کے فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ نے قناتہ کا حریم چشمہ کے حریم کے برابر قرار دیا ہے۔

فی الہدایۃ : وان كانت غیناً فحریسها خمساً ذراع لما روينا

ولان الحاجة فيه الى زيادة مسافة لان العين تستخرج للزراعة فلا بد من موضع
يجرى فيه الماء ومن موضع يجمع فيه الماء ومن موضع يجرى فيه الى الزراعة (ص ۴۰۸)
والله سبحانه وتعالى اعلم

الجواب باسمهما الصواب

جواب ثالث صحیح ہے۔

التحقیق المزید :

① قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال الاتفاقی قال المشایخ الذی فی
الاصول ای من ان القناة کالبئر قولہما وعندک لا حریم لہا لانہا بمنزلۃ النہر ما لم یظہر
ماؤها علی وجہ الارض ولا حریم للنہر عندک فان ظہر کالعين الفوارۃ حریمہا خمسۃ
ذراع (رد المحتار ص ۳۰۹ ج ۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ قناة کے زیر زمین حصہ کا حریم
نہیں اور عند الصاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اس کا حریم کنویں کی طرح چالیس ذراع ہے۔
مگر تحقیق یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی نہر کا حریم ہے، اس میں امام او
صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف نہیں، بالاتفاق حریم ہے۔

کما حور الامام المحصفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی بحث حریم النہر وقہرۃ العلامة
ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ۔ فقیاس الامام رحمہ اللہ تعالیٰ القناة علی النہر مثبت
لحریمہا لحریمہ عندک ولذا قال صاحب التویر وشارحہ العلائی رحمہما اللہ تعالیٰ
وللقناة ہی مجری الماء تحت الارض حریم یقدر ما یصلحہ لالقاء الطین ونحو
وعن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کالبئر (رد المحتار ص ۳۰۹ ج ۵)

② بئر، عین فوارہ اور نہر کے حریم کی تحدید سے متعلق حدیث و فقہ کی نصوص حالات
متوسطہ پر مبنی ہیں، لہذا اختلاف احوال سے حدود حریم مختلف ہونگی۔

قال فی العلائق معزیاً للمہستانی توفیل والتقدیر فی بئر وعین بما ذکر فی راضیہم
لصلابتہما فی اراضینا رخاوة فیزاد لثلا ینقل الماء الی الثانی وعزایہ للہدایۃ وعزایہ
البرجندی للکافی فلیحفظ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی التائرخانیۃ عن الینابیع ومن

احتیاج الی اکثر من ذلك یزید علیہ وكان الاعتبار للحجة لا للتقدیر ولا یكون فی المسألة خلاف فی المعنی اه ونقل العلامة قاسم فی تصحیحہ عن مختارات النوارک ان الصحیح اعتبار قدر الحاجة فی البئر من کل جانب،
وفی التنوین والقناة حریم بقدر ما یصلحہ،

وفی الشرح: لا لقاء الطین ونحوہ (الی قولہ) وفی الاختیار فوضہ لرأی الامام ای لو باذنه والا فلا شیء له ذکرہ البرجندی (رد المحتار ص ۳۹ ج ۵)

وفی الخانیة: ولو حضر رجل قناة بغیر اذن الامام فی مفانئة وساق الماء حتی اتی به ارضا فاحیاءا فانه یجعل لقناة ولم خرج ماء حریم بقدر ما یصلح۔
(خانیة علی هامش الهندیة ص ۲۳ ج ۳)

(۳) علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے برجندی سے اذن امام کی شرط نقل کی ہے قناة بلا اذن امام کے لئے حریم نہیں، اور امام قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قناة بلا اذن امام کے لئے بھی حریم ہے۔

یہ اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں احیاء الموات میں اذن امام شرط ہے، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں شرط نہیں، قول برجندی قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے اور قول قاضی خان قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ پر، یہ وجہ توفیق بالکل ظاہر ہے معہذا علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسکی تصریح بھی فرمادی ہے۔

واضہ: (قولہ ای لو باذنه) ای لو كان الاحیاء باذن الامام لانه شرط عند الامام والا فلا یملك ما احیا ولا یتحقق له حریم (رد المحتار ص ۳۹ ج ۵)
واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد
۲۳ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ



کتاب الاشریۃ

حقہ پینے کا حکم:

سوال: حقہ پینے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے حقہ کی اباحت ثابت کی ہے اور کراہت کے قول کو رد کیا ہے، شامیہ کے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں، مزید تفصیل، اباحت پر دلائل اور فرقی مخالف پر تردید شامیہ کتاب الاشریۃ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

وللعلامة الشیخ علی الاجهوری المالکی رسالۃ فی حلالہ نقل فیہ الذی
اقتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمتہ المذاہب الاربعۃ وقلت والی فی حلہ
ایضا سیدنا العارف عبد الغنی النابلسی رسالۃ سماها الصلح بین الاخوان
فی اباحتہ شرب الدخان وتعرض له فی کثیر من تألیفہ الحسان واقام الطامۃ
الکبریٰ علی القائل بالحرمة اوبا لکراہتہ فانہما حکمان شرعیان لا بد لهما من
دلیل ولادلیل علی ذلک فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ بل
ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل فی الاشیاء الاباحۃ وان
فرض اضرارہ للبعض لا یلزم منه تحریمہ علی کل احد فان العسل یضر
یا صحاب الصفراء الغالیۃ وریبہا مرضہم مع انہ شفاء بالنص القطعی
ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة اوالکراہتہ الذین
لا بد لهما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ہی الاصل (رد المحتار ص ۲۹۶ ج ۵)
مگر چونکہ یہ آوارہ وادبائش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے اس لئے اس سے احتراز
کرنا چاہیئے۔

اور اس طرح استعمال کرنا کہ منہ میں بدبو پیدا ہو جائے حرام ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

بھنگ حرام ہے :

سوال : ایک شخص کہتا ہے کہ درمختار میں بھنگ کی اباحت مذکور ہے کیا یہ مسئلہ واقعی درمختار میں ہے، اگر ہے تو کس طرح پر مباح ہے؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت نهي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كل مسكر ومفتر (ابوداود)

عن جابر رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل مسكر حرام ان على الله عهد المن يشرب المسكرات (مسلم)

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما انه قال صلى الله عليه وسلم ما اسكر كثيرة فقليله حرام (احمد و ابیہ ما جہ و الدارقطني)

قال الحافظ العيني رحمه الله تعالى في شرح الكتر: قال محمد والثلثة رحمهم الله تعالى كل ما اسكر كثيرة فقليله حرام من اي نوع كان۔

جو شخص کہتا ہے کہ درمختار میں بھنگ کو مباح لکھا ہے وہ مفتری اور کذاب ہے، درمختار میں بھی بھنگ کی حرمت صراحتاً مذکور ہے، البتہ بھنگ پیتے پر شرب والی حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، جیسا کہ پیشاب اور پاخانہ کھانے اور پینے پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، بھنگ کا بھی بعینہ یہی حکم ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وبجزم اكل البنجر والحشيشة وهي ورق القنب والافيون لانه مفسد للعقل ويصد عن ذكر الله تعالى وعن الصلوة لكن دون حرمته الخمر فان اكل شيئا من ذلك لاحد عليه وان سكر منه بل يعز ربما دون الحد كذا في الجوهرة (ردالمحتار ص ۲۹۵ ج ۵)

درمختار میں حدت کا قول تو کیا بلکہ اس میں تو حلال سمجھنے والے پر کفر کا فتویٰ نقل کیا ہے۔

ونصه: ونقل عن الجامع وغيره ان من قال بجل البنجر والحشيش فهو

فريق مبتدع بل قال نجم الدين التراهدي انه يكفر ويباح قتله۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله) وهي

ورق القنب)؛ نقل ابن حجر عن بعض العلماء ان فی اکل الحشیش مائۃ وعشرین مضرة دینیة ودنیویة ونقل عن ابن تیمیة ان من قال بحملها کفر قال وافرہ اهل مذهبہ اه وسیأتی مثله عندنا اه

وقال ایضاً تحت (قولہ بل قال نجم الدین الزاہدی) لکن رأیت فی الزواج لابن حجر ما نصہ وحکی القرافی وابن تیمیة الاجماع علی تحریم الحشیشة قال ومن استحلها فقد کفر قال وانما لم یتکلم فیہا الا لئلا یلحقہم الا بعة لانہا لم تکن فی زمنہم وانما ظهرت فی آخر المائۃ السادستہ واول المائۃ السابعتہ حین ظهرت دولة التتارہا بحرفہ فلیتأمل (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۴ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ

بھنگ اور الکحل وغیرہ کے احکام کی تفصیل:

سوال: بھنگ کا استعمال اکلاً یا خارجاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے شارب پر حد ہے یا نہیں؟ اور اسپرٹ کا استعمال کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
الجواب: منه الصدق والصواب

مسکرات کی دو قسمیں ہیں:

سیال اور جامد۔

سیال کی دو قسمیں ہیں:

① جن کی نجاست اور حرمت پر اتفاق ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں:

① انگور کی کچی شراب۔

② انگور کی پختہ شراب۔

③ رطب کی شراب۔

④ زبیب کی شراب۔

ان کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، اگرچہ اس سے نشہ نہ ہوتا ہو، اس کا دواء میں استعمال کرنا بھی اکلاً و خارجاً بہر حال منوع ہے۔ خواہ اپنی اصلی حالت پر رہیں یا کسی قسم کے تصرف سے دوسری ہیئت میں ہو جائیں۔

(۲) وہ اشریہ جن میں اختلاف ہے، یعنی اشریہ اربعہ مذکورہ کے سوا باقی تمام اشریہ۔

یہ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں طاہر ہیں اور مقدار مسکرے کم بلا لہو بغرض تداوی وغیرہ حلال ہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجس اور حرام ہیں اگرچہ قلیل ہوں۔ بلا غرض تداوی وغیرہ محض لہو کے لئے بالاتفاق حرام ہیں اور قدر مسکر پر بالاتفاق حد ہے۔

ادویہ و دیگر مصنوعات میں استعمال ہونے والا الکحل انگور یا کھجور سے نہیں بنایا جاتا، اس لئے مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مطابق اس کا استعمال جائز ہے۔ اصول فتویٰ کے لحاظ سے قول شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کو ترجیح ہوتی ہے الا العارض۔ اگرچہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فساد زمان کی حکمت کی بناء پر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر اب عموم بلوی اور ضرورت تداوی کے پیش نظر اصل مذہب مکہ مطابق جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

مسکر جامد کا حکم :

جامد مسکرات جیسے افیون وغیرہ کی اتنی مقدار جو بالفعل نشہ کرے یا اس میں ضرر شدید ہو حرام ہے، اسی طرح مقدار نشہ سے کم صرف لہو کے طور پر استعمال کرنا بھی حرام ہے، البتہ مقدار قلیل جو حد نشہ سے کم ہو دواء استعمال کرنا جائز ہے اور ضاد لگانا بھی درست ہے۔

حد سے متعلق یہ تفصیل ہے :

انگور کی کچی شراب پر مطلقاً حد ہے مسکر ہو یا نہ ہو۔ اس کے سوا دوسری سیال مسکرات میں سے مقدار مسکر پر حد ہے، قلیل پر نہیں۔ جامد مسکرات میں سے مقدار مسکر پر بھی حد نہیں، تعزیر ہے۔

قال فی الدر المنقی: ویکرہ ای یحرم کذا عیر فی النقایۃ شرب دردی الخمر ای عکرہ والامتشاط لرجل للانتفاع به لان فیہ اجزاء الخمر وقلیلہ ککثیرہ کما مرولکن لا یحد شاربہ عندنا للغلبۃ المنقل ولنفرة الطبع عنه واعتبر الکرمی رحمہ اللہ تعالیٰ الطعم بلا سکر وبہ یحد باجماع العلماء

ولا يجوز الانتفاع بالخمر من كل وجه كما في المنية وغيرها لان الانتفاع بالمحرم حرام ولا يداوى بها جرح ولا دبر دابة ولا تسقى الدمياد لو صبيا للتداوى (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۵۳)

وقال العلامة التمر تاشي رحمه الله تعالى: ويحد شاربها وان لم يسكر منها ويحد شارب غيرها (اي من المائعات المحرمة) ان سكر - (رد المحتار ص ۲۸۹ ج ۵)

وقال ايضا في بيان المسكرات الجامدات من البنج والحشيشة والافيون: فان اكل شيئا من ذلك لاحد عليه وان سكر بل يغزر بهادون الحد -

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وان سكر) لان الشرع اوجب الحد بالسكر من المشروب لا المأكل اتقاني (رد المحتار ص ۲۹۵ ج ۵)

وقال ايضا: قوله ويحرم اكل البنج) هو بالفتح نبات يسمى في العربية شيكران يصدع ويسبت ويخلط العقل كما في التذكرة للشيخ داود ظاهر في القاموس واخبث الاحمر ثم الاسود واسلمه الابيض رقيقه السبت يوم من الاسبوع والرجل الكثير النوم والمسبت الذي لا يتحرك وفي القهستاني هو احد نوعي شجر القنب حرام لانه يزيل العقل وعليه الفتوى بخلاف نوع اخر منه فانه مباح كالافيون لانه وان اختل العقل به لا يزول

وعليه يحمل ما في الهداية وغيرها من اباحة البنج كما في شرح الباب اه اقول هذا غير ظاهر لان ما يخل العقل لا يجوز ايضا بلا شبهة فكيف يقال انه مباح بل الصواب ان مراد صاحب الهداية وغيرها اباحة قليله للتداوى ونحوه ومن صرح بحرمته اسراده القدر المسكر منه يدل عليه ما في غايته البيان عن شرح شيخ الاسلام اكل قليل السقمونيا والبنج مباح للتداوى وما زاد على ذلك اذا كان يقتل او يذهب العقل حرام اه فهذا صريح فيما قلناه مؤيد لما بحثناه سابقا من تخصيص ما مر من ان ما اسكر كثيرة حرام قليله بالمائعات وهكذا يقال في غيره من الاشياء الجامدة المضرة في العقل او غيره يحرم تناول القدر المضر منها دون القليل النافع لان

حرمتهما لیست لعینہما بل لضررہما وفي اول طلاق البحر من غلب عقلہ
 بالبنیم والافیون یقع طلاقہ اذا استعملہ للہو وادخال الافات قصدا
 لکونہ معصیۃ وان کان للتداوی فلا لعدمہا کذا فی فتح القدیر وهو
 صریح فی حرمة البنیم والافیون لا للدواء وفي البزازیۃ والتعلیل ینادی
 بحرمتہ لا للدواء اھ کلام البحر وجعل فی النہر ہذا التفصیل هو الحق والحاصل
 ان استعمال الکثیر المسکرمہ حرام مطلقا کما یدل علیہ کلام الغایۃ واما
 القلیل فان کان للہو حرم وان سکرمنہ یقع طلاقہ لان مبدأ استعمالہ
 کان محذورا وان کان للتداوی وحصل منہ الاسکار فلا فاغتتم ہذا
 التحریر المفرد بقی ہذا شیء لم امر من نیہ علیہ عندنا وهو انہ اذا اعتاد
 اکل شیء من الجامدات التی لا یحرم قلیلہا ویسکر کثیرہا حتی یا کل منہا
 القدر المسکر ولا یسکر سواء اسکرہ فی ابتداء الامر ولا فہل یحرم علیہ
 استعمالہ نظر الی انہ یسکر غیرہ او الی انہ قد اسکرہ قبل اعتیادہ ام
 لا یحرم نظر الی انہ طاهر مباح والعلة فی تحریمہ الاسکار ولہو یوجد
 بعد الاعتیاد وان کان فعلہ الذی اسکرہ قبلہ حراما کمن اعتاد اکل شیء
 مسموم حتی صار یا کل ما هو قاتل عادیۃ لا یضرہ کما بلغنا عن بعضهم
 فلیتأمل نعم صرح الشافعیۃ بأن العبرة لما یغیب العقل بالنظر لغالب الناس
 بلاعادة (رد المحتار ص ۲۹۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۵ ارشوال ۱۳۳۵ھ

الکحل والی مشروبات و ماکولات کا حکم :

سوال : ہمارے ملک میں کوکا کولا، نانٹا اور ان کی مانند دیگر مشروبات شائع و
 ذائع ہیں اور کثرت سے مستعمل ہیں، بنانے والے کارخانہ سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ
 ان مشروبات وغیرہ میں الکحل ڈالا جاتا ہے، اس الکحل کے بعض اقسام عصیر الغنہ سے
 تیار ہوتے ہیں اور بعض اقسام آلو، کوئلہ اور گیہوں وغیرہ اشیاء سے بنتے ہیں، ایک بوتل
 میں تقریباً ایک آدھ قطرہ الکحل موجود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی مشروبات محض

تنعم وتلذذ کے طور پر پی جاتی ہیں۔

بہشتی زیور حصہ نہم کے ضمیمہ ثانیہ کی عبارت حسب ذیل ہے :

فالقسم الاول منه حرام ونجس غلیظا والثلاثة الاخيرة حرام و
نجس خفیفا (رفی روایت نجس غلیظا کما فی الہدایۃ) وما عدا ذلك من
الاشربة فہی فی حکم الثلاثة الاخيرة عند محمد رحمہ اللہ فی الجرمۃ والنجاسة
وعند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یحرم منها القدر المسکر و
اما القدر الغیر المسکر فحلال الا للہو۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عند الشیخین رحمہما اللہ تعالیٰ غیر خمر کی قلیل مقدار
حلال ہے، لہذا اگر غیر خمر کی قلیل مقدار کسی کھانے یا پینے کی چیز مثلاً بسکٹ، کیک، مٹھائی
کو کاکولا وغیرہ میں استعمال کی جائے تو ان چیزوں کا کھانا پینا حلال ہوگا۔

زید کہتا ہے کہ بر بناء مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ اگر کسی کھائے یا پینے کی چیز
میں غیر خمر کا الکحل ڈالا جائے تو وہ طعام یا شراب جائز الاکل اور حلال ہے۔

لیکن عمر و کہتا ہے کہ انہوں نے جو قول کیا ہے وہ عدم لہو کی قید کے ساتھ مقید ہے
اور بسکٹ، کیک، کاکولا وغیرہ اشیاء غیر ضروریات میں سے ہیں اور محض تنعم وتلذذ کے لئے
استعمال کی جاتی ہیں، لہذا یہ لہو میں داخل ہو کر حرام ہو جائیں گی۔ دونوں میں سے کس
کا قول معتبر اور برحق ہے؟

زیدیوں بھی کہتا ہے کہ کاکولا وغیرہ اتنی کثرت سے مستعمل ہیں کہ اب ابتلاء
عام ہو گیا ہے، ابتلاء عام کا حکم لگایا جاسکتا ہے، اس بناء پر گو حرمت ثابت ہوگی
مگر مفتی ہو جائے گی۔

عمر و یہ کہتا ہے کہ اس معاملہ میں ابتلاء عام کا حکم لگانا ناقابل قبول ہے، کیونکہ یہ
اشیاء فقط تنعم وتلذذ کے درجہ میں مستعمل ہیں، ضرورات طعام سے نہیں، نیز دوسرے
شریت مثلاً پھلوں کا رس وغیرہ اس کے قائم مقام مل سکتے ہیں۔ لہذا عدم ضرورت و حاجت
کے سبب ابتلاء عام نہیں کہا جاسکتا۔ دونوں میں سے کون سا جواب پر ہے زید یا عمر و؟

کتب فقہ میں غیر خمر سے متعلق کسی قدر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک قلیل
مقدار کا خارجاً و داخلً استعمال حلال ہے اور بعض کے نزدیک دونوں طرح استعمال کرنا

حرام ہے۔ البتہ حاشیہ مذکورہ از بہشتی زیور میں فرمایا گیا:

فالاولی ان لا یتعرض للسبتی بله بشی و نعم من قدر علی الاحتراز منه فلیحترز ما شاء۔

اسی بناء پر زید کہتا ہے کہ قدر قلیل از غیر خمر شراب جائز الاستعمال ہے خارجاً ہو یا داخلاً البتہ اجتناب از روئے تقویٰ ادلی و افضل ہے۔

عمر اس کے خلاف کا قائل ہے کہ بہشتی زیور متن و حاشیہ کی عبارت اس پر محمول ہے کہ دواؤ حلال ہوگا نہ کہ تنعماً و تلفاً ذاً۔

اور بہشتی زیور کی دوسری عبارت استدلال میں پیش کرتا ہے:

”اور دواؤ بقدر غیر منشی داخلاً بھی استعمال کی جاسکتی ہے“

زید دواؤ کی قید کو اتفاقی کہتا ہے اور استدلال میں بہشتی زیور کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

”ہر اسپرٹ اشریہ اربعہ میں سے نہیں ہے، ایسی اسپرٹ کا شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک استعمال جائز ہے۔“

یہاں دواؤ کی قید مفقود ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں قید اتفاقی تھی۔

جبکہ عمر کہتا ہے کہ دونوں جگہ الگ الگ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ جناب فیصلہ فرمائیں کہ کون صائب الرأی ہے؟

نیز آج کل دواؤں میں الکحل ڈالا جاتا ہے، خصوصاً ہومیو پیتھک کی کوئی دوا ہی شاید اس سے خالی ہو، ان دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بیذوات و جرداً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تحقیق سے ثابت ہوا کہ اشریہ دواؤ میں عصیر الغنہ یا عصیر الرطب نہیں ڈالا جاتا دوسرے اشریہ کے حکم کی تفصیل یہ ہے:

قال العلامة الشلبی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله فيما اذا قصد به التقویٰ)

على طاعة الله او استمراء الطعام او التداوی فاما المسکر منه حرام بالاجماع اه

اتقانی (حاشیۃ الشلبی علی التبیین ص ۴۷ ج ۶)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله بلا لہو و طرب) قال

فی المختار الطرب خفتہ تصیب الانسان لشدة حزن وسرورہ قال فی الدرر وهذا التقييد غير مختص بهذه الاشربة بل اذا شرب الماء وغيره من المباحات للهو وطرب على هيئة الفسقة حرم اه (رد المختار ص ۲۹۱ ج ۵)

وقال العلامة المحصفي رحمہ اللہ تعالیٰ: والرابع المثلث الغبی وان اشتد وهو ما طين من ماء العنب حتى يذهب ثلثاه ويبقى ثلثه اذا قصد به استمراء الطعام والتداوی والتقوى على طاعة الله تعالى وللهو لا يحل اجماعا حقائق (رد المختار ص ۲۹۲ ج ۵)

وقال فی الہندیۃ: (واما ما هو حلال عند عامة العلماء) فهو الطلاء وهو المثلث ونبذ التمر والزبيب فهو حلال شربه ما دون السكر لا ستماء الطعام والتداوی وللتقوى على طاعة الله تعالى لا للتلهی والمسكر منه حرام وهو القدر الذي يسكر وهو قول العامة (عالمگیریہ ص ۴۰ ج ۵)

وقال العلامة الکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت للهو والطرب نوعان نوع منهما مباح اذا كان خاليا عن معنى المعصية ومقدما تھا ونوع منهما مكروه اذا اخلط بالمعصية او مقدما تھا او تكون وسيلة اليها وهذا هو المراد بقوله الله والطرب دون الاول (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية ص ۳۳ ج ۲)

عبارات بالا سے امور ذیل ثابت ہوئے:

(۱) غیر خمر کا اندرونی استعمال حد سکر سے کم تقویٰ واستمراء طعام کے لئے جائز ہے، زمان حاضر میں معدہ کی خرابی اور سودہ ہضم کا مرض عام ہے، اس لئے مصلح معدہ و ہضم طعام اشیاء لوازم طعام میں داخل ہو گئی ہیں۔

(۲) نشاط و طرب کے لئے اکل و شرب مطلقا ممنوع نہیں بلکہ علی طریق الفساق سے ممانعت ہے، اور اس میں کسی خاص ماکول و مشروب کی تخصیص نہیں، بلکہ سب ماکولات و مشروبات کا یہی حکم ہے۔

(۳) ہر لہو و طرب حرام نہیں، بلکہ اس میں کسی حرام فعل کا ارتکاب ہو یا مفضی الی المحرام ہو تو ناجائز ہے۔ نمبر ۲ اور نمبر ۳ کا حاصل تقریبا ایک ہی ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سوال میں مذکورہ اشیاء کا کھانا پینا حلال ہے۔

علامہ ازیں عموماً ایسے ماکولات و مشروبات میں الکحل تعفن سے حفاظت کی غرض سے ڈالا

جاتا ہے اس لئے یہ استعمال بوجہ ضرورت میں داخل ہے، تلہی میں نہیں۔
 زید کا ابتلاء عام سے استدلال صحیح نہیں، ابتلاء عام سے حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔
 واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

کان میں شراب ڈالنا:

سوال: بچہ کے کان سے پیپ جاری رہتی ہے، علاج سے فائدہ نہیں ہو رہا، ایک شخص کہتا کہتا ہے کہ اگر کان میں شراب کا قطرہ یا سانڈے کا تیل ڈالا جائے تو پیپ رک جائے گی تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شراب انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو تو جائز نہیں اور اگر کسی دوسری چیز سے ہو تو اجتناب بہتر ہے۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یظہر اید او یکرہ الاحقان والاکتھال بالخمر وکذا الاقطار فی الاحلیل وان یجعل فی السعوط فالماصل ان لا یتنتفع بالخمر الا انھا اذا تخلل فینتفع به سواء صار خلا یا المعالجتہ او بغير المعالجتہ خلا فاللشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (خانیۃ بھامش المہدیۃ ص ۲۲ ج ۲) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۶ محرم ۹۶ھ

شراب سرکہ بن گئی:

سوال: شراب میں نمک ڈالنے سے سرکہ بن جاتی ہے یا نہیں؟ اور پاک ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو جاتی ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مشہور تو یہی ہے، اگر واقعہ سرکہ بن گیا تو تبدیل ماہیت کی وجہ سے پاک ہوگا، جیسے گوبر وغیرہ کی راکھ پاک ہے۔ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: تحت قوله یجوز تخلیلھا ولو بطرح شیء فیھا: واذا صار الخمر خلا یطہر ما یوازیھا من الاناء واما اعلاہ فقیل یطہر تبعاً وقل لا یطہر لانه خم یا بس الا اذا غسل بالخل فتخلل من ساعته فیطہر ہدایۃ والفتویٰ علی الاول خانیۃ (رد المحتار ص ۲۹ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۴ شعبان ۹۶ھ

کتاب الرهن

رهن باین شرط کہ اگر تادیت معینہ قرض نہ دہد مرتہن مالک مرہون خواہد شد:

سوال: چہ می فرمایند علما درین بتین درین مسئلہ کہ عمرو زمین خود را اگر و بنزد زید بمقابل یک ہزار روپیہ دادہ است باین شرط کہ اگر بہ سہ قسط مبالغات مذکورہ بہ شش سال کل خواہ بعض اگر بمیعاد معلوم ادا نہ کردم پس زمین مرہون زید است، اکنون دہ سال گزشتہ است کہ راہن مرتہن را مبالغات معہود تمام ندادہ است، آیا اکنون زمین زید را برسد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

زید را بر زمین مرہون حق ملک نیست کہ بیع بوجہ تعلیق بالشروط باطل است۔

قال العلامة القمى تاشى رحمه الله تعالى: ما يبطل بالشروط الفاسد ولا يصح تعليقه به الخ

وقال العلامة الحصى رحمه الله تعالى: كل ما كان من التمليكات او

التقييدات كرجعة يبطل تعليقه بالشروط۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله من التمليكات) كبيع

واجارة (رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۲)

ونیز در بیع مذکور ثمن ہم مجهول است چرا کہ بعد گزشتن مدت معینہ ہر چہ از قرض

بذمہ مدیون باقی خواہد ماند آنرا عوض مبیع مقرر کردہ اند و جہالت آن ظاہرست و جہالت ثمن سبب فساد بیع است، واللہ سبحانہ و تعالی اعلم۔

۱۵ صفر ۱۳۲۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شخص نے اس شرط پر کوئی چیز راہن رکھی کہ اگر مدت معینہ تک فک راہن

نہ ہو سکا تو اس مرہون کی بیع بعوض قرض متصور ہوگی، کیا اس صورت میں بیع صحیح ہے؟
بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ بیع صحیح نہیں اور رهن بھی فاسد ہے۔

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى : لا يجوز تعليق البيع كأن يقول
إذا دخلت الدار فقد بعثتك كذا بمائة فقبل الآخر لا يثبت البيع عند
الدخول (فتح القدير)

وقال العلامة الخوارزمي رحمه الله تعالى : عن الزهري : إن أهل
الجاهلية كانوا يرتهنون ويشترطون على الراهن أنه إن لم يقض الدين
إلى وقت كذا فالرهن مملوك للرتهن فابطل رسول الله صلى الله عليه
ومسلم ذلك بقول لا يعلق الرهن ، وقيل لسعيد بن المسيب أهو قول الرجل
إن لم يأت بالدين إلى وقت كذا فالرهن بيع بالدين ؟ فقال نعم۔
(كفاية مع فتح القدير ص ۹ ج ۹)

وقال الامام ابن رشد المالكي رحمه الله تعالى : وأما الشرط المحرم الممنوع
بالنص فهو أن يرهن الرجل رهنا على أنه إن جاء بمحقق عند أجله والأفالرهن
له فاتفقوا على أن هذا الشرط يوجب الفسخ وأنه معفى قوله عليه الصلوة والسلام
لا يعلق الرهن (بدایۃ المجتہد ص ۲ ج ۲)

وقال الامام المرغینانی رحمه الله تعالى : الكتابة والاجارة والرهن بمنزلة البيع
تبطل بالشرط الفاسدة (هدایۃ ص ۳ ج ۳)

وقال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالى : كل حكم في الرهن الصحيح فهو
الحكم في الرهن الفاسد كما في العبادية قال وذكر الكرخي رحمه الله تعالى أن
المقبوض بحكم الرهن الفاسد يتعلق به الضمان وفيها أيضا وفي كل موضع كان
الرهن مالا والمقابل به مضمونا إلا أنه فقد بعض شرط الجواز كرهن
المشاع ينعقد الرهن لوجود شرط الاعتقاد ولكن بصفة الفساد كالفاسد
من البيوع وفي كل موضع لم يكن الرهن كذا لم يكن فالاولم يكن المقابل

به مضمونا لا يتعقد الرهن أصلا حينئذ فاذا هلك هلك بغير شيء بخلاف الفاسد فإنه يهلك بالأقل من قيمته ومن الدين.

وقال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله فهو الحكم في الرهن الفاسد) أي في حال الحيوة والمبات فلو نقص الراهن العقد بحكم الفساد و أراد استرداد المرهون كان للمرتهن حبسه حتى يؤدي إليه الراهن ما قبض وإذا مات الراهن وعليه ديون كثيرة فالمرتهن أولى من سائر الغرماء وهذا كله إذا كان الرهن الفاسد سابقا على الدين فلو كان بدين على الراهن قبل ذلك لم يكن له حبسه لأنه ما استفاد تلك اليد بمقابلة هذا المال ويكون بعد الموت أسوة للغرماء لأنه ليس على المحل يد مستحقة بخلاف الرهن الصحيح تقدم أو تأخر وتماه في العمدية، والذخيرة والبزاية (قوله يتعلق به الضمان) صوابه لا يتعلق لأن المنقول عن الكرخي رحمه الله تعالى في العمدية وغيرها أنه يهلك أمانة وفي الذخيرة وروى ابن سماع عن محمد رحمه الله تعالى أنه ليس للمرتهن حبسه لأنه أصرار على المعصية ولكن ما في ظاهر الرواية أصح لأن الراهن لما نقص فقد ارتفعت المعصية وحبس المرتهن المرهون ليصل إلى حقه لا يكون أصرارا لأن الراهن يجبر على تسليم ما قبض فإذا امتنع فهو المصرا لا ترى أن في شراء الفاسد للمشتري الحبس إلى استيفاء الثمن اهـ ملخصا (قوله أي أن لم يكن مالا) كالمدير وأم الولد فإن للراهن أخذهما لأن رهنهما باطل منم (قوله ولم يكن المقابل به مضمونا) كما لو رهن عينا بخمس مسلم فله أخذها منه والواو بمعنى أو قال في جامع الفصولين فلو فقد أحدهما لم يتعقد أصلا (رد المحتار ج ٣ ص ٥) والله سبحانه وتعالى أعلم .

٢٢ جمادى الأولى ١٢٤٣ هـ

تفصيل استيفاء الدين من المرهون :

السؤال : ما قولكم رحمكم الله في ابن المرهون إذا مضى عليه في يد المرتهن سنة أو سنتان ولا يفكه الراهن ولا ولده ولا ولداؤ لاده ، هل يصير بعد المرافعة

الى القاضى او الحاكم المسلم ملكا قطعيا للمرتهن كما هو المعروف فى القانون الحاضر وهو المسمى فى اصطلاحهم "زائد الميعاد" وبالجملۃ ان اذن الحاكم هو شرعى ام من القانون العرفى ؟ وبعد المرافعة الى الحاكم المسلم هل يجوز الانتفاع من ذلك المرهون شرعا ام لا ؟ وان لم يجز له الانتفاع فكيف يستوفى دينه ؟ بينوا توجروا -

الجواب باسم ملهم الصواب

اذا حل اجل الرهن ولا يؤدى الراهن دين المرتهن ولا ورثته بعد موت الراهن قبل فكاك الرهن فان كانت ورثته فقراء يجبرهم القاضى ببيعه واداء دين المرتهن فان امتنعوا باع القاضى وادى حقه ولا يملك المرتهن نفس الرهن نعم لو كان الرهن دارا ولم يكن للمرتهن دار غيرها يسكنها لتعلق حق المرتهن بها -

وعلم بهذا ان لو كان المرتهن محتاجا الى نفس الرهن صار ملكا له باذن القاضى ان كانت قيمته مساوية للدين وجاز له الانتفاع وان لم تكن مساوية فيرد كل واحد منهما الفضل الى صاحبه -

قال العلامة المحقق رحمه الله تعالى : مات الراهن باع وصيه رهنه باذن مرتته وقضى دينه لقيامه مقامه فان لم يكن له وصى نصب القاضى له وصيا وامره ببيعه لان نظره عام وهذا لو ورثته صغارا فلو كبارا خلفوا الميث فى المال فكان عليهم تخلصه جوهرة (وبعد اسطر) ولا يبطل الرهن بموت الراهن ولا بموت المرتهن ولا بموتها يبقى الرهن رهنا عند الورثة (رد المحتار ص ٣٣٢ ج ٥)

وقال ايضا : سلطه ببيع الرهن ومات للمرتهن ببيعه بلا محضر وارثه غاب الراهن غيبة منقطعة فرفع المرتهن امره للقاضى لبيعه بدينه ينبغى ان يجوز ولومات ولا يعلم له وارث فباع القاضى دارة جاز -

وقال العلامة ابن عابد بن رحمه الله تعالى تحت (قوله ينبغى ان يجوز) بقى اذا كان حاضرا وامتنع عن بيعه وفى الولو الجية يجبر على بيعه فاذا امتنع

باعه القاضی اوامینه للمرتھن وادفاه حقه والعھدة علی الراهن اھ ملخصا
وبہ افتی فی الحامدیة وحرر فی الخیریة انه یجبہ علی بیعہ وان کان دارا
لیس لہ غیرھا یسکنھا لتعلق حق المرتھن بها بخلاف المفلس (ردالمحتار ج ۵)
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ رجب ۱۲۸۸ھ

ارض رهن کی کاشت جائز نہیں:

سوال: ارض رهن کو اگر مرتھن کاشت کرتا رہے تو اس کی آمدن اس کے لئے
حلال ہے یا نہیں؟

ارض رهن کو اگر خود راھن کاشت کرے اور آمدن کا کچھ حصہ مرتھن کے لئے مقرر کر دے تو
یہ صورت شرعا جائز ہے یا نہیں؟ بیو توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرتھن کے لئے نفع اٹھانا جائز نہیں۔

راھن مرتھن کی اجازت سے نفع اٹھا سکتا ہے مگر مرتھن کے لئے حصہ مقرر کرنا جائز نہیں۔

قال فی التنبیہ وشرحہ: (لا الانتفاع به مطلقا) لا باستخدام ولا سکنی

ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء كان من مرتھن او راھن الا باذنت

کل للأخر وقیل لا یحل للمرتھن لانه ربا وقیل ان شرطه کان ربا والا لا

وفی الاشیاء والجواہر اباح الراھن للمرتھن اکل الثمار اذ سکنی الدار

اولین الشاة المرهونة فاکلھما لم یضمن وله منعه ثم افاد فی الاشیاء

انه یکرہ للمرتھن الانتفاع بذلك وسمیء اخر الرهن (ردالمحتار ج ۵)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قوله ولا یحل

للمرتھن) قال ط قلت والغالب من احوال الناس انھم انما یریدون

عند الدفع الانتفاع ولولاہ لھا اعطاء الدراھم وهذا بمنزلة الشرط

لان المعروف کالمشروط وهو لما یعین المنع واللہ تعالی اعلم اھ

(ردالمحتار ج ۵)

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالی معنیا للضممرات عن

التهدیب انه یکره للمرتهن ان ینتفع بالرهن وان اذن له الراهن قال المصنف وعلیه یحمل ما عن محمد بن اسلم من انه لا یحل للمرتهن ذلك ولو بالاذن لانه ربا قلت وتعلیلہ یفید انها تحریمية فتأملہ (رد المحتار ج ۳ ص ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی القعدہ ۱۲۸۰ھ

اجارہ رہن جائز نہیں :

سوال : رہن کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ایکڑ زمین پانچ ہزار روپے کے بدلے رہن رکھتے ہیں اور انتفاع کے لئے یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ سالانہ مثلاً دس روپے وضع کر لیتے ہیں۔ کیا یہ صورت جائز ہے ؟ اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دس سال کی مدت پوری ہونے پر بقیہ روپے ادا کر کے رہن چھڑا لیا جائے گا۔ اس صورت میں اگر وہ دس سال سے پہلے رہن چھڑانا چاہے تو دس روپے کے حساب سے رقم ادا کر کے رہن چھڑا سکتا ہے یا بمطابق شرط دس سال پورے کرنے ہوں گے ؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سالانہ دس روپے وضع کرنا اجارہ ہے اور مرہون کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔ جب بھی چاہے رہن چھڑا سکتا ہے۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ : لا الانتفاع به مطلقا لا باستخدام ولا بسكنی ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء كان من مرتهن او راهن الا باذن كل للاخر وقيل لا یحل للمرتهن لانه ربوا وقيل ان شرطه كان ربوا والا لا۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله وقيل لا یحل للمرتهن) قال فی المنعم عن عبد اللہ محمد بن اسلم السمرقندی وکان من کبار علماء سمرقند انه لا یحل له ان ینتفع بشیء منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لانه اذن له فی الربوا لانه یتوفی دینه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربوا

وهذا امر عظیم قلت وهذا مخالف لعامة المعتبرات من انه
 محل بالاذن الا ان يحمل على الديانة وما في المعتبرات على الحكم
 ثم رأيت في جواهر الفتاوى اذا كان مشروطا صار قرصا فيه منفعة
 وهو ربوا والا فلا بأس اهـ ما في المنع ما نخصا واقره ابنه الشيخ
 صالح وتعقبه الحموی لان ما كان ربوا لا يظهر فيه فرق بين
 الديانة والقضاء على انه لا حاجة الى التوفيق بعد ان الفتوى
 على ما تقدم اى من انه يباح اقول ما في الجواهر يصلح للتوفيق
 وهو وجیه و ذکر وانظيره فيما لو اهدى المستقرض للمقرض ان
 كانت بشرط كره والا فلا وما نقله الشارح عن الجواهر ايضا من
 قوله لا يضمن يفيد انه ليس بربوا لان الربوا مضمون فيحمل على
 غير المشروط وما في الاشباه من الكراهة على المشروط ويؤيده قول
 الشارح الا ترى اخر الرهن ان التعليل بانه ربوا يفيد ان الكراهة
 تحریمیة فتأمل واذا كان مشروطا ضمن كما افقی به فی الخیریه
 فیمین رهن شجر زیتون علی ان يأكل المراتهن ثمرة نظیر صبرة
 بالدين قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم يريدون عند
 الدفع الانتفاع ولولا ما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة المشروط لان
 المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى اعلم اهـ (رد المحتار ج ۵)
 والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۹۔ اجمادی الاولی ۸۹ھ

رہن سے انتفاع جائز نہیں:

سوال: زید نے بکر کے پاس مبلغ سو روپے کے بدلے اپنی سائیکل گروی
 رکھی، بکر کو اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ زید نے نخوشی استعمال
 کی اجازت دے دی ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مرہن کے لئے شے، مرہون سے انتفاع مطلقاً درست نہیں، راہن کی اجازت سے ہو یا بلا اجازت، کیونکہ یہ معنی ربوا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله وقيل لا يحل للمرتهن لانه ربوا) قال في المنع وعن عبد الله محمد بن اسلم السمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ وكان من كبار علماء سمرقند انه لا يحل له ان ينفع بشيء منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لانه اذن له في الربوا لانه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً فيكون ربوا وهذا امر عظيم (وبعد اسطر) قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولو لاهلها اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعرف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالیٰ اعلم اه (رد المحتار ج ۳ ص ۵) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی القعدة ۱۲۹۳ھ

کتاب الجنایۃ والضمان

ایک اونٹ نے دوسرے اونٹ کو قتل کر دیا تو قاتل اونٹ کے مالک پر ضمان کا حکم:

سوال: مسائل ذیل کے بارے میں حکم شرعی مطلوب ہے:

① ایک شخص کا اونٹ جنگل میں چر رہا تھا کہ دوسرے شخص کے اونٹ نے اسے مار

ڈالا تو مارنے والے اونٹ کے مالک پر ضمان ہے یا نہیں؟

② اگر مارنے والے اونٹ کے مالک نے اونٹ کے محافظ نوکر کو ناکید کر دی ہو کہ اگر

میرے اونٹ نے کوئی نقصان کر دیا تو تجھ سے وصول کروں گا تو اس صورت میں نوکر پر ضمان

ہے یا نہیں؟ بینوا تو جو وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی صورتیں مختلف ہیں جن کا حکم بھی مختلف ہے۔

① قاتل اونٹ خود بخود چھوٹ گیا ہو، خواہ مالک کی زمین میں دوسرے اونٹ کو

قتل کیا ہو یا اجنبی کی زمین میں یا شارع عام اور ارض مباح میں۔

② اونٹ کو مالک نے اپنی زمین میں چھوڑا اور اس نے خود اجنبی زمین میں جا کر

جنایت کی۔

③ مالک نے اپنی زمین میں چھوڑا اور اسی زمین میں اونٹ نے جنایت کی۔

④ غیر کی زمین میں اس کی اجازت سے خود جا کر چھوڑا، اذن دلالت بھی کافی ہے

بحسب العرف۔ جو جنگل کسبی کا بملوک نہیں۔ عوام کے مویشی اس میں چرتے ہیں وہ بھی اسی

صورت میں داخل ہے۔

⑤ غیر کی زمین میں اس کے اذن صراحۃً یا دلالت کے بغیر خود جا کر اونٹ چھوڑا۔

پہلی صورت اربعہ میں ضمان نہیں اور صورت خامسہ میں ضمان ہے، قاتل اونٹ کے مالک کا موقع

قتل پر ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

⑥ مالک نے اونٹ کو شارع عام پر چھوڑا، یا لے جا رہا تھا، اس نے راستہ میں کوئی

نقصان کر دیا، اس صورت میں تفصیل ہے۔ چونکہ یہ صورت سوال میں داخل نہیں، لہذا اس تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

مذکورہ صورتیں جب ہیں کہ اونٹ انسانوں کو قتل کرنے میں مشہور نہ ہو، اگرچہ حیوانوں کے قتل یا دوسرے نقصان کرنے میں شہرت رکھتا ہو۔

(۷) اگر اونٹ قتل انسانی میں مشہور ہے تو بشرط تقدم ضمان ہوگا، تقدم کی تفصیل یہ ہے کہ اونٹ کے مالک یا محافظ سے کسی نے کہا ہو۔ ”تیرا اونٹ خطرناک ہے، اسے کامل حفاظت میں رکھیے“ سو اگر تقدم پر شہادت موجود ہے یا مالک یا محافظ تقدم کا اقرار کرتا ہے۔ معہذا اونٹ کی حفاظت نہیں کی اور اونٹ نے طریق عام یا خاص میں یا ملک غیر میں اذخاں بلا اذن کی حالت میں کھڑی مال یا جانے نقصان کیا تو ضمان ہے۔

(۱) فی دیات شرح التنویر: انفلتت دابة بنفسها فاصابت مالا او آدمیا تنهارا او لیلا لا ضمان فی الکل لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الجماء جبار ای المنفلتة هدر۔

وفي الشامیة: ولو فی الطريق او ملک غیرہ اتقانی (رد المحتار ص ۲۹ ج ۵)
(۲) وفي جنایات الہندیة: فان دخلت فی ملک الغیر من غیر اذخاں صاحبها بأن كانت منفلتة فلا ضمان علی صاحبها (عالمگیریۃ ص ۲۵ ج ۶)
وفي الشامیة: سواء دخلت بنفسها او ادخلها بالاذن۔
وايضاً فیہا: فان كان الثاني فلا ضمان علی کل حال لانه ليس بمباشر ولا متسبب (رد المحتار ص ۳۰ ج ۵)

(۳) وفي جنایات الہندیة: فان كانت فی ملک صاحب الدابة ولم يكن صاحبها معها فانه لا یضمن صاحبها (الی قولہ) وان صاحبها معها ان كان قائداً لهما او سائقاً لهما فكذا لا یضمن صاحبها فی الوجوه کلها (عالمگیریۃ ص ۲۵ ج ۶)

وفي شرح التنویر: فلو حدثت المذكورات فی السیر فی ملک لم یضمن ربها الا فی الوطء وهو اکبها لانه مباشر بقتله بثقله فيحرم الميراث۔
(رد المحتار ص ۳۱ ج ۵)

(۴) وفي جنایات الهندية : وان كان باذن مالكه فهو كما لو كان في

ملكه (عالمگیرية ص ۶ ج ۲)

وايضا فيها : وان اوقف الدابة في الفلاة لا يضمن (عالمگیرية ص ۶ ج ۲)

وايضا فيها : رجل ادخل بعيرا مغتلبا في دار رجل وفي الدار بعير

صاحبها فوقع عليه المغتلب فقتله اختلف المشايخ فيه منهم من قال لا ضمان

على صاحب المغتلب -

وايضا فيها : وان كان ادخلها باذنه فلا ضمان وبه اخذ الفقهاء

ابو الليث وعليه الفتوى (عالمگیرية ص ۵۲ ج ۲)

وفي شرح التنوير : ولو حدثت في ملك غيره باذنه فهو كملكه فلا

يضمن كما اذا لم يكن صاحبها معها -

وفي الشامية : وان كانت الجناية في ملك غير صاحبها فاما ان

ادخلها صاحبها فيه اولا فان الثاني فلا ضمان عليه على كل حال لانه

ليس بمباشر ولا متسبب (رد المحتار ص ۳ ج ۵)

(۵) وفي جنایات الهندية : وان دخلت يا دخال صاحبها فصاحب

الدابة ضامن في الوجوه كلها سواء كانت واقفة او سائرة وسواء كان

صاحبها معها (الى قوله) او لم يكن معها (عالمگیرية ص ۶ ج ۲)

وايضا فيها : وان ادخل صاحب المغتلب بغير اذن صاحب الدار فعليه

الضمان (عالمگیرية ص ۵ ج ۲)

وفي شرح التنوير : والا يكن باذنه ضمن ما اتلف مطلقا لتعديده -

وفي الشامية : وان كان الاول فعليه الضمان على كل حال سواء كان

معها صاحبها او قائدها او راكبها اولا (رد المحتار ص ۳ ج ۵)

(۶) قال في شرح التنوير عن الدرر : كلب يأكل عنب الكرم فاشهد

عليه فيه فلم يحفظه حتى اكل العنب لم يضمن وانما يضمن فيما شهد

عليه فيما يخاف تلف بني ادم كالحائط المائل ونظم الثور وعقر كلب عقور

فيضمن اذا لم يحفظه انتهى - قال المصنف ويمكن حمل المتلف في قول

الزلیعی وان اتلف الکلب فعلى صاحبه الضمان ان کان تقدم الیه قبل الاتلاف والا فلا کالحائط المائل على الارضی انتمی فیحصل التوفیق۔

وفی الشامیۃ: کانه فہم من کلام الدرر انہ لا یضمن فی الکلب غیر الارضی وهذا غیر مراد وانما معنی کلامہ یخاف منه تلف الارضی فالاشهاد فیہ موجب للضمان اذا عاقبه تلف سواء کان المتلف مالا او ادمیا ومالا یخاف منه تلف الارضی بل یخاف منه تلف المال فقط کعنب الکروم فلا یفید فیہ الاشهاد الخ (رد المحتار ص ۳۹۲ ج ۵)

اقول: اما تفسیر التقدّم وتفصیلہ فمشرّوح فی بیان الحائط المائل فی الشامیۃ ص ۳۸۴ ج ۵ وفی الہندیۃ ص ۲۰۶ ج ۶ وفی الہدایۃ والعنایۃ مع الفتح ص ۳۷۲ ج ۸

وایضا فیہا: ولواجلہ صاحب الدار او ابرأہ منها او فعل ذلک ساکنوها فذلک جائز ولا ضمان علیہ فیما تلف بالحائط لان الحق لہم بخلاف ما اذا مال الی الطريق فاجلہ القاضی او من اشہد علیہ لا یصح لان الحق لجماعۃ المسلمین ولست الیہما ابطال حقہم وھکذا فی شرح التنویر والہندیۃ۔

(۲) صور ضمان میں نوکر پر ضمان ہے۔

قلت ویسکن ان یتوہم عدم الضمان علی المحافظ مما فی الشامیۃ ونصہا: ویؤخذ من عاقلۃ الواقف ان کان لہ عاقلۃ فیما تتحملہ وان لم تکن لہ عاقلۃ او کان فیما لا تتحملہ فلا یؤخذ من القیم۔

وایضا فیہا: فلو سقط حائط الصغیر بعد الطلب من ولیہ کان الضمان فی مال الصبی (رد المحتار ص ۳۸۴ ج ۵)

فاجاب عندہ فی العنایۃ ونصہا: فان قیل الوصی اذا ترک النقص بعد التقدم الیہ الحق ضرر اہمال الیتیم فکان الواجب ان یکون الضمان علیہ اجیب بأن فی ترک النقص دفع مضرۃ متحققۃ وھی مضرۃ مؤنۃ النقص وبنائہ ثانیاً وفی نقضہ دفع مضرۃ موهومۃ لجواز ان لا یسقط وان سقط

لا یهلک به شیء فکان ترکہ انظر للمصی فلا یلزم الوصی ضمان
(رعاية مع الفتح ص ۳۲۳ ج ۸) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجب ۱۲۴۴ھ

بھینس کو خنزیر سمجھ کر مارنے پر ضمان ہے :

سوال : ایک شخص نے کسی کی بھینس کو خنزیر سمجھ کر بندوق سے مار ڈالا تو اس پر ضمان
ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں قاتل پر ضمان واجب ہے، یہ قتل خطا ہے جو کہ قتل تسبیب سے درایت
ورایت ہر طرح قوی ہے اور قتل تسبیب میں تضمین سے متعلق تصریحات موجود ہیں تو قتل خطا
میں بطریق اولیٰ ضمان واجب ہوگا۔

اما قوة القتل خطأ على القتل تسبیباً درایۃ فلأن الأول مباشرة والثانی
تسبیب ولا ریب فی قوة المباشرة على التسبیب واما رواية فلأن فی الأول
اثماً زائداً على اثم الثانی ولأن الأول یوجب حرمان الارث دون الثانی۔

قال فی شرح التنویر: وموجبه (الخطأ وما یجرى مجراه) الکفارة، والدية
على العاقلة والاثم دون اثم القتل اذ الکفارة تؤذن بالاثم لترك العزيمة۔
وفی الشامية عن الکفاية: وهذا الاثم اثم القتل لأن نفس ترك المبالغة
فی التثبت لیس باثم وانما یصیر به اثم اذا اتصل به القتل فتصیر الکفارة
لذنب القتل وان لم یکن فیہ اثم قصد القتل۔

وايضاً فی الشرح: وموجبه (التسبیب) الدية على العاقلة لا الکفارة ولا
اثم القتل بل اثم الحفر والوضع فی غیر ملکہ در وکل ذلك یوجب حرمان
الارث الا هذا ای القتل بسبب لعدم قتله (رد المحتار ص ۳۲۳ ج ۵)

قتل تسبیباً پر ضمان جزئیہ ذیل سے ثابت ہے :

قال فی التنویر: فی باب ما یحدثه الرجل فی الطريق وغیره: فان تلف
به بهیمة ضمن (رد المحتار ص ۳۲۸ ج ۵)

حائط مائل، کلب عقور، ثور نطوح، فرس کدوم کی جانیات میں بعد الا شہاد

ضمنان مال ہے، حالانکہ یہ امور قتل تسبیح بھی ضعیف ہیں کہ ان میں ضمنان اشہاد پر موقوف ہے۔

قال فی شرح التتویر: مال حاطط الی طریق العامة ضمن ربہ ماتلف به من نفس انسان او حیوان او مال الخ (رد المحتار ص ۳۸۴ ج ۵)
وفی الشامیة عن المنیة فی مسألة نظم الثور: یضمن بعد الاشهاد النفس والمال (رد المحتار ص ۳۵۹ ج ۵)

وايضاً فیہا: ان ما یخاف منه تلف الأدمی فالاشهاد فیہ موجب للضمن اذا عقبہ تلف سواء کان المتلف مالاً او آدمیاً (الی ان قال) فان الاشهاد فیہ (الحاطط المائل) موجب لضمن المال والنفس (الی ان قال) وقد افتی فی الخیرة بالضمن بعد الاشهاد فی حصان اغتاد الکدم وکذا فی ثور نطوح قال وفی الیازیة عن المنیة فی نظم الثور یضمن بعد الاشهاد النفس والمال (رد المحتار ص ۳۹۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۸ صفر ۱۳۵۵ھ

متسبب پر ضمان ہے :

سوال: ایک مدرسہ کے مہتمم مسمی خالد نے عالم مسمی زید کو مدرس مقرر کیا۔ زید نے معین تاریخ پر مدرسہ میں پہنچنے کا خالد سے عہد کیا۔ زید مدرسہ کی طرف آ رہا تھا کہ راستہ میں زید کو ایک خط ملا جس میں خالد کی طرف سے لکھا ہوا تھا کہ آپ ہرگز نہ آئیں، زید پریشان ہوا۔ اور اپنے اہل و عیال کو راستہ ہی میں چھوڑ کر خالد کے پاس تحقیق کرنے آیا تو معلوم ہوا کہ خالد نے کسی قسم کا کوئی خط نہیں لکھا بلکہ دوسرے شخص بکر کی شرارت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بکر کی اس شرارت کی وجہ سے تحقیق کرنے پر زید کا جو خرچ ہوا، یہ خرچ زید بحکم شرع بکر سے وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب و متہ الصدق والصواب

بکر پر خرچ کا ضمان لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: ومن ذلك تضمین الساعی مع مخالفتہ لقاعدة المذهب من ان الضمان علی المباشرة دون المتسبب ولكن

افتوا بضمانه زجرا بسبب كثرة السعاة المفسدين بل افتوا بقتله زمن الفترة۔
(رسائل ابن عايدین ص ۱۲ ج ۲)

وقال ايضا: قال في المتح والفتوى اليوم بوجوب الضمان على الساعي
مطلقا (رد المختار ص ۳۵ ج ۵)

تا بالغ نئے ودیعت کی حفاظت نہ کی تو اس پر ضمان لازم ہوگا:

یہ مسئلہ کتاب الودیعة جلد ۲ میں آچکا ہے۔

کسی کا ایسا درخت کاٹنا جس کی پرستش کی جاتی ہو:

سوال: ایک درخت کی عام عبادت کی جاتی تھی، جہلا اس پر طرح طرح کے خرافات کرتے تھے، ایک موجد نے اس درخت کو فتنہ کا دروازہ بند کرنے کی غرض سے کاٹ دیا۔ اب درخت کا مالک ضمان کا طالب ہے کیا شرعاً کاٹنے والے پر ضمان ہے۔ بعض علماء معارف پر قیاس کر کے قول مفتی بہ کی بنا پر سقوط ضمان کے قائل ہیں، اور بعض ائمہ مغنیہ سے تشبیہ دے کر ضمان کا فتویٰ دے رہے ہیں جابین آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں لہذا بعجلت ممکنہ جواب عنایت فرما کر اختلاف رفع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال في شرح التنوير: وضمن بكسر معزف بكسر الميم ألة اللهو ولو لكافر
ابن كمال قيمته، خشبا منحوتا صالحا لغير اللهو وضمن القيمة لا المثل بآراقة
سكر ومنصف وسيجيء بيانه في الأشرطة، وصح بيعها كلها وقال لا يضمن ولا يصح
بيعها وعليه الفتوى ملتي ودرر وزيلعي وغيرها واقرة المصنف وإما طبل الغزاة
مراد في حظر الخلاصة والصيادين والدفع الذي يباح ضربه في العرس
فمضمون اتفاقا كالامة المغنية ونحوها ككبش نطوح وحمامة طيارة و
ديك مقاتل وعبد خصي حيث تجب قيمتها غير صالحة لهذا الأمر۔

وفي الشامية: (قوله وقال الخ) هذا الاختلاف في الضمان دون إباحة
اتلاف المعازف وفيما يصلح لعمل آخر والا لم يضمن شيئا اتفاقا وفيما إذا قتل
بلا إذن الإمام والا لم يضمن اتفاقا وفي غير عود المغني وخابية الخمار والا لم
يضمن اتفاقا لأنه لو لم يكسرها عاد لفعله القيم وفيما إذا كان لمسلم فلولذی

ضمن اتفاقا قیمتہ بالغامنا ببلغ وکذا لو کسر صلیبہ لانه مال متقوم فی حقہ قلت لکن جزم القہستانی وابن الکمال ان الذمی کا مسلم فلیحرر در منتقی اقول وجزم بد فی الاختیار ایضا ولعلہ اقتصر فی الهدایۃ علی ذکر المسلم لکونہ محل الخلاف وبہ یتحرر المقام فتدبر (رد المحتار کتاب الغصب ص ۱۳۴ ج ۵)
عبارات مذکورہ سے یہ احکام مستفاد ہوتے :

① ایسے آلات لہو جو غیر لہو میں استعمال کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان میں بالاتفاق ضمان نہیں۔

② جو آلات لہو جو غیر لہو میں بھی استعمال کئے جاسکتے ہوں ان کے ضمان میں امام صاحب وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف ہے، فتویٰ عدم ضمان پر ہے۔
③ ائمہ مغنیہ و امثالہا میں بالاتفاق ضمان ہے۔

نوع ثانی و ثالث میں بظاہر یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ نوع ثانی کے آلات لہو کے لئے مصنوع و موضوع ہیں، اور نوع ثالث موضوع لہو نہیں، بلکہ بغیر کسی قسم کی صنعت کے مستعمل فی اللہو ہیں چنانچہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل :

ان هذه الاشياء اعدت للمعصية فيبطل تقومها كالخمر (ہدایۃ ج ۳)
سے واضح ہے کہ نوع ثانی میں ایسے آلات مراد ہیں جو ابتداء ہی سے معدوم موضوع لہو ہوں تفصیل مذکور کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شجرہ مسئول عنہا قسم ثالث میں داخل ہے، کیونکہ مصنوع لہو نہیں، بلکہ کسی صنعت کے بغیر حالت سابقہ ہی پر ثابت رکھتے ہوئے مستعمل لہو ہے کلامتہ المغنیۃ وغوہا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ذی القعدۃ ۱۲۶۷ھ

اپنا درخت کاٹنے سے دوسرے کا درخت گر گیا :

سوال : شخصی نخل خود را قطع کرد و بوقت افتادن بر نخل دیگری بنقصاد آن را انداخت حالانکہ قاطع در وقت قطع سعی کرد کہ تنہ نخل بر نخل دیگری نیفتد ولی از قابو ایشان خارج گشتہ این نقصان ہم رسانید، آیا بر قاطع ضمان لازم می آید یا خیر؟ اگر کسی بقاطع نخل گوید کہ شما بوقت قطع بر نخل خویش رسن بندید تا کہ بر نخل دیگری نیفتد و خسارہ وارد نکند، اور رسن نہ بست، ولی کوشش بسیار کرد کہ بوقت افتادن بر نخلی نیفتد تا ہم از قابو خارج گشتہ نخل را

با خود انداخت، چہ حکم است؟ بیتوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بر قاطع ضمان نیست، ولے بصورت تنبیہ ضمان لازم است۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: رجل مال حائط دارہ الى الطريق
اد الى ملك انسان قسقط واتلف انسانا او مالا ان سقط قبل الاشهاد فلا
ضمان عليه وان سقط بعد الاشهاد ضمن اذ لم يفرغ ذلك الموضع عن الحائط
مع القدرة عليه فيصير جانيا ان تلف به انسان كانت الدية على عاقلة
وان اتلف مال انسان كان ضمانه على صاحب الحائط في ماله (الى ان قال)
وصورة الاشهاد اذا كان مائلا الى الطريق ان يقول له واحد من الناس ان
حائطك هذا مائل الى الطريق او مخوف او متصدع قاهدمه وان كان مائلا
الى ملك الغير يقول له ذلك صاحب الدار و شرط وجوب الضمان على
صاحب الحائط المطالبة بالاصلاح والتفريغ ولا يشترط الاشهاد حتى لو
طلب بالتفريغ ولم يفعل مع القدرة عليه كان ضامنا۔ (خاتمة بھامش الہندیہ ج ۳)
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۵ ذی القعدة ۱۳۸۵ھ

گھاس لادنے سے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی:

سوال: ایک شخص نے اونٹ پر گھاس لاد کر دلال کے حوالے کیا کہ شہر لے جا کر گھاس فروخت کر
آئے، چنانچہ دلال اونٹ لے گیا اور بیوپاری سے گھاس فروخت کرنے کی بات کی۔ اونٹ کو
پہلے گھاس سمیت وزن کر لیا، پھر گھاس اتار کر صرف گھاس کا وزن کیا۔ گھاس پھر اونٹ پر
رکھا گیا اور اسے اٹھایا گیا، اونٹ اٹھ کر گریڑا جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اونٹ پر گھاس
وغیرہ رکھنے کا طریقہ ہر ایک کو نہیں آتا، غلط رکھنے سے توازن برقرار نہیں رہتا اور اونٹ
گر جاتا ہے اور اسے نقصان پہنچتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ مالک نے گھاس کھول کر دوبارہ
باندھنے کی اجازت دی تھی یا نہیں، سوال یہ ہے کہ دلال پہ اونٹ کے نقصان کا ضمان
ہے یا نہیں؟ بیتوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مالک نے بوجھ اتارنے اور لادنے کی اجازت دی ہو یا تجار کا تعامل ہو کہ بار بار

بوجھ اتارنا اور لادنا پڑتا ہو تو دلال پر ضمان نہیں، لاذن المالك صراحة و دلالت۔
اور اگر مالک نے نہ صراحةً اجازت دی ہو اور نہ ہی اس کا تعامل اور عرف ہو تو دلال پر ضمان
آئے گا، اگر مالک اور دلال میں اختلاف ہو جائے تو مالک پر بیئہ ہوگا، لاد عائد الضمان معنی
وان كان منكروالفظا، اور دلال پر حلف ہوگا۔ لانكاره وجوب الضمان وان كان يدعى الاذنت ^{ظلالہا}۔
تنبیہ: خرید و فروخت میں حیوان کا وزن کر کے حساب لگانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۱۷ شعبان ۱۳۸۸ھ

دیلو کا ضمان کس پر ہے؟

سوال: احقر کتابوں کی تجارت کرتا ہے، احقر نے زید کو خط لکھا کہ مناجات مقبول،
زاد السعید، اغلاط العوام، کمالات اشرفیہ کے پانچ پانچ نسخے اور نشر الطیب، تعلیم الدین اور
حیات المسلمین کے چند چند نسخے بذریعہ ڈاک بھیج دو۔ زید نے پہلی چار کتابوں کے پانچ پانچ
نسخے روانہ کئے اور بقیہ تین میں سے کسی کے چوبیس، کسی کے تیس اور کسی کے پینتیس نسخے روانہ
کر دیئے اور ایک نسخہ شمائل ترمذی کا اپنی طرف سے نمونہ کے طور پر مگر قیمتہً بھیج دیا۔
اتفاق سے چند کتابیں مجھ تک پہنچیں اور بقیہ ڈاک کی خرابی یا نامعلوم کس وجہ سے
مجھے نہیں ملیں، راستے میں ضائع ہو گئیں۔ میں نے زید سے خط لکھ کر پوچھا کہ اتنی زیادہ مقدار
کیوں روانہ کی تو اس نے جواب دیا کہ آپ کے الفاظ ”چند چند“ کا مطلب وسیع تعداد سمجھ کر زیادہ
مال بھیجا ہے۔ زید تمام کتابوں کی رقم کا مطالبہ کر رہا ہے، سود دریافت طلب امور یہ ہیں:
① جن کتابوں کی تعداد میں نے مقرر کر دی تھی، ان میں سے جو کتب مجھ تک نہیں پہنچیں،
ان کی قیمت میرے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

② چند چند نسخوں کی بجائے جو اس قدر زیادہ کتابیں روانہ کیں ان میں جو کتب ہیں
مجھے نہیں ملیں، ان کی رقم کا کیا حکم ہے؟ جبکہ چند سے میری مراد پانچ یا سات ہی تھی، وقت کی
تنگی کی وجہ سے ”چند چند“ نسخے لکھ دیا۔

③ شمائل ترمذی کی قیمت بھی میرے ذمہ ہے یا نہیں؟ بدینہ تو جبروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عرف تجار سے خصوصاً اس امر سے کہ دیلو کے ضائع ہونے پر ضمان کا مطالبہ بھیجنے والا ہی
کرتا ہے، منگوانے والا نہیں کرتا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ڈاک بائع کے وکیل ہیں۔ مشتری کے

نہیں، لہذا ڈاک میں ضائع ہونے والے مال کا ضمان ہلاک قبل القبض کی وجہ سے مشتری پر نہیں ہوگا۔

جو کتابیں آپ کی طلب سے زائد آپ تک پہنچی ہیں، اگر آپ وہ خریدنا چاہتے ہیں تو قیمت ادا کرنا لازم ہے ورنہ کتابیں واپس کرنا لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

حملہ آور اونٹ کو ہلاک کرنا:

سوال: زید کا اونٹ عمرو کی اونٹنی کے ساتھ چر رہا تھا، عمرو نے ایک مدوکار خالد کے ساتھ مل کر اپنی اونٹنی کو زید کے اونٹ سے علیحدہ کرنا چاہا، جس پر اونٹ نے مشتعل ہو کر خالد کو دبا لیا مگر وہ خوش قسمتی سے اونٹ کے سینہ کے نیچے نہ آسکا، اس کے پیٹ کے نیچے آ گیا۔ خالد نے مدد کے لئے فریاد شروع کی، بستی کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور مل کر اونٹ کو ڈنڈے اور پتھر مارنا شروع کئے مگر کسی طرح بھی اونٹ نہ اٹھا، اسی دوران ایک بندوق بردار شخص نمودار ہوا، اس نے بھی ڈنڈے اور پتھر مارنا شروع کئے اسی دوران اونٹ نے ایک اور شخص کی ٹانگ زخمی کر دی، لوگوں نے بندوق بردار کو مجبور کیا تو اس نے گولی چلا کر اونٹ کو ہلاک کر دیا۔ زید اس کا ضمان طلب کر رہا ہے۔ کیا اس مامور شخص پر ضمان ادا کرنا لازم ہے؟ یقیناً وجہ ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

انسان کی جان بچانا فرض ہے، مدد کرنے والا عند اللہ مأجور ہوگا مگر اونٹ غیر کام ملک تھا اور مامور فعل میں مختار تھا، لہذا مامور پر ضمان لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله ای حیوان) ان الجمل لو صال علی انسان فقتله فعليه قيمته بالغاما بلغ لات الاذن فی قتل السبع حاصل من صاحب الحق وهو الشارع اما الجمل فلم يحصل الاذن من صاحبه (رد المحتار ص ۲۱۹ ج ۲)

اگر اونٹ کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا گیا ہو تو مامور ضمان کی وجہ سے گوشت وغیرہ کا مالک ہو گیا۔ لہذا گوشت پوست وغیرہ فروخت کر سکتا ہے۔

زید کے لئے بہتر یہ ہے کہ ضمان نہ لے، صبر کرنے اور ایک مسلمان کی جان بچانے کے سلسلہ میں ایثار سے کام لینے میں آخرت کے اجر عظیم کے علاوہ دنیا میں بھی نعم البدل کی اللہ

تعالیٰ سے امید رکھے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

گاڑی کی ٹکر سے مجروح کا حکم:

سوال: ایک ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا، گاڑی کافی تیز تھی، سڑک پر ایک شخص نمودار ہوا، ڈرائیور نے بچانے کی بے حد کوشش کی مگر وہ جس طرف بھی گاڑی موڑتا وہ شخص اسی طرف سامنے آجاتا، چنانچہ اسے ٹکر لگ گئی، ڈرائیور حکومت کے ڈسٹر سے بھاگ گیا، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ شخص زندہ بچ گیا یا نہیں؟ اب ڈرائیور کے ذمہ کچھ لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈرائیور کے لئے بھاگنا جائز نہیں تھا، بھاگنے کے بعد بھی معلومات کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، تاہم اگر صحیح کیفیت کا علم نہ ہو سکے تو صرف توبہ واستغفار لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ

وطء بالدریہ کا حکم:

یہ مسئلہ کتاب الحدود والتعزیر ص ۵۳ ج ۵ میں بعنوان ”حیوان سے بدفعی کی سزا“ گزر چکا ہے۔

حکم ضیاع امانت:

سوال: زید ایک مسجد کا امام ہے اور اس سے ملحقہ مدرسہ کا مہتمم بھی ہے، مسجد و مدرسہ کی رقم ان کے پاس بطور امانت رکھی تھی، وہ کہتے ہیں کہ حفاظت کئے باوجود رقم ان کے گھر سے چوری ہو گئی اور اس بات کے مقرر ہیں کہ یہ ان کے سالے نے چوری کی ہے اور بھاگ گیا ہے، اس سے رقم ملنے کی کوئی امید نہیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ امام صاحب پر ضمان آتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رقم امانت ہے۔ اگر مہتمم نے واقعہ اس کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا تو اس پر رقم کا ضمان نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

مؤذن کی غلطی سے مسجد کی چیز گم ہو گئی تو وہ ضامن ہے :

سوال : ایک مسجد میں تعمیر مسجد کے لئے دودھ دکر ٹی کے بکس جمعہ کے دن مسجد میں رکھے جاتے ہیں، نمازی ان میں چندہ ڈالتے ہیں، بکس مسجد کے ساتھ کمرہ میں پڑے رہتے ہیں رات کے وقت مسجد مقفل رہتی ہے۔ مسجد کی تمام چابیاں مؤذن کے پاس رہتی ہیں، تین چار ماہ بعد منتظمہ بکس کھول کر رقم کی گنتی کر کے رسید کاٹتے ہیں۔ پچھلے دنوں بد مرتبہ یہ بکس ٹوٹے ہوئے پائے گئے اور پیسے چوری ہو گئے۔ پہلی مرتبہ انتظامیہ نے مؤذن سے باز پرس کی تو اس نے جواب دیا کہ بکس جمعہ کے وقت مسجد کے صحن میں رکھا ہوا تھا۔ جب جماعت کھڑی ہوئی تو بچوں نے بکس کی گنڈی توڑ سی اور رقم نکال کر لے گئے، بقول اس کے ایک نمازی نے بچوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا، بات آئی گئی ہو گئی۔ اس واقعہ کے کوئی ڈیڑھ ماہ بعد مؤذن نے اطلاع دی کہ میں نے بکس ٹوٹا ہوا پایا ہے۔ یہ سن کر منتظمہ کو حیرانی ہوئی کہ بیس سال کے عرصہ میں کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، کیا بات ہے کہ اس نے مؤذن کے آنے پر ہی ایسا کیوں ہو رہا ہے، انتظامیہ کو مؤذن پر شک گزرا، انتظامیہ کے ایک رکن نے مؤذن سے چند سوالات کئے :

① کیا آپ نے دوران ہفتہ دیکھا تھا کہ اس کی کیا حالت ہے ؟

② جمعہ کے روز جب بکس اٹھایا تھا تو اس میں کچھ رقم معلوم ہو رہی تھی ؟

اس طرح کچھ اور بھی سوال کئے، مؤذن نے ہر سوال کے جواب میں عدم علم کا اظہار کیا۔

انتظامیہ کو مؤذن پر شک ہو گیا کہ یہ اسی کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کے تمام سامان کی حفاظت مؤذن پر ہوتی ہے یا انتظامیہ پر؟ جبکہ تمام تالوں کی چابیاں مؤذن کے پاس ہوتی ہیں۔ نیز سامان چوری ہونے کی صورت میں ضمان آئے گا یا نہیں؟ اگر آئے گا تو کس پر؟ مؤذن پر یا انتظامیہ پر؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عرف عام میں مسجد کا اثاثہ مؤذن کی تحویل میں رہتا ہے اور اس کے پاس امانت ہوتا ہے، اس لئے اگر مناسب حفاظت کے باوجود کوئی نقصان ہو گیا تو مؤذن پر ضمان نہیں اور اگر حفاظت میں غفلت ثابت ہو جائے تو مؤذن پر ضمان ہے۔

صورت مسئلہ میں مؤذن کی غفلت ظاہر ہے، اس لئے اس پر ضمان لازم ہے۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۸ھ

وکیل بالشرار پر ضمان نہیں:

سوال: زید نے بکر سے کہا کہ مجھے ایک دوا خرید کر لا دو، لیکن دوا کے لئے دام نہیں دیئے، بکر نے دوا خریدی، دوا کی شیشی اس سے گر کر ٹوٹ گئی، بکر نے دوسری شیشی خرید کر زید کو دے دی۔ اب بکر دونوں شیشیوں کی قیمت زید سے لینے کا حق دار ہے یا صرف ایک شیشی کی قیمت کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں شیشیوں کی قیمت زید پر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۳ شعبان ۱۲۹۸ھ

سوار پر وجوب ضمان کی تفصیل:

سوال: ایک نو عمر بچہ نے گھوڑی کو تیز چلایا، گھوڑی اس کے قابو سے باہر ہو گئی اور ایک بکری اس کی زد میں آکر ہلاک ہو گئی۔ یہ بچہ کا نقصان کا منہ ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب سواری مستی کی وجہ سے بے قابو ہو جائے۔ یعنی سوار اس کے روکنے سے عاجز ہو جائے تو سوار پر ضمان نہیں، خواہ جانی نقصان ہو یا مالی، کیونکہ اس صورت میں فعل دابہ سوار کی طرف منسوب نہیں ہو گا۔

اور اگر سوار کے عجز میں اختلاف ہو جائے تو اثبات عجز کے لئے سوار پر ہینہ لازم ہو گا ورنہ خصم کا قول مع الیمین معتبر ہو گا۔

یہ حکم اس وقت ہے جب سوار نے گھوڑی کو معتاد رفتار سے چلایا ہو اور اگر غیر معتاد طور پر چابک وغیرہ لگایا یا سوار نے عمداً اپنی قدرت سے زیادہ رفتار پر چلایا تو اس پر ضمان ہو گا، لانہ متعدد کنا حسن الدابتہ

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: وانفلتت دابة بنفسها

فاصابت مالا وادمیا نہارا اولیلا لاضمان فی الكل لقوله صلی اللہ علیہ وسلم العجماء جبارای المنفلتة هدرکما لو جمحت الدابة بهای بالراکب ولو سکران ولم یقدر الراکب علی ردها فانه لا یضمن کالمنفلتة لانه جینئذ لیس بمسیر لها فلا یضاف سیرها الیه حتی لو اتلفت انسانا فدمه هدر عما دیتہ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : و ذکر الی علی انہما لو اختلفا فی عدم القدرۃ علی ردها فالقول للخصم والبیئۃ علی مدعی العجز لان انکارہ لاصل الضمان فی ضمن الدعوی لا یفید بعد تحقیق سببہ تأمل اہ ملخصا (رد المحتار ص ۳۹ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
۵۱۵ / صقر ۹۹

حیوان کے نقصان پر ضمان کا حکم:

سوال: چہ میفرمایند علماء کرام اندرین مسئلہ کہ اگر کسی خر خود را یا گاؤ یا شتر را در بیابان یعنی جنگل رہا کرد برائے خریدن علف، بعد ایں حیوان مذکور آید زراعت کسے را خورد یا نقصان کرد لیکن یکبار نقصان نکردہ بلکہ چندان بار می آید زراعت مردم تلف میکند، آیا ضمان بر صاحبش لازم یا نہ؟ اگر ضمان لازم است جواب حدیث چیست کہ "العجماء جرحها جبار" و ثانیاً اشہاد کردن تنہا در بارۃ تلف مال اعتبار دارد یا نہ؟ اگر دارد جواب عبارت رد المحتار چیست؟

وما لا یخاف منه تلف الادمی بل یخاف منه تلف المال فقط کعب الکروم فلا یفید فیہ الا شہاد (رد المحتار ص ۳۹ ج ۵، ط ۶ ج ۶)

ولو ارسل بھیمۃ فافسدت زرعاً علی فورھا ضمن المرسل وان مالت یمینا او شمالا وله طریق "اخر لا یضمن لما مر (رد المحتار ص ۳۹ ج ۵، ط ۶ ج ۶)
بیتوا تو جروا۔

الجواب یا سم ملہم الصواب

اس صورت میں ضمان نہیں، البتہ حکومت پر لازم ہے کہ مالک کو تنبیہ کرے، اگر باز نہ آئے تو مناسب سزا دے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اجیر مشترک پر ضمان کا حکم :

سوال : اگر راعی یا دیگر اجنبی دید کہ گوسفند یا گاوی قریب مرگ است اور ذبح کرد، ذابح ضامن می شود یا نہ ؟ و اگر از دست راعی گوسفند گم شد ضامن میشود یا نہ ؟ و در بعض شہر ہا این طور رسم است کہ روزانہ یک نفر از اہالی قریہ گوسفندان را می چراید، آیا این یک نفر در حکم راعی است در صورت ذبح کردن یا گم کردن گوسفند یا نہ ؟ و راعی در اطراف ما اکثر مشترک برای چند نفر می شود و در رد المحتار این عبارت موجود است :

ولو ذبحها الراعی او الاجنبی ضمن لورجا حیاتها و اشکل امرها ولو تیقن موتها لا لادن دلالة هو الصحیح (رد المحتار ص ۶ ج ۶)
و در مجمع الانہر این طور است :

فلو ذبح الراعی او الاجنبی شاة لا یرجی حیاتها لا یضمن وقال الصد الشہید یضمن (مجمع الانہر ص ۵۲۲ ج ۲)
چونکہ مسئلہ مختلف فیہا است، لہذا قول صحیح و مفتی بہ را معلوم کنیم و در رد المحتار ص ۶ ج ۶ موجود است :

و بقولہما یفتی -

پس نزد صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ اجیر مشترک بہر حال ضامن میشود - بینوا تو جروا -

الجواب باسم ملہم الصواب

تفہیم اجیر مشترک کی چار صورتیں ہیں :

① ہلاک بفعل الاجیر ہو اور اس میں تعدی بھی ہو۔

② ہلاک بفعل الاجیر ہو، لیکن اس میں تعدی نہ ہو۔

ان دونوں صورتوں میں وجوب ضمان پر ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے۔

③ ہلاک بفعل الاجیر نہ ہو اور اس سے احتراز بھی ممکن نہ ہو۔

اس صورت میں عدم وجوب ضمان پر اتفاق ہے۔

④ ہلاک بفعل الاجیر نہ ہو، البتہ اس سے احتراز ممکن ہو۔

یہ صورت مختلف فیہا ہے، اس میں چار اقوال ہیں :

- ① امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضمان واجب نہیں۔
 - ② صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضمان واجب ہے۔
 - ③ متأخرین رحمہم اللہ کے نزدیک نصف قیمت واجب ہے۔
 - ④ بعض نے تفصیل کی ہے کہ اگر اجیر مصلح ہے تو ضمان نہیں، غیر مصلح ہے تو ضمان واجب ہے اور مستور المال ہے تو نصف قیمت واجب ہے۔
- یہ چاروں اقوال صحیحہ اور مفتی بہا ہیں، مفتی موقع دمحل پر غور کر کے جو قول مناسب سمجھے اس پر فتویٰ دے سکتا ہے۔
- اس تفصیل کے پیش نظر صورت سوال میں جب شہادت شرعیہ یا اقرار مالک سے موت ثابت ہو جائے تو اتفاقاً ضمان واجب نہیں، ورنہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ضمان واجب ہوگا۔
- متأخرین کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق نصف قیمت اور پورے ضمان کا فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے۔

نوبت پر چرانے والا بھی بحکم راعی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولا یضمن الخ) اعلم ان الهلاك اما بفعل الاجير او لا، والاول اما بالتعدی او لا، والثانی اما ان یمکن الاحتراز عند اوله، ففي الاول بقسمیه یضمن اتفاقاً، وفي ثانی الثانی لا یضمن اتفاقاً، وفي اوله لا یضمن عند الامام مطلقاً و یضمن عندهما مطلقاً و انتی المتأخرون بالصلم علی نصف القيمة مطلقاً، وقيل ان مصلحا لا یضمن وان غیر مصلح یضمن وان مستورا فالصلم اه والمراد بالاطلاق فی الموضوعین المصلح و غیره۔

وفي البدائع: لا یضمن عنده ما هلك بغير صنعه قبل العمل او بعده لانه امانة فی یدہ وهو القیاس۔ وقال لا یضمن الا من حرق غالب اول صوب مکابرین وهو استحسان اه، قال فی الخیرۃ: فهذه اربعة اقوال کلها مصححة مفتی بہا، وما احسن التفصیل الاخیر والاول قول ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقال بعضهم قول ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ قول عطاء و طاؤس رحمہما اللہ تعالیٰ

وہما من کبار التایعین ، وقولہما قول عمر وعلى رضی اللہ تعالیٰ عنہما وبہ یفتی احتشاما لعمر وعلى رضی اللہ تعالیٰ عنہما وصیانة لاموال الناس واللہ اعلم اہ وفي التبیین : وقولہما یفتی لتغیرا حوال الناس ، وبہ یحصل صیانة اموالہم اہ لانہ اذا علم انہ لا یضمن ربما یدعی انہ سرق او ضاع من یدہ۔ وفي الخانیۃ والمحیط والتمتۃ : الفتویٰ علی قولہ ، فقد اختلف الکافۃ ، وقد سمعت ما فی الخیریۃ ، وقال ابن ملک فی شرح المجمع : وفي المحيط : الخلاف فیما اذا كانت الاجارۃ صحیحۃ فلو فاسدۃ لا یضمن اتفاقا ، لان العین حیثئذ تكون امانة لكون المعقود علیہ وهو المنفعة مضمونۃ باجر المثل اہ (رد المحتار ص ۲۰ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۷ اشوال ۹۹

دھوبی کے ہاں ضائع ہونے والے کپڑے کا ضمان :

سوال : دھوبی کے ہاں جو کپڑے دھلنے جاتے ہیں ، اگر ان میں کوئی کپڑا ضائع ہو جائے تو دھوبی اس کی ادھی قیمت مالک کو دیتا ہے ، یہ قیمت مالک کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے ، البتہ اگر ضیاع متیقن ہو تو جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله ولا یضمن الخ) اعلم ان الهلاك اما بفعل الاجیر اولاد الاول اما بالتعدی اولاد الثانی اما ان یسكن الاحتراز عنه اولاد ففی الاول بقسمیه یضمن اتفاقا وفي ثانی الثانی لا یضمن اتفاقا وفي اولہ لا یضمن عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ مطلقا ویضمن عندہما رحمہما اللہ تعالیٰ مطلقا وافتی المتأخرون بالصلم علی نصف القیمۃ مطلقا وقیل ان مصلحا لا یضمن وان غیر مصلح یضمن وان مستورا فالصلح اھج والمراد بالاطلاق فی الموضعین المصلح وغیرہ (رد المحتار ص ۲۰ ج ۵)

وقال ایضا : وحاصل ما فی الطوری عن المحيط ان ضمان المشترك ما تلف مقید بثلاثۃ شرائط ان یکون فی قدرۃ رفع ذلك فلو شرئت بموج

اور یخ آرد صدمۃ جبل لا یضمن وان یکون محل العمل مسلماً الیہ بالتخلیۃ فلورب المتاع
اور وکیلہ فی السفینۃ لا یضمن وان یکون المضمون مما یجوز ان یضمن بالعقد فلا یضمن
الادھی کما یأتی رد المحتار ص ۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الاول ۱۲۷۴ھ

ظمان میں قیمت مثل سے زائد لینا جائز نہیں :

سوال : اگر دکان پر کوئی گاہک یا اس کا بچہ کوئی نقصان کر دے تو کیا اس چیز کی قیمت
نفع کے ساتھ وصول کرنا جائز ہے ؟ بینوا تو جبردا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بازار کی عام قیمت کے برابر لینا جائز ہے زائد نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ جمادی الثانیہ ۱۲۷۴ھ

طیب پر وجوب ظمان کی تفصیل :

سوال : طیب یا ڈاکٹر کے علاج سے اگر کوئی مر جائے یا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے
تو طیب یا ڈاکٹر پر ظمان واجب ہو گا یا نہیں ؟ بینوا تو جبردا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

طیب کی دو قسمیں ہیں :

(۱) حاذق (۲) جاہل

طیب حاذق کا حکم :

اس کے لئے علاج کرنا جائز ہے اور اس سے رفع ظمان کے لئے دو شرائط ہیں :

(۳) مریض یا اس کے ولی نے علاج کی اجازت دی ہو۔

(۲) علاج اصول طیبہ کے مطابق کیا ہو۔

اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو اور مریض کا نقصان ہو جائے تو ظمان واجب ہے۔

اگر بلا اذن علاج کیا تو پورا ظمان واجب ہے اور اذن سے کیا ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے :

(۱) علاج کا پورا طریقہ اور عمل اصول طیبہ کے خلاف ہو تو :

اس صورت میں اگر مریض ہلاک ہو گیا تو پوری دیت لازم ہوگی اور اگر کوئی عضو تلف

ہو گیا تو بحسب تفصیل فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ظمان واجب ہوگا۔

(۲) کچھ عمل اصول طیبہ کے مطابق کیا اور کچھ اس کے خلاف تو :

اس صورت میں مریض ہلاک ہو گیا تو نصف دیت واجب ہوگی، اور اگر عضو تلف ہو گیا تو پورا ضمان واجب ہوگا اور اگر عضو میں نقصان آیا تو موضع معاد سے تجاوز کی وجہ سے جو نقصان ہوا اسی کی بقدر ضمان آئے گا۔

طیب جاہل کا حکم:

اس کے لئے علاج کرنا جائز نہیں اور بہر صورت پورا ضمان واجب ہوگا، خواہ اصول طیب کے مطابق علاج کرے یا ان کے خلاف، مریض یا اس کے ولی کی اجازت سے علاج کرے یا بلا اجازت۔

تنبیہ: وجوب ضمان اس صورت میں ہے کہ علاج میں ڈاکٹر یا طیب کا اپنا ہاتھ استعمال ہوا ہو، مثلاً آپریشن کیا ہو یا انجکشن لگایا ہو یا اپنے ہاتھ سے دوا پلائی ہو، اگر دوا بنا کر یا کھچ کر مریض کو دے دی، مریض نے خود اپنے ہاتھ سے دوا پی تو ضمان واجب نہ ہوگا۔

البتہ تعزیر بہر صورت واجب ہے۔

قال العلامة المحمدي رحمه الله تعالى: ولا ضمان على حجام وبزاز

ای بيطارد فساد لم يجاوز الموضع المعتاد فان جاوز المعتاد ضمن الزيادة كلها اذا لم يهلك المجنى عليه وان هلك ضمن نصف دية النفس لتلفها بما ذون فيه وغير ما ذون فيه فيتنصف ثم فرع عليه بقوله فلو قطع الختان الحشفة ويرى المقطوع تجب عليه دية كاملة لانه لما برئ كان عليه ضمان الحشفة وهي عضو كامل كاللسان فان مات فالواجب عليه نصفها الحصول تلف النفس بفعلين احدهما ما ذون فيه وهو قطع المجردة والاخر غير ما ذون فيه وهو قطع الحشفة فيضمن النصف ولو شرط على الحجام ومحوه العمل على وجه لا يبرى لا يصح لانه ليس في وسعه الا اذا فعل غير المعتاد فيضمن عما دية وفيها سئل صاحب المحيط عن فساد قال له غلام ادعبد افسدني ففسده ففسدا معتادا فمات بسببه قال تجب دية الحر وقيمة العبد على عاقلة الفصاد لانه خطأ وسئل عن فساد ما وتركه حتى مات من السيلان قال يجب القصاص۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله لم يجاوز الموضع المعتاد)

ای دکان بالاذن قال فی کافی عبارة المختصر ناطقة بعدم التجاوز وساكتت

عن الاذن وعبرة الجامع الصغير ناطقة بالاذن ساكتة عن التجاوز فصار ما نطق به هذا بياناً لما سكت عنه الآخر ويستفاد بمجموع الروایتین اشتراط عدم التجاوز والاذن لعدم الضمان حتى اذا عدم احدهما او كلاهما يجب الضمان انتهى طورى وعليه ما يأتى عن العمادية (قوله فلو قطع الختان المحشفة) اى كلها قال فى الشرنبلالية وبقطع بعضها يجب حكومة عدل كما ذكره الاتقانى (قوله دية كاملة) قال الزيلعى هذا من اعجب المسائل حيث وجب الاكثر بالبرء والاقل بالهلاك (قوله تجب دية الحر) اى لو كان الغلام حراً وقيمة العبد لو كان عبداً قال ح لان فعله غير ما ذون فيه حيث لم يعتبر اذ نهما للحج عليهما فى الاقوال (قوله لانه خطأ) اى من القتل خطأ اذ لم يتعمد قتله والدليل عليه عدم مجاوزة الفعل المعتاد (قوله قال يجب القصاص) لانه قتله بمحدد ط اى وهو قاصد لقتله فكان عمداً (ردالمحتار ص ۲۵ ج ۵)

قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالى : يمنع مفت ما جن يعلم الحيل الباطلة كتعليم الردة لتبين من زوجها او تسقط عنها الزكاة وطبيب جاهل.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : (قوله وطبيب جاهل) بأن يسقيهم دواء مهلكاً و اذا قوى عليهم لا يقدر على ازالة ضرره زيلعى (ردالمحتار ص ۹۳ ج ۵)

قال الامام ابوداؤد رحمه الله تعالى : حدثنا محمد بن العلاء فاحقصنا عید العزیز بن عمر بن عبد العزیز حدثنى بعض الوفد الذين قدموا على ابى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اياما طبيب تطيب على قوم لا يعرف له تطيب قبل ذلك فاعنت فهو ضامن قال عید العزیز اما انه ليس بالنعت انها هو قطع العروق والبط والكى (سنن ابى داود ص ۲۸ ج ۲)

قال العلامة السهارنفورى رحمه الله تعالى : اما انه ليس بالنعت

ای حکم الضمان لیس بالوصف باللسان وکذا حکم الکتابۃ فانه اذا وصف
الدواء لانسان فعمل بالمریض فہذا لا یلزم الطیب الدیۃ انما هو
ای حکم الضمان قطع العروق والبطن ای الشق والکی بالنار (بدل المجرور ج ۶)
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ اردی الحجۃ ۱۴۱۶ھ

بطور ضمان مصارف علاج وصول کرنا:

سوال: زید کو بکرنے چاقو مار کر شدید زخمی کر دیا، وہ ہسپتال میں زیر علاج
ہے، علاج، ڈاکٹروں سے سٹیفکیٹ لینے میں اور پولیس میں زید کے کئی ہزار روپے خرچ
ہو گئے، اب صلح کے وقت زید بکر سے دس ہزار روپے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کیا زید کے لئے یہ روپے
وصول کر کے صلح کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ اردی الحجۃ ۱۴۱۶ھ

آلات معصیت توڑنے پر حکم وجوب ضمان:

یہ مسئلہ کتاب المحظورات والاباحۃ میں بعنوان "آلات معصیت توڑنے کا حکم گزر چکا ہے۔

باب القود

حق قصاص کی تفصیل :

سوال : زید نے خالد کو ناحق قتل کر دیا، حکومت رقت زید کو چند سال جیل میں رکھ کر چھوڑ دیتی ہے، یا زید اصلاً حکومت کے ہاتھ نہیں آتا، کوہستان میں ہے، حکومت اس کو پکڑنے سے عاجز ہے، ان حالات میں خالد کا بھائی یا اس کا کوئی دوسرا رشتہ دار یا قوم کا کوئی شخص زید کو خالد کے عوض میں قتل کر دیتا ہے۔ کیا از نظر شرع خالد کے درشتہ کو یہ اختیار ہے کہ زید سے خالد کا قصاص لیں، حکومت اس پر راضی نہیں، وہ کہتی ہے کہ ہم خود فیصلہ کریں گے اور حکومت کا فیصلہ صرف چند سال قید ہے۔ امید ہے کہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ مع ادلہ بیان کر کے عند اللہ ماجور ہوں گے۔ بینوا تو جررا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال اللہ تعالیٰ : ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔

① قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ : (ومن قتل مظلوما) بغیر حق یوجب قتله او یبیحہ للقاتل حتی انہ لا یعتبر ابا حتمہ لغیر القاتل وقد نص علماؤنا ان من علیہ قصاص اذا قتله غیر من له القصاص یقتضی لہ ولا یفیدہ قول الولی انا امرتہ بذلك الا ان یکون الامر ظاہرا (فقد جعلنا لولیہ) لمن یلی امرہ من الوارث او السلطان عند عدم الوارث و اقتصار البعض علی الاول رعایتہ للاغلب (سلطانا) ای تسلطا واستیلا علی القاتل بہواخذتہ باحد الامرین القصاص او الدیۃ وقد تتعین الدیۃ کما فی القتل الخطأ والمقتول خطأ مقتول ظلما بالمعنی الذی اشیر الیہ۔ (روح المعانی ص ۶۹ ج ۱۵)

② وقال الامام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ : القتل ینقسم

الى اربعة انحاء واجب و مباح و مخطور و مالميس بواجب ولا مخطور ولا مباح (الى ان قال) و اما المباح فهو القتل الواجب لولى الدم على وجه القود فهو مخير بين القتل والعفو (احكام القرآن للجصاص ص ٣٦ ج ٢)

(٣) وقال فى موضع آخر فى تفسير قوله تعالى (ولا تقتلوا النفس التى حرم الله الا بالحق) وقال الضحاك السلطان انه مخير بين القتل وبين اخذ الدية وعلى السلطان ان يطلب القاتل حتى يدفعه اليه-

(احكام القرآن للجصاص ص ٢٦ ج ٣)

(٤) وقال ابو بكر بن العربي رحمه الله تعالى: و تحقيق ذلك ان الله تعالى اوجب القصاص ردعا عن الا تلاف و حياة للباقيين و ظاهرة ان يكون حقا لجميع الناس كالحود و الزواجر عن السرقة و الزنا حتى لا يختص بها مستحق بيد ان البارئ تعالى استثنى القصاص من هذه القاعدة وجعله للاولياء الوارثين ليتحقق فيه العفو الذى ندب اليه فى باب القتل ولم يجعل عفوا فى سائر الحدود لحكمة البالغة و قدرته النافذة ولذا قال صلى الله عليه وسلم من قتل له قاتل فهو بخير النظرين بين ان يقتل او يأخذ الدية وكانت هذه كما تقدم ذكره خاصية اعطيتها هذه الامتياز تفضلا و تفضيلا و حكمة و تفصيلا فخص بذلك الاولياء ليتصور العفو والاستيقاء لاختصاصه بالحرمان (احكام القرآن ص ١٩ ج ٣)

(٥) ثم قال (قوله سلطانا) فيه خمستا قول (الى ان قال) اما طلب حتى يدفع اليه فهو ابتداء الحق و اخرى استيفاء و هو القول الخامس (احكام القرآن ص ١٩ ج ٣)

(٦) وقال الامام الخازن رحمه الله تعالى: (ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا) اى قوة و ولاية على القاتل بالقتل و قتل سلطانه هو انه يتخير فان شاء استقادمه وان شاء اخذ الدية وان شاء عفا (تفسير خازن ص ١٤ ج ٣)

(٧) وقال العلامة ابوالبركات النسفى رحمه الله تعالى: (سلطانا)

تسلط على القاتل في الاقتصاص منه (مدرك التنزيل بهامش الخازن ص ٢٤٣ ج ٣)
نصوص الفقه:

① قال الامام المرغيناني رحمه الله تعالى: ومن قتل وله اولياء
صغار وكبار فلكبار ان يقتلوا القاتل عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى
وقالوا رحمه الله تعالى ليس لهم ذلك حتى يدرك الصغار (بداية ص ٥٦٥ ج ٢)
② وقال العلامة البابر في رحمه الله تعالى: اذا كان اولياء القاتل
صغارا وكبارا فاما ان يكون فيهم الاب او الا فان كان فلهم الاستيفاء عند
علمائنا رحمه الله تعالى بالاتفاق وان لم يكن فكذلك عند ابي حنيفة رحمه
الله تعالى وقالوا رحمه الله تعالى ليس لهم ذلك حتى يدرك الصغار -
(الغاية بهامش الفتح ص ١٦٢ ج ٩)

③ وقال الامام الكاساني رحمه الله تعالى: فان كان الكل كبارا فلكل
واحد منهم ولاية استيفاء القصاص حتى لو قتله احدى صار القصاص مستوفى
(وبعد اسطر) وكذا اذا كان الكل حضورا لا يجوز لهم ولا لاحد منهم ان يوكل
في استيفاء القصاص على معنى انه لا يجوز للوكيل استيفاء القصاص مع
غيبة الموكل لاحتمال ان الغائب قد عفا ولان في اشتراط حضرة الموكل
رجاء العقومنه عند معاينة حلول العقوبة بالقاتل (بدائع ص ٢٤٣ ج ٤)

④ وقال ايضا: وكذا اذا قتل من عليه القصاص بغير حق او بحق بالردة
والقصاص بأن قتل انسانا فقتل به قصاصا يسقط القصاص ولا يجب المال
لما قلنا (بدائع ص ٢٤٣ ج ٤)

⑤ وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: من عليه التعزير لو قال
لرجل اقم على التعزير ففعله ثم رفع للحاكم فانه يحتسب به قنية واقرة المهنت
ومثله في دعوى الخانية لكن في الفتح ما يجب حقا للعبد لا يقيمه الا الامام لتوقفه
على الدعوى الا ان يحكم فيه فيلحفظ -

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ر قوله لا يقيمه الا الامام
وقيل لصاحب الحق كالقصاص وجه الاول ان صاحب الحق قد يسرف فيه

غلظا بخلاف القصاص لانه مقدركما في البحر عن المجتبى (ردالمحتار ص ۳۸ ج ۳)
 (۶) وقال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالى: وللكبار القود
 قبل كبر الصغار.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وللكبار القود الخ)
 اي اذا قتل رجل له ولي كبير وصغير كان للكبير ان يقتل قاتله عنده لانه
 حق مشترك وفي الاصل ان كان الكبير ابا استوفى القود بالاجماع وان كان
 اجنبيا بأن قتل عبد مشترك بين اجنبيين صغير وكبير ليس له ذلك وفي
 الكلام اشارة الى انه لو كان الكل صغارا ليس للاخ والعم ان يستوفيه كما
 في جامع الصغار فليل ينتظر بلوغ احدهم وقيل يستوفى السلطان كما في
 الاختيار والقاضي كالسلطان والى انه لو كان الكل كبارا ليس للبعض
 ان يقتص دون البعض ولا ان يوكل باستيفائه لان في غيبته الموكل
 احتمال العقوف القصاص يستحقه من يستحق ماله على فرائض الله تعالى
 ويدخل فيه الزوج والزوجة كما في الخلاصة والى انه لا يشترط القاضي
 كما في الخزانة والى انه لو كان القتل خطأ لم يكن للكبير الا استيفاء
 حصة نفسه كما في الجامع قهستاني وقوله لا يشترط القاضي اي
 قضاؤه فمن له القصاص له ان يقتض سواء قضى به اولا كما في
 البرازية (ردالمحتار ص ۳۴ ج ۵)

(۷) وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى: (قوله وقيل يستوفى
 السلطان) في منهوات الانقروى اذا كان الورثة كلهم صغارا فاستيفاء
 القصاص الى السلطان هو الاصح وجيز والمجنون والمعتوه كالصبي.
 (التحرير المختار ص ۳۳ ج ۲)

(۸) وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ولو قال ولي القتل
 بعد القتل اي بعد قتل الاجنبي كنت امرته لقتله ولا بدنة له على
 مقاتله لا يصدق ويقتل الاجنبي درس (ردالمحتار ص ۳۴ ج ۵)

(۹) وقال ايضا: وظاهرة ان حق الولي يسقط رأسا كما لو مات

القاتل حتف انفسه (حواله بالا)

(۱۰) وقال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا للتتار خاتمة :
اذا قتل القاتل بحق او بغير حق سقط عنه القصاص بغير مال وكذا اذا
مات (ردالمحتار ص ۳۴ ج ۵)

(۱۱) وقال ايضا : لو استوفاه بعض الاولياء لم يضمن شيئاً وفي
المجتبى والدرر دم بين اثنين فعفا احدهما وقتل الاخران علم ان عفو
بعضهم يسقط حقه يقاد والا فلا والدية في ماله (حواله بالا)

(۱۲) وقال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ : وعفو الولي عن القاتل
افضل من الصلح والصلح افضل من القصاص (ردالمحتار ص ۳۵ ج ۵)
(۱۳) وقال ايضا : الامام شرط استيفاء القصاص كالحد وعند
الاصوليين وخرق الفقهاء اشباہ -

وقال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله وخرق الفقهاء)
اي بين القصاص والحدود في شرط الامام لاستيفاء الحد ودون القصاص حموى قال في
المهنية واذا قتل الرجل عمدا وله ولي واحد فله ان يقتله قصاصا قضى القاضى به ولم
يقض اه ط (ردالمحتار ص ۳۵ ج ۵)

(۱۴) وفي العلائية عن الاشباہ : الحدود كالقصاص الا في سبع -

وفي الشامية : (تنبيه) زاد الحموى ثامنة وهي اشتراط الامام لاستيفاء
الحدود دون القصاص (ردالمحتار ص ۳۵ ج ۵)

(۱۵) وقال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ : ويسقط القود بموت القاتل
لفوات المحل (ردالمحتار ص ۳۵ ج ۵)

(۱۶) وقال ايضا : القود يثبت للورثة ابتداء بطريق الخلاف من غير
سبق ملك المورث لان شرعية القود لتشفى الصدور ودرك الثأر والميت
ليس باهل له وقوله تعالیٰ فقد جعلنا لوليہ سلطانا نص فيه

وقال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله القود يثبت
للورثة) قال في الخانية يستحق القصاص من يستحق ميراثه على فرائض

اللہ تعالیٰ یدخل فیہ الزوج والزوجة (روالمختار ص ۳۶ ج ۵)

عبارات بالاسے امور ذیل مستفاد ہوتے:

(۱) اگر وارث قاتل پر قادر نہیں تو حکومت پر لازم ہے کہ قاتل کو پکڑ کر دلی مقتول کے حوالہ کرے۔

(۲) اگر کسی ایک وارث نے قاتل کو قتل کر دیا تو بھی قصاص ادا ہو گیا، باقی وارثوں کو حق اعتراض نہیں، یعنی جبکہ کسی وارث نے معاف نہ کیا ہو، معاف کرنے کی تفصیل آگے نمبر ۱۳ و ۱۴ میں آرہی ہے۔

(۳) اگر وارثوں میں بعض چھوٹے ہوں اور بعض بڑے تو قتل عمد موجب قصاص میں بڑوں کو قصاص لینے کا حق ہے۔ چھوٹے وارثوں کے بلوغ کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اگر سب وارث چھوٹے ہوں یا مجنون و معتوہ ہوں تو کوئی اجنبی قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کر سکتا، بجائی اور چچا اگر ارث سے محروم ہوں تو وہ بھی اجنبی کے حکم میں ہیں، اس صورت میں حاکم قصاص لے گا۔

(۵) قصاص لینے کا حق ان لوگوں کو ہے جن کو میت کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے۔

(۶) اولیاء میں قاتل کا والد موجود ہو تو بوقت اخذ قصاص اولیاء میں سے کسی دوسرے کا موجود ہونا ضروری نہیں، اور اگر والد موجود نہ ہو تو سب اولیاء کا موجود ہونا ضروری ہے۔

(۷) توکیل کی صورت میں بوقت قصاص موکل کا موجود ہونا ضروری ہے، دلی قصاص کسی کو وکیل بنا کر مجلس قصاص سے غائب ہو گیا تو قصاص لینا جائز نہیں۔

(۸) قتل موجب دیت میں دیت و رثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی۔

(۹) قتل موجب دیت میں اگر وارثوں میں سے بعض چھوٹے ہوں تو بڑے کو پوری دیت لینا جائز نہیں، وہ صرف اپنا حصہ لے سکتا ہے۔

(۱۰) اگر دلی مقتول نے کسی اجنبی کو حکم دیا اور اس حکم دینے پر گواہ موجود ہوں یا لوگوں میں علی الاعلان حکم دیا ہو تو وہ دلی کی موجودگی میں قاتل کو قتل کر سکتا ہے۔

(۱۱) اگر شاہد موجود نہ ہوں اور اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا، پھر دلی مقتول کہتا ہے کہ میں نے حکم دیا تھا تو اس کا قول معتبر نہیں ہوگا، بلکہ اجنبی سے قصاص لیا جائے گا۔

(۱۲) اگر کسی اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا یا وہ مر گیا تو مقتول اول کے ورثہ کا حق ساقط

ہو جاتا ہے، وہ مقتول ثانی کے ورثہ پر یا ترکہ پر کسی قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

(۱۳) اگر کوئی وارث اپنا حق قصاص معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا، باقی ورثہ قصاص نہیں لے سکتے بلکہ دیت لیں گے۔

(۱۴) اگر کسی وارث کے معاف کر دینے کے باوجود دوسروں نے قصاص لے لیا تو اگر قصاص لینے والے کو یہ معلوم تھا کہ بعض وارثوں کا معاف کرنا مسقط قصاص ہے تو قصاص لینے والے سے قصاص لیا جائے گا اور اگر معلوم نہ تھا تو قصاص نہیں بلکہ اس کے مال میں دیت آئے گی۔

(۱۵) معاف کر دینا افضل ہے صلح کرتے سے اور صلح کرنا افضل ہے قصاص لینے سے۔ امور بالا سے سوال کا جواب ظاہر ہو گیا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵۱ جمادی الآخرۃ ۱۲۸۸ھ

بدون توبہ قتل کا گناہ معاف نہیں ہوتا:

سوال: زید نے بکر کو قتل کر دیا۔ اگر زید بکر کے ورثہ کو کچھ رقم دے کر راضی کر لے تو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا یا نہیں؟ اگر ورثہ رضا مند نہ ہوں اور حکومت زید کو دس سال قید کی سزا دے تو اس سے اس کا گناہ معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عذاب آخرت سے بچنے کے لئے توبہ و استغفار اور مقتول کے ورثہ کو راضی کرنا دونوں امر ضروری ہیں، لہذا صرف قید کی سزا کا ٹپنے یا صرف ورثہ کو راضی کرنے سے گناہ معاف نہیں ہوگا۔ توبہ و ارضاء ورثہ کے بعد بھی قتیل کا حق اداء نہیں ہوگا۔ اس کو آخرت میں مطالبہ کا حق ہوگا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله لا تصح توبۃ القاتل حتی یسلم نفسه للقود) ای لا تکفیر التوبۃ وحدها قال فی تبیین المحام واعلم ان توبۃ القاتل لا تكون بالاستغفار والندامة فقط بل یتوقف علی ارضاء اولیاء المقتول فان کان القتل عمدا لا بد ان یمکنہم من القصاص منه فان شاءوا قتلوه وان شاءوا عفوا عنه فجانا فان عفوا عنه کفرت التوبۃ اہ ملخصاً وقد منا انفا انہ بالعفو عنه یرأ فی الدنیا وهل

یبراً فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ ہو بمنزلۃ الدین علی رجل فمات الطالب و ابرأتہ الورثۃ یبراً فیما بقی اما فی ظلمہ المتقدم لا یبراً فکذا القاتل لا یبراً عن ظلمہ و یبراً عن القصاص والدية تتارخانیۃ اقول والظاهر ان الظلم المتقدم لا یسقط بالتوبۃ لتعلق حق المقتول بہ و اما ظلمہ علی نفسہ باقدامہ علی المعصیۃ فیسقط بہا تأمل و فی الحامدیۃ عن فتاویٰ الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ مسألتان قتل مظلوما فاقتص وارثہ او عفا علی الدیۃ او ہجانا ہل علی القاتل بعد ذلک مطالبۃ فی الآخرۃ الجواب ظواہر الشرع تقتضی سقوط المطالبۃ فی الآخرۃ و کذا قال فی تبیین المحارم ظاہر بعض الاحادیث یدل علی انہ لا یطالب و قال فی مختار الفتاویٰ القصاص مخلص من حق الاولیاء و اما المقتول فیخاصمہ یوم القیامۃ فان بالقصاص ما حصل فائدۃ للمقتول و حقہ باق علیہ اھ و هو مؤید لما استظہرتہ (رد المحتار ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۲ صفر ۸۹ھ

سزا سے حق قصاص و حق صلح ساقط نہیں ہوتا :

سوال : دو اشخاص نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا، حکومت نے دونوں کو جیل اور بھاری جرمانہ کی سزا دی۔ رہائی کے بعد مقتول کے ورثہ نے قصاص اور خون بہا کا مطالبہ کیا، کیا حکومت کی سزا کے بعد ان کا یہ مطالبہ درست ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب یا سم ملہم الصواب

اگر حکومت نے مقتول کے ورثہ سے قصاص اور خون بہا معاف نہیں کیا اور نہ ہی ان کو قاتلین سے خون بہا دلوا یا تو ورثہ کا مطالبہ درست ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶ جمادی ثانیہ ۹۱ھ

محارم کے ایک دوسرے کو قتل کرنے میں حق قصاص کی تفصیل :

سوال : مندرجہ ذیل صورتوں میں حکم شرع کیا ہے ؟

① زید نے اپنے بیٹے بکر کو غداً یا خطاً قتل کیا۔

(۲) بکرنے اپنے باپ زید کو عمداً یا خطأً قتل کر دیا۔

(۳) کسی نے اپنے سگے بھائی کو عمداً یا خطأً قتل کر دیا۔

ان تمام صورتوں میں باپ بیٹے اور بھائیوں کے درمیان قصاص، دیت اور وراثت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) خطأً و عمدہ دونوں صورتوں میں باپ پر دیت واجب ہوگی، قتل خطأً میں باپ

کے عاقلہ پر اور عمدہ میں باپ کے اپنے مال میں۔

(۲ و ۳) باپ اور بھائی کے قاتل کو عمدہ کی صورت میں قصاصاً قتل کیا جائے گا اور

خطا کی صورت میں اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

تینوں صورتوں میں قتل خطأً ہو تو کفارہ بھی واجب ہوگا اور میراث سے بہر صورت

محروم رہے گا خواہ قتل عمدہ ہو یا خطأً۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: والفرع باصلہ وان علا لا

بعکسہ خلافاً لمالك رحمہ اللہ تعالیٰ فیما اذا ذبح ابنہ ذبحاً ای لا یقتص

الاصول وان علواً مطلقاً ولو ان انا ثامن قبل الام فی نفس او اطراف

بفروعہن وان سفلاً لقولہ علیہ السلام لا یقاد الوالد بولده وهو

وصف معلل بالجنائیۃ فیتعدی لمن علا لا نھم اسباب فی احیائہ

فلا یكون سبباً لا فناء ثم وحينئذ فتجب الدیۃ فی مال الاب فی ثلاث

سنین لان هذا عمدہ والعاقلة لا تعقل العمدہ (رد المحتار ص ۲۴ ج ۵)

وقال ایضاً فی بیان القتل العمدہ وموجبہ الاثم والقود عیناً لا الکفارة

لانہ کبیرۃ محضاً (رد المحتار ص ۳۴ ج ۵)

وقال ایضاً: وكل ذلك یوجب حرمان الارث لو الجانی مکلفاً ابن

کمال۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وكل ذلك) ای

ما تقدم من اقسام القتل الخیر المأذون فیہ ط (رد المحتار ص ۳۴ ج ۵)

وفی الھندیۃ: وان كان الوالد قتل ولده خطأً فالدیۃ علی عاقلۃ

وعليه الكفارة في الخطأ (عالمگیریہ ص ۶ ج ۶) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۸ محرم ۹۸ھ

عفو کے بعد مطالبہ قصاص جائز نہیں :

سوال: اولیاء مقتول نے دو گواہوں کے سامنے قاتل کو معاف کر دیا۔ اب انہیں دوبارہ قصاص کا مطالبہ کرنے کا حق ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک مرتبہ معاف کرنے سے حق قصاص ہمیشہ کے لئے ساقط ہو گیا، اب دوبارہ مطالبہ جائز نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸ صفر ۹۸ھ

منصوبہ ایک کے قتل کا تھا قتل دوسرا ہو گیا:

سوال: عمرو زید پر قتل کی سازش کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ زید نے جن چار اشخاص کو اس کے قتل پر مامور کیا تھا انہوں نے اس کی بجائے اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ دریافت طلب امر ہے کہ اس صورت میں امر اور مامورین کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امر قتل ہی گناہ کبیرہ ہے، خواہ اس پر کوئی قتل ہو یا نہ ہو، لہذا امر پر توبہ و استغفار لازم ہے اور مامورین جو مباشرین قتل ہیں ان سے قصاص لیا جائے گا اگرچہ انہوں نے غیر مقصود کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ یہ قتل عمد ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۵ محرم ۹۹ھ

ضرب یا مشغل بقصد قتل موجب قصاص ہے :

سوال: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قتل شبہ عمد کی تعریف یہ کی ہے کہ عمد ایسی چیز سے قتل کیا جائے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ ہتھیار کے قائم مقام ہو کما فی الہدایۃ ص ۵۶ ج ۴۔ صاحبین رحمہما اللہ نے یہ تعریف کی ہے :

ان يتعمد ضربہ، بما لا يقتل به غالباً (ہدایۃ ص ۵۶ ج ۴)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مطابق ہے،

لہذا بڑے پتھر یا بڑی لاثمی سے قتل یا زیادہ پانی میں غرق کر کے یا پہاڑی سے گرا کر، غرض ایسی چیز سے جو اجزاء کو کاٹ کر جدا نہ کرے، قتل کرنا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شبہ عمد ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل عمد ہوگا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آلہ قتل سلاح وغیرہ کو نیت قتل کا منظر قرار دیا ہے، لہذا سلاح سے قتل قتل عمد ہوگا اور غیر سلاح سے قتل قتل شبہ عمد ہوگا۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ما یقتل بہ غالباً سے عمد ہوگا اور ما لا یقتل بہ غالباً شبہ عمد ہوگا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ اس دور میں قتل بالمشغل کے واقعات بکثرت ہیں، اسی طرح آلہ جارحہ سے قتل بھی روزمرہ کا معمول ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کو اگر ملکی قانون کا درجہ دیا جائے تو خطرہ ہے کہ قتل کے واقعات میں اضافہ ہو جائے گا، کیونکہ شبہ عمد کی مزادیت ہے اور آج کل لوگوں کے پاس روپیہ عام ہے، پھر روپے ادا کرنے میں بھی بہت سہولت ہے کہ اول تو عاقلہ دیت ادا کریں گے، مزید یہ کہ تین سال تک ادا کرنے کی مہلت ہے۔

اس کے مقابل صاحبین رحمہما اللہ کی تعریف اس دور کے مناسب ہے اور شرح عقود رسم المفتی کی عبارت ذیل سے واضح ہے کہ قضاء کے معاملہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔

و فی القنیۃ من باب المفتی بالفتویٰ علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ
فیما یتعلق بالقضاء لزیادۃ تجربتہ کذا فی البزازیۃ من القضاء۔
(شرح عقود رسم المفتی ص ۲۹)

نیز اس کتاب کے ص ۱ پر تصریح ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول درحقیقت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کے کسی اصل کی فرع ہوتا ہے۔ خود امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شبہ عمد ہونے کے لئے یہ مشرط لگاتے ہیں کہ ضارب کا قصد صرف تأدیب کا ہو اتلاف نفس کا نہ ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قصد اتلاف نفس کا ہو تو قتل بالمشغل ان کے نزدیک بھی عمد میں داخل ہوگا، جیسا کہ عبارات ذیل میں اس کی تصریح ہے۔

یشترط عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ای فی شبہ العمدان یتقصد التأدیب

دون الاتلاف (رد المحتار ص ۲۵ ج ۵)

اعلاء السنن جلد ۱ میں بھی قتل بالمشغل بقصد القتل سے وجوب قصاص کا ذکر

موجود ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر اگر دور حاضر میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ

دیا جائے تو احادیث ذیل کا کیا جواب ہوگا؟

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل السوط والعصا

مشبہ العمد۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان قتل خطأ العمد

بالسوط والعصا والحجر فیه دیتہ مغلظتہ مائتہ من الابل فیہا اربعون
خلفۃ فی بطونہا اولادہا (احکام القرآن باب شبہ العمد ص ۲۲۹ ج ۲) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شبہ عمد میں قصد التأدیب دون الا تلف کی

شرط نص ہے کہ ضرب بالمشغل بقصد الا تلف عمد ہے، پھر علم قصد کی دو صورتیں ہیں،
ایک یہ کہ قاتل خود اس کا اقرار کرے دوسری یہ کہ قرائن ظاہرہ موجبہ یقین موجود ہوں۔

قال العلامة الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ؛ (قوله ای فی شبہ العمد ان

يقصد التأديب الخ) يوافق ما قاله الزيلعي وانما سمي هذا النوع شبہ

عمد لان فيه قصد الفعل لا القتل فكان عمدا باعتبار نفس الفعل

وخطأ باعتبار القتل اهـ ويوافق ما ذكره ايضا في الاستدلال لمذهب الامام

رحمہ اللہ تعالیٰ وعلى هذا اذا اقر بقصد قتله بما ذكر يقتض منه عنده۔

(التحرير المختار ص ۳۲ ج ۲)

جزئیہ مذکورہ میں اگرچہ صرف اقرار قصد مذکور ہے، مگر قرائن ظاہرہ کو بھی اثبات

قصد میں مؤثر تسلیم کیا گیا کہما فی کنایات الطلاق عند المذاکرۃ بلکہ قرائن قاطعہ

کو تو موجب حکم قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں قتل خطأ و قتل عمد کی جو سزا مذکور ہے وہ اس پر نص ہے کہ غیر محمد کا قتل بھی بقصد

قتل قتل عمد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سوال میں مذکورہ احادیث میں قتل بلا قصد مراد ہے۔ لہذا قاضی کی تحقیق میں

اگر قصد قتل ثابت ہو جائے تو قصاص کا حکم ہوگا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۳۱ ربيع الاول ۱۳۹۹ھ

آمر پر قصاص نہیں:

سوال: ایک مل کے مالک نے کچھ غنڈوں کے ذریعے مزدوروں کی انجمن کے لیڈر کو قتل کر دیا، کیا مقتول کے ورثہ کے لئے مل کے مالک یا اس کے کسی لڑکے کو قتل کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصل قاتل کو بشرائط مہودہ قتل کر سکتے ہیں (جو عنوان ”حق قصاص کی تفصیل“ کے تحت گزر چکی ہیں) قتل کا حکم دینے والے کو قتل کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
۵ صفر ۱۴۱۸ھ

غیر وارث کا صلح کرنا مستقط قصاص نہیں:

سوال: ایک مقتول کے ورثہ حسب ذیل ہیں:
والدہ، بیوی، تین بہنیں، ایک نابالغ لڑکا اور ایک ماموں زاد بھائی کا لڑکا جو مقتول کا بہنوئی بھی ہے۔

مقتول کی والدہ اور بیوی نے اس کے بہنوئی کو قاتل سے مقدمہ لڑنے کے لئے بحیثیت مدعی کے مختار نامہ دیا کہ آپ ہماری طرف سے مقدمہ کے مدعی ہیں۔ اب اگر قاتل سے صلح کی صورت پیش آئے تو کیا یہ بہنوئی دوسرے ورثہ کی رضامندی کے بغیر صلح کر سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے ورثہ میں سے کوئی ایک دوسروں کی رضا کے بغیر صلح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

طلب قصاص ورثہ کا حق ہے، لہذا ان میں سے کوئی ایک بھی معاف کر دے یا صلح کر لے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ جو ورثہ راضی نہ ہوں ان کو ان کے حصہ کی دیت ملے گی۔

سوال میں مذکورہ اشخاص میں سے ماموں زاد کا لڑکا وارث نہیں، اس لئے اس کا صلح کرنا یا معاف کر دینا غیر معتبر ہے۔

قال العلامة الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویسقط القود بموت القاتل وبعقواک اولیاء و بصلحہم علی مال ولو قلیلاً و یجب حالا و

بصلح احدهم وعفوه ولعن بقى حصته من الديت (رد المحتار ص ۳۵ ج ۵)
 قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله القود یثبت
 للورثة) قال فی الخانیۃ یشترک القصاص من یشترک میراثہ علی فرائض
 اللہ تعالیٰ یدخل فیہ الزوج والزوجة اه (رد المحتار ص ۳۶ ج ۵) واللہ
 سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

ورثہ میں سے کچھ نابالغ ہوں تو قصاص کا حکم:

سوال: اگر مقتول کے ورثہ میں سے ایک دو نابالغ ہوں تو قصاص لینے کے لئے
 ان کے بلوغ کا انتظار کیا جائے یا فی الحال قصاص لینا بھی جائز ہے؟ بیتوا تو جردا۔
 الجواب باسم ملہم الصواب

فی الحال قصاص لینا جائز ہے، بلوغ صبیان کا انتظار ضروری نہیں۔

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: وللكبار القود قبل كبر الصغار
 خلافا لهما والاصل ان كل ما لا يتجزى اذا وجد سببها كاملا ثبت لكل على
 الحال كولاية النكاح وامان الا اذا كان الكبير اجنبيا عن الصغير فلا يملك
 القود حتى يبلغ الصغير اجماعا زيلعي فليحفظ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله خلافا لهما)
 فعندهما ليس لهم ذلك الا ان يكون الشريك الكبير بالصغير نهاية و
 قاساه على ما اذا كان مشاؤكا بين كبيرين واحدهما غائب (قوله
 والاصل الخ) استدلال لقول الامام قال فی الهدایۃ ولہ انہ حق لا یتجزی
 لثبوتہ بسبب لا یتجزی وهو القرابة واحتمال العفو من الصغير منقطع
 ای فی الحال فیثبت لكل واحد کملا کما فی ولاية النکاح بخلاف
 الكبيرين لان احتمال العفو من الغائب ثابت اه (رد المحتار ص ۳۴ ج ۵)
 واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

حکومت کے فیصلہ کے بغیر قصاص لینا:

سوال: ہمارے زمانہ میں حکومت اسلامی اصول کے مطابق فیصلہ نہیں کرتی، کیا اولیاء مقتول حکومت کے فیصلہ کے بغیر خود قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولیاء کو خود قصاص لینے کی اجازت چند شرائط کے ساتھ مقید ہے جن کا وجود متعسر ہے، لہذا احتیاط لازم ہے، ان شرائط کی تفصیل عنوان ”حق قصاص کی تفصیل“ کے تحت پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶ ذی القعدة ۱۴۰۹ھ

قاتل کے رشتہ دار کو قتل کرنا جائز نہیں:

سوال: کیا اولیاء مقتول کے لئے یہ جائز ہے کہ مقتول کے بدلے قاتل کے اقربا میں سے کسی کو قتل کر دیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶ ذی القعدة ۱۴۰۹ھ

امام سے بھی قصاص لیا جائے گا:

سوال: اگر امام یعنی خلیفہ کسی کو قتل کر دے تو اس پر قصاص ہوگا یا نہیں؟ اگر قصاص ہے تو اس سے قصاص کون لے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلیفہ سے بھی قصاص لیا جائے گا اور اس کا حق ولی مقتول کو ہے، خلیفہ خود کو اس کے سپرد کر دے، ورنہ ولی مقتول مسلمانوں کی قوت سے مدد لے کر خلیفہ سے قصاص لے سکتا ہے۔ قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: والخليفة الذي لا والي فوقه يؤخذ بالقصاص والاموال لا نهما من حقوق العباد فيستوفيه ولي الحق اما بتمكينه او بمنعة المسلمين۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله اما بتمكينه)

ای تمكين الخليفة ولي الحق من الاستيفاء (رد المحتار ص ۱۵۸ ج ۳)

وقال الامام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (لا یؤخذ بہ الا القصاص والمال) بخلاف حقوق العباد كالقصاص وضمان المتلفات لان حق استيفائهما لمن له الحق و يكون الامام فيه كغيره وان احتاج الى المنعة فالمسلمون منعتہ فيقدر بھم على الاستيقاء فكان الوجوب مفیداً (فتح القدیر ص ۵۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ رجب ۱۲۱۴ھ

قتل بالاکراہ میں قصاص کس پر ہے ؟ :

سوال : اکراہ کی صورت میں قصاص کس پر ہے ، مکہ یا مکہ پر ؟ مکہ اگر قاضی یا سلطان ہو تو اس کا حکم عام مکہ جیسا ہی ہے یا مختلف ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اکراہ ملجی میں قصاص مکہ یعنی امر پر ہے اور غیر ملجی میں مأمور پر۔ سلطان وغیرہ سلطان میں کوئی فرق نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ : ویقاد فی القتل العمد المکرہ بالکسر لو مطلقاً علی ما فی المیسوط خلافاً لما فی النہایۃ فقط لان القتال کالآلۃ واجبہ الشافی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہا ونفاہ ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عنہا للشبہۃ۔

وقال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله لان القتال کالآلۃ) وهذا قول الامام ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ قال فی التبیین لھما انہ محمول علی القتل بطبعہ ایتار الحیاتہ فیصیر التہ للمکرہ فیما یصلح ان یتکون التہ لہ وهو الاطلاق دون الاثم وهذا لان الآلۃ ہی التی تتعمل بطبعہا کالسيف فان طبعہ القتل عند الاستعمال فی محلہ وکالتاس فان طبعہا الاحراق وکالماء فان طبعہ الاغراق و باستعمال الآلۃ یجب القصاص علی المستعمل فکذا هنا (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرر ج ۴) وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله ویقاد فی القتل العمد المکرہ فقط) یعنی انہ لا یتباح الاقدام علی القتل بالملجی ولو قتل اشہر

و یقتص الحامل و یحرم المیراث لو بالغاً و یقتص المکره من الحامل و یرثها
شرنبلا لیتا (رد المحتار ص ۵ ج ۵)

وقال رحمه الله تعالى ايضا : وحكمه اذا حصل بملجئ ان ينقل
الفعل الى الحامل فيما يصلح ان يكون المکره التام للحامل كأنه فعله
بنفسه كاتلاف النفس و المال و ملا يصلح ان يكون التام له اقتصر على
المکره كأنه فعله باختیاره مثل الاقوال و الاكل (رد المحتار ص ۵ ج ۵)
والله سبحانه و تعالى اعلم

۶ روى الحجة ۱۴۱۷ هـ

تحقیق آله جارحه للعمد:

سوال: تحقق قتل عمد کے لئے آله قتل کا محدود اور لوہے کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟
تفصیل لکھ کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تحقق قتل عمد کے لئے آله لوہے کا ہونا شرط نہیں، دوسری اشیاء لکڑی، پتھر اور
بالس وغیرہ کا ہونا بھی کافی ہے۔ البتہ لوہے یا اس جیسی دوسری دھاتوں پتیل وغیرہ میں عمدہ
ہونا شرط نہیں، جبکہ لکڑی وغیرہ میں عمدہ ہونا ضروری ہے۔
نیز آگ بھی آله جارحه ہے۔

قال العلامة ابوبکر بن علی الحداد رحمه الله تعالى : (قوله فالعمد
ما تعم ضربه بسلاح او ما اجري مجرى السلاح في تفريق الاجزاء كالمحدد
من الخشب والحجر والنار) العمد ما تعم قتله بالحديد كالسيف والسكين
والرمح والخنجر والنشابة والابرة والاشفاء وجميع ما كان من الحديد
سواء كان يقطع او يبضع او يرض كالسيف ومطرقة الحداد والابرة
وغير ذلك سواء كان الغالب منها الهلاك ام لا ولا يشترط الحد في
الحديد في ظاهر الرواية لانه وضع للقتل قال الله تعالى وانزلنا الحديد
فيه باس شديد وكذا ما يشبه الحديد كالصفر والرصاص والذهب والفضة
سواء كان يبضع او يرض حتى لو قتله بالمشقل منها يجب عليه القصاص

كما اذا ضرب به بعمود من صفر او رصاص (قوله او ما اجري مجرى
السلاح في تفريق الاجزاء) كالزجاج والليطة والحجر المحدد وكل ما
كان يقع به الزكاة اذا قتله به ففيه القصاص (المجهرۃ النيرة ص ۲ ج ۲)
والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۵ رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

قصاص میں ترک شہادۃ جائز نہیں :

سوال : گواہ کے لئے مقدمہ قصاص میں شہادت کو چھپانا جائز ہے یا نہیں ؟
بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دلی مقتول کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو اس کے حقیقہ مطالبہ کے بغیر بھی
شہادت دینا واجب ہے، چھپانا جائز نہیں۔ لیکن یہ وجوب شروط سبعہ کے ساتھ مشروط ہے۔
(۱) قاضی عادل ہو۔

(۲) شاہد کی رہائش عدالت سے اتنے فاصلے پر ہو کہ صبح جا کر شام کو واپس گھر
پہنچ سکتا ہو۔

(۳) قبول شہادت کا یقین ہو۔

(۴) مدعی کی طرف سے شہادت کا مطالبہ ہو۔ خواہ حقیقہ، جبکہ اسے شاہد کا علم ہو،
خواہ حکماً، جبکہ اسے علم نہ ہو اور عدم شہادت کی وجہ سے اس کا حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔
(۵) ادر کوئی شاہد نہ ہو۔

(۶) شاہد کو مشہود بہ کے بطلان کا علم نہ ہو۔

(۷) شہادۃ علی الاقرار کی صورت میں اقرار بوجہ خوف کا علم نہ ہو۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ویجب اذا وھا بالطلب ولو

حکما كما من لکن وجوبہ بشروط سبعة مبسوطة فی البحر وغیرہ متھا
عدالة قاض وقرب مكانه وعلمه بقبوله او یكونه اسرع قبولا
وطلب المدعی لوفی حق العبدان لم یوجد بدله ای بدل الشاهد لانھا فرض
کفاية تتعین لو لم یکن الا شاهدان لتحمل اداء۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله كما مر) وهو قوله او خوف فوت
حقه (قوله وقرب مكانه) فان كان بعيدا بحيث لا يمكن ان يعد والى
القاضى لاداء الشهادة ويرجع الى اهله في يومه ذلك قالوا لا يا نعم لان
يلحقه ضرر بذلك قال تعالى ولا يضار كاتب ولا شهيد بجر (قوله ان لم يوجد
بدله) هذا هو خامس الشروط واما الاثنان الباقيان فهما ان لا يعلم
بطلان المشهود به وان لا يعلم ان المقر اقرب خوفا (رد المحتار ص ۳۷۳ ج ۴)
والله سبحانه وتعالى اعلم.

۲۵ رزی الحجۃ ۱۴۱۷ھ

کتاب الدیات والحدود

دیت وعاقلہ کی تفصیل :

سوال: قتل خطا کی صورت میں قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ دیت کتنی ہوگی؟ اور اس کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز عاقلہ سے کیا مراد ہے؟
بیینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دیت کی تین صورتیں ہیں :

(۱) دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت، ایک درہم = ۴۰۲ ۳/۴ گرام۔
دس ہزار درہم = ۴۰۲ ۳/۴ کلوگرام۔

(۲) ایک ہزار دینار سونا یا اس کی قیمت، ایک دینار = ۸۶ ۱/۲ گرام۔
ہزار دینار = ۸۶ ۱/۲ کلوگرام

(۳) سواونٹ یا ان کی قیمت، یہ اونٹ پانچ قسم کے ہوں گے :

(۱) ایک سالہ بیس اونٹنیاں۔

(۲) ایک سالہ بیس اونٹ۔

(۳) دو سالہ بیس اونٹنیاں۔

(۴) تین سال کی بیس اونٹنیاں۔

(۵) چار سالہ بیس اونٹنیاں۔

تعداد مذکور مرد کی دیت ہے، عورت کی دیت اس سے نصف ہے۔ اس میں اختلاف ہے

کہ دیت کی ان انواع میں سے کسی ایک کی تعیین کا اختیار قاتل کو ہے یا قاضی کو؟ قول اول رائج معلوم ہوتا ہے، مگر ہذا قول ثانی کے مطابق قاضی نے تعیین کر دی تو جائز اور نافذ ہے۔

عاقلہ کی تفصیل :

اگر قاتل اہل دیوان سے ہو تو اس کے عاقلہ اہل دیوان ہیں، یعنی وہ عاقل بالغ مرد

جن کے نام سرکاری دفاتر میں اس لئے درج ہوں کہ وہ کسی خدمت کے عوض یا بوجہ ضرورت سرکاری خزانہ سے وظیفہ پارہے ہوں، اسی لئے ان کو اہل عطا بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اہل دیوان کی وہ جماعت جس سے قاتل کا تعلق ہو۔ دیت وصول کرنے کی آئندہ تفصیل کے مطابق اگر یہ جماعت کافی نہ ہو تو اس سے اوپر کی جماعت کو شامل کیا جائے گا، پھر اس سے اوپر کی جماعت کو۔

اس دور میں سرکاری دفاتر میں عورتوں کی ملازمت عام ہے، بنظر تفقہ ان دیوانی عورتوں کو عاقلہ میں شمار کرنا چاہیے۔

عاقلہ کا مدار تناصر پر ہے، اس زمانہ میں تناصر کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً سیاسی جماعتیں، اہل حرفت، صنعتکاروں، تاجروں اور مزدوروں وغیرہ کی تنظیمیں، لہذا اگر قاتل کسی سیاسی جماعت یا کسی تنظیم کا رکن ہو گا تو اس کی عاقلہ یہ جماعت یا تنظیم ہوگی۔

اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو اور کسی تنظیم یا سیاسی جماعت کا رکن بھی نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے عصبات ہیں اور ان پر وجوب دیت علی ترتیب الارث ہے، پہلے ابناء پھر آباء پھر بھائی پھر بھتیجے پھر چچے پھر چچا زاد۔

قاتل سے بھی حصہ دیت وصول کیا جائے گا، خواہ وہ اہل دیوان سے ہو یا نہ ہو۔

واضطربت اقوال الفقهاء رحمہم اللہ تعالیٰ فی ذلک والصیححہ ما حرمنا۔

نساء وصبیان و مجانین پر دیت نہیں، اگرچہ قاتل ہوں۔

اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال سے تین سالوں میں دیت ادا کی جائے گی، بشرطیکہ قاتل مسلم ہو اور اس کا کوئی وارث معروف نہ ہو، مثلاً لقیط ہو یا کوئی حربی اسلام لے آیا ہو، اگر قاتل ذمی ہو یا اس کا کوئی معروف وارث ہو، خواہ کتنا ہی بعید ہو یا بوجہ رقی یا کفر محروم ہی ہو تو دیت بیت المال میں نہیں بلکہ قاتل کے اپنے مال میں ہے، اسی طرح بیت المال میں دیت ہونے کی صورت میں اگر بیت المال موجود نہ ہو یا اس میں گنجائش نہ ہو تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی جو تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

دیت وصول کرنے کا طریقہ:

دیت تین سالوں میں وصول کی جائے گی، ایک شخص سے ایک سال میں $\frac{1}{3}$ درہم = ۳۵۳۶

گرام سے زیادہ نہیں لئے جائیں گے۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: ويدخل الأبناء والأبناء في العاقلة -
(خاتمة بھامش الهندیہ ج ۳)

وقال العلامة ابوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله فقیل يدخلون) لقربهم
وقيل لا يدخلون لان الضم لنفي المحرج حتى لا يصيب كل واحد أكثر من ثلاثة
او اربعة وهذا المعنى انما يتحقق عند الكثرة والأبناء والأبناء لا يكثر
كذا في الهداية والراجح الاول لجزم قاضیخان بأن القاتل وابنه من جملة
العواقل ولم يحك فيه خلافا (فتح المعین ص ۵۲ ج ۳)

وقال العلامة قاضی زاده الأفندی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وقيل لا
يدخلون لان الضم لنفي المحرج حتى لا يصيب كل واحد أكثر من ثلاثة و
اربعة وهذا المعنى انما يتحقق عند الكثرة والأبناء والأبناء لا يكثر) اقول
فيه كلام وهو ان عدم كثرة الأبناء مسلم واما عدم كثرة الأبناء ككثرة الأخوة
فممنوع كيف وأخوته أبناء أبيه فاذا جاز ان يكثر أبناء أبيه فلم لا يجوز ان يكثر
أبناء نفسه فتأمل (نتائج الأفكار ص ۳ ج ۹)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وأبناء القاتل وأبناءه لا يدخلون
في العاقلة وقيل يدخلون (رد المحتار ص ۵ ج ۵)

وقال العلامة الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وأبناء القاتل وأبناءه لا يدخلون
في العاقلة وقيل يدخلون) قال الزيلعي رحمہ اللہ تعالیٰ واختلفوا في أبناء القاتل
وأبناءه قيل يدخلون لقربهم وقيل لا يدخلون لان الضم لدفع المحرج حتى
لا يصيب كل واحد أكثر من اربعة وهذا المعنى انما يتحقق عند الكثرة و
الأبناء والأبناء لا يكثر واه. ولم يظهر التعليل الثاني ثم رأيت في تكملة الفتح
نظريه بأن أخوته أبناء أبيه وجاز ان يكثر واه فلم لا يجوز ان يكون أبناءه
كذلك اه (التحريرات المختارة ص ۳ ج ۲)

وقال ملك العلماء الامام الكاساني رحمہ اللہ تعالیٰ: ثم الوجوب على
القاتل فيما تتحملة العاقلة قول عامة المشايخ وقال بعضهم كل الدية في هذا
النوع تجب على الكل ابتداء القاتل والعاقلة جميعا والصحيح هو الاول لقوله

لى اهلها ومعناه فليتمحرر وليؤد هذا خطاب للقاتل لا للعاقلة **ولو على**
 ان الوجوب على القاتل ولما ذكرنا ان سبب الوجوب هو القتل وان
 وجد من القاتل لا من العاقلة فكان الوجوب عليه لا على العاقلة وانما
 العاقلة تتحمل دية واجبة عليه ثم دخول القاتل مع العاقلة في التحمل
 مذهبنا وقال الشافعي رحمه الله تعالى لا يدخل معهم (بدائع ٢٥٥ ج ٤)
 وقال ايضا: ويدخل القاتل مع العاقلة ويكون فيما يؤدي كاحدهم
 لان العاقلة تتحمل جنايته وجدت منه وضمانا وجب عليه فكان هو
 اولى بالتحمل (بدائع ٢٥٥ ج ٤)

وقال العلامة المحصني رحمه الله تعالى: والقاتل عندنا كاحدهم
 ولو امرأة او صبيا او مجنوناً فيشاركهم على الصحيح زيلعي.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله والقاتل عندنا
 كاحدهم) يعني اذا كان من اهل العطاء اما اذا لم يكن فلا شيء
 عليه من الدية عندنا ايضا ذكره في المبسوط وعند الشافعي رحمه الله
 تعالى لا شيء عليه مطلقا معراج. (رد المختار ص ٢٣٢ ج ٥)

وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى: (قوله ذكره في المبسوط) وفي
 العناية يعني اذا كان القاتل من اهل الديوان اما اذا لم يكن فلا شيء
 عليه عندنا من الدية كما لا تجب عند الشافعي رحمه الله تعالى لكن تعليل
 المسألة يفيد الدخول مطلقا (التحرير المختار ص ٣٢٢ ج ٢)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله فيشاركهم على
 الصحيح) تقدم في القسامة انه اختيار المتأخرين ومشى في الهداية
 هنا على عدم المشاركة قال في الكفاية وهو اختيار الطحاوي وهو الاصح
 وهو اصل رواية محمد رحمه الله تعالى اه لكن ذكر في العناية ان ما تقدم
 انما هو فيما اذا وجد القاتل في دار امرأة فادخلها المتأخرون مع العاقلة
 لتقديرها قاتلة بسبب وجوب القسامة اما ما هنا هو فيما اذا كانت قاتلة
 حقيقة والفرق ان القسامة تستلزم وجوب الدية على المقسم اما بالاستقلال

واما بالدخول فی العاقلة عندنا بالاستقراء وقد تحقق الملزوم فتحقق
اللازم بخلاف القتل مباشرة فانه قد لا يستلزم الدية اهـ ماخصا
وعليه فليس فی المسألة اختلاف تصحيح لاختلاف الموضوع فتأمل۔
(رد المحتار ص ۴۱۳ ج ۵)

قال فی الهندية: وليس على النساء والذرية ممن كان له عطاء
فی الديوان عقل وعلى هذا لو كان القاتل صبيا او امرأة لاشيء عليه من
الدية كذا فی الكافي (عالمگیری ص ۶ ج ۶)

قال العلامة المحصفي رحمه الله تعالى: وتقسم الدية عليهم فی ثلاث
سنين لا يؤخذ فی سنة الا درهم او درهم وثلث ولم يزد على كل واحد
من كل الدية فی ثلاث سنين على اربعة على الاصح فان لم تسمع القبيلة
لذلك ضم اليهم اقرب القبائل نسبا على ترتيب العصابات۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله على الاصح) و
قليل يؤخذ من كل واحد فی كل سنة ثلاث دراهم او اربعة كما فی الملتقى
رد المحتار ص ۴۱۳ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۰ محرم ۱۲۸۶ھ

بچہ ماں کے نیچے دب کر مر گیا؛

سوال: ایک عورت بچے کو ساتھ لٹا کر سو گئی، سوتے میں غیر شعوری طور پر بچہ اس کے
پہلو کے نیچے دب گیا اور سانس بند ہو کر مر گیا، اس عورت کے لئے کیا حکم ہے؟
بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کے احکام کی تفصیل یہ ہے:

① ماں بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سخت گناہ گار ہوئی اس پر توبہ واجب؛

② کفارہ: اعتاق رقبہ مؤمنہ، اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے،

قری ماہ کی پہلی تاریخ کو شروع کرے تو چاند کے حساب سے دو ماہ شمار ہوں گے، ورنہ ساٹھ
روزے پورے کرے۔

(۳) اں بچہ کی میراث سے محروم ہے، دیت بھی بچہ کی میراث میں داخل ہے۔

(۴) اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲ محرم ۱۲۸۹ھ

حکم قتل خطا:

سوال: شادی کی ایک تقریب میں کچھ لوگوں نے ہوائی فائرنگ کی، اتفاق سے ایک شخص کو گولی لگ گئی اور وہ مر گیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی دیت واجب ہے یا نہیں، اگر پوری دیت کی بجائے پانچ دس ہزار روپے پر اتفاق ہو جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دیت یا کچھ رقم پر صلح کا حکم اس وقت ہے جب جان بوجھ کر مارا ہو، اگر جان بوجھ کر نہیں مارا تو روپے لینا دینا جائز نہیں۔ شریعت سے کیا حکم ہے؟ بینوا تو جبردا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قتل خطا ہے جس کے احکام یہ ہیں

(۱) عاقلہ پر دیت۔

(۲) قاتل پر کفارہ، یعنی اعتاق رقبہ مؤمنہ، اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے

مسل روزے۔

(۳) توبہ و استغفار۔

سوال میں صلح کی مذکورہ صورت جائز ہے لیکن روپے مجلس صلح ہی میں دینا ضروری ہے

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: وموجبہ ای موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جرى مجراه الكفارة والدية على العاقلة والاثم دون اثم القتل اذ الكفارة تؤذن بالاثم لتترك العزيمة (رد المحتار ص ۲۴ ج ۵)

وقال فی الصلح: لو صلح بغير مقاديرها صح كلف ما كان بشرط المجلس لئلا يكون ديناً بين (رد المحتار ص ۲۴ ج ۴) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

غزوی القعدة ۱۲۸۹ھ

قتل خطا میں والد سے کفارہ اور دیت، ساقط نہیں ہوتے:

سوال: جیسے قتل عمد میں والد سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے، ایسے ہی قتل خطا میں

اس سے دیت اور کفارہ بھی ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

والدین سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے، دیت اور کفارہ ساقط نہیں ہوتے۔

قال فی الہندیۃ: وان کان الوالد قتل ولده خطأ فالدیۃ علی عاقلته و

وعلیہ الکفارة فی الخطأ (عالمگیریۃ، ص ۶ ج ۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ صفر ۱۳۹۷ھ

قاضی کو تا جیل دیت کے اسقاط کا اختیار نہیں:

سوال: کیا قاضی قتل خطا یا شبہ عمد میں تا جیل ثلاث سنین کو ختم کر کے حالاً دیت

کو واجب قرار دے سکتا ہے؟ ایک تو دلی مقتول کو قریبی رشتہ دار کے قتل کا صدمہ پہنچا،

دوسرے اس کو تین سال تک دیت کا انتظار کرنا پڑے گا، اگر کوئی گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں۔

بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قتل خطا میں دیت کی تا جیل باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت ہے، لہذا قاضی

کو اس کے اسقاط کا اختیار نہیں۔

البتہ قتل شبہ عمد میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تا جیل نہیں، ائمہ حنفیہ

رحمہم اللہ تعالیٰ کا تا جیل پر اتفاق ہے۔ لہذا اگر کہیں قاضی شافعی المسلک ہو اور وہ دیت حالاً

کا فیصلہ کر دے تو نافذ ہو جائے گا۔

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: واختلف فی شبہ العمد والعمد الذی

دخلتہ شبہۃ وهو الاب اذا قتل ابنہ عمد ا قال اصحابنا رحمہم اللہ تعالیٰ انھا

تجب مؤجلۃ فی ثلاث سنین الا ان دیۃ شبہ العمد تحمل العاقلۃ ودیۃ

العمد فی مال الاب وقال الشافعی رحمہ اللہ دیۃ الدم کدیۃ العمد تجب حالاً

وجہ قولہ ان سبب الوجوب وجد حالاً فتجب الدیۃ حالاً اذا حکم یتثبت

علی وفق السبب هو الاصل الا ان التأجیل فی الخطأ ثبت معن ولا بہ عن

الاصل لاجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم او یتثبت معلولاً بالتخفیف

علی القاتل حتی تحمل عنہ العاقلۃ والعامد یتستحق التغلیظ ولہذا وجب فی مالہ

لا علی العاقلة ولنا ان وجوب الدیۃ لم یعرف الا بنص الکتاب العزیز
وهو قوله تبارک وتعالی ومن قتل مؤمناً خطأ فتحرير رقبة مؤمنة ودية
مسلمة الى اهله والنص وان ورد بلفظ الخطأ لكن غیره ملحق به الا انما
محمل فی بیان القدر والوصف فبین علیه الصلوة والسلام قدر الدیۃ
بقوله علیه الصلوة والسلام فی النفس المؤمنة مائتة من اکبل و
بیان الوصف وهو الا جل ثبت باجماع الصحابة رضی اللہ تعالی عنہم
بقضیۃ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ بحضرتہم فصار الا جل وصف الکل
دیۃ وجبت بالنص (بدائع ص ۲۵۶ ج ۷) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ

بس سے کچلنے کا حکم:

سوال: بس وغیرہ گھاڑیوں کے مصادمہ سے کوئی شخص مارا جائے تو یہ قتل خطا
شمار ہوگا یا قتل کی کوئی اور قسم ہوگی؟ ڈرائیور پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت واجب
ہوگی یا اس کا حکم کچھ اور ہوگا؟ عاقلہ کی تفصیل آج کل کیا ہوگی؟ بینواتو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قتل خطا ہے، ڈرائیور پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

عاقلہ اور دیت کی تفصیل عنوان ”دیت و عاقلہ کی تفصیل“ کے تحت گزر چکی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

غرة ربیع الثانی ۱۲۹۹ھ

نصاب قطع ید:

سوال: حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ سارق کے قطع ید کے لئے ۴۵۷ گرام
سونا یعنی نصف تولہ سے ذرا کم مالیت ضروری ہوگی، اس پر ہمیں کافی خلجان پیدا ہوا ہے کہ
مردج نوٹ کے اعتبار سے اس کی تعداد اور حساب کیا ہونا چاہیے؟ ہر شخص اس مقدار کی
مالیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

چونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے قطع ید کے لئے کم از کم دس درہم کی مقدار متعین
کی ہے جو دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی کے برابر ہے کما حدیثہ المفقی الا اعظم

رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ ”اوزان شرعیہ“ ص ۱، تو کیا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کے مقابلہ میں حکومت کا یہ قانون بنانا جائز ہے؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حکومت کے لئے خلاف شریعت قانون بنانے کا کوئی جواز نہیں۔

نصاب قطعید دس درہم یا ایک دینار ہے، درہم ۴۰۲ و ۳ گرام چاندی، دینار = ۸۶ و ۴ گرام سونا۔

سونے اور چاندی کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے، اس لئے اس کی نوٹ سے دائمی تعیین نہیں ہو سکتی۔

درہم و دینار کے وزن کی تحقیق بندہ کے رسالہ ”بسط الباع لتحقيق الصاع“ میں ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

حدود کفارۃ سینات نہیں:

سوال: کیا حد شرعی مثلاً حد قذف، حد شرب خمر، حد زنا جاری ہونے کے بعد مرتکب جرم آخرت کے مؤاخذہ سے بری ہو جائے گا یا اس کے لئے توبہ و استغفار بھی ضروری ہے؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بدون توبہ مؤاخذہ آخریہ سے نہیں چھوٹ سکتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا:

سوال: ایک شخص شفقت دیا سے اپنے بچہ سے کھیل رہا تھا کہ اچانک بچہ اس کے ہاتھ سے گر کر ہلاک ہو گیا، اب شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا تو جبراً۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قتل جاری مجرائے خطا ہے، اس کا حکم یہ ہے:

- | | |
|------------|---------------------|
| (۱) توبہ۔ | (۲) عاقلہ پر دیت۔ |
| (۳) کفارہ۔ | (۴) حرمان عن الارث۔ |

قال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ: والرابع ما جرى هجراً أي مجرى الخطأ (إلى قوله) وموجبه أي موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جرى هجراً الكفارة والدية على العاقلة والاثم دون اثم القتل اذ الكفارة تؤذن بالاثم لترك العزيمة (رد المحتار ص ۳۴۲ ج ۵)

وفي الهندية: وعن أبي القاسم في الوالدین اذا لم يتعاهدا الصبی حتى سقط من سطح ومات اذا حترق بالنار لا شيء عليهما الا التوبة والاستغفار واختيار الفقیه ابی الیث رحمہ اللہ تعالیٰ علی انه لا كفارة عليهما ولا علی احدهما الا ان يسقط من يده والفتوى على ما اختاره ابو الیث رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی الظهيرية (عالمگیری ص ۳۳ ج ۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ ربیع الاول ۱۲۰۲ھ

جماع موجب اسقاط کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی حاملہ بیوی سے جماع کرتا ہے جس سے حمل ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو معلوم بھی ہے کہ اس سے حمل ساقط ہو جائے گا تو اس شخص پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ حاملہ پر بھی کفارہ ہوگا یا نہیں؟ بیذوات وجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماع بطریق معروف کیا تو کسی پر کوئی ضمان نہیں، اگر غیر معروف طریقہ سے کیا اور زوجہ نے کوئی ایسی حرکت کی جو عموماً موجب اسقاط ہوتی ہے اور بنیت اسقاط کی تو زوجہ کے عاقلہ پر ضمان غرہ واجب ہے جس کی مقدار یہ ہے:

۵۰۰ درہم = ۷۰۱ کلو گرام چاندی ایک سال میں۔

حاصل یہ کہ عاقلہ زوجہ پر وجوب ضمان کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہو۔

(۲) بدون اذن زوج ہو۔

(۳) بنیت اسقاط ہو۔

اور اگر زوج نے ایسی حرکت کی جو عموماً مسقط ہوتی ہے تو اس کے عاقلہ پر ضمان

غرہ ہے، اس میں نیت اسقاط شرط نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۵ جمادی الآخرہ ۱۲۰۲ھ

عوام کو حدود جاری کرنے کا اختیار نہیں:

سوال: ہمارے والد صاحب آج سے تقریباً ۱۶ سال قبل افغانستان کی کمیونسٹ حکومت کی طرف سے گرفتار ہوئے اور آج تک ان کی موت و حیات کا کچھ پتہ نہیں۔ والد صاحب کی گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد ہمارے چچا نے جو کہ غیر شادی شدہ ہے ہماری والدہ سے زنا کا ارتکاب کیا، جس کا والدہ نے اپنے بھائی اور اس کی بیوی اور اپنی بیٹی کے سامنے اقرار کیا، جب چچا سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ گھریں اس طرح ہوتا رہتا ہے، اس زنا کی وجہ سے والدہ حاملہ ہوئی، ہمارے ایک دوسرے چچا نے ہماری والدہ کو اس بہانے سے کہ میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپ چل کر اسے دیکھ لیں لے جا کر وضع حمل کے بعد اسے قتل کر دیا، وہ اب بھی اس کا معترف ہے اور اسے بہت بڑا جہاد کہتا ہے، ہم نے کہا کہ آپ نے اپنے بھائی (زانی) کو کیوں قتل نہیں کیا تو وہ کہتا ہے کہ جب موقع ملا تو میں اسے بھی قتل کرواں گا، حالانکہ اسے کئی بار موقع بھی مل چکا ہے، اب چونکہ ہم جوان ہو چکے ہیں، والدہ صاحبہ کا انتقام لینے کے لئے ہمارے صبر کا پیمانہ بربز ہو چکا ہے، اب از روئے شریعت ہمارے لئے اس زانی اور قاتل کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا لثجر وا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اجرائے حدود کا اختیار امام یا اس کے نائب کو ہے، عوام کو اس کا اختیار نہیں۔

قال الامام الكاساني رحمه الله تعالى: واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما

يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض اما الذي يعم الحدود كلها فهو الامة وهوان يكون المقيم للحد هو الامام او من ولاية الامام وهذا عندنا (وبعد اسطر) وبيان ذلك ان ولاية اقامة الحد انما ثبتت للامام لمصلحة العباد وهي صيانة انفسهم واموالهم واعراضهم لان القضاة يمتنعون من التعرض خوفا من اقامة الحد عليهم والمولى لا يصادى الامام في هذا المعنى لان ذلك يقف على الامة والامام قادر على اقامة لشوكته ومنعته وانقياد الرعية له قهرا ولا يخاف تبعته الجناة واتباعهم لانعدام المعارضة بينهم وبين الامام وتهمة الميل والمحاباة والتواني عن اقامة منتفية في حقه فيقيم على وجهها فيحصل الغرض المشروع له الولاية بيقين (بدائع الصنائع مكره ۷) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

حد قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی:

سوال: قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو امتی کوڑے مارو۔ اور ان کی شہادت قبول نہ کرو، وہ خود ہی فاسق ہیں، اگر کوئی پاک مردوں پر تہمت لگائے پھر ثابت نہ کر سکے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی کیا اس صورت میں مردوں کو عدالت میں فیصلہ لانے کا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جب مقذوف عدالت میں آئے تو قاذف کو مجبور کیا جائے گا کہ الزام ثابت کرے، اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی، اور عدالت میں آنے کے بعد نہ عدالت اس کو معاف کر سکتی ہے نہ خود صاحب معاملہ، نہ کسی مالی تاوان پر معاملہ ختم ہو سکتا ہے، نہ توبہ کر کے اور نہ معافی مانگ کر نہ لے سکتا ہے، بدینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

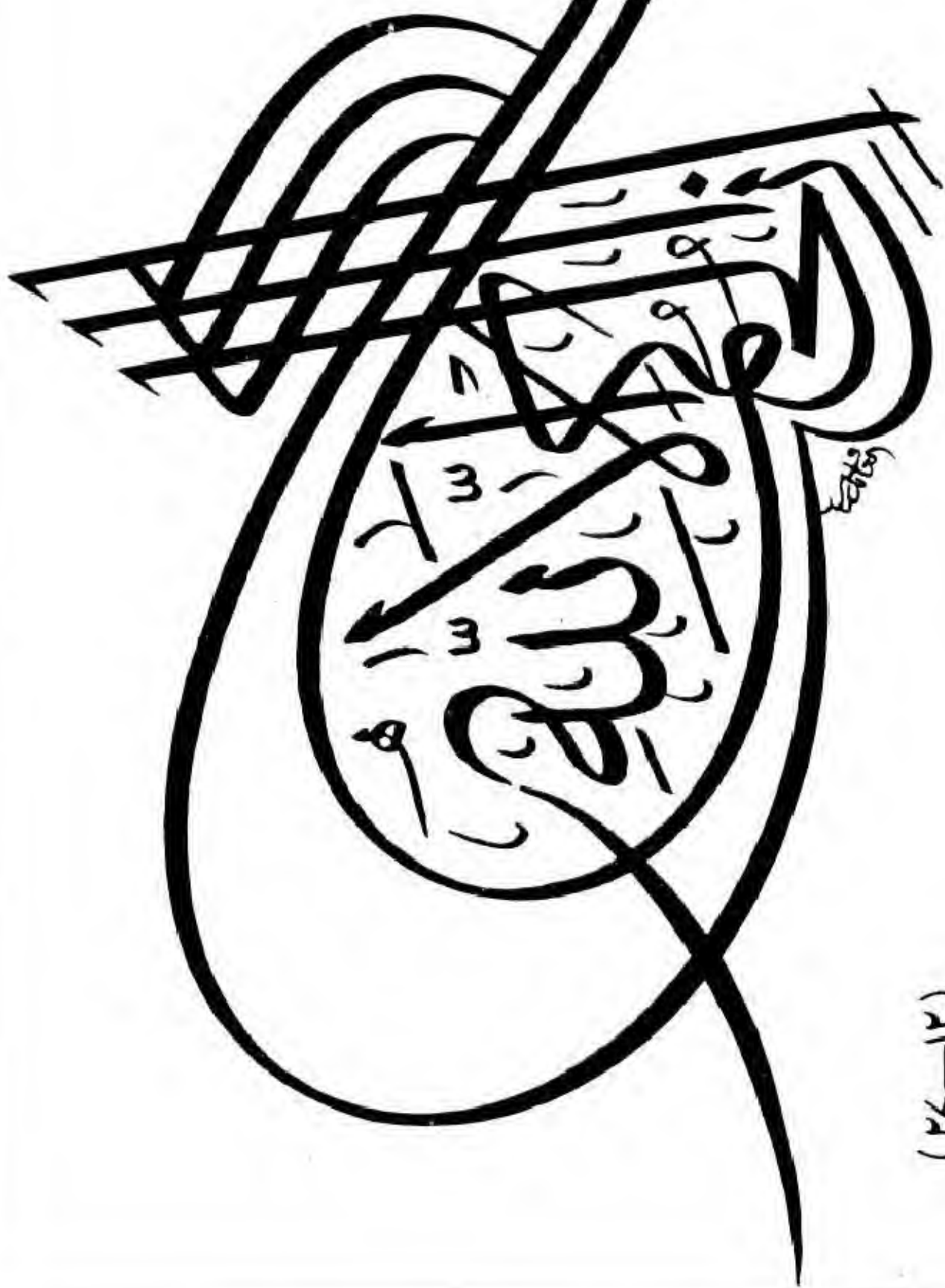
سوال میں مذکور تفصیل صحیح ہے، مردوں کو بھی حد قذف طلب کرنے کا حق ہے اور مقذوف یا عدالت کے معاف کرنے سے حد قذف ساقط نہیں ہوتی، البتہ عفو مقذوف کی صورت میں صاحب حق کی طرف سے عدم طلب کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی، عفو مقذوف صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعد العفو بھی اس کو طلب حد کا اختیار ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یرث فیہ خلافا للشافعی ولا رجوع بعد اقرار ولا اعتیاض ای اخذ عوض ولا صلح ولا عفو فیہ وعنه نعم لو عفا المقذوف فلا حد للصحة العفوب بل لترك الطلب حتی لو عاد وطلب حد شمی ولذا لا یتیم الحد الا بحضرتہ (رد المحتار ص ۳۷۳ ج ۳) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۴ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ



حکومت برائے اللہ ہی کا ہے





وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ
الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ فَوَاللَّهِ
تُؤْتَىٰ وَفُضِّلَ لَهُ جَهَنَّمُ وَمَا كَانَ مُقِيمًا (١١٥: ٣)

عورت کی دیت

اس رسالہ میں قرآن،
حدیث اور اجماع امت
سے ثابت کیا گیا ہے
کہ عورت کی دیت مرد کی
دیت سے آدھی ہے۔

لافائدہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

عورت کی دیت

نئی ظلمت کے فتنوں میں اس وقت کو بھی ہوا
دی جا رہی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت
کے برابر ہے۔

اس رسالہ میں اس نظریہ کا بطلان تحریر
کیا گیا ہے اور دلائل قاطعہ سے ثابت کیا گیا ہے
کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔
○ آیات قرآنیہ

○ ارشادات نبویہ

○ اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

○ اجماع ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ

○ اجماع امت

○ ملحدین کے دلائل کا جواب

عورت کی دیت

اُمت کا اجماعی موقف

اس ہوش ربا گرانی کے دور میں جو جنس سب سے ارزاں و فراواں ہے وہ جنس اجتہاد ہے جس کی مانگ اس ملک میں شاید سب سے زیادہ ہے۔ منصب اجتہاد سنبھالنے کے لئے یہاں کسی قسم کی دار و گیر ہے نہ ہی دائرہ اجتہاد کی کوئی حد بندی۔

ان تازہ واردان بساط اجتہاد کی اجتہادی ترکتازیوں کا میدان زیادہ تر وہ شرعی مسائل ہیں جو روزِ اول سے پوری اُمت میں متفق علیہ چلے آ رہے ہیں، اس وقت ہمیں نہ ان مسائل کی فہرست پیش کرنا مد نظر ہے نہ ہی ان کی جواب دہی، ان کی فہرست خاصی طویل ہے اور آنے والے وقت میں شاید ہی کوئی بنیادی مسئلہ ہو جو ان کی دست برد سے محفوظ رہ سکے۔

اس وقت جس مسئلہ پر گفتگو مقصود ہے وہ ہے عورت کی دیت کا مسئلہ، اسے اخبارات میں ہوادے کر اس رنگ میں پیش کیا گیا گویا یہ ایک نو درپیش مسئلہ ہے جس میں اجتہاد کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، حالانکہ فقہ کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اگر ان سے کوئی دریافت کرے کہ اس قسم کے طے شدہ مسائل کو از سر نو چھیڑ کر آپ دین کی کونسی خدمت انجام دے رہے ہیں؟ تو یہ نادان دوست جواب دیتے ہیں :

”ہمارے علماء موجودہ حالات سے بے خبر ہیں، اور اس قسم کے قدیم مسائل عالمی سطح پر اہل اسلام کی بدنامی اور لوگوں کی اسلام سے دوری کا سبب بن رہے ہیں اس لئے متمدن دنیا کے موجودہ حالات اور ان کے تقاضے مجبور کر رہے ہیں کہ ان مسائل پر نئے سرے سے اجتہاد کیا جائے“

جہاں تک اسلامی تعلیمات کو جدید رنگ میں پیش کرنے اور انھیں موجودہ عالمی احوال و ظروف سے ہم آہنگ ثابت کرنے کا مسئلہ ہے تو یہ سوچ بلاشبہ لائقِ صداقت و ستائش ہے، مگر

یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اغیار کے بے بنیاد اعتراضات سے مرعوب ہو کر اپنے دین کا حسین چہرہ بگاڑ دیا جائے؟ یہ بدنامی کا خوف اور دشمنانِ اسلام کے سامنے سپراندازی تو شکست خوردہ ذہنیت اور احساسِ کہتری کا آئینہ دار ہے۔

دفاع کا مردانہ طریقہ تو یہ ہے :

”احکامِ اسلام کا معقول و موزوں اور مبنی بر فطرت ہونا ثابت کیا جائے، اسکی پاکیزہ تعلیمات پر اعتراض کرنے والوں کو ان کے رو در رو باغی فطرت اور احمق و مورکھ ثابت کیا جائے“

اگر اجتماعی مسائل کو کاٹ تراش کر معترضین کی خواہشات سے ہم آہنگ کرنے کا یہ انوکھا طریقہ اختیار کر لیا جائے تو آپ کو پورے دین سے دست بردار ہونا پڑے گا، اس لئے کہ عناد پرست مخالفین تو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو کہاں معاف کریں گے؟ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

- ① آپ کے دین میں تو عورت کی گواہی مرد کی بنسبت آدھی ہے۔
- ② عورت کا حصہ میراث آدھا ہے۔
- ③ اطاعت شوہر کی لازم ہے نہ کہ بیوی کی۔
- ④ بیک وقت چار نکاحوں کی اجازت مرد کو ہے نہ کہ عورت کو۔
- ⑤ طلاق ظہار اور ایلا کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے۔
- ⑥ ولی نکاح مرد ہے نہ کہ عورت۔
- ⑦ عورتیں مردوں کی بنسبت عقل و دین میں ناقص ہیں۔
- ⑧ نکاح باہل الکتاب کی اجازت مردوں کو ہے عورتوں کو نہیں۔
- ⑨ جمعہ، عیدین، جہاد اور عام مجموعوں میں نکلنا مردوں کا وظیفہ ہے، عورت کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری ہے۔
- ⑩ مرد عورتوں پر حاکم و نگران ہیں، عورت کی حکومت کا دین اسلام میں کوئی تصور نہیں۔

یہ تمام مسائل نصوصِ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، ان میں سے ہر مسئلہ دشمن

کی نظر میں شہتیر سے کم نہیں۔

ابے فرمائیے :

”کس کس مسئلہ کو کاٹ کتر کر ان کے معیار پر لائیں گے؟“

اس قسم کا اجتہاد اسلام کی کوئی تعمیری خدمت نہیں بلکہ اس کے قصر مشید کو ڈھانے کی ناکام کوشش ہوگی۔

ببر سر مطلب :

عمدہ کوئی شخص کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کی سزا قتل ہے کہ اس نے دوسرے کی جان لی ہے اور جان کا بدلہ جان ہی ہے۔ بلکہ قتل خطا کی صورت میں کفارہ اور دیت واجب ہے، دیت مقتول مرد کی سواونٹ ہیں اور بصورت نقد ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں۔ اور مقتولہ عورت کی دیت مرد کی بنسبت نصف ہے، یعنی پچاس اونٹ یا پانچ سو دینار یا پانچ ہزار درہم۔

آج کل اس اجتماعی مسئلہ کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ یہ مرد و عورت کا امتیاز اصول مساوات کے خلاف ہے، دراصل یہ مساوات کا نعرہ یورپ سے لئے گئے فکر مستعار کا شاخسانہ ہے، ورنہ کون نہیں جانتا کہ اسلام میں اس قسم کی اندھی مساوات کا دور دور تک کوئی تصور نہیں۔ بہر حال عورت کی نصف دیت کا مسئلہ ایک جماعتی مسئلہ ہے بالاختصار اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

① قرآن کریم میں ارشاد ہے :

① وللرجال علیہنّ درجۃ الایۃ (۲: ۲۲۸)

”اور مردوں کا انکے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے“

② واستشهدوا شہیدین من رجالکم فان لم یكونا رجلین فرجل وامرأتین

فمن ترضون من الشہداء الایۃ (۲: ۲۸۲)

”اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر وہ دو گواہ مرد نہ

ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو“

③ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین الایۃ (۴: ۱۱)

”اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں

کے برابر ہے۔“

(۴) الرجال قوامون على النساء الآية (۴ : ۳۴)

”مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔“

یہ آیات کئی احکام میں مرد و عورت کے مابین فرق کو اجاگر کر رہی ہیں، حکم دیت میں بھی اگر دونوں متفاوت ہیں تو اس میں اعتراض کا کیا مقام ہے؟

(۲) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم عقل المرأة مثل عقل الرجل حتى يبلغ الثلث من ديتها۔

(سنن نسائی ص ۲۴، سنن کبریٰ للبیہقی ص ۹۶، مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۶)

”عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے حتیٰ کہ تہائی کو پہنچ جائے۔“

(۳) عن معاذ بن جبل رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

دية المرأة على النصف من دية الرجل (سنن کبریٰ للبیہقی ص ۹۵ ج ۸)

”معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔“

(۴) عن ابن شهاب وعنه مكحول وعطاء رحمهم الله تعالى : قالوا ادركنا الناس

على ان دية المسلم الحر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم مائة من الابل فقوم عمر

ابن الخطاب رضى الله تعالى عنه تلك الدية على اهل القرى الف دينار واشئ عشر الف

درهم، ودية الحرة المسلمة اذا كانت من اهل القرى خمسمائة دينار وستة آلاف درهم

فاذا كان الذي اصابها من الاعراب فديتها خمسون من الابل ودية الاعرابية اذا اصابها

الاعرابي خمسون من الابل، لا يكلف الاعرابي الذهب ولا الورق (السنن الکبریٰ للبیہقی

ص ۹۵ ج ۸، مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۵ ج ۹، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳ ج ۹)

”امام ابن شہاب، مکحول اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ ہم نے لوگوں

کو دینی صحابہ و تابعین کو بلا خلاف اس مذہب پر پایا کہ آزاد مرد مسلمان کی دیت

عہد نبوت میں سواونٹ مقرر تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دیت

کی یہ قیمت مقرر فرمائی :

”گاؤں والوں پر ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم، اور آزاد مسلمان عورت کی دیت جب وہ گاؤں کی ہو پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم، پھر جب اس کا قاتل بدوی ہو تو مقتولہ کی دیت پچاس اونٹ ہیں، اور بدویہ کا قاتل بدوی ہو تو دیت پچاس اونٹ ہیں، بدوی کو سونا چاندی ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔“

(۵) عن الشعبي رحمه الله تعالى انه علياً رضي الله عنه كان يقول جراحات النساء على النصف من دية الرجل فيما قلّ وكثّر

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۹۶ ج ۸، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰ ج ۹)

”امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے :

”عورتوں کے زخموں کی دیت قلیل و کثیر میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔“

(۶) عن ابراهيم عن علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه انه قال عقل المرأة على النصف من عقل الرجل في النفس وفيما دونها (السنن الكبرى ص ۹۶ ج ۸، مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۴ ج ۹)

”حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

”عورت کی دیت جان اور اعضاء دونوں میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔“

(۷) وقال ابن مسعود رضي الله تعالى عنه الا السنن والموضحة فانها سواء وما زاد على النصف (السنن الكبرى ص ۹۶ ج ۸، مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۴ ج ۹، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۹ ج ۹)

”اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

”دانت اور موضحة (جو زخم ہڈی کھول دے) میں مرد و عورت کی دیت برابر ہے، اور اس سے زائد میں عورت کی دیت نصف ہے۔“

(۸) وكان زيد بن ثابت رضي الله تعالى عنه يقول دية المرأة في الخطأ مثل دية الرجل حتى تبلغ ثلث الدية فما زاد فهو على النصف (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹ ج ۸، السنن الكبرى ص ۹۶ ج ۸، مصنف عبد الرزاق ص ۳۹ ج ۹)

”اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے :

”عورت کی دیت خطا تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے، پھر تہائی دیت

سے زائد میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔“

⑨ مالک عن یحییٰ بن سعید عن سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ انہ کان یقول تعاقل المرأة الرجل الى ثلث الدية (موطأ مالک ص ۶۷)
 ”امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ سے وہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں :
 ”تہائی دیت تک مرد و عورت کی دیت یکساں ہے۔“

⑩ مالک عن ابن شہاب وبلغہ عن عروة ابن الزبیر انہما کانا یقولان مثل قول سعید بن المسیب فی المرأة انہا تعاقل الرجل الى ثلث دية الرجل فاذا بلغت ثلث دية الرجل كانت علی النصف من دية الرجل (موطأ مالک ص ۶۷)
 ”امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابن شہاب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت عسروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں حضرات سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح فرماتے :

”تہائی دیت تک مرد و عورت کی دیت برابر ہے، جب عورت کی دیت مرد کی تہائی دیت تک پہنچے تو عورت کی دیت مرد سے نصف ہوگی۔“

⑪ کتب شریعہ الی ہشام بن ہبیرہ رحمہما اللہ تعالیٰ ان دية المرأة علی النصف من دية الرجل الا السنّ والموضحة (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹ ج ۹) السنّ الکبریٰ ص ۹۶ ج ۸، مصنف عبد الرزاق ص ۳۹ ج ۹

”قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہشام بن ہبیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھا :
 ”عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے سوائے دانت اور موضعہ (بڑی کھونڈ والے) زخم کے۔“

⑫ عن ابن عون عن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ قال یستوی جراحات الرجال والنساء علی النصف، فاذا بلغت النصف فمى علی النصف (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹ ج ۹)
 ”ابن عون حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں :
 ”نصف دیت تک مرد و عورت کا حکم یکساں ہے، پھر جب نصف کو پہنچ جائے تو عورت کی دیت نصف ہے۔“

(۱۳) عن سعید بن المسيّب وعن مكحول عن عمر بن العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ قال: يعاقل الرجل المرأة في ثلث ديتها ثم يختلفان -

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۶ ج ۹)

حضرت سعید بن المسيّب اور مکحول رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں:

”تہائی دیت تک مرد و عورت کا حکم برابر ہے، پھر مختلف، عورت کی دیت نصف ہوگی“

ان میں بعض روایات گو سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں مگر ان کے ساتھ دوسری صحیح و متصل روایات موجود ہیں، نیز اجلہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بلا خلاف قبول عام نے ان کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر دی، اس سے ان کا ضعف منجر ہو گیا، ان جلیل القدر صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بالمقابل کسی صحابی، تابعی یا قابل ذکر نقیبہ کا مذہب نہیں ملتا جس نے نصف دیت کے خلاف قول کیا ہو جس سے نصف دیت کا قول اُمت کا اجماعی موقف بن گیا،

اُمّت مسلمہ کے متفق علیہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی عورت کی نصف دیت پر یک زبان ہیں، ذیل میں انکی تصریحات پیش کی جاتی ہیں:

① فقہ احناف کی شہرہ آفاق کتاب ہدایہ میں ہے:

(ودية المرأة على النصف من دية الرجل) وقد ورد هذا اللفظ موقوفاً على علي رضي الله تعالى عنه ومرفوعاً إلى النبي صلى الله عليه وسلم (هداية ص ۸۲ ج ۲)

”اور عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، اور یہ حدیث ان الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً منقول ہے“

② موطا کے حوالہ سے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی دو روایتیں اوپر مذکور ہیں موطا میں ان کی تفسیر یوں ہے:

قال مالك وتفسير ذلك انها تعاقل في الموضحة والمنقلة وما دون المأمومة والجائفة واشباههما مما يكون فيه ثلث الدية فصاعداً، فاذا بلغت ذلك كان

عقلها في ذلك النصف من عقل الرجل (موطأ مالک ص ۶۷)

”امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

”اس کی تفسیر یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہوگی موضحہ (جس میں ہڈی کھل جائے) اور منقلہ (جو ہڈی کو اپنی جگہ سے سرکا دے) میں، اور ان زخموں میں جو مأمومة (بھیجے تک پہنچنے والا) اور جائفہ (پیٹ تک پہنچنے والا) سے کم ہیں اور ان جیسے دوسرے زخم جن میں تہائی دیت یا تہائی سے زائد آتی ہے (ان سے کم درجے کے زخموں میں مرد و عورت کی دیت یکساں ہے) پھر جب اس حد (تہائی یا اس سے زائد) تک پہنچ جائے تو عورت کی دیت مرد سے نصف ہوگی۔“

المدة الكبریٰ ص ۳۹ ج ۶ میں بھی یہی تفصیل مذکور ہے کہ ثلاث اور اس سے زائد میں نصف دیت ہے۔

شارح موطأ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ مذکورہ بالا مقام کی شرح میں لکھتے ہیں :

قال ابن المنذر وابن عبد البر اجمع اهل العلم على ان دية المرأة نصف دية الرجل وحكى غيرهما عن ابن عليه والاصم انهما قالاديتها كدية الرجل لقوله صلى الله عليه وسلم في النفس المؤمنة مائة من الابل وهذا قول شاذ يخالف لجماع الصحابة وسنة النبي صلى الله عليه وسلم فان في كتاب عمر بن حزم دية المرأة على النصف من دية الرجل وهو خص ما ذكره فيكون مفسر لما ذكره ومختصا له (اوجز المسالك ص ۲۵۱ ج ۵)

”امام ابن المنذر اور ابن عبد البر رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

”اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔“

اور ان دونوں حضرات کے سوا دوسرے علماء نے ابن علیہ اور اصم کا قول نقل کیا ہے :

”عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے : نفس مؤمن کی دیت سواونٹ ہیں۔“

لیکن یہ ایک شاذ قول ہے جو اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت کے خلاف ہے، اس لئے کہ ”کتاب عمرو بن حزم“ میں ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے، اور یہ ارشاد مذکور الصدر حدیث کی بنسبت اخص ہے، لہذا اس کے لئے مفسر و مختص قرار پائے گا۔“

(۳) (وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لم اعلم مخالفاً من اهل العلم قد یا واحدینا فان دية المرأة نصف دية الرجل وذلك خمسون من الابل (کتاب الاقرب ص ۶) امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”میرے علم میں زمانہ قدیم و جدید کے اہل علم میں کوئی شخص نہیں جس نے اس مسئلہ کی مخالفت کی ہو کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے جو پچاس اونٹ ہیں لہذا اس پر اُمت کا اجماع ثابت ہو چکا۔“

(۴) امام موفق الدین ابن قدامة الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

(ودية الحرة المسلمة نصف دية الحر المسلم) قال ابن المنذر وابن عبد البر اجماع اهل العلم علی ان دية المرأة نصف دية الرجل (المعنی ص ۵۳ ج ۹)

”اور آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت سے نصف ہے“ امام ابن منذر اور ابن عبد البر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔“
اختصار کے پیش نظر مذاہب اربعہ کا صرف ایک ایک مستند حوالہ پیش کیا گیا ورنہ تتبع سے بیسیوں حوالجات پیش کئے جاسکتے ہیں۔

معروف اہل حدیث عالم علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی نیل الاوطار ص ۲۲۴ ج ۷ میں مفصل دلائل کے ساتھ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔
منکرین اجماع کے دلائل :

اس اجماعی مسئلہ کے خلاف جہاں جہاں سے آوازیں اُٹھ رہی ہیں ان سب کے پیچھے مرد و عورت میں مساوات کی مغرب زدہ ذہنیت کار فرما ہے، اور متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث کے حوالوں سے ہم اس نظریہ کا بے بنیاد و باطل ہونا واضح کر چکے ہیں، کم از کم کسی مسلمان کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہیے۔

اب ہم مخالفین اجماع کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں :

عورت کی دیت

① سورہ نسا کی آیت ۹۲ میں حکم دیت ”فدية مسلمة الى اهله...“ مطلق ہے، سو اس حکم مطلق کی تفسیر کے لئے قرآن ہی کی دوسری آیت درکار ہے، یا حدیث متواتر و مشہور پیش کرنا لازم ہے، یا کم از کم صحیح السند خبر واحد ہی لائی جائے، حالانکہ ان میں سے کسی ایک کا وجود نہیں، لہذا قرآن کے حکم مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔
جواب :

آیت نسا کے متعلق عموم یا اطلاق کا دعویٰ ہی بے بنیاد ہے، آیت کے متعلقہ جملوں کا ترجمہ ہے :
”اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا نوٹدی کا آزاد کرنا ہے، اور دیت ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دی جائے، مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں۔“

آیت کا اصل مدعا جو ترجمہ ہی سے ظاہر ہے اتنا ہے :
”قتل خطا کی صورت میں قاتل پر کفارہ اور دیت لازم ہے۔“
یہی تقاضائے انصاف و دیانت ہے، اس کے برعکس قاتل غلطی کو قصاص میں قتل کر دینا یا بالکل بری الذمہ قرار دینا اصولِ عدل و مساوات کے خلاف ہے، قتل کرنے میں قاتل پر ظلم لازم آتا ہے اور بلا کفارہ و دیت رہا کر دینے میں ورثہ مقتول کی حق تلفی لازم آتی ہے۔
اس لئے قرآن نے یہ عادلانہ فیصلہ صادر فرمایا جس میں ہر فریق کی پوری پوری رعایت برتی گئی۔

غرض قرآن نفس کفارہ و دیت کا وجوب بیان کر رہا ہے، مقدار دیت سے کہ (وہ کل ہو یا نصف)، اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں، ہاں ! یہ کہہ سکتے ہیں کہ آیت مجمل ہے جس کی تفصیل احادیث، تعامل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ اجماع اُمت کی روشنی میں ہمارے سامنے آگئی۔

② المسلمون تتكافأ دماؤهم الحديث (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہم)
اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے لہذا قصاص کی طرح دیت کا حکم بھی مرد و عورت میں مساوی ہے۔

جواب :

اس حدیث کا بھی مخالفین اجماع کے موقف سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے :

”قصاص و دیت کے باب میں تمام مسلمانوں کا حکم یکساں ہے کہ بلا امتیاز قوی و ضعیف، شریف و وضيع، مرد و عورت، ہر مسلمان قاتل کو بصورت عمد مسلمان مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔“

یہ عالمگیر عادلانہ قانون جاری کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم جاہلیت کی بیخ کنی فرمادی جس میں مرد کے بدلے عورت کو قتل کیا جاتا تھا مگر عورت کے بدلے مرد کو کچھ نہ کہا جاتا، اسی طرح طاقتور کو چھوڑ دیا جاتا کمزور کو دھریا جاتا، ذات پات اور اونچ نیچ کے اس امتیاز کو مٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

الغرض! اس حدیث میں قانون قصاص و دیت کے نفاذ میں برابری کا اصول بیان کیا گیا ہے، مقدار دیت سے اس میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

فتا ملنا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المؤمنون تتكافأ دماؤهم، فوجدنا اهل العلم جميعاً لا يختلفون في تأويل ذلك انه على التساوي في القصاص والديات وان ذلك ينفي ان يكون لشريف على وضيع فضل في ذلك وان ذلك كان مرداً على اهل الجاهلية في تركهم قتل الشريف بقتله الوضيع وفي ذلك ما قد عقلنا ان النساء في جري ذلك كالرجال ان الرجل يقتل بالمرأة كما تقتل المرأة بالرجل۔

(مشکل الاشارة للطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۹۲)

”پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی المسلمون تتكافأ دماؤهم

(مسلمانوں کا خون برابر ہے) میں غور کیا تو تمام علماء کو اس پر متفق پایا کہ یہ ارشاد

قصاص اور دیتوں میں برابری پر محمول ہے، اور یہ ارشاد اس بات کی نفی کرتا ہے

کہ کسی اعلیٰ کو ادنیٰ پر ترجیح ہو، اور اس میں زمانہ جاہلیت کے اس دستور کی تردید ہے

کہ وہ اونچے درجے کے آدمی کو نیچے درجے کے آدمی کے قتل کرنے پر چھوڑ دیتے

تھے، اور اسی ارشاد میں ہم نے یہ سمجھا کہ عورتیں بھی اس قانون میں مرد کی طرح ہیں،

لہذا مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا، جیسا کہ عورت کو مرد کے بدلے قتل کیا جاتا ہے۔“

دوسرے تمام شراح حدیث نے بھی حدیث کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے، طوالت کے خوف سے ہم ان کی پوری عبارت نقل نہیں کرتے۔
سلا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

یرید بہ انّ دماء المسلمین متساویۃ فی القصاص یقاد الشریف منہم بالوضیع والکبیر بالصغیر والعالم بالجاهل والمرأة بالرجل.... علی خلاف ما کان یفعلہ اہل الجاہلیۃ۔
(مرقاة المفاتیح ص ۶۵ ج ۷)

اشعۃ اللمعات ص ۳۳، نیل الاوطار ص ۱۵۵، بذلک لمجہود ص ۵۲ پر بھی یہی تفصیل مذکور ہے۔
مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں :
وهذا بالاجماع۔

”یہ پوری اُمرت کا اجماعی موقف ہے“

مگر منکرین اجماع بزور اس سے اپنا مطلب کشید کر رہے ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ حدیث کی یہ نئی تشریح جو انھیں چودہ سو سال بعد سو جھی ہے پوری اُمرت پر کیسے او جھل رہی؟ اور تو اور راوی حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حدیث کے مفہوم سے نا آشنا رہے چنانچہ نصف دیت کے متعلق ان کا مذہب ہم او پر مفصل ذکر کر آئے ہیں۔

سر خد اکہ عابد وزاہد کسے نہ گفت : در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(۳) حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت امام ابو حنیفہ و شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مرد و عورت کی دیت میں برابری کا حکم منقول ہے، چنانچہ قاضی ابوالولید الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :
قوله رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعاقل المرأة الرجل الى ثلث الدية اصبعها كاصبعه یرید ان ما دون ثلث الدية عقلها فيه كعقل الرجل وهو معنى معاقلتها له حتى اذا بلغت في عقل ما جنى عليها ثلث الدية كان عقلها نصف عقل الرجل وهذا قال من ذكره مالك من التابعين وهو قول زيد بن ثابت وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وما روى عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تساو یهما فی الموضحة واختلف عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فروی عنہما باسناد

ضعیف انھا علی دية الرجل في القليل والكثير وبه قال ابو حنیفہ و الشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ
وروی عنہما مثل قولنا (المنتقى ص ۷ ج ۷)

”امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

”عورت کی دیت تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہوگی، اسکی انگلی مرد کی انگلی کی طرح ہوگی۔“
آپ کی مراد یہ ہے کہ تہائی سے کم کم میں عورت کی دیت مرد کی طرح ہے، عورت کی
مرد کے ساتھ برابری کے یہی معنی ہیں، جب عورت پر کسی گنہگاریت تہائی دیت کو
پہنچ جائے تو اسکی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوگی، اور یہی قول ہے ان تابعین کا
جن کا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور یہی زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ موضع
میں مرد و عورت کا حکم یکساں ہے۔ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما
سے دو مختلف روایتیں ہیں، ایک ضعیف السند روایت یہ ہے کہ قلیل و کثیر میں مرد
و عورت کی دیت یکساں ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔
اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دوسری روایت ہمارے مذہب
کے مطابق ہے (کہ تہائی دیت سے اوپر عورت کی دیت نصف ہوگی)۔“

یہ استدلال بھی ایک مضحکہ خیز مغالطہ ہے، اس استدلال کی پوری غارت ایک کاتب کی غلطی پر
استوار ہے، جس سے ”انھا علی نصف دية الرجل“ کی کتابت میں لفظ ”نصف“ چھوٹ
گیا، سہو کاتب سے منکر بن اجماع خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے منقول یہ ضعیف روایت دوسری کتب میں بھی موجود ہے جس میں لفظ ”نصف“
موجود ہے، سنن کبریٰ للبیہقی میں ہے :

عن ابراہیم النخعی رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ
عنہما انھا قالوا عقل المرأة علی النصف من دية الرجل فی النفس و فیما دونھا (ص ۹۶ ج ۸)
یہ روایت انہی الفاظ میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ ص ۸۴ ج ۲
میں بھی موجود ہے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ امیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ
ذیل منقول ہے :

تستوی جماعات النساء والرجال في كل شيء (ص ۲ ج ۹)

یہ روایت ہم اوپر بھی مفصل نقل کر آئے ہیں، اگر ان حضرات کا یہی مذہب ہے جو المنتقی کی ناقص عبارات سے اخذ کیا جا رہا ہے تو کوئی منکر اجماع اسکا ماخذ پیش کرے۔ صاحب عبارت قاضی ابوالولید رحمہ اللہ تعالیٰ تو پانچویں صدی کے عالم ہیں، آخر ان تک حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ مذہب کس ذریعہ سے پہنچا؟

یہ لوگ جمہور اُمت سے تو آیت قرآن یا حدیث متواتر یا مشہور یا صحیح السند کا مطالبہ کر رہے تھے اور خود ایک ضعیف بلکہ غلط روایت پر اتنے مصر! اسے کہتے ہیں: ”دیوانہ بکار خویش ہمشیار“ حضرت امام ابو حنیفہ و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی ہم اوپر ہدایہ اور کتاب الام کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں، ان کے مذہب کی تمام مستند کتب میں یہی لکھا ہے، لہذا ان حضرات کی طرف بھی مساوات دیت کی نسبت سراسر غلط ہے، صاحب ہدایہ کے نقل کردہ الفاظ جو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی منسوب فرمائے ہیں ان پر دوبارہ غور کر لیا جائے:

”ودیۃ المرأة علی النصف من دیۃ الرجل“

یہ الفاظ خود المنتقی کی عبارت میں سہو ہونا بتا رہے ہیں۔

(۴) متقدمین میں ابو بکر الصم اور امام ابن علیہ کا مذہب بھی یہی تھا کہ وہ مرد و عورت کی دیت میں برابری کے قائل تھے چنانچہ المغنی لابن قدامة ص ۳۲ ج ۵ اور دیگر کتب میں اسکی تصریح موجود ہے۔

جواب :

یہ استشہاد درست ہے، ان دونوں کا یہی مذہب متعدد کتب میں منقول ہے، مگر یہاں چند باتیں قابل غور ہیں۔

اولیٰ یہ کہ ابو بکر بن صم جس کا اصل نام عبدالرحمن بن کیسان ہے، لسان المیزان ص ۳۴-۳۵ ج ۱ کے مطابق معتزلی ہے، اس کا ذکر معتزلہ کے طبقات ہی میں ملتا ہے، معتزلہ کے گمراہ کن عقائد کسی پر مخفی نہیں۔

ابن علیہ نام کے دو شخص ہیں :

ایک اسمعیل بن علیہ جو مشہور محدث اور امام شافعی وغیرہ کے استاذ ہیں۔

دوسرے ان کے بیٹے ابراہیم بن علیہ، یہ جہمی ہے جس کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں :

”هو ضال یضل الناس“

اس کے حالات بھی سان المیزان کے محولہ بالا مقام میں تحریر ہیں۔
یہ بات بظاہر بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مساوات دیت کا قول امام اسماعیل بن علیہ کا ہو، ورنہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ کیسے فرماتے:

لم اعلم مخالفاً من اهل العلم قدیماً ولا حديثاً.....

”میرے علم میں زمانہ قدیم و جدید کا کوئی صاحب علم نصف دیت کا مخالف نہیں“

کتاب الام کی یہ پوری عبارت ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔

بظاہر یہ قول مساوات ابراہیم بن علیہ جمہی کا ہے جو کسی درجہ میں بھی لائق اعتناء نہیں۔
دوسری بات یہ کہ جو لوگ جمہور امت سے صریح آیت قرآن یا صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں وہ خود اس قسم کے غیر ثقہ اور مجروح لوگوں کے قول سے استدلال کس برتتے پر کرتے ہیں جو علمی دنیا میں پر گاہ کی حیثیت نہیں رکھتا؟ لقد صدق من قال:

الغریق یتشبث بالحشیش

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے ساقط الاعتبار لوگوں کے سہارے کسی دعوے کی بنیاد کوئی علمی استدلال نہیں بلکہ آپ اپنی تردید کے مترادف ہے۔

تیسری بات یہ کہ المغنی لابن قدامة جس کے حوالہ سے یہ قول پیش کیا گیا ہے اسی میں یہ بھی لکھا ہے:

وهذا قول شاذ يخالف إجماع الصحابة رضي الله تعالى عنهم وسنة النبي صلى الله

عليه وسلم (ص ۵۳ ج ۹)

”یہ ایک شاذ قول ہے جو اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سنت نبویہ کے خلاف ہے“

اس تصریح کے بعد اب اسکی کیا حیثیت باقی رہ گئی؟ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

محمد ابراہیم

قائب مفتی دارالافتاء والارشاد

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

۳۷

استدراک :

دیت میں چاندی کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو روایتیں منقول ہیں، دس ہزار درہم اور بارہ ہزار درہم۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں روایتیں مع صورتِ تطبیق یوں نقل فرمائی ہیں :

قال محمد بن الحسن رحمه الله تعالى بلغنا عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه انه فرض على اهل الذهب الف دينار وعلى اهل الورق عشرة آلاف درهم۔

(حدثنا) بذلك ابو حنيفة رحمه الله تعالى عن الهيثم عن الشعبي عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه۔

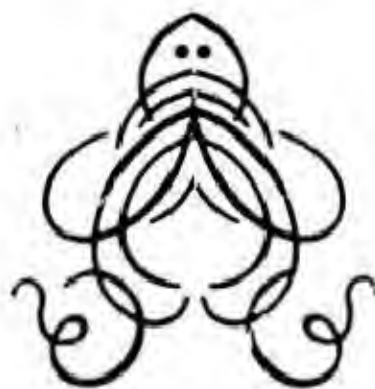
وقال اهل المدينة : ان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه فرض الدية على اهل الورق اثني عشر الف درهم۔

قال محمد رحمه الله تعالى : قد صدق اهل المدينة ان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه فرض الدية اثني عشر الف درهم ولكنه فرضها اثني عشر الف درهم وزن ستة (السان الكبير للبيهقي ص ۸۰ ج ۸)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ارشاد فرمودہ صورتِ تطبیق کا حاصل یہ ہے :

”درہم دو مختلف وزن کے رائج تھے، ان دونوں میں ۱۰ = ۱۲ کی نسبت تھی۔“

محمد ابراہیم
۹ رجب ۱۳۱۳ھ





دوست دشمن سب تھے مجھ و سب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے نہ کوئی قائل دل میں ہے
مجدوب

انوار الشیخ

فقیہ العصر، شیخ الحدیث، مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لُحیّہ لُحیّہ لُحیّہ

کے
نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات
جن کے مطالعہ سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب عظیم
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی
پاکستان چوک

ارشاد القاری المصحب البخاری

تألیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی
 یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقدیر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف
 موصوف نے کئی سال مسلسل دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس دیا،
 زیر نظر کتاب میں شروع کے پچاس صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی
 حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیت حدیث پر جو بحث اسمیں آگئی ہے وہ اپنے
 اصولی تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک
 منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر
 مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ مٹی پیدا
 جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار
 کے ساتھ سمزدیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک
 دکھی جاسکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور
 بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروح و امالی میں
 نہیں ملتے۔ (اقتباس از ماضیہ البلاغ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ صفحہ ۶۱) قیمت

سید کیمپنی ادب منزل کراچی
 پاکستان چوک